ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ

آسان تفسیر القرآن

تفسیرِ ربّانی

تالیف وترتیب

حضرت مولانا مفتی اصغر علی ربانی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
استاذ و مفتی دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی

جلد دوم

سورۃ آلِ عمران و سورۃ النساء

مکتبہ ربانیہ کراچی
Islamic Studies Publishers
Karachi-Pakistan

مکتبہ ربانیہ کراچی

ISLAMIC STUDIES PUBLISHERS

٣

آسان تفسیر القرآن

Islamic Studies Publishers
Karachi-Pakistan

جملہ حقوق بحق مکتبۂ ربانیہ محفوظ ہیں۔

باہتمام : عبیدالرحمٰن ربانی
جلد دوم : سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرَان و سُوْرَۃُ النِّسَاء
طبع اوّل : ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ بمطابق اگست 2018ء
ناشر : مکتبۂ ربانیہ کراچی

فون : 0314-6107967
0302-2426288
(92-21) 35031011

ای میل

rabbaniglobal@yahoo.com
ibnerabbani@gmail.com

عرض ناشر

الحمدللہ!! اگرچہ مکتبۂ ربانیہ نے

آسان تفسیر القرآن

کی تصحیح وطباعت میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے، لیکن کبھی کبھی کتابت، طباعت اور جلد سازی میں غلطی ہو جاتی ہے، اگر کسی صاحب کو ایسی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

(ادارہ)

ضروری انتباہ!!

اس کتاب کے جملہ حقوق کاپی رائٹ آفس میں رجسٹرڈ ہیں۔ اس کتاب کی کتابت، تدوین وترتیب اور کسی بھی طریقے سے کاپی کرنا ''کاپی رائٹ ایکٹ 1962ء'' کے تحت قابل تعزیر جرم ہے اور اس کی خلاف ورزی پر بطور رجسٹرڈ کاپی رائٹ مالک (Owner) قانونی کارروائی کی جائے گی۔

(ادارہ)

ملنے کا پتہ

مکتبۂ ربانیہ کراچی
131/30 سیکٹر 36/A زیڈ ون کے ایریا کورنگی کراچی
نزد جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

- ادارۃ المعارف، جامعہ دارالعلوم کراچی
- بیت القرآن، اردو بازار کراچی
- دارالاشاعت، اردو بازار کراچی
- مکتبہ معارف القرآن، جامعہ دارالعلوم کراچی
- ادارہ اسلامیات، اردو بازار کراچی
- مکتبہ فہم دین (جامع مسجد بیت السلام ڈیفنس)

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

آسان تفسیر القرآن

تفسیرِ ربّانی

تالیف وترتیب

حضرت مولانا مفتی اصغر علی ربانی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
استاذ و مفتی دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی ۱۴

جلد دوم

سورۃ اٰل عمران و سورۃ النساء

مکتبہ ربانیہ کراچی
131/30 سیکٹر 36/A ذیل روم کے ایریا کورنگی کراچی
نزد جامعہ دار العلوم کراچی ۱۴

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست آسان تفسیر القرآن (جلد دوم)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	سورۃ آل عمران	
۱	سورۂ آلِ عمران کا تعارف	۲۷
۲	اللہ تعالیٰ کی صفتیں	۲۹
۳	شانِ نزول	۲۹
۴	قرآن مجید اور پہلی کتابیں	۳۱
۵	اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں	۳۲
۶	محکم اور متشابہ آیتیں	۳۴
۷	محکمات و متشابہات	۳۵
۸	دو دعائیں	۳۷
۹	دین پر قائم رہنے کی دعا	۳۸
۱۰	ایک تنبیہ!	۳۹
۱۱	اللہ تعالیٰ کی مدد	۴۰
۱۲	دنیا کی چیزوں سے محبت	۴۲
۱۳	خدا ترس لوگوں کیلئے اجر	۴۵
۱۴	پرہیزگاروں کی خوبیاں	۴۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۵	خدا تعالیٰ کی خدائی کی گواہی	۴۸
۱۶	پسندیدہ دین اسلام ہے	۴۹
۱۷	اختلاف کی وجہ	۵۰
۱۸	پیغمبر کا فرض صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا ہے	۵۱
۱۹	کافروں کے عمل	۵۲
۲۰	عیسائیوں کا جھوٹا عقیدہ	۵۴
۲۱	آخرت کا انجام	۵۶
۲۲	اللہ تعالیٰ کا اختیار وقدرت	۵۷
۲۳	بادشاہت دینے اور چھیننے کی ایک مثال	۵۹
۲۴	اللہ تعالیٰ کی قدرت	۶۰
۲۵	کافروں سے دوستی	۶۱
۲۶	کافروں کیساتھ مسلمانوں کے تعلقات کیسے ہونے چاہئیں؟ (ایک تحقیقی مضمون)	۶۳
۲۷	کافروں کی پشیمانی	۶۵
۲۸	پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی	۶۶
۲۹	پیغمبروں کا سلسلہ	۶۸
۳۰	حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش	۷۰
۳۱	احکام ومسائل	۷۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۳۲	حضرت مریم علیہا السلام کی پرورش	۷۲
۳۳	حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا	۷۴
۳۴	حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش	۷۶
۳۵	ایک اشکال اور اس کا جواب	۷۷
۳۶	حضرت مریم علیہا السلام کا درجہ	۷۸
۳۷	حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت	۸۰
۳۸	حضرت مریم علیہا السلام کی پرورش کا تفصیلی واقعہ	۸۱
۳۹	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری	۸۳
۴۰	اللہ تعالیٰ کے حکم سے بن شوہر کے بیٹا	۸۴
۴۱	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے	۸۶
۴۲	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم	۸۹
۴۳	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری (ساتھی)	۹۱
۴۴	حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے وعدے	۹۳
۴۵	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال	۹۷
۴۶	مُباہلہ	۹۸
۴۷	مباہلہ کی حقیقت	۱۰۰
۴۸	سچا واقعہ	۱۰۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۴۹	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ زمین پر اترنا	۱۰۲
۵۰	یکجہتی کی دعوت	۱۰۳
۵۱	اہل کتاب کو تنبیہ!	۱۰۴
۵۲	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مسلک	۱۰۶
۵۳	اہل کتاب کی گمراہیاں	۱۰۷
۵۴	منافق اہل کتاب	۱۰۹
۵۵	اہل کتاب کی جلن	۱۱۱
۵۶	امانت دار اور خیانت کار اہل کتاب	۱۱۳
۵۷	عہد کی تعریف	۱۱۵
۵۸	لالچیوں کی سزا	۱۱۶
۵۹	اہل کتاب کی دھوکہ بازی	۱۱۷
۶۰	یہ پیغمبر کا کام نہیں	۱۱۹
۶۱	پیغمبروں کا عہد	۱۲۱
۶۲	سچے دین کی مخالفت	۱۲۳
۶۳	پیغمبروں کا سلسلہ	۱۲۴
۶۴	اسلام کے سوا دین	۱۲۶
۶۵	ہدایت سے کورے	۱۲۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
٦٦	ظالموں پر لعنت	۱۲۸
٦٧	قابل قبول توبہ اور نا قابل قبول توبہ	۱۲۹
٦٨	احکام ومسائل	۱۳۱
٦٩	فدیہ ہرگز قبول نہ ہوگا	۱۳۱
۷۰	سورہ آل عمران کی آیتوں کا خلاصہ	۱۳۳
۷۱	عمدہ نیکی کا معیار	۱۳۴
۷۲	احکام ومسائل	۱۳٦
۷۳	بنی اسرائیل میں حلال وحرام	۱۳۷
۷۴	اللہ تعالیٰ پر بہتان	۱۳۸
۷۵	ابراہیم علیہ السلام کی ملّت کی پیروی	۱۴۱
۷٦	پہلی عبادت گاہ خانہ کعبہ	۱۴۳
۷۷	بیت اللہ کا حج	۱۴٦
۷۸	خانہ کعبہ کی تعمیر کی تاریخی حقیقت	۱۴۷
۷۹	اہل کتاب کا انکار	۱۴۹
۸۰	اہل کتاب کا کہنا نہ مانو	۱۵۰
۸۱	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی	۱۵۱
۸۲	شانِ نزول	۱۵۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۸۳	اسلام پر جینا اور اسلام پر مرنا	۱۵۲
۸۴	تقویٰ کا حق کیا ہے؟	۱۵۳
۸۵	اللہ تعالیٰ کی رسّی کو تھامو	۱۵۴
۸۶	بھائی چارہ	۱۵۶
۸۷	نیک لوگ	۱۵۸
۸۸	فرقہ بندی	۱۵۹
۸۹	حق پر کون ہونگے؟	۱۶۰
۹۰	علماء کرام کیلئے خصوصی مضمون اجتہادی اختلاف "وَلَا تَفَرَّقُوْا" کے خلاف نہیں	۱۶۰
۹۱	ایک اہم بات	۱۶۲
۹۲	بدکردار سیاہ چہرے	۱۶۳
۹۳	چہرے کی سفیدی اور سیاہی سے کیا مراد ہے؟	۱۶۴
۹۴	نورانی چہرے	۱۶۴
۹۵	اللہ تعالیٰ کی آیتیں سچی ہیں	۱۶۵
۹۶	بہترین اُمّت	۱۶۶
۹۷	اہل کتاب کو نصیحت	۱۶۷
۹۸	اہل کتاب پر اللہ تعالیٰ کا عذاب	۱۶۸
۹۹	آیت کے اس حصہ میں فرمایا کہ اس صورت حال کی چند وجوہات تھیں:	۱۶۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۰۰	موجودہ اسرائیلی حکومت سے شبہ کا جواب	۱۷۰
۱۰۱	سب اہل کتاب برابر نہیں	۱۷۲
۱۰۲	اللہ تعالیٰ کے ہاں بچاؤ	۱۷۴
۱۰۳	کافروں کا مال خرچ کرنا	۱۷۵
۱۰۴	بیگانے راز دار	۱۷۷
۱۰۵	شانِ نزول	۱۷۷
۱۰۶	اہل کتاب سے دوستی	۱۷۹
۱۰۷	اہل کتاب کا حسد	۱۸۱
۱۰۸	غزوۂ اُحد	۱۸۲
۱۰۹	غزوۂ اُحد، جنگ کا نقشہ	۱۸۴
۱۱۰	بدر کی جیت	۱۸۵
۱۱۱	فرشتوں کی مدد	۱۸۷
۱۱۲	اُحد کی جنگ میں کافروں کیساتھ انکی عورتوں کی شمولیت	۱۸۸
۱۱۳	ہار جیت کا مدار لڑنے والوں کی کمی زیادتی پر نہیں	۱۸۸
۱۱۴	غیبی مدد کا مقصد	۱۸۹
۱۱۵	اللہ تعالیٰ کا اختیار	۱۹۱
۱۱۶	شانِ نزول	۱۹۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۱۷	سود سے منع	۱۹۳
۱۱۸	سود خوروں کی سزا	۱۹۵
۱۱۹	نیکی میں جلدی	۱۹۶
۱۲۰	پرہیز گاروں کی خوبیاں	۱۹۷
۱۲۱	پرہیز گاروں کا بدلہ	۱۹۹
۱۲۲	پرہیز گاروں کیلئے عبرت	۲۰۰
۱۲۳	مسلمانوں کا غلبہ	۲۰۱
۱۲۴	کبھی فتح کبھی شکست	۲۰۲
۱۲۵	جنّت کے داخلہ کی شرط	۲۰۴
۱۲۶	حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے پیغمبر ہیں، خدا نہیں	۲۰۶
۱۲۷	دنیا اور آخرت میں بدلہ	۲۰۸
۱۲۸	پیغمبر اور اُن کے ساتھی	۲۰۹
۱۲۹	اللہ والوں کی دعا	۲۱۰
۱۳۰	کافروں کا کہانہ مانو	۲۱۲
۱۳۱	اسلام کا رُعب	۲۱۳
۱۳۲	مسلمانوں کی آزمائش	۲۱۵
۱۳۳	ایک ضروری تنبیہ!	۲۱۶
۱۳۴	غم کے بدلے غم	۲۱۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۳۵	اللہ تعالیٰ کی رحمت	۲۱۹
۱۳۶	اُحد کے مصائب سزا نہیں بلکہ آزمائش تھے	۲۲۳
۱۳۷	عفو ودرگذر کا بے مثال معاملہ	۲۲۳
۱۳۸	عام مسلمانوں کیلئے سبق	۲۲۴
۱۳۹	منافقوں کی چال	۲۲۴
۱۴۰	زندگی اور موت کا مسئلہ	۲۲۶
۱۴۱	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نرم مزاجی	۲۲۷
۱۴۲	مشوروں کی شرعی حیثیت	۲۲۸
۱۴۳	مشورہ کی برکت	۲۳۰
۱۴۴	عورتوں سے مشورہ	۲۳۱
۱۴۵	جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے	۲۳۱
۱۴۶	کن کاموں میں مشورہ ہوگا اور کن کاموں میں نہیں	۲۳۱
۱۴۷	اللہ تعالیٰ کی مدد	۲۳۲
۱۴۸	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیانت سے پاک ہے	۲۳۳
۱۴۹	سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے مال کا حکم	۲۳۵
۱۵۰	پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھیجنے کا مقصد	۲۳۶
۱۵۱	امتحان کا شکوہ	۲۳۹
۱۵۲	آزمائش کا مقصد	۲۴۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۵۳	منافقوں کی بہانہ بازی	۲۴۱
۱۵۴	شہید زندہ ہیں	۲۴۳
۱۵۵	شانِ نزول	۲۴۴
۱۵۶	شہیدوں کے بارے احکام ومسائل	۲۴۵
۱۵۷	شہیدوں کے فضائل ودرجات	۲۴۵
۱۵۸	ہیبت کی بجائے ایمان	۲۴۶
۱۵۹	شانِ نزول	۲۴۷
۱۶۰	"حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ" کی فضیلتیں	۲۴۹
۱۶۱	توکل کی تعریف	۲۴۹
۱۶۲	شیطان کا ڈراوا	۲۵۰
۱۶۳	ایمان کے بدلے کفر	۲۵۱
۱۶۴	اللہ تعالیٰ کی حکمت	۲۵۲
۱۶۵	کنجوسی کا انجام	۲۵۳
۱۶۶	کنجوسی اور اس کے شرعی احکام	۲۵۵
۱۶۷	یہودیوں کی گستاخی	۲۵۶
۱۶۸	یہودیوں کی بیکار بحث	۲۵۸
۱۶۹	حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی قربانی کا ذکر	۲۶۰
۱۷۰	حضرت الیاس علیہ السلام کی قربانی	۲۶۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۷۱	موت کا مزہ	۲۶۱
۱۷۲	جان و مال کی آزمائش	۲۶۲
۱۷۳	اہل کتاب کا عہد	۲۶۳
۱۷۴	جھوٹی خوش فہمیاں	۲۶۵
۱۷۵	اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں غور و فکر	۲۶۶
۱۷۶	سچا دین قبول کرنے والوں کی پکار صحیح ہے	۲۶۹
۱۷۷	نیک لوگ کا بدلہ	۲۷۰
۱۷۸	نیک عملوں اوران کے ثواب میں مرد و عورت میں کچھ فرق نہیں	۲۷۲
۱۷۹	کافروں کی خوش حالی	۲۷۴
۱۸۰	کامیابی کے اُصول	۲۷۷
۱۸۱	سورۂ آلِ عمران پر ایک نظر	۲۸۲
	سورة النسآء	
۱	انسانوں کی پیدائش	۲۸۴
۲	انسان کی تخلیق کی ابتداء	۲۸۵
۳	حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش	۲۸۶
۴	صلہ رحمی کی برکتیں	۲۸۶
۵	صلہ رحمی کا صلہ جنت	۲۸۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۶	صدقہ اور صلہ رحمی	۲۸۷
۷	قطع رحمی پر جنت سے محرومی	۲۸۷
۸	یتیموں کا مال	۲۸۸
۹	کئی شادیاں	۲۹۱
۱۰	شانِ نزول	۲۹۱
۱۱	چار بیویوں سے زیادہ کی ممانعت	۲۹۶
۱۲	لونڈی غلام کا مسئلہ	۲۹۹
۱۳	یتیم لڑکیوں کے نکاح کا مسئلہ	۲۹۹
۱۴	حق مہر	۳۰۰
۱۵	مہر کے شرعی حکم	۳۰۲
۱۶	یتیموں کی تربیّت	۳۰۵
۱۷	ہوشیاری کی مدّت	۳۰۸
۱۸	یتیم کا سرپرست اس کے مال میں سے کھانے، پینے اور پہننے کی حد تک ضرورت کے مطابق کچھ لے سکتا ہے۔	۳۰۹
۱۹	اوقاف اور دوسری ملکی اور ملی خدمات کا معاوضہ	۳۰۹
۲۰	میراث اور ترکہ کے حصّہ دار	۳۱۰
۲۱	یتیموں مسکینوں کی آو بھگت	۳۱۳
۲۲	یتیم بچے بچیوں کو اپنی اولاد کی طرح قیاس کرو	۳۱۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲۳	ترکہ میں مردوں اور عورتوں کے حصّے	۳۱۶
۲۴	والدین کا حصہ	۳۱۷
۲۵	میاں بیوی کا حصہ	۳۲۳
۲۶	کلالہ کا حصّہ	۳۲۴
۲۷	وصیت اور قرض	۳۲۵
۲۸	مقررہ حصّوں کے مطابق تقسیم کرنے کی تاکید	۳۲۸
۲۹	حدود اللہ	۳۲۹
۳۰	"معتدہ" کی میراث	۳۳۰
۳۱	بدکار عورتوں کی سزا	۳۳۱
۳۲	بدکار مردوں کی سزا	۳۳۳
۳۳	توبہ	۳۳۴
۳۴	کیا جان بوجھ کر کیا ہوا گناہ معاف نہیں ہوتا	۳۳۶
۳۵	جھوٹی توبہ	۳۳۷
۳۶	مجرموں سے برتاؤ	۳۳۹
۳۷	مہر کی ادئیگی	۳۴۲
۳۸	کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مہر کی تعداد	۳۴۳
۳۹	ماؤں کا احترام	۳۴۴
۴۰	محرم عورتیں	۳۴۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۴۱	رضاعت کی مدّت	۳۴۹
۴۲	رضاعت کے دوسرے مسئلے	۳۴۹
۴۳	رضاعی ماں کا احترام	۳۵۱
۴۴	دوسری محرم عورتیں	۳۵۱
۴۵	نکاح کی شرائط	۳۵۴
۴۶	احکام و مسائل	۳۵۷
۴۷	مہر اور آپس میں رضامندی	۳۵۸
۴۸	متعہ کا حرام ہونا	۳۵۹
۴۹	لونڈیوں سے نکاح	۳۵۹
۵۰	باندیوں سے نکاح کی شرطیں	۳۶۱
۵۱	اللہ تعالیٰ کیا چاہتے ہیں؟	۳۶۴
۵۲	مسلمان کی جان و مال	۳۶۷
۵۳	کبائر سے گریز	۳۷۰
۵۴	کبیرہ گناہ	۳۷۲
۵۵	حسد	۳۷۴
۵۶	وارثوں کی نامزدگی	۳۷۷
۵۷	مردوں کو عورتوں پر فضیلت	۳۷۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۵۸	سرکش عورتوں کی اصلاح	۳۸۱
۵۹	مصالحت اور پنچائت	۳۸۳
۶۰	حقوق العباد	۳۸۵
۶۱	دکھاوا کرنے والا کنجوس	۳۸۸
۶۲	دکھاوا کرنے والے کنجوس، غور کریں!	۳۹۱
۶۳	قیامت کے دن کافروں کی حسرت	۳۹۳
۶۴	نشہ اور نماز	۳۹۶
۶۵	احکام ومسائل	۳۹۷
۶۶	تیمم	۳۹۷
۶۷	یہودیوں کا برا ارادہ	۳۹۹
۶۸	یہودیوں کی چالاکیاں	۴۰۱
۶۹	بہتر طریقہ	۴۰۳
۷۰	اس آیت سے تین باتیں بالکل ظاہر ہو جاتی ہیں	۴۰۴
۷۱	یہودیوں کو ایمان کی دعوت	۴۰۴
۷۲	مشرک کی بخشش نہیں	۴۰۶
۷۳	ہمارے ماحول میں شرک کی کچھ جھلکیاں	۴۰۶
۷۴	جھوٹ اور بہتان	۴۰۷
۷۵	اپنی تعریف اور عیبوں سے پاک ہونے کا دعویٰ جائز نہیں	۴۰۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۷۶	احکام ومسائل	۴۱۰
۷۷	طاغوت اور بتوں کے فرمانبردار	۴۱۰
۷۸	نفسیاتی خواہشات بعض اوقات آدمی کو دین سے محروم کردیتی ہے	۴۱۳
۷۹	لعنت کے احکام	۴۱۳
۸۰	احکام ومسائل	۴۱۴
۸۱	یہودیوں کی محرومی	۴۱۴
۸۲	دوزخ کا عذاب	۴۱۶
۸۳	جنت کی نعمتیں	۴۱۸
۸۴	امانتیں اور عدل وانصاف	۴۲۰
۸۵	احکام ومسائل	۴۲۲
۸۶	کس کی فرمانبرداری لازمی ہے؟	۴۲۳
۸۷	فرمانبرداری کے تین درجات	۴۲۴
۸۸	اختلاف کی صورت میں فیصلہ	۴۲۵
۸۹	پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ	۴۲۷
۹۰	پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کے بعد	۴۲۸
۹۱	صحیح طرز عمل	۴۳۰
۹۲	سماع موتی' (مُردے سنتے ہیں یا نہیں؟)	۴۳۲
۹۳	ایمان کی کسوٹی	۴۳۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۹۴	پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کو قبول کرنا تین اعتبار سے ہوگا	۴۳۴
۹۵	پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرنا کفر ہے	۴۳۶
۹۶	شرعی حکم مشکل نہیں	۴۳۶
۹۷	اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندے	۴۳۹
۹۸	جہاد کیلئے تیار رہو	۴۴۲
۹۹	جہاد اور اسکا اجر	۴۴۵
۱۰۰	مظلوموں کی مدد میں جہاد	۴۴۶
۱۰۱	احکام و مسائل	۴۴۸
۱۰۲	مسلمانوں اور کافروں کی جنگ	۴۴۸
۱۰۳	لڑائی سے ڈرنے والے	۴۴۹
۱۰۴	موت سے بچنا ممکن نہیں	۴۵۱
۱۰۵	عملوں کا بدلہ	۴۵۳
۱۰۶	پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری	۴۵۵
۱۰۷	پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف سازشیں	۴۵۶
۱۰۸	قرآن کریم کے سچا ہونے کی دلیل	۴۵۸
۱۰۹	بے تحقیق افواہیں	۴۵۹
۱۱۰	جہاد اور اسکی ترغیب	۴۶۱
۱۱۱	شانِ نزول	۴۶۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۱۲	احکام ومسائل	۴۶۳
۱۱۳	نیکی کا بدلہ	۴۶۴
۱۱۴	سلام کے احکام	۴۶۷
۱۱۵	احکام ومسائل	۴۶۷
۱۱۶	ایمان کا معیار	۴۶۸
۱۱۷	ہجرت کی تین قسمیں	۴۷۰
۱۱۸	منافقوں سے جنگ	۴۷۱
۱۱۹	صلح توڑنے والوں سے جنگ	۴۷۲
۱۲۰	غلطی سے مسلمان کو قتل کرنے کی سزا	۴۷۴
۱۲۱	غلطی سے یا جان بوجھ کر قتل کرنے کی سزا	۴۷۷
۱۲۲	جہاد میں قتل کے اندر احتیاط	۴۸۰
۱۲۳	شان نزول	۴۸۱
۱۲۴	اہل قبلہ کو کافر نہ کہنے کا مطلب	۴۸۳
۱۲۵	مجاہدوں کے درجے	۴۸۴
۱۲۶	مظلوموں کیلئے ہجرت	۴۸۸
۱۲۷	اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہجرت کرنے والے	۴۹۱
۱۲۸	احکام ومسائل	۴۹۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۲۹	سفر میں نمازِ قصر	۴۹۴
۱۳۰	احکام ومسائل	۴۹۶
۱۳۱	نمازِ خوف	۴۹۷
۱۳۲	احکام ومسائل	۴۹۹
۱۳۳	احتیاط ضروری ہے	۵۰۰
۱۳۴	نماز کے سوا اللہ کا ذکر	۵۰۲
۱۳۵	دشمن کو ڈھیل نہ دو	۵۰۵
۱۳۶	طرفداری کے بغیر انصاف	۵۰۷
۱۳۷	ایک علمی نکتہ	۵۱۰
۱۳۸	احکام ومسائل	۵۱۰
۱۳۹	مجرموں کی کوئی حمایت نہیں	۵۱۱
۱۴۰	استغفار	۵۱۳
۱۴۱	احکام ومسائل	۵۱۴
۱۴۲	بہتان اور تہمت	۵۱۵
۱۴۳	پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان	۵۱۶
۱۴۴	سرگوشی	۵۱۸
۱۴۵	پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالفین	۵۲۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۴۶	شرک نا قابل معافی	۵۲۳
۱۴۷	مشرکوں کا شرک	۵۲۵
۱۴۸	شیطان کے ہتھکنڈے	۵۲۸
۱۴۹	اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ	۵۲۹
۱۵۰	آرزوؤں پر فیصلے نہیں ہوتے	۵۳۱
۱۵۱	اسلام اور ابراہیم علیہ السلام کا دین	۵۳۴
۱۵۲	انصاف قائم کرنا	۵۳۶
۱۵۳	بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ	۵۳۹
۱۵۴	بیویوں کے درمیان عدل شرط ہے	۵۴۱
۱۵۵	خدا کا خوف	۵۴۴
۱۵۶	دونوں جہانوں کے ثواب اللہ کے پاس ہیں	۵۴۶
۱۵۷	گواہی	۵۴۷
۱۵۸	ایمان والوں سے ایمان پر قائم رہنے کا مطالبہ	۵۴۹
۱۵۹	منافقوں کا لڑکھڑاتا ہوا یقین	۵۵۲
۱۶۰	منافقوں کی دو قسمیں: (۱)....اعتقادی منافق (۲)....عملی منافق	۵۵۴
۱۶۱	احکام و مسائل	۵۵۵
۱۶۲	بُری مجلس کا بائیکاٹ	۵۵۶
۱۶۳	احکام و مسائل	۵۵۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۶۴	منافقوں کے دوغلے پن کی مثال	۵۵۸
۱۶۵	منافقوں کی پہچان	۵۶۰
۱۶۶	تفسیر: ان آیتوں میں منافقوں کی مندرجہ ذیل پانچ ظاہری علامتیں بیان کی گئی ہیں:	۵۶۱
۱۶۷	کافروں کی دوستی	۵۶۲
۱۶۸	نجات کا راستہ	۵۶۴
۱۶۹	عمدہ اخلاق کی تعلیم	۵۶۶
۱۷۰	مکمل کفر	۵۶۹
۱۷۱	نجات کا دارومدار اسلام میں ہے، کسی اور مذہب میں نجات نہیں ہوسکتی۔	۵۷۰
۱۷۲	ایمان والوں کے درجے	۵۷۱
۱۷۳	اہل کتاب کے سوال	۵۷۳
۱۷۴	یہودیوں کی زیادتیاں	۵۷۵
۱۷۵	احکام ومسائل	۵۷۸
۱۷۶	یہودیوں کی بدعملیاں	۵۷۹
۱۷۷	حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہودیوں کا رویہ	۵۸۰
۱۷۸	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی اور موت	۵۸۳
۱۷۹	یہودیوں پر سختی	۵۸۵
۱۸۰	بہت بڑا ثواب	۵۸۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۸۱	اللہ تعالیٰ کی وحی	۵۸۹
۱۸۲	اللہ تعالیٰ کی گواہی	۵۹۲
۱۸۳	کافروں کیلئے دوزخ	۵۹۵
۱۸۴	آخری پیغمبر کی آمد	۵۹۶
۱۸۵	اہل کتاب کو نصیحت	۵۹۸
۱۸۶	”كَلِمَةُ اللهِ“ کی علمی تحقیق	۶۰۰
۱۸۷	”وَرُوحٌ مِّنْهُ“ کی چند تفسیریں	۶۰۱
۱۸۸	اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اقرار	۶۰۳
۱۸۹	ایمان اور کفر کی جزا اور سزا	۶۰۴
۱۹۰	اللہ تعالیٰ کی دلیل	۶۰۶
۱۹۱	میراث کے باقی حکم	۶۰۸
۱۹۲	”سورۃ النساء“ پر ایک نظر	۶۰۹

سورۂ آلِ عمران کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے اس میں دوسو آیتیں اور بیس رکوع ہیں اس سورت میں عمران کی اولاد کا ذکر ہے، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: عمران دو ہیں ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد اور دوسرے حضرت مریم علیہا السلام کے والد چونکہ اس سورۃ میں زیادہ تر حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے اس لئے یہاں عمران سے مراد حضرت مریم علیہا السلام کے والد ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد عمران پیغمبر نہیں تھے اور حضرت مریم علیہا السلام کے والد عمران بھی پیغمبر نہیں تھے البتہ یہ دونوں حضرات نیک اور ایماندار تھے تاہم حضرت مریم علیہا السلام کے والد عمران بیت المقدس کے امام تھے، ہاں! حضرت مریم علیہا السلام کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے۔

شانِ نزول: "سورۂ آلِ عمران" کے شان نزول کے بارے میں آتا ہے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے، دین کی روشنی دور دور تک پھیلی مگر مدینہ کے آس پاس کے یہودی اللہ تعالیٰ کا سچا دین آنے پر حق سے انکاری ہو گئے، نجران کے عیسائیوں کی ایک جماعت مناظرہ کیلئے آئی، نجران عرب کے جنوب میں یمن کے ایک علاقے کا نام ہے ان دنوں یہاں عیسائیوں کی آبادی تھی، یہ جماعت سات افراد کی تھی جن میں سے بڑے بڑے لوگ تھے جن میں تین آدمی مشہور ہیں:

(۱)... عبدالمسیح عاقب، دولت اور سرداری کے لحاظ سے بڑا مشہور تھا۔

(۲).... ایہم السید، رائے اور تدبیر کے لحاظ سے بڑا مشہور تھا۔

(۳).... ابوحارثہ بن علقمہ، مذہبی عالم ہونے کے لحاظ سے بڑا مشہور تھا۔

یہ تیسرا شخص عرب کے مشہور قبیلہ "بنی بکر بن وائل" سے تعلق رکھتا تھا روم کے بادشاہوں نے اسکی مذہبی علمیت، بزرگی اور شرافت کو دیکھتے ہوئے بہت عزت کی، بہت سا مال خرچ کر کے گرجے تعمیر کئے اور اسے مذہبی امور کے اعلیٰ عہدہ پر مقرر کیا یہ لوگ مدینہ پہنچے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تفصیلی گفتگو کی۔

مؤرخین کے اقوال، سیرت کی کتابوں اور حدیث کی کتابوں سے نجران کے وفد کے آنے کا ایک مقصد یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ خود کو مسلمانوں سے بچانا چاہتے تھے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب مکہ فتح ہو کر عرب کی پوری سرزمین اور یمن کے کچھ علاقے بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آچکے تھے اور نجران کے یہ عیسائی بھی مسلمانوں سے ڈرے ہوئے تھے، اُدھر مدینہ طیبہ کے گرد یہودیوں کی اکثریت تھی جن میں تین خاندان بنوقریظہ، بنونضیر اور بنوقینقاع خاص طور پر قابل ذکر ہیں یہ لوگ سود خور تھے اور سازشی ذہن رکھتے تھے، ان کی اسی خباثت کی وجہ سے ان میں سے دو قبیلوں یعنی بنونضیر اور بنوقینقاع کو مدینہ سے نکال دیا گیا تھا، تیسرے قبیلے بنوقریظہ کا فیصلہ جنگ خندق کے بعد کیا گیا تھا ان لوگوں نے اس جنگ میں مسلمانوں کیساتھ غداری کی تھی چنانچہ جنگ کے بعد ان کا مسئلہ پیش ہوا کہ وہ اپنی سزا خود ہی بتائیں، انہوں نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اس سلسلے میں فیصلہ کرنے کیلئے مقرر کیا جنہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ ان کے تمام مردوں کو جن کی تعداد چار سو یا چھ سو تھی قتل کر دیا جائے ان کی عورتوں کو لونڈی اور ان کے بچوں کو غلام بنالیا جائے اور ان کے مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جائیں چنانچہ اس فیصلے پر عمل کر کے ان کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر دیا گیا اس موقعہ پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: سعد کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ہے۔

ان تاریخی واقعات سے نجران کے عیسائی بہت زیادہ ڈرے ہوئے تھے کہ کہیں مسلمان ان کیساتھ بھی یہودیوں جیسا سلوک نہ کریں لہٰذا انہوں نے اس وفد کے ذریعے مسلمانوں سے صلح کرنے اور ان سے امان حاصل کرنے کی کوشش کی اور جزیہ ادا کر کے مسلمانوں کے ماتحت ہو کر اپنے ہی علاقے میں آباد رہنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

"سورۂ آلِ عمران" کے آخری حصے میں اسلامی تاریخ کے دو اہم واقعات بیان کئے گئے ہیں یعنی غزوۂ بدر اور غزوۂ احد جو ۲ھ اور ۳ھ، میں پیش آئے۔

اٰیاتھا — ۲۰۰ سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ رکوعاتھا — ۲۰

سورہ آل عمران مدنی ہے اسکی دوسو آیتیں اور بیس رکوع ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝

الٓمّٓ (۱) اللہ نہیں معبود مگر وہ زندہ ہیں تھامنے والے ہیں (۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ الٓمّٓ (۱) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہیں سب کو تھامنے والے ہیں۔ (۲)

شانِ نزول

اسکے شانِ نزول کے بارے میں آتا ہے کہ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد مدینہ منورہ پہنچ کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مانتے تھے، کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے اور کچھ تین خداؤں کا عقیدہ رکھتے تھے، گفتگو شروع ہوئی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دلیلوں سے ثابت کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے تھے، خدا یا خدا کے بیٹے نہیں تھے، نیز پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ: عیسائیوں کا یہ عقیدہ بھی بے بنیاد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی اور انہوں نے تڑپ تڑپ کر جان دی۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہیں، یعنی: ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے اس کو کبھی موت نہیں آئے گی اور وہی ساری کائنات کو تھامے ہوئے ہیں، اس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا، اس کے برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام یقیناً وفات پائیں گے اور ظاہر ہے جو اپنی ہستی کو برقرار نہ رکھ سکے دوسری مخلوق کو کیسے قائم رکھ سکتا

ہے جبکہ اللہ تعالیٰ تعالیٰ کی ذات قیوم ہے، یعنی: وہ خود بھی قائم ہیں اور دوسروں کو قائم رکھنے والے بھی ہیں۔

یہ سن کر وہ سب لاجواب ہو گئے پھر آپ نے فرمایا: اگر اب بھی تمہارے دل میں شک رہ گیا ہے تو آؤ ہم اور آپ اپنی اپنی اولاد کو لے کر باہر نکلیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جھوٹے پر اس کی لعنت ہو انہوں نے کہا کہ اسکا جواب مشورہ کر کے دیں گے، چنانچہ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور آپس میں کہا کہ یہ شخص خدا کا پیغمبر ہے اگر ہم اسکا یوں مقابلہ کریں گے تو ہم پر خدا کا غضب ٹوٹ پڑیگا، بہتر یہی ہے کہ ان سے صلح کر لو اور اپنے گھر واپس چلو سو وہ صلح کے بعد واپس نجران لوٹ گئے۔

تفسیر

الٓمّٓ: حروف مقطعات میں سے ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے عقیدوں کے غلط ہونے کو بیان کیا ہے، ان کے تین عقیدے مشہور تھے:

اوّل: تثلیث کا عقیدہ یعنی: اللہ تعالیٰ تعالیٰ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس تینوں مل کر اللہ تعالیٰ بنتے ہیں۔

دوم: مسیح یعنی: حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں اور وہ انسان کی شکل میں آئے ہیں۔

سوم: مسیح یعنی: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ: سے پہلا عقیدہ غلط ثابت ہو گیا، پھر "حیّ اور قیّوم" کے ذریعہ دوسرے اور تیسرے عقیدے کو غلط ثابت کیا کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئے گویا وہ اپنی پیدائش میں عورت کے محتاج ہوئے اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وفات پانا ہے تو وہ قیوم نہیں ہو سکتے، لہٰذا وہ خدا بھی نہیں۔

قرآن مجید اور پہلی کتابیں

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ اَنْزَلَ
اتاری پر آپ کتاب ساتھ حق کے تصدیق کرنیوالی ہے جو درمیان ہے ہاتھوں اسکے اور اتارا

التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ ﴿۳﴾ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۵ۭ
تورات اور انجیل کو (۳) سے پہلے ہدایت لئے لوگوں کے اور اتارا فیصلے کیلئے

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَ اللّٰهُ
بیشک جو منکر ہوئے ساتھ آیتوں اللہ کے واسطے انکے عذاب سخت اور اللہ

عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴﴾
زبردست ہے بدلہ لینے والا (۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ آپ پر سچی کتاب اتاری جو تصدیق کرتی ہے پہلی کتابوں کی اور "انجیل اور تورات" کو اتارا۔ (۳) اس کتاب سے پہلے لوگوں کی ہدایت اور فیصلے کیلئے اتارا، بیشک جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکاری ہوئے ان کیلئے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں بدلہ لینے والے۔ (۴)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: اے پیغمبر! قرآن مجید حکمت اور سچائی لے کر آپ کی طرف اتارا گیا ہے اور اسکی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اگلی کتابوں کی سچائی بیان کرتا ہے یہ کتابیں پہلے لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کرتی تھی اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتادیا کہ عیسیٰ کی خدائی اور خدا کا بیٹا ہونے کا عقیدہ کسی آسمانی کتاب میں موجود نہ تھا کیونکہ دین کے اصولی عقیدوں کے اعتبار سے ساری کتابیں برابر نہیں اور کسی کتاب میں یہ بات نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے کے مناسب ایسی چیزیں اتاریں جو حق و باطل، حرام و حلال اور جھوٹ و سچ کے درمیان فرق کرنے والی ہوں، آخر میں یہ بھی بتادیا کہ جو لوگ جاننے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ماننے سے انکار کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ضرور سزا دیں گے وہ غالب ہیں اور انتقام لینے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

یہاں پر لوگوں کو ایمان کی حقیقت سے آگاہ کرنے کیلئے اور شرک وکفر کو جڑ سے اکھاڑ دینے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر کتابیں اتاریں اور اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ پر قرآن کریم حق کیساتھ اتارا، اسکی خوبی یہ ہے کہ یہ اپنے سے پہلی کتابوں کو سچا قرار دیتا ہے جس طرح ہر آنے والے پیغمبر اپنے سے پہلے پیغمبر کو سچا قرار دیتے رہے ہیں، قرآن مجید نے بتایا کہ تورات سچی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اتاری مگر یہودیوں نے اس میں تبدیلیاں کردیں۔

اَلْفُرْقَان: جس کے ذریعے حق و باطل کے درمیان فرق کیا جائے، بعض علماء کے نزدیک اس سے معجزے اور دلیلیں مراد ہیں جو ہر پیغمبر کو عطا فرمائے کیونکہ وہ بھی حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن ثابت ہوتے ہیں، فرقان قرآن مجید کا نام بھی ہے اس کے لفظی معنٰی ہیں جدا جدا کرنے والا یعنی حق و باطل کو جدا جدا کردینے والا۔

اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ ۝۵ هُوَ

بیشک اللہ نہیں چھپی پر اسکے کوئی چیز میں زمین اور نہ میں آسمانوں (۵) وہی ہے

الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

جو صورتیں بناتا ہے تمہاری میں پیٹوں جس طرح چاہے نہیں معبود مگر وہی

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶

زبردست ہے حکمت والے ہیں (۶)

بامحاورہ ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے زمین و آسمان میں کوئی بھی چیز چھپی ہوئی نہیں۔ (۵) وہی تمہاری صورتیں

بناتے ہیں ماؤں کے پیٹوں میں جس طرح چاہیں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زبردست ہے حکمت والا۔ (۶)

تفسیر

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم بہت وسیع ہے زمین وآسمان کی کوئی بھی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ: وہی ذات پاک ہے جو ماؤں کے پیٹوں میں جس طرح چاہیں تمہاری صورتیں بناتے ہیں، بچے کی ظاہری شکل وصورت یعنی گورا، کالا ہونا بھی اسی کی قدرت سے ہے اور اسکا نیک وبد، عقل مند اور بے عقل نیک بخت اور بد بخت ہونا سب اس کے علم اور قدرت میں ہے یہاں پر بنی اسرائیل یعنی: یہودیوں اور عیسائیوں کو یہ سمجھانا بھی مقصود ہے کہ عیسٰی علیہ السلام دوسری مخلوق کی طرح ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور ابتدائی حالت سے لیکر پیدائش تک ان پر تبدیلیاں گزری ہیں، یہ سب باتیں ان کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں، اس کے باوجود یہ لوگ حضرت عیسٰی کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں یہ تو بہت غلط بات ہے، باقی رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا تو یہ خدا تعالیٰ کیلئے کوئی مشکل بات نہیں، اس نے تو حضرت آدم علیہ السلام کو بھی بغیر ماں باپ کے پیدا فرما دیا تھا، معبود حقیقی وہی ہے اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں کیونکہ عبادت کے لائق وہی ہو سکتا ہے جو ساری قدرت کا مالک ہو، یہ باتیں صرف اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں لہٰذا معبود بھی صرف وہی ہیں، حضرت عیسٰی علیہ السلام معبود نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ تو مخلوق ہیں اور نہ وہ ساری قدرتوں کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر غلبہ والے اور حکمت والے ہیں، اسکا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اور کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں۔

محکم اور متشابہ آیتیں

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ

وہی ہے　جس نے　اتاری　پر آپ　کتاب　میں اس　آیتیں ہیں　محکم　وہ　اصل ہیں

الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ

کتاب کی　اور　دوسری　متشابہ ہیں　سو! وہ　لوگ کہ ہے　میں　دلوں انکے　ٹیڑھ پن　وہ پیچھے لگے ہیں

مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَ مَا یَعْلَمُ

اس چیز کے جو متشابہ ہیں　میں سے اس　تلاش　گمراہی کے　اور واسطے تلاش کرنے　مطلب اسکے　اور　نہیں　جانتے

تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؔ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ　وقف النبی ﷺ / وقف منزل / وقف لازم

مطلب اسکا　سوا　اللہ کے　اور　مضبوط لوگ　میں　علم　کہتے ہیں　ایمان لائے ہم　پر اس　سب

مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑦

سے　نزدیک　رب ہمارے　اور　نہیں　نصیحت حاصل کرتے　سوا　والے　عقل　(۷)

بامحاورہ ترجمہ: وہی ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری اس میں بعض محکم آیتیں ہیں وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری متشابہ ہیں، سو! جن کے دلوں میں ٹیڑھ پن ہے، وہ متشابہات کے پیچھے لگ جاتے ہیں گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور مطلب کا کھوج لگانے کیلئے، حالانکہ ان کا مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور مضبوط علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کی طرف سے اتری ہیں اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جنہیں عقل ہے۔(۷)

تفسیر

مُحْكَمٰتٌ: قرآن کریم کی وہ آیتیں جو واضح ہیں، یعنی: جن کے معنیٰ اور مطلب مقرر ہیں اور ان کے

معانی اور مطلب میں ذرا بھی شبہ نہیں۔

اُمُّ الْكِتٰبِ: کتاب کی اصل، ہر چیز کی جڑ اور بنیاد کو "اُم" کہتے ہیں، یہاں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کی جو آیتیں بالکل صاف اور واضح ہیں جن سے ایک ہی معنیٰ نکلتے ہیں وہی اصل اور معیار ہیں۔

مُتَشٰبِهٰتٌ: ایسے کلام کو کہتے ہیں جس سے کئی باہم ملتے جلتے مطلب نکلتے ہوں اور ان کے درمیان فرق کرنا مشکل ہو جائے اور اسکی تفسیر میں مختلف پہلو نکلتے ہوں، صرف علماء ان کے درمیان فرق کر سکتے ہیں عوام کا فرض ہے کہ ایسی آیتوں کے معنیٰ اور مطلب میں عالموں کی بات پر اعتماد کریں اپنی عقل پر بھروسہ نہ کریں۔

اَلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ: جن کے دلوں میں ٹیڑھ پن ہے، یہاں اشارہ ان قوموں کی طرف ہے جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی صاف ہدایات کو پیٹھ پیچھے ڈال کر ان کی متشابہ باتوں کو توڑ مروڑ کر اصل قرار دیدیا اور پھر اسی کے پیچھے ہو لئے۔

محکمات و متشابہات

جب نجران کے عیسائی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام واضح دلیلوں سے عاجز آ گئے تو کہنے لگے آخر آپ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "کلمۃ اللہ" اور "روح اللہ" مانتے ہیں، یہ ہمارے دعوے کو ثابت کرنے کیلئے کافی ہے ان کی اس بات کا جواب یہاں ایک عام قاعدہ کی صورت میں دیا گیا ہے جس کے سمجھ لینے سے بہت سے اختلافات اور شک دور ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ: قرآن مجید اور دوسری تمام آسمانی کتابوں میں دو قسم کی آیتیں ہوتی ہیں ایک وہ جنکا مفہوم معلوم اور مقرر ہوتا ہے ایسی آیات کو محکمات کہتے ہیں اور حقیقت میں کتاب کی ساری تعلیمات کی جڑ اور اصل یہی آیتیں ہوتی ہیں، دوسری قسم "متشابہات" کہلاتی ہیں یعنی: ایسی آیتیں جنکا مفہوم اور مطلب معلوم کرنے میں کچھ شبہ واقع ہوتا ہے۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ دوسری قسم کی آیتوں کو پہلی قسم کی آیتوں کی روشنی میں دیکھا جائے جو معنیٰ اس کے

خلاف پڑیں انہیں چھوڑ دیا جائے اگر کوشش کے باوجود مطلب واضح نہ ہو پھر بھی معنیٰ تلاش کرنے والے کو حد سے نہیں گزرنا چاہئے۔

قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وضاحت کردی کہ وہ صرف ایک بندے ہیں جس پر ہم نے انعام کیا ہے، دوسری جگہ فرمایا کہ: عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں ماں باپ کے بغیر براہِ راست مٹی سے پیدا کیا اور کئی مقامات پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے یا خدا کا بیٹا ہونے کو غلط ثابت کیا ہے۔

اب ایک شخص ان سب محکمات سے آنکھیں بند کر کے "کلمۃ اللہ" اور "روح اللہ" وغیرہ جیسے اشاروں کے پیچھے پڑے اور اس کے وہ معنیٰ چھوڑ کر جو پہلی واضح آیتوں کے موافق ہوں ایسے معنیٰ لینے لگے جو کتاب کی عام تشریح کے خلاف ہوں یہ ٹیڑھ پن ہے، بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اس طرح مغالطہ دیکر لوگوں کو گمراہی میں پھنسائیں اور بعض کمزور عقیدہ لوگ ایسے متشابہات سے اپنی رائے اور خواہش کے مطابق کھینچ کر مطلب نکالنا چاہتے ہیں حالانکہ ان کا صحیح مطلب صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہوتا ہے۔

آج کے دور میں جب ہم اپنے گردوپیش میں دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں یہودیوں اور عیسائیوں سے بڑھ کر خود مسلمانوں کے دور میں ایسے بہت سے فرقے اور لوگ موجود ہیں جنہوں نے پہلے متشابہات کی غلط تاویلیں کیں اور پھر محکم آیات کو توڑ موڑ کر متشابہات کے معنی پہنائے اور اس طرح وہ یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی بازی لے گئے، قادیانی اور پرویزی جیسے کتنے لوگ ہیں جنہوں نے دوزخ، جنت، برزخ، حساب کتاب حتیٰ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے سب سے بڑے معجزے یعنی: معراج تک کو غلط معنیٰ پہنا کر لوگوں کو گمراہ کرنا چاہا ایسے ہی لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کا بالکل انکار کردیا اور اسی قرآن مجید کی آیتوں کی غلط تشریح کی۔

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ: حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ متشابہ آیتوں کی حقیقت صرف اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، "بخاری و مسلم" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ متشابہ آیتوں کی تاویل کے پیچھے پڑیں ان کو اللہ تعالیٰ کا خوف دلاؤ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب آپ ایسے لوگوں کو دیکھیں جو متشابہات کی کھوج میں لگے ہوئے ہیں تو آپ ان سے دور بھاگیں

کیونکہ یہ وہی لوگ ہیں جنکا ذکر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک میں ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ: ان کے دلوں میں ٹیڑھ پن ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: محکم آیتوں پر عمل کرو اور متشابہ پر صرف ایمان لاؤ، خلاصہ یہ کہ مطلب سمجھ میں نہیں آتا تو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سونپ دو، جھگڑا مت کرو، غلط معنیٰ مت بیان کرو۔

وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ: "رٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ" سے کون لوگ مراد ہیں؟

ان سے مراد اہل السنۃ والجماعۃ ہیں جو قرآن وسنت کی اسی تشریح کو صحیح سمجھتے ہیں جو صحابہ کرام اور امت کے اجماع سے ثابت ہو، "طبرانی" میں ابو مالک اشعری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھے اپنی امت سے یہ خوف ہے کہ وہ متشابہ آیتوں کے معنیٰ معلوم کرنے کے پیچھے پڑیں گے، حالانکہ ان کا حقیقی مطلب سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔

دو دعائیں

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ

اے رب ہمارے نہ پھیریئے آپ دلوں ہمارے بعد جب ہدایت کر چکے آپ ہمیں اور عنایت کیجئے ہمیں سے پاس اپنے کے

رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ⑧ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ

رحمت بیشک آپ ہی سب کچھ دینے والے ہیں (۸) اے رب ہمارے بیشک آپ جمع کرنیوالے ہیں لوگوں کو ایک دن

ع ۹ ۹ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ⑨

کہ نہیں شک میں اس بیشک اللہ تعالیٰ نہیں خلاف کرتا وعدہ کے (۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو نہ پھیریئے جبکہ آپ ہمیں ہدایت دے چکے اور

ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کیجئے بیشک آپ ہی سب کچھ دینے والے ہیں۔(۸) اے ہمارے رب! آپ لوگوں کو جمع کرنے والے ہیں اس دن جس میں کوئی شبہ نہیں بیشک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتے۔(۹)

لفظی تحقیق: لَا تُزِغْ: نہ پھیر، ٹیڑھا نہ کر۔ اس سے پہلی آیت میں لفظ "زَیْغٌ" آ چکا ہے جس کے معنیٰ ٹیڑھ پن ہیں یہ لفظ بھی اسی مادہ سے نکلا ہے "لَا تُزِغْ" والی دعا میں بندہ یہ درخواست کرتا ہے کہ اے رب! جب آپ نے ایک بار صحیح راہ دکھلا دی تو اس کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ فرمائیے۔

تفسیر

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بلند درجات اور شاندار کمالات کے باوجود اکثر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیا کرتے تھے "یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ" اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھیے، ایک دن ایسا آنے والا ہے جب اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو جمع کریں گے اور ٹیڑھے دلوں والے جو دنیا میں جھگڑتے تھے سب کا فیصلہ کر دیں گے، ہر مجرم کو اپنی ہٹ دھرمی کی سزا بھگتنی پڑے گی، اس لئے علم والے ہمیشہ ایسے لوگوں سے بیزار رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طلبگار رہتے ہیں اور دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے اللہ! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ فرمائیے گا۔

دین پر قائم رہنے کی دعا

پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دینا چاہتے ہیں اس کے دل کو نیکی کی جانب مائل کر دیتے ہیں اور جس کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اس کے دل کو سیدھے راستہ سے پھیر دیتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ کوئی دل ایسا نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان نہ ہو وہ

جب تک چاہتے ہیں اس کو حق پر قائم رکھتے ہیں اور جب چاہتے ہیں اس کو حق سے پھیر دیتے ہیں، وہ قادر ہیں جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اس لئے جن لوگوں کو دین پر قائم رہنے کی فکر ہوتی ہے وہ ہمیشہ اپنے اللہ تعالیٰ سے دین پر قائم رہنے کی دعا مانگتے ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیشہ دین پر قائم رہنے کی دعا مانگا کرتے تھے۔

ایک تنبیہ!

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ لَآ اَوْلَادُهُمْ

بیشک جو لوگ کافر ہوئے ہرگز نہ کام آئینگے انکے مال انکے اور نہ اولاد انکی

مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۟ۙ﴿۱۰﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ

سے اللہ کچھ بھی اور وہی لوگ وہی ایندھن آگ کے (۱۰) جیسے حال والوں فرعون کا

وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ

اور وہ لوگ جو تھے سے پہلے ان جھٹلایا انہوں نے آیتوں ہماری پھر انہیں پکڑا اللہ نے بسبب گناہوں انکے کے

وَ اللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ

اور اللہ سخت عذاب والا ہے (۱۱) آپ کہہ دیں لئے ان لوگوں کے جو کافر ہوئے عنقریب تم مغلوب ہوگے اور

تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾

ہانکے جاؤ گے تم طرف دوزخ کی اور برا ٹھکانا ہے (۱۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بیشک جو لوگ کافر ہیں انہیں ان کے مال اور اولاد اللہ تعالیٰ کے ہاں ہرگز کچھ کام نہ آئیں گے اور وہی لوگ دوزخ کے ایندھن ہیں۔ (۱۰) ان کا حال فرعون والوں اور جو ان سے پہلے تھے ان کے حال جیسا ہوگا، انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گناہوں پر پکڑا اور اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔ (۱۱) کافروں کو کہہ دیجئے کہ! عنقریب تم مغلوب ہوگے اور دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے اور

وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ (۱۲)

تفسیر

پہلی آیت میں کافروں اور مشرکوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ جس کفر و شرک کی سزا پہلی قوموں کو ملی تھی اسی طرح ایسے گناہوں کی سزا تمہیں بھی ملے گی۔

اس آیت میں فرعون اور اس سے پہلے کی قوموں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کو جھٹلایا، اسکی نشانیوں سے انکار کیا، اس کے حکموں کی نافرمانی کی، ان تمام گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت سزا دی اس لئے ان گزری قوموں کے حالات سے سبق حاصل کرنا چاہئے اور موجودہ کافروں اور مشرکوں کو اس سے باز رہنا چاہئے۔

دوسری آیت میں یہ پیش گوئی کی گئی ہے کہ یہ تمام کافر جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کے دشمن ہیں جلد ہی مغلوب ہوں گے اور مسلمانوں سے شکست کھائیں گے، دنیا میں سزا پانے کے بعد آخرت میں انہیں دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائیگا جو یقیناً بہت بری جگہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ

بیشک ہے لئے تمہارے نشانی ہے میں دو گروہوں جنکا مقابلہ ہوا ایک فوج لڑتی ہے میں راستے

اللّٰهِ وَ اُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْىَ الْعَيْنِ ؕ وَ اللّٰهُ يُؤَيِّدُ

اللہ کے اور دوسری کافر انہیں دکھائی دیتی ہے اپنے سے دوچند دیکھنا آنکھوں کا اور اللہ زور دیتا ہے

بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

مدد اسکی جسے چاہے بیشک میں اسی البتہ عبرت ہے واسطے والوں آنکھوں کے (۱۳)

بامحاورہ ترجمہ: تمہارے لئے دو گروہوں میں اللہ کی قدرت کی عظیم نشانی تھی جو (جنگ بدر کے دن) آپس میں لڑے، ایک گروہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا، وہ انہیں آنکھوں سے اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے اور اللہ جسے چاہیں اپنی مدد سے قوت عطا فرماتے ہیں، اس میں سبق ہے آنکھوں والوں کیلئے۔ (۱۳)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غور وفکر کرنے والوں کیلئے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ واقعہ جنگ بدر کا ہے، اس موقعہ پر مسلمانوں اور کافروں کا مقابلہ ہوا اللہ تعالیٰ کی مدد مسلمانوں کو پہنچی اور حق والے غالب آئے اور کافر ومشرک شکست کھا گئے۔

جنگ بدر میں کافروں کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی ان کے پاس سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے ان کے لڑنے والے بڑے ماہر اور تجربہ کار تھے دوسری طرف مسلمان مجاہدین کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی جن کے پاس صرف ستر اونٹ، دو گھوڑے، چھ زرہیں اور صرف آٹھ تلواریں تھیں، ہر ایک لشکر کو دوسرا لشکر اپنے سے دوگنا نظر آتا تھا، یعنی: کافر مسلمانوں کا اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے؛ اس لئے ان کے دلوں میں مسلمانوں کے زیادہ ہونے کا رعب چھا گیا۔

دوسری طرف مسلمان کافروں کو اپنے سے دوگنا دیکھ کر اور بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور ثابت قدمی سے اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اعتماد کر کے کامیابی اور مدد کی امید رکھتے تھے اگر کافروں کی پوری تعداد جو کہ مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھی مسلمانوں پر ظاہر ہوتی تو ممکن تھا ان پر خوف طاری ہو جاتا، بہر حال ایک چھوٹی سی جماعت بے سروسامان تھی، ایک مضبوط جماعت پر غالب کر دیا، اللہ تعالیٰ کی قدرت میں غور وفکر کرنے والوں کیلئے اسمیں عبرت ہے، اس دن وہ پیشین گوئیاں پوری ہو گئیں جو برسوں پہلے مکہ معظمہ میں مسلمانوں سے کی گئی تھیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل چیز صبر اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے، تعداد اور ساز و سامان نہیں، ہمیں چاہیے کہ اپنی ہر مشکل میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں اور اس سے مدد مانگیں کہ تمام کامیابیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔

دنیا کی چیزوں سے محبت

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ

خوشنما کیا ہے　واسطے لوگوں کے　محبت　من پسند چیزیں　جیسے　عورتیں　اور　بیٹے　اور　خزانے

الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ

جمع کیے ہوئے　سے　سونا　اور　چاندی　اور　گھوڑے　نشان لگائے ہوئے　اور　مویشی

وَ الْحَرْثِ ۗ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

اور　کھیتی　یہ　چیزیں　زندگی　دنیا کی کے　اور اللہ　پاس اسکے　اچھا　ٹھکانا ہے (۱۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ لوگوں کو ان کی من پسند چیزیں، یعنی: عورتیں اور بیٹے، اور سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر، اور نشان لگائے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی باڑی خوشنما معلوم ہوتی ہے (مگر) یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔(۱۴)

تفسیر

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ لوگوں کی نظر میں ان چیزوں کی رغبت اور کشش ایک طبعی بات ہے اور بذاتِ خود گناہ نہیں البتہ ان چیزوں سے فائدہ شریعت کے حکموں کے ماتحت رہ کر اٹھانا چاہیے اور ان کی محبت جائز حدود کے اندر رکھنی چاہیے۔

مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا: دنیا کی زندگی میں فائدہ اٹھانے کا سامان ہے، مقصود یہ ہے کہ یہ اور اس قسم کی

ساری چیزیں بہت زیادہ دل لگانے کے قابل نہیں، انہیں زندگی کا مقصد نہیں بنالینا چاہئے، یہ صرف دنیا میں کام آنے والی چیزیں ہیں، دنیا خود بھی فانی ہے اور اسکے سارے سامان بھی فانی ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ: بعض دنیاوی چیزوں میں انسان کیلئے قدرتی طور پر کشش ڈال دی گئی ہے یہ چیزیں اسے بہت پسندیدہ ہیں لیکن اکثر لوگ حد سے زیادہ ان سے محبت کرنے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں، ان چیزوں کا پسند ہونا کوئی گناہ نہیں دنیاوی زندگی گزارنے کیلئے یہ ضروری ہیں، ان سے فائدہ اٹھانا برا نہیں لیکن احتیاط ضروری ہے کہ ان کی طرف رغبت ضرورت سے زیادہ نہ ہوجائے کیونکہ اس طرح انسان انہی میں لگ جائیگا، آہستہ آہستہ انہیں اپنی زندگی کا مقصد سمجھنے لگے گا اور اپنی منزل کو بھول جائیگا، وہ راہ سے بہت دور بھٹک جائیگا۔

یاد رکھنا چاہئے یہ چیزیں فانی ہیں صرف دنیا میں کام آنے والی ہیں دنیا سے اٹھ جانے کیساتھ ہی ان سے تعلق ٹوٹ جاتا ہے اس لئے ان کی صحیح جگہ پر انہیں رکھتے ہوئے آخرت کا بھی سامان کریں اصل ٹھکانا وہیں ہے اور وہی زندگی باقی رہنے والی ہے۔

اس آیت میں سب سے پہلا نمبر عورت کا آیا ہے، یعنی: عورتوں کی محبت مردوں کے دلوں میں ڈال دی گئی ہے اور جب لوگ اس محبت میں پھنس کر غفلت کا شکار ہوجاتے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت چھوڑ دیتے ہیں تو گمراہی کے گڑھے میں جاگرتے ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: میں نے اپنی امت میں عورتوں سے زیادہ بڑھ کر خطرناک فتنہ کوئی نہیں چھوڑا یعنی: مردوں کے حق میں مجھے سب سے زیادہ خطرہ عورتوں کی طرف سے ہے، یہ بڑا خطرناک فتنہ ہے ان کی محبت میں پھنس کر انسان اللہ تعالیٰ سے غافل اور خیر سے بیگانہ ہوجاتا ہے اور محض خواہش کا بندہ بن کر رہ جاتا ہے۔

الغرض! اگر عورت سے مقصود پاک دامنی اور اولاد ہو تو یہ بڑی اچھی چیز ہے، حدیث میں ہے کہ دنیا کی فائدہ مند چیزوں میں سے نیک عورت سب سے زیادہ فائدے والی چیز ہے کہ اگر مرد اسکی طرف دیکھے تو وہ اس کو

بھلی لگے اور اگر حکم دے تو وہ مانے، اگر خاوند گھر سے باہر جائے تو اس کے مال کی اور اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرے۔

وَالْبَنِيْنَ: انسان کی پسندیدہ چیزوں میں سے دوسری چیز بیٹوں کی محبت ہے اور یہ خاص درجے تک قدرتی جذبہ ہے اور مال اور اولاد کو دنیاوی زندگی کیلئے زینت قرار دیا گیا ہے۔

وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ: انسان کیلئے جو پسندیدہ چیزیں ذکر کی گئی ہیں ان میں سے تیسری چیز سونے چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے ہیں، مال کی محبت بھی کسی حد تک قدرتی ہے یہ بھی انسان کیلئے گمراہی کا سبب بن سکتی ہے، "سورۃ عادیات" میں ہے کہ انسان مال کی محبت میں بڑا پکا ہے، "قناطیر" "قنطار" کی جمع ہے "قنطار" سے مراد بہت سارا مال ہے، عرب ایک لاکھ اشرفی یا درہم کو "قنطار" کہتے تھے، مقصد یہ کہ یہ لفظ مال کے ڈھیر پر بولا جاتا ہے اور اس کے حاصل کرنے کیلئے انسان ہمیشہ اسی کے چکر میں رہتا ہے۔

وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَام: نشان زدہ گھوڑے، یعنی: خوب پالے پوسے اور طاقتور گھوڑے جو عمدہ ہونے کی وجہ سے نشان لگائے ہوئے ہوتے ہیں، یہ بھی انسان کی پسندیدہ چیزوں میں سے ہیں انسان ان سے خوب فائدہ حاصل کرتا ہے گائے، بھینس، بھیڑ، بکری، اونٹ وغیرہ سے دودھ حاصل کرتا ہے اور ان کا گوشت کھاتا ہے، ان سے سواری اور سامان لادنے کا کام بھی لیتا ہے، یہ انسان کی اچھی خاصی جائیداد ہوتی ہے اور ان سے محبت بھی قدرتی چیز ہے تاہم اگر کوئی شخص ان کی محبت میں اس قدر غرق ہوجائے کہ ان کی دیکھ بھال میں نمازوں کی بھی پرواہ نہ کرے اور دوسرے نیکی کے کاموں کی طرف توجہ ہی نہ دے سکے گویا گائے بیل کی دم پکڑ کر بیٹھا رہے تو یہی مال انسان کیلئے گمراہی کا سبب بن سکتا لٰہذا اس سے بھی خبردار کیا گیا ہے۔

وَالْحَرْثِ: کھیتی باڑی بھی انسان کی پسندیدہ چیزوں میں سے ہے، یہ چیزیں تو دنیا کی زندگی میں فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں مگر اصل مقصود تو آخرت کی زندگی ہے اگر ان چیزوں کی محبت میں آخرت سے غافل ہو گیا تو سخت خسارے کا سودا کیا، قیامت کے دن خالی ہاتھ ہوگا، یہ تمام چیزیں اسی فانی زندگی تک محدود ہیں یہ چیزیں اس زندگی کیساتھ ہی ختم ہوجائیں گی اور پھر آخرت کی زندگی شروع ہوگی انسان کو یاد دلایا گیا ہے کہ اس

آئندہ کی زندگی کیلئے کوئی سامان پیدا کرے کیونکہ اصل زندگی وہی ہے۔

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ: اصل اور بہتر ٹھکانا تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے: اور اس کے حاصل کرنے کیلئے انسان کو ایمان اور نیک اعمال کی فکر کرنا چاہیے، یہ سب چیزیں دنیاوی زندگی میں صرف کام چلانے کیلئے ہیں دل لگانے کیلئے نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا کی من چاہی چیزوں میں مبتلا ہو کر ایمان کی دولت سے محروم ہو جائے اور پھر اس دنیا سے خالی ہاتھ جانا پڑے یہ تو بہت گھاٹے کا سودا ہوگا۔

خدا ترس لوگوں کیلئے اجر

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ

آپ کہہ دیجئے کیا میں بتاؤں تم کو بہتر سے اس سے لئے ان لوگوں کے جو پرہیز گار ہیں پاس رب انکے

جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ اَزْوَاجٌ

باغ بہتی ہیں سے نیچے انکے نہریں ہمیشہ رہینگے میں ان اور عورتیں

مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾

پاکیزہ اور رضامندی سے اللہ کے اور اللہ دیکھتا ہے بندوں اپنے کو (۱۵)

بامحاورہ ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ! میں تمہیں دنیا کی ان چیزوں سے بہتر چیز بتاؤں، پرہیز گاروں کیلئے اپنے رب کے ہاں باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کیلئے پاکیزہ عورتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کو دیکھتے ہیں۔ (۱۵)

تفسیر

اس آیت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہے کہ: آپ ان لوگوں سے جو دنیا کی عارضی نعمتوں میں

مست ہو گئے ہیں فرما دیجئے کہ میں تمہیں ان سے بہت بہتر نعمتوں کا پتہ دیتا ہوں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں اور اس کے فرمانبرداروں کو ملیں گی، وہ نعمتیں سرسبز ہیں جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں مؤمن لوگ ہمیشہ باغات میں رہیں گے، یہ باغات دنیا کی ان پسندیدہ چیزوں سے کہیں بہتر ہیں اور پھر یہ صرف باغات ہی نہیں ہوں گے بلکہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کیلئے وہاں پاکیزہ بیویاں ہوں گی، جو ہر قسم کی جسمانی و روحانی گندگیوں سے پاک ہوں گی، اس کے علاوہ جنتیوں کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگی جو سب سے بڑی نعمت ہوگی جب لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور انہیں ہر نعمت حاصل ہو جائیگی تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کیا میں تمہیں کچھ اور زیادہ نہ دوں؟ وہ لوگ حیران ہوں گے اور کہیں گے اے اللہ! ہم جنت میں پہنچ گئے، کامیاب ہو گئے، ہر طرح کی نعمتیں حاصل ہو گئیں، اب اور کیا ملے گا؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں اپنی خوشنودی اور رضا تم کو دیتا ہوں اب آج کے بعد کبھی تم سے ناراض نہیں ہونگا۔

گویا اللہ تعالیٰ جنتیوں سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے راضی ہو جائیں گے یہ انسان کی ہمیشہ ہمیشہ کی کامیابی ہوگی، اللہ تعالیٰ تمام بندوں کے حالات کو دیکھتے ہیں۔

پرہیزگاروں کی خوبیاں

اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ قِنَا
وہ لوگ جو کہتے ہیں اے رب ہمارے بیشک ہم ایمان لائے ہمیں بخش دیجئے ہمارے گناہ اور بچائیے ہمیں

عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِیْنَ وَ الصّٰدِقِیْنَ وَ الْقٰنِتِیْنَ وَ الْمُنْفِقِیْنَ
عذاب دوزخ سے (۱۶) صبر کرنے والے اور سچے اور فرمانبرداری کرنے والے اور خرچ کرنے والے

وَ الْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾
اور گناہ بخشوانے والے پچھلی رات میں (۱۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے سو ہمارے گناہ بخش دیجئے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے۔(۱۶) وہ صبر کرنے والے اور خرچ کرنے والے اور پچھلی رات میں گناہ بخشوانے والے ہیں۔(۱۷)

تفسیر

بِالْاَسْحَارِ: سحر اس وقت کو کہتے ہیں جب رات کا اندھیرا صبح کے اجالے سے مل رہا ہو رات کے اس آخری حصے کی خوبی یہ ہے کہ یہ وقت خاص طور پر دلی سکون اور روحانی قوتوں کی بیداری کا وقت ہوتا ہے اگرچہ اس وقت جاگنا طبیعت پر بھاری ہوتا ہے۔

اس آیت میں ان لوگوں کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں جنہیں پچھلی آیت میں پرہیزگار کہا گیا ہے اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے آخرت میں جنت دینے کا وعدہ کیا ہے وہ یہ ہیں:

یہ لوگ اپنے تقویٰ اور پرہیزگاری پر گھمنڈ کرنے کے بجائے مسکینی کا نمونہ بنے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہمیشہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دیجئے، اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچائیے۔

اَلصّٰبِرِيْنَ: یہ لوگ صبر کرنے والے ہوتے ہیں جب کسی آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ثابت قدمی عطاء کریں۔

وَ الصّٰدِقِيْنَ: یہ لوگ زبان، دل اور نیت کے سچے ہوتے ہیں، معاملہ کے کھرے ہوتے ہیں، جھوٹ، فریب اور منافقت سے بچتے رہتے ہیں۔

وَ الْقٰنِتِيْنَ: بڑی بڑی تکلیفیں جھیلنے کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر جمے رہتے ہیں، گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں۔

وَ الْمُنْفِقِيْنَ: اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال و دولت کو اس کے مقرر کئے ہوئے موقعوں پر خرچ کرتے ہیں اور کنجوسی سے کام نہیں لیتے، صدقات وخیرات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں نیکی کا کوئی موقعہ ضائع نہیں کرتے۔

وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ: رات کے پچھلے حصہ میں اٹھ کر اپنے رب سے اپنے گناہ اور خطائیں معاف کراتے ہیں، یعنی: رات کا آخری حصہ عبادت میں گزارتے ہیں اور یوں سچے دل سے اپنے گناہوں سے معافی مانگتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کی خدائی کی گواہی

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا
گواہی دی اللہ نے کہ بیشک نہیں معبود سوائے اسکے اور فرشتے اور والے علم قائم کرنے والے

بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ وقف لازم
انصاف کے نہیں معبود سوائے اسکے زبردست ہے حکمت والا ہے (۱۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں، اور فرشتوں نے اور علم والوں نے (اور) جو انصاف قائم کرنے والے ہیں (گواہی دیتے ہیں کہ) اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ (۱۸)

تفسیر

شَهِدَ اللّٰهُ: اللہ نے گواہی دی، اللہ تعالیٰ کی یہ گواہی آسمانی کتابوں میں بھی آتی رہی ہے اس کے علاوہ جہان کا ایک ایک ذرہ گواہی دے رہا ہے کہ عبادت کے لائق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔

اَلْمَلٰٓئِكَةُ: یعنی فرشتے بھی یہ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں گویا یہ

بھی واضح کر دیا کہ خود فرشتے جنہیں مشرک قومیں دیوی اور دیوتا سمجھتے ہیں وہ بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی معبود نہیں۔

اُولُوا الْعِلْمِ: علم والے، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حقیقت کو جاننے اور پہچاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی اور آیت "شَهِدَ اللّٰهُ" اور "قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ" سے "بِغَيْرِ حِسَابٍ" پڑھا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف فرمائیں گے اور جنت میں جگہ دیں گے اور اسکی ستّر ضرورتیں پوری فرمائیں گے جن میں سے سب سے کم درجے کی ضرورت اس کی بخشش ہے۔

پسندیدہ دین اسلام ہے

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ

بیشک | دین | نزدیک | اللہ کے | اسلام ہے

بامحاورہ ترجمہ:- بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے۔

تفسیر

اسلام کے لفظی معنیٰ سونپ دینے کے ہیں، دین اسلام کو بھی اسی رعایت سے اسلام کہا جاتا ہے کہ ایک مسلمان خود کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینے اور اس کے حکموں کے آگے گردن ڈال دینے کا اقرار کرتا ہے گویا اسلام نام ہے مکمل فرمانبرداری کا۔

اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ تمام دنیا کو جو دین دیا وہ اسلام ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین ہے۔

اختلاف کی وجہ

وَ مَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ
اور نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے جنہیں دی گئی کتاب مگر سے بعد اسکے کہ پاس پہنچ چکا انکے

الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ
علم ضد آپس کی اور جو کوئی انکار کرے سے حکم اللہ کے تو بیشک اللہ

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾
جلدی لینے والے ہیں حساب (۱۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اورنہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے جنہیں کتاب دی گئی تھی مگر بعد اسکے کہ ان کے پاس علم آچکا تھا آپس کی ضد کی وجہ سے اور جوکوئی اللہ کی آیتوں کا انکار کرے تو اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں۔(۱۹)

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے انکے اختلاف کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام نشانیاں معلوم کرنے کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری پیغمبر ماننے پر تیار نہ ہوئے، اس سورۃ کے شروع میں نجران کے وفد کا ذکر ہو چکا ہے وہ لوگ بھی جانتے تھے کہ آخری پیغمبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں جن کی پیشن گویاں ان کی کتابوں میں موجود تھیں مگر اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کیلئے تیار نہ ہوئے اسکی وجہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی کہ ان کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغمبر ماننے سے انکار کی وجہ سے تھا، یہودیوں اور عیسائیوں کو اس زمانے میں ایک قسم کا اقتدار حاصل تھا، وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر ہم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے تو پھر ان کی تابعداری کرنی پڑے

گی اور اس صورت میں ان کا اپنا اقتدار ختم ہو جائیگا، مدینے میں منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی اسی حسد کی وجہ سے ساری عمر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا رہا مدینے والے اسے اپنا سردار بنانے کو تیار تھے مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے اسکا سارا کھیل بگڑ گیا؛ اس لئے فرمایا کہ: یہ لوگ علم آ جانے کے باوجود بھی مخالفت پر اڑے رہے، سرکشی کرتے ہوئے صرف اپنے اقتدار کو بچانے کی خاطر، حالانکہ اسلام کی وجہ سے انہیں جو عزت حاصل ہونے والی تھی اسکا وہ اندازہ بھی نہیں کر سکتے تھے، الغرض! اہل کتاب نے سرکشی اور ضد کی بنا پر اسلام قبول نہ کیا۔

پیغمبر کا فرض صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا ہے

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَ مَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَ قُلْ
پھر اگر بحث کریں آپ سے تو کہہ دیں میں نے جھکا دیا چہرہ اپنا لئے اللہ کے اور وہ جس نے پیروی کی میری اور کہہ دیجئے

لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ
کو ان لوگوں جنہیں دی گئی کتاب اور ان پڑھوں کیا تم اسلام لاتے ہو پھر اگر وہ اسلام لائے تو پس

ع ۱۱ ۲ ۱۰ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾
انہوں نے راہ پائی اور اگر منہ پھیریں تو بیشک پر آپ پہنچا دینا ہے اور اللہ دیکھنے والے بندوں اپنے کو (۲۰)

بامحاورہ ترجمہ: پھر بھی اگر وہ آپ سے بحث کریں تو کہہ دیجئے میں نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے آگے جھکا دیا اور انہوں نے بھی (اپنے چہرے اللہ تعالیٰ کے آگے جھکا دیئے) جنہوں نے میری پیروی کی اور کتاب والوں اور ان پڑھوں کو کہہ دیجئے کیا تم بھی اسلام لاتے ہو، پھر اگر وہ اسلام لائے تو انہوں نے سیدھی راہ پالی اور اگر منہ پھیریں تو آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھتے ہیں۔ (۲۰)

تفسیر

اَن پڑھوں سے مراد مکہ کے مشرک ہیں جنہیں آسمانی کتابوں کا علم نہیں تھا، چند ایک کے سوا سب کے

سب ان پڑھ اور جاہل تھے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مقصود ہے کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو آپ فکر مند نہ ہوں آپ کا کام صرف پہنچا دینا ہے، منوانا آپ کی ذمہ داری نہیں۔

اہل کتاب جھگڑا کرتے تھے کہ ہم بھی مسلمان ہیں انہیں اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اس قسم کا فرضی اسلام بالکل بے فائدہ ہے اسلام وہ ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار ساتھیوں کے پاس ہے، یعنی: انسان مکمل طور پر اپنے آپ کو ایک اللہ کے سپرد کردے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین وانصار کو دیکھو کس طرح انہوں نے شرک، بت پرستی، بداخلاقی اور ظلم وستم کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان ومال، وطن، کنبہ، بیوی بچے غرض تمام پسندیدہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی خوشی پر قربان کردیں، ان کی آنکھیں ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لگی رہتی ہیں کہ ادھر سے حکم آئے اور ہم اسے پورا کریں، اس کے مقابلے میں تم اپنا حال دیکھو کہ خود جب تنہا ہوتے ہو تو اقرار کرتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں لیکن پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔

اس کے بعد اہل کتاب سے کہا جارہا ہے کہ اگر اب بھی اطاعت گزار بن جاؤ تو تم سیدھے راستے پر آجاؤ گے اور اگر تم نہ مانو تو پیغمبر کا کام صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دینا ہے، تمہیں اچھے اور برے کی تمیز سکھانا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کے کھلے اور پوشیدہ حال کو جانتے ہیں۔

کافروں کے عمل

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ

بیشک وہ لوگ جو انکار کرتے ہیں ساتھ آیتوں اللہ کی اور قتل کرتے ہیں پیغمبروں کو نا حق

وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ

اور قتل کرتے ہیں انہیں جو حکم کرتے ہیں انصاف سے سے لوگ سو! خوشخبری سنائیے انہیں

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا

عذاب دردناک کی (۲۱) یہی ہیں وہ لوگ جنکے ضائع ہوئے عمل انکے میں دنیا

وَ الْاٰخِرَةِ ۡ وَ مَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ﴿۲۲﴾

اور آخرت اور نہیں لئے انکے کوئی مددگار (۲۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جولوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی قتل کرتے ہیں جو ان کو انصاف کا حکم کرتے ہیں، دردناک عذاب کی خوشخبری دید یجئے۔(۲۱) یہی ہیں جن کے نیک عمل ضائع ہوئے دنیا اور آخرت میں، ان کا کوئی مددگار نہیں۔(۲۲)

تفسیر

اس آیت میں نجران کے عیسائیوں اور دوسرے کافروں کو بتایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا انکار کر کے پیغمبروں اور دوسرے نیک اور انصاف پسند لوگوں سے مقابلہ کرنا، نصیحت کرنے والوں سے جھگڑنا اور انہیں ناحق قتل کرنا بہت بڑا ظلم ہے ایسے لوگوں کو سخت سزا ملے گی۔

ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل نے ایک دن میں ۴۳ پیغمبروں اور ۱۷۰ نیک لوگوں کو شہید کیا، یہ تمام واقعات قرآن کریم اس لئے پیش کررہا ہے کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار کہنے والے دیکھ لیں کہ ان کے اگلے کس قدر ظالم تھے، ان لوگوں کیلئے دونوں جہان میں محرومی ہوگی، ان کے تمام نیک عمل ضائع ہو جائینگے اور آخرت میں بھی انہیں سزا مل کر رہے گی اور ان کا کوئی ساتھی یا مددگار نہیں ہوگا۔

ان تمام واقعات میں لوگوں کیلئے عبرت ہے کہ وہ ان گناہوں سے بچتے رہیں جو ان سے پہلے گزری قوموں نے کئے ہیں تا کہ ایسا نہ ہو کہ جس عذاب میں وہ پکڑے گئے وہ سزا ان پر بھی آئے۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ قیامت کے دن سب سے بڑا مجرم کون ہوگا؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے بڑا مجرم وہ ہوگا جس نے اللہ کے پیغمبر کو قتل کیا یا وہ بڑا مجرم ہوگا جسے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر قتل کر دیں۔

عیسائیوں کا جھوٹا عقیدہ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى
کیا نہ دیکھا آپ نے طرف ان لوگوں کے جو دیئے گئے حصّہ سے کتاب بلائے جاتے ہیں طرف

كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَ هُمْ
کتاب اللہ کی کے تاکہ فیصلہ کرے درمیان انکے پھر چل دیتے ہیں بعض میں سے ان اور وہ

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا
منہ موڑتے ہیں (۲۳) یہ اس واسطے ہے کہ وہ کہتے ہیں ہرگز نہ لگے گی ہم کو آگ مگر چند دن

مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَّ غَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾
گنتی کے اور دھوکے میں ڈالا انکو میں دین انکے جو تھے وہ گھڑتے (۲۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔کیا آپ نے ان لوگوں کو نہ دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ وہ کتاب ان میں فیصلہ کرے پھر ان میں سے بعض منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔(۲۳) یہ اس واسطے ہے کہ وہ کہتے ہیں ہمیں ہرگز دوزخ کی آگ نہ لگے گی مگر گنتی کے چند دن اور دھوکے میں ڈال رکھا ہے ان کو اپنے دین کے بارے میں ان باتوں نے جو وہ گھڑتے تھے۔(۲۴)

تفسیر

ان آیتوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب ان منکروں کو دعوت دی جاتی ہے کہ قرآن کریم کی طرف آؤ! جو خود تمہاری دی ہوئی کتابوں کی خوشخبریوں کے مطابق آیا ہے اور تمہارے اختلافات کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے تو ان کے بعض عالم اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

یہ لوگ خود اپنی کتاب کی ہدایتوں اور حکموں سے منہ پھیر لیتے ہیں اور اپنی جی کی چاہت کے مطابق اس میں تبدیلی کر دیتے ہیں نہ ان کتابوں کی دی ہوئی خوشخبریوں کی پرواہ کرتے ہیں نہ ان کی پیشنگوئیوں کو مانتے ہیں۔

اس کے بعد یہ بتایا گیا کہ جرم و گناہ کی طرف یہودیوں کی اس قدر رغبت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی سزا سے بالکل بے خوف ہیں انہوں نے من گھڑت مسئلے بنا رکھے ہیں جن میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ہمیں اوّل تو سزا ملے گی ہی نہیں اور اگر ملی بھی تو صرف چند دنوں کیلئے ملے گی، جتنے دن ان کے باپ دادوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی، عیسائیوں نے ان سب سے آگے بڑھ کر کفارہ کا مسئلہ کھڑا کر لیا تھا جس کے مطابق سب گناہگاروں کی سزا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھگت چکے ہیں۔

مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ: اگرچہ وہ لوگ مکمل "تورات و انجیل" کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کے دعویدار تھے مگر یہاں پر "کتاب کا کچھ حصہ" فرمایا گیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کا پوری کتاب پر ایمان ہی نہیں تھا "تورات و انجیل" کا کچھ حصہ تو انہوں نے خود ہی ضائع کر دیا تھا کچھ میں رد و بدل کر دیا تھا اور بقیہ کچھ حصہ موجود تھا اگر اس پر بھی ایمان لے آتے تو ہدایت پا جاتے، "تورات، انجیل" میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے کی اور آپ کی بعض نشانیاں موجود تھیں اگر وہ لوگ انہیں پر ایمان لا کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سچا پیغمبر مان لیتے تو کوئی جھگڑا باقی نہ رہتا مگر وہ ضد کی وجہ سے ایمان سے محروم رہے، "انجیل" کے متعلق خود پادریوں نے مانا کہ اس میں تین ہزار غلطیاں ہیں جو لوگوں نے شامل کر دی ہیں اصل کتاب تو عبرانی یا سریانی زبان میں اتری تھی مگر اب دنیا میں اصل کتاب کہیں نہیں ملتی اس کے بجائے اب بائبل میں چار انجیلیں موجود ہیں ہر ایک میں اختلاف پایا جاتا ہے، یوحنا کچھ کہتا ہے، مرقس کا مضمون کچھ اور ہے، متّی کی اپنی الگ راگنی ہے اور لوقا کچھ اور بتاتا ہے ان کے علاوہ پانچویں "انجیل" برنباس بھی ہے بلکہ مجموعی طور پر تو ایک سو بیس انجیلوں کی نشاندہی ملتی ہے مگر ان کا اکثر حصہ ضائع ہو چکا ہے کچھ تھوڑا بہت اصل حصہ موجود ہے جس کے متعلق فرمایا کہ: اگر اس پر بھی ایمان لے آتے تو ہدایت پا لیتے۔

کتاب اللہ سے مراد قرآن مجید بھی ہو سکتا ہے اگر اس آخری آسمانی کتاب کو ہی تسلیم کر لیں تو سارا مسئلہ

حل ہو جائے مگر یہ بد بخت لوگ کسی چیز کو ماننے کیلئے تیار نہیں۔

کتاب اللہ سے منہ موڑنے کی وجہ شفاعت سے متعلق ان کا بیہودہ عقیدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہمیں دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی مگر چند دن کیلئے، یہودیوں میں یہ باطل عقیدہ پختہ ہو چکا تھا کہ وہ صرف اتنے ہی دن کیلئے دوزخ میں جائیں گے جتنے دن ان کے باپ دادا نے بچھڑے کی پوجا کی تھی اس کے بعد ہمارے بڑے ہمیں چھڑا لائیں گے بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دوزخ کے کنارے پر کھڑے ہونگے اور جو بھی ختنے والا اسرائیلی ہوگا اسے جہنم میں نہیں گرنے دیں گے اسے پکڑ کر جنت میں داخل کر دیں گے، یہ جبری شفاعت والا عقیدہ ہے کہ ہمارے پیغمبر ہمیں زبردستی اللہ تعالیٰ کی گرفت سے چھڑا لیں گے یہ تو یہودیوں کا عقیدہ ہے اور عیسائیوں کا بیہودہ عقیدہ یہ ہے کہ ہم جو چاہے کرتے پھریں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہماری طرف سے سولی پر چڑھ کر کفارہ ادا کر دیا ہے ہمیں اب کوئی پرواہ نہیں، حالانکہ یہ تو عقل کے بھی خلاف ہے کہ جرم کوئی کرے اور سزا کوئی دوسرا بھگتے یہ تو ممکن ہی نہیں اصل بات یہ ہے کہ جو کوئی کریگا وہی بھرے گا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین میں تو یہ مسئلہ واضح ہے کہ کوئی بھی شخص کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائیگا، گناہگار اپنے گناہ کی سزا خود بھگتے گا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی ہے کہ: جس کا گناہ ہوگا اسی کی گردن پر پڑیگا۔

آخرت کا انجام

فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۚ وَ وُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ
پھر کیا ہوگا جب جمع کرینگے ہم انہیں ایسے دن میں کہ نہیں شک میں اس اور پورا دیا جائیگا ہر جی کو

مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٥﴾
جو اس نے کیا اور وہ نہیں ظلم کئے جائینگے (۲۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر کیا ہوگا جب ہم انہیں ایک دن جمع کریں گے جس میں کوئی شک نہیں اور ہر شخص کو

اپنا کیا ہوا پورا پورا دیا جائیگا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (۲۵)

تفسیر

اس سورۃ کی ابتداء ہی سے اہل کتاب کو مخاطب کیا جا رہا ہے خصوصاً بار بار عیسائیوں کو حضرت محمد ﷺ اور قرآن مجید کی طرف دعوت دی جا رہی ہے لیکن ان لوگوں کا رویہ ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ انہوں نے ہر سچے اور نیکو کار کو جھٹلایا، اسکی شدید مخالفت کی، حد یہ ہے کہ پیغمبروں کو قتل کرنے سے بھی باز نہ آئے۔

دوسری طرف ان کے عقیدوں کی کمزوری کی حد یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس قدر معصوم خیال کرتے ہیں کہ دوزخ کی آگ انہیں کچھ نہ کہے گی اگر دوزخ میں گئے بھی تو چند دن کیلئے یہ سب ان کی خود فریبی ہے ان باتوں کا حقیقت سے دور کا واسطہ نہیں بھلا کوئی شخص اپنے کئے کی سزا سے کیسے بچ سکتا ہے؟

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت اور اس کے ہولناک نتیجوں کی طرف انہیں متوجہ کیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

اس دن کو کیوں بھول رہے ہو جس دن سب کو جمع کیا جائیگا، اس دن کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں۔

آخرت میں ہر شخص کو اس کے عملوں کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہوا ہے: جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اسکا بدلہ پالے گا اور جس نے دنیا میں ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسکی سزا بھی بھگتے گا کوئی بھی شخص عملوں کے نتیجوں سے نہ بچ سکے گا۔

آیت کا آخری جملہ یہ ہے کہ اس دن کسی پر ظلم نہ ہوگا ذرہ ذرہ کا حساب ہو جائیگا اور معمولی سے معمولی کام کا نتیجہ سامنے آجائیگا اگر انسان اس دن کو یاد رکھے تو وہ گناہ کا خیال بھی دل میں نہ لائے۔

اللہ تعالیٰ کا اختیار و قدرت

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ

آپ کہہ دیں اے اللہ مالک بادشاہت کے آپ دیتے ہیں بادشاہت جسے آپ چاہیں اور چھین لیتے ہیں بادشاہت

مِمَّنۡ تَشَآءُ ۫ وَ تُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ ؕ بِیَدِكَ

جس سے آپ چاہیں اور عزت دیتے ہیں آپ جسے آپ چاہیں اور ذلیل کرتے ہیں آپ جسے آپ چاہیں آپ ہی کے ہاتھ میں

الۡخَیۡرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۶﴾

بھلائی ہے بیشک آپ پر ہر چیز کے قادر ہیں (۲۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ آپ کہہ دیجئے کہ اے بادشاہت کے مالک! آپ باشاہت دیتے ہیں جسے چاہیں اور بادشاہت چھین لیتے ہیں جس سے چاہیں، عزت دیتے ہیں جسے چاہیں اور ذلیل کرتے ہیں جسے چاہیں، آپ ہی کے ہاتھ میں ساری بھلائیاں ہیں بیشک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔ (۲۶)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بادشاہت کی صفت کو خاص طور پر اس لئے بیان کیا ہے کہ انسان کو اسکی قدرتوں اور طاقتوں کا احساس رہے انسان اپنے عارضی اور فانی دنیوی اقتدار کے نشے میں حقیقی مالک کو بھول نہ جائے چار دن کی چلتی پھرتی چھاؤں اسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے غافل نہ کردے۔

قرآن مجید کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے مکمل قدرت اور انسان کی انتہائی عاجزی اور بے بسی کا بیان اس انداز میں موجود ہے کہ کسی کو انکار کی مجال نہیں ہوسکتی۔

اگر اس آیت کو نجران کے عیسائی وفد کے سلسلہ میں بیان کرنا ہو تو اسکا ربط یوں بیان کریں گے کہ اے عیسائی عالمو! جن بادشاہوں کی بادشاہت اور ان کی دی ہوئی عزت پر تم فخر کرتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ! تمام جہان کی کل سلطنت اور عزت کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں سب کچھ اسی کی قدرت میں ہے جسے چاہیں دیں جس سے چاہیں چھین لیں، اس حقیقت کا عملی نمونہ اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کو دکھادیا جب ایک معمولی اور غریب جماعت کو روم وفارس کے خزانوں کا مالک بنادیا۔

ان الفاظ کو دعا کی شکل میں مسلمانوں کو تعلیم کر کے یہ بتایا کہ جو لوگ غریب تھے اپنے ایمان کی بدولت بادشاہت کے مالک ہوں گے اور جو بادشاہ تھے وہ اپنی بدعملیوں کی بدولت ذلت میں گرینگے ہر خوبی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہی قادر ہیں۔

تُؤْتِي الْمُلْكَ تَشَآءُ: اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بادشاہت عطا فرماتے ہیں یہ صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، یہ بادشاہت تو اپنے خاص بندوں کے علاوہ آزمائش کیلئے بعض اوقات بڑے بڑے مجرموں اور نافرمانوں کو بھی دے دیتے ہیں، "سورۃ بقرہ" میں نمرود کا واقعہ گزر چکا ہے جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کیساتھ جھگڑا کیا تھا اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ نے اس کو بہت بڑی بادشاہت دے رکھی تھی، جس کی وجہ سے وہ شکر گزار بندہ بننے کے بجائے مغرور ہو گیا تھا، فرعون نے بھی یہی کہا تھا کہ مصر کی حکومت میری ہے، دیکھ لو میرے حکم سے نہریں چل رہی ہیں، ڈیم بنے ہوئے ہیں جن سے کھیتی باڑی ہوتی ہے، خزانے بھرپور ہیں، طاقتور فوج موجود ہے، میرے سوا اور کون ہے؟ مقصد یہ کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں کو بھی بادشاہت دیدیتے ہیں اور وہ محض آزمائش ہوتی ہے پھر جب اسکا وقت پورا ہو جاتا ہے تو بادشاہت چھین لیتے ہیں، تاریخ گواہ ہے کہ ایک وقت آیا جب اللہ تعالیٰ نے رومیوں اور ایرانیوں سے حکومت چھین کر مسلمانوں کے حوالے کر دی اور یہ سب کچھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوا۔

بادشاہت دینے اور چھیننے کی ایک مثال

۵ھ میں کفار کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کی خبر پہنچی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مشورہ کیلئے جمع فرمایا، چنانچہ فیصلہ ہوا کہ مدینہ کے اندر رہ کر مقابلہ کیا جائے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے شہر کی حفاظت کیلئے اس کے گرد خندق کھودنے کا فیصلہ ہوا کئی میل لمبی خندق کو آپ نے دس دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حصہ میں چالیس چالیس گز کا ٹکڑا تقسیم فرما دیا، پتھریلی زمین میں خندق کھودنا بڑے جان جوکھوں کا کام تھا گرمی کے موسم میں فاقہ کے مارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ مشکل کام چھ دن میں مکمل کر لیا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کیساتھ خندق کھودنے میں شریک رہے، خندق کی کھدائی کی دوران ایک بڑی چٹان آگئی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ٹوٹتی نہیں تھی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا گیا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اللہ تعالیٰ کا نام لیکر اپنے ہاتھ سے کدال مارا آگ کے شعلے نکلے اور چٹان ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی آپ نے فرمایا: اس روشنی میں اللہ تعالیٰ نے مجھے ایران کے محلات دکھلائے ہیں، آپ نے دوسری دفعہ کدال مارا پھر شعلے بلند ہوئے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے رومیوں کے محلات بھی دکھا دیے، تیسری دفعہ کدال مارا تو فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے صنعا کے محل دکھائے ہیں اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آکر خوشخبری سنائی کہ یہ تمام ملک بہت تھوڑے عرصہ میں آپ کی ماتحتی میں آجائیں گے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے خوش ہوئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام برحق ہے مگر مدینے کے منافقوں نے مذاق اڑانا شروع کردیا، کہنے لگے مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ باہر قضائے حاجت کیلئے جانے سے عاجز آچکے ہیں مگر روم وشام کے محلات کے خواب دیکھ رہے ہیں مگر دنیا نے دیکھا ۱۷-۱۸ھ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے کچھ عرصہ بعد ہی شام، ایران اور صنعاء وغیرہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے، مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بادشاہت عطاء کرتے ہیں اور جس سے چاہتے ہیں چھین لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۫ وَ تُخْرِجُ

آپ داخل کرتے ہیں رات کو | میں | دن | اور آپ داخل کرتے ہیں | دن کو | میں | رات | اور آپ نکالتے ہیں

الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۫ وَ تَرْزُقُ مَنْ

زندہ کو | سے | مردہ | اور آپ نکالتے ہیں | مردہ کو | سے | زندہ | اور آپ رزق دیتے ہیں | جسے

تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

آپ چاہیں | بے | حساب (۲۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ آپ رات کو دن میں داخل کرتے ہیں اور دن کو رات میں داخل کرتے ہیں اور آپ زندہ کو مردہ سے نکالتے ہیں اور مردہ کو زندہ سے نکالتے ہیں آپ جسے چاہیں بے حساب رزق عطاء کرتے ہیں۔ (۲۷)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جہان میں ہر طرح کی تبدیلی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہونی چاہئے، وہ موسموں میں اور رات دن میں تبدیلی کرتے رہتے ہیں، وہ کبھی رات کو گھٹاتے اور دن کو بڑھا دیتے ہیں اور کبھی دن کو گھٹا کر رات کو بڑھا دیتے ہیں اس طرح ایک کا کچھ حصہ دوسرے میں داخل کرتے رہتے ہیں مثلاً: سردی میں چودہ گھنٹے کی رات اور دس گھنٹے کا دن ہوتا ہے اور کچھ عرصہ بعد، یعنی: گرمی میں رات کے چار گھنٹے کاٹ کر دن میں داخل کر دیتے ہیں اس موسم میں رات دس گھنٹے کی رہ جاتی ہے اور دن چودہ گھنٹے کا ہو جاتا ہے یہ ساری تبدیلیاں اسی کی قدرت سے ہیں، چاند سورج اور ستارے اس کے ارادہ کے بغیر ذرا بھی حرکت نہیں کر سکتے۔

دن چھوٹے بڑے کرنے کے علاوہ وہ مردے سے زندہ پیدا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور زندہ سے مردہ پیدا کرنے پر بھی اسے مکمل اختیار حاصل ہے پہلے کی مثال: انڈے سے چوزا پیدا کرنا ہے اور نطفہ سے بچہ کا پیدا کرنا ہے اور دوسرے کی مثال: پرندے سے انڈہ، آدمی سے نطفہ، عالم سے جاہل اور ناقص سے کامل پیدا کرنا ہے۔

وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ: حساب کا ایک معنیٰ مشقت ہے، بغیر حساب کا معنیٰ ہوگا بغیر مشقت کے، یعنی: اللہ تعالیٰ جسے چاہیں بغیر مشقت کے بھی روزی عطا فرماتے ہیں، یعنی: بعض کو آسانی کیساتھ رزق پہنچاتے ہیں کہ انہیں کوئی مشقت نہیں اٹھانی پڑتی اور ملتی بھی اتنی زیادہ ہے جو شمار سے باہر ہو۔

کافروں سے دوستی

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ

نہ بنائیں مسلمان کافروں کو دوست چھوڑ کر مسلمانوں کو

وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّاۤ اَنْ تَتَّقُوْا
اور جوکوئی کرے یہ تو نہیں سے اللہ میں کسی چیز مگر یہ کہ کرنا چاہو

مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۲۸
سے ان بچاؤ اور ڈراتا ہے تم کو اللہ اپنے سے اور طرف اللہ کے لوٹ جانا (۲۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ مسلمان کافروں کو دوست نہ بنائیں مسلمانوں کو چھوڑ کر اور جو کوئی یہ کام کرے تو وہ اللہ کی طرف سے کسی شمار میں نہیں مگر اس حالت میں کہ تم ان سے بچاؤ کرنا چاہو تو کافروں سے دوستی کی گنجائش ہے اور اللہ تمہیں اپنے سے ڈراتے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔(۲۸)

تفسیر

پچھلی آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ عزت دینا، عزت چھین لینا اللہ تعالیٰ کے ہی قدرت میں ہے ہر طرح کی حکومت و بادشاہت اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں اس لئے مسلمانوں کیلئے جو صحیح معنیٰ میں اس پر یقین رکھتے ہیں، یہ شایان شان نہیں کہ اپنے مسلمان بھائیوں کو چھوڑ کر یا انہیں کافی نہ سمجھ کر خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں، اس کے منکروں اور کافروں سے دوستی بڑھائیں، اللہ اور پیغمبر کے دشمن کبھی تمہارے دوست نہیں بن سکتے کیونکہ وہ تو کفر کو غالب دیکھنا چاہتے ہیں، جو شخص اس کے الٹ کرے گا سمجھ لو کہ اسے خدا سے محبت نہیں، ایک مسلمان کی سب امیدیں صرف اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہونی چاہئیں۔

انسانوں کے اندر اچھے برتاؤ کی صرف تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

(۱)....دوستی (۲)....ظاہری خوش خلقی (۳)....احسان و نفع پہنچانا۔

علماء کرام نے فرمایا ہے کہ: کافروں سے حقیقی دوستی تو کسی حال میں جائز نہیں، احسان و نفع پہنچانا صرف ان کافروں سے جائز ہے جو مسلمانوں کیساتھ جنگ پر آمادہ نہ ہوں اور ظاہری خوش خلقی صرف تین حالتوں میں جائز ہے، ایک اپنے بچاؤ کیلئے، دوم خود اسے اسلام پر لانے کی کوشش کے سلسلہ میں، سوم میزبان ہونے کی

صورت میں، یعنی: جب کافر مہمان بن کر آئے، بس ان تین صورتوں کے سوا اپنے ذاتی فائدہ یا مال و دولت حاصل کرنے کیلئے کسی طرح بھی دوستی جائز نہیں بلکہ جب یہ خطرہ ہو کہ وہ دین میں رکاوٹ ڈالے گا تو اس سے میل ملاپ بالکل ناجائز ہے۔

اللہ تعالیٰ ایسے مسلمان کو جو کافروں سے دوستی رکھتے ہیں اپنے عذاب سے ڈراتے ہیں تاکہ وہ یاد رکھیں کہ! بالآخر سب کو اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے وہ جزاء سزا دیں گے اور اس کی پکڑ سے بچ کر نکلنا کسی کیلئے ہرگز ممکن نہ ہوگا۔

فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ: جو کافروں سے دوستی کرے گا وہ اللہ کے سامنے کسی شمار میں نہیں ہے، یعنی: اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسکا دین اور مذہب کچھ قابل اعتبار نہیں کافروں سے دوستی کرنا تو جائز نہیں کیونکہ جو شخص جس کسی کیساتھ دوستی رکھتا ہے وہ اسی کے دین کی طرف ڈھل جاتا ہے، البتہ اگر کسی وقت کافروں کو غلبہ حاصل ہو اور ان کی تکلیف سے بچنے کیلئے دوستی کا اظہار کر دیا جائے تو کوئی پکڑ نہیں بشرطیکہ دل مطمئن ہو۔

کافروں کیساتھ مسلمانوں کے تعلقات کیسے ہونے چاہئیں؟

(ایک تحقیقی مضمون)

قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں مسلمانوں کو کافروں کیساتھ دلی محبت رکھنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے، ان آیتوں کے مضمون کو دیکھ کر غیر مسلم یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے مذہب میں غیر مسلموں سے کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں حالانکہ بات اس طرح نہیں ہے، قرآن کریم کی بہت سی آیتوں سے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی حدیثوں سے غیر مسلموں کیساتھ اچھے برتاؤ کے ایسے ایسے واقعات ثابت ہوتے ہیں جن کی مثالیں ملنا مشکل ہیں، ایک کم معلومات رکھنے والے مسلمان کو اس جگہ قرآن وسنت کے احکام وارشادات میں ایک دوسرے کیساتھ الجھاؤ اور ٹکراؤ محسوس ہونے لگتا ہے مگر یہ دونوں خیال درست نہیں، اگر مختلف جگہوں سے قرآن کریم کی آیتوں کو

جو اس معاملہ سے متعلق ہیں جمع کر کے غور کیا جائے تو نہ غیر مسلموں کیلئے کوئی شکایت کی وجہ باقی رہتی ہے نہ آیتوں اور حدیثوں میں کسی قسم کا الجھاؤ باقی رہتا ہے، اس لئے اس مسئلے کی پوری تشریح کردی جاتی ہے۔

بات یہ ہے کہ دو شخصوں یا دو جماعتوں میں تعلقات کے مختلف درجات ہوتے ہیں، ایک درجہ موالات یعنی: دلی محبت اور دلی دوستی کا ہے، یہ صرف مؤمنین کیساتھ مخصوص ہے غیر مسلم کیساتھ مؤمن کا یہ تعلق کسی حال میں جائز نہیں۔

دوسرا درجہ مواسات کا ہے، یعنی: ہمدردی اور خیر خواہی ان کافروں کے سوا جو مسلمانوں سے لڑتے ہیں باقی سب غیر مسلموں کیساتھ جائز ہے۔

تیسرا درجہ مدارت، یعنی: ظاہری خوش خلقی اور دعا سلام کا ہے، یہ بھی تمام غیر مسلموں کیساتھ جائز ہے جبکہ اس سے مقصود ان کو دینی نفع پہنچانا ہو یا وہ اپنے مہمان ہوں یا ان کی برائی اور تکلیف سے خود کو بچانا مقصود ہو، اس آیت سے یہی درجہ مراد ہے۔

چوتھا درجہ معاملات کا ہے کہ ان سے تجارتی لین دین کیا جائے، یہ بھی تمام غیر مسلموں کیساتھ جائز ہے سوائے ایسی حالت کے کہ ان معاملات سے عام مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اس پر گواہ ہے، فقہاء نے اسی وجہ سے مسلمانوں کیساتھ لڑنے والے کافروں کے ہاتھوں اسلحہ فروخت کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے، باقی تجارت وغیرہ کی اجازت دی ہے اور ان کو اپنا ملازم رکھنا یا خود ان کے کارخانوں اور اداروں میں ملازمت کرنا یہ سب جائز ہے۔

اس تفصیل سے آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ محبت اور دلی دوستی تو کسی کافر کیساتھ کسی حال میں جائز نہیں اور احسان و ہمدردی کا معاملہ کرنا لڑنے والوں کافروں کے سوا سب کیساتھ جائز ہے اسی طرح ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ بھی سب کیساتھ جائز ہے۔

کافروں کی پشیمانی

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ یَعْلَمُ
کہہ دیجئے اگر تم چھپاؤ جو میں ہے دلوں تمہارے یا ظاہر کرو اسے جانتا ہے اسے اللہ اور جانتا ہے

مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾
جو میں ہے آسمان اور جو میں ہے زمین کے اور اللہ پر ہر چیز کے قادر ہے (۲۹)

یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ۛۚ وَّ مَا عَمِلَتْ
جس دن پائیگا ہر جی جو کیا اس نے کوئی نیکی اپنے سامنے اور جو کیا اس نے

مِنْ سُوْٓءٍ ۛۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَهَا وَ بَیْنَهٗۤ اَمَدًۢا بَعِیْدًا ؕ وَ یُحَذِّرُكُمُ
کوئی برائی آرزو کریگا کاش کہ میرے اور درمیان اسکے فرق دور کا اور ڈراتا ہے تمہیں

اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾
اللہ اپنے سے اور اللہ مہربان ہے بندوں اپنے پر (۳۰)

با محاورہ ترجمہ:۔ آپ کہہ دیجئے! اگر تم اپنے جی کی بات چھپاؤ گے یا اسے ظاہر کرو گے اللہ تعالیٰ اسے جانتے ہیں اور اسے معلوم ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔ (۲۹) جس دن ہر شخص موجود پائیگا جو کچھ اس نے نیکی کی ہے اپنے سامنے اور جو کچھ اس نے بدی کی ہے، آرزو کریگا کاش! مجھ میں اور اس میں دور کا فاصلہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بندوں پر مہربان ہیں۔ (۳۰)

تفسیر

ان آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ تو ممکن ہے کہ آدمی اپنے دل کی بات لوگوں سے چھپالے لیکن وہ اس

طرح اللہ تعالیٰ سے کچھ نہیں چھپا سکتا اور اسے فریب نہیں دے سکتا اللہ تعالیٰ کا علم وسیع ہے جو زمین و آسمان کی ہر چیز اسکے علم میں ہے، کوئی ذرہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں، قیامت کے دن ہر شخص کی نیکی بدی اس کے سامنے ہوگی، ساری عمر کا اعمال نامہ ہاتھ میں پکڑا دیا جائیگا، اس وقت گنا ہگار یہ آرزو کریں گے کاش! دنیا میں ہمارے اور برے عملوں کے درمیان بہت دور کا فاصلہ ہوتا، لیکن اس دن افسوس کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کے ذریعے اس بات کی تنبیہ کررہے ہیں کہ تم برائی سے دور رہو اور جن کاموں سے روکا گیا ہے ان سے بچتے رہو، کافروں سے دوستی نہ رکھو، یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ وقت سے پہلے ہمیں خوفناک دن سے ڈرایا ہے تاکہ برائی چھوڑ کر بھلائی کی طرف رجوع کرسکیں، سب پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان حکموں پر غور کریں برائی اور گناہ سے بچتے رہیں، بھلائی کی طرف راغب رہیں، تقویٰ اختیار کریں، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں اور نیکی کی زندگی بسر کریں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی

قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَ يَغۡفِرۡ

آپ کہہ دیں اگر ہو تم محبت کرتے اللہ سے تو پیروی کرو میری محبت کریگا تم سے اللہ اور بخشے گا

لَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ‌ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۳۱﴾ قُلۡ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَ

تمہارے گناہ اور اللہ بخشنے والا مہربان (۳۱) آپ کہہ دیجئے حکم مانو اللہ کا اور

الرَّسُوۡلَ‌ۚ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۳۲﴾

پیغمبر کا پھر اگر منہ موڑیں تو بیشک اللہ نہیں محبت کرتے کافروں سے (۳۲)

بامحاورہ ترجمہ: آپ کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے اور تمہارے گناہ بخش دیں گے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والے مہربان ہیں۔ (۳۱) آپ کہہ دیجئے! حکم مانو اللہ تعالیٰ کا اور اس کے پیغمبر کا، پھر اگر وہ منہ موڑیں تو سُن لو کہ اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتے۔ (۳۲)

تفسیر

پچھلی آیتوں میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں سے دوستی کو منع فرمایا ہے، اس آیت میں ہے کہ محبت اللہ تعالیٰ سے کرو اور اللہ تعالیٰ سے محبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مکمل پیروی میں ہے، یعنی: اگر دیکھنا ہو کہ کون اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے تو دیکھنا ہوگا کہ اسمیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی کتنی ہے، جس قدر کوئی شخص پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی کرتا ہوگا اسی قدر اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کریں گے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی کی برکت سے اس کے پہلے گناہ معاف ہو جائیں گے اور آئندہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور خاص توجہ کا مستحق ہوگا گویا اللہ تعالیٰ سے محبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی کے بغیر ممکن نہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی کامل الایمان ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ اس چیز کی پیروی نہ کرے جسے میں لایا ہوں، نیز یہ کہ تم میں سے اس وقت تک کوئی کامل مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی میرے ساتھ محبت تمام مخلوق سے زیادہ نہ ہو۔

"مشکوٰۃ شریف" میں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت موجود ہے کہ ایک موقع پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وضو فرما رہے تھے کہ کچھ لوگ آپ کے استعمال شدہ پانی کو اپنے جسموں پر مل رہے تھے آپ نے پوچھا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو تو انہوں نے جواب دیا اللہ اور اس کے پیغمبر کی محبت کی وجہ سے ایسے کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ اور اس کے پیغمبر کیساتھ تمہاری محبت اس وقت ثابت ہوگی جب زبان سے سچ بولو گے، امانت میں خیانت نہیں کرو گے، اپنے پڑوسیوں کو تکلیف دینے والی کوئی بات نہیں کرو گے، ظاہر ہے کہ سچ بولنا بڑا مشکل کام ہے، امانت دار ہونا بھی بڑی بات ہے، پڑوسی کو تکلیف سے محفوظ رکھنا بھی ایمان کی نشانی ہے تو جب تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات کی پیروی نہیں ہوگی محض محبت کے زبانی دعووں سے کچھ فائدہ نہ ہوگا غرضیکہ ایمان کے مکمل ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی میں فرق نہ آنے پائے۔

بہر حال فرمایا کہ: اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو اسکا نتیجہ یہ ہوگا اللہ تم سے محبت کریں گے، اور پیغمبر کی مکمل پیروی اس وقت ہوگی جب اس کی زندگی کو اختیار کیا جائیگا صرف نماز پڑھنے سے پیروی کا حق ادا نہیں ہوگا بلکہ تجارت، معاملات، اخلاق، لین دین، عبادت، سیاست، جہاد، صلح، شادی، غمی غرضیکہ زندگی میں پیش آنے والے ہر معاملہ میں پیغمبر کی پیروی کرنی ہوگی۔

یہودی اور عیسائی کہا کرتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور محبوب ہیں یہاں یہ بتلا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کا انکار کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب نہیں ہوسکتا جو کوئی اللہ تعالیٰ کا محبوب بننا چاہتا ہے وہ آپ ﷺ کے حکم کی پیروی کرے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبت کرنے والے بندوں سے یہ کہا ہے کہ: اگر میری محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو میرے حبیب کی پیروی کرو اس کے نتیجہ میں خود میں تم سے "محبت کرنے والا" بن جاؤنگا اور تمہارے گناہوں کو معاف کروں گا اس کیساتھ ہی تنبیہ بھی کردی اگر تم نے اللہ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت نہ کی تو تمہارا شمار انکار کرنے والوں میں ہوگا اور اللہ تعالیٰ انکار کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتے۔

پیغمبروں کا سلسلہ

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى

بیشک اللہ نے پسند کیا آدم اور نوح اور گھرانہ ابراہیم کا اور گھرانہ عمران کا پر

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾

سارے جہان والوں (۳۳) اولاد بعض انکے سے بعض انکے اور اللہ سننے والا ہے جاننے والا ہے (۳۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم اور نوح کو اور ابراہیم کے گھرانے کو اور عمران کے گھرانے کو سارے جہان والوں پر پسند کیا۔ (۳۳) جو ایک دوسرے کی اولاد تھے اور اللہ تعالیٰ سننے والے جاننے

والے ہیں۔(۳۴)

تفسیر

حضرت آدم علیہ السلام پیغمبری کیلئے چنے گئے ان کے بعد یہ پیغمبری حضرت شیث علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کو ملی پھر اسکے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملی، حضرت آدم اور حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جتنے لوگ بھی دنیا میں آباد رہے وہ سب ان کی اولاد سے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کی طرح پیغمبری کا درجہ بخشنے کیلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے گھرانے کو مخصوص کرلیا اور ان کے بعد جتنے پیغمبر آئے وہ انہی کے دو بیٹوں حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہوئے۔

ذُرِّيَّةً بَعۡضُهَا مِنۡ بَعۡضٍ: ایک دوسرے کی نسل سے، نسب کا سلسلہ باپ کی طرف سے ہوتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام باپ کے بغیر پیدا ہوئے تھے اس لئے یہ خیال ہوسکتا تھا کہ انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں شمار نہیں کیا جاسکتا؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے "آل عمران" میں یہ بتادیا کہ یہ تمام پیغمبر ایک دوسرے کی اولاد میں سے تھے، کیونکہ حضرت مریم علیہا السلام کے والد عمران حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے لہٰذا ثابت ہوا کہ کوئی پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان سے باہر نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان میں بیشمار پیغمبروں کو بھیجا، حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل میں سے حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیغمبر بنے جن میں سے بعض کو بادشاہت بھی عطاء کی اور وہ وقت کے حکمران ہوئے اور پھر آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر پیغمبری کا سلسلہ ہمیشہ کیلئے بند فرمادیا، اسی لئے یہاں فرمایا کہ: ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کے خاندان کو پیغمبری کیلئے چُن لیا۔

سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ: اللہ تعالیٰ سب دعاؤں اور باتوں کو سنتے ہیں سب کے ظاہری اور پوشیدہ حالات کو

جانتے ہیں، اس سے کوئی بات چھپی نہیں، وہ ہر ایک کی خوبیوں سے باخبر ہیں اس لئے اسکا انتخاب کسی طرح ادھورا اور غلط نہیں ہوسکتا۔

حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ
جب کہا بیوی عمران کی نے اے رب میرے بیشک میں نے نذر مانی لئے آپکے جو میں ہے پیٹ میرے

مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا
آزاد کرکر پس آپ قبول فرمائیں مجھ سے بیشک آپ ہی سننے والے جاننے والے ہیں (۳۵) پھر جب

وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰی ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا
جنا اس کو بولی اے رب میرے بیشک میں نے جنا اسے لڑکی اور اللہ خوب جاننے والے ہیں جو

وَضَعَتْ ؕ وَ لَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ وَ اِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَ اِنِّیْۤ
جنا اس نے اور نہ ہوتا بیٹا بیٹی جیسا اور بیشک میں نے نام رکھا اسکا مریم اور بیشک میں

اُعِیْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾
پناہ میں دیتی ہوں اسے آپکی اور اولاد اسکی کو سے شیطان مردود (۳۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جب عمران کی بیوی نے کہا اے میرے رب! میں نے منت مانی ہے آپ کیلئے جو کچھ میرے پیٹ میں ہے کہ وہ آزاد ہوگا آپ کے گھر، یعنی: بیت المقدس کی خدمت کیلئے آپ مجھ سے قبول کیجئے، بیشک آپ ہی سننے والے جاننے والے ہیں۔ (۳۵) پھر جب اسے جنا تو بولی اے میرے رب! میں نے لڑکی جنی ہے اور اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جو کچھ اس نے جنا تھا اور بیٹا اس بیٹی جیسا نہ ہوتا اور (عمران کی بیوی نے کہا) میں نے اسکا نام مریم رکھا اور میں اسے اور اسکی اولاد کو آپ کی پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے۔ (۳۶)

تفسیر

عمران کی بیوی کا نام حنہ بنت فاقوذ تھا، انہوں نے اپنے زمانہ کے رواج کے مطابق اللہ تعالیٰ سے یہ منت مان رکھی تھی کہ جو کچھ ان کے پیٹ میں ہے اسے اللہ تعالیٰ کے نام پر آزاد کرتی ہیں جسکا مطلب تھا کہ وہ بچہ تمام دنیاوی کاموں سے آزاد ہوکر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بیت المقدس کی خدمت میں لگا رہے گا، ساتھ ہی انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ! آپ اپنی مہربانی سے میری منت کو قبول فرمایئے آپ تو میری دعا کو سنتے ہیں اور میری نیت کو جانتے ہیں۔

گویا اس خاتون نے اشارۃً یہ دعا کی کہ ان کے ہاں لڑکا پیدا ہو لیکن ان کی امید پوری نہ ہوئی اور خلاف توقع ان کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی اس لئے انہوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ اے اللہ! میں نے تو لڑکی جنی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: یہ بیٹی بڑی برکت والی ہے تجھے، کیا پتہ اس سے بڑی عزت والا اور مبارک بیٹا پیدا ہوگا۔

عمران کی بیوی نے عرض کیا کہ اے اللہ! میں نے اسکا نام مریم رکھا ہے، مریم کا معنیٰ بعض حضرات کے نزدیک عابدہ، یعنی: عبادت گزار ہے اور بعض حضرات کے نزدیک خادمہ ہے، انہوں نے کہا کہ میں اسے اور اسکی اولاد کو شیطان مردود سے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں، اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی، یہ قصہ پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اس زمانہ میں یہودیوں کے اندر طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوچکی تھیں لیکن پھر بھی کچھ کچھ ان میں ایسے لوگ موجود تھے جو اللہ تعالیٰ سے اپنی لو لگائے رکھتے تھے اور اپنی اولاد کو دین کی خدمت کیلئے وقف کردیتے تھے۔

احکام ومسائل

مسئلہ (۱):..... منت ماننا درست ہے اور اسکا پورا کرنا واجب ہوتا ہے۔

مسئلہ (۲):..... اگر کوئی گناہ کرنے کی منت مانے، کسی ناجائز کام کیلئے منت مانے، تو اس پر عمل کرنا

جائز نہیں ہوتا بلکہ ایسی منت کو توڑ دینا ضروری ہو جاتا ہے، پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ: جس شخص نے اللہ کی فرمانبرداری کی منت مانی تو اس کو وہ منت پوری کرنی چاہیے، اور لازماً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے برخلاف اس کے کہ اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کی منت مانی تو ایسے شخص کو نافرمانی نہیں کرنی چاہیے بلکہ ایسی غلط منت کو توڑ کر اسکا کفارہ ادا کر دینا چاہیے۔

مسئلہ (۳):.... منت توڑنے کا کفارہ قسم توڑنے کے برابر ہے، یعنی: دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا انہیں کپڑے پہنائے یا تین دن کے متواتر روزے رکھے۔

مسئلہ (۴):.... امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں: عمران حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے اور ان کی بیوی ہی اس یتیم بچی کی سرپرست تھیں، لہٰذا بچی کا نام انہوں نے خود رکھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ماں بھی بچے کا نام رکھ سکتی ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کی پرورش

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا

پھر قبول کیا اسے رب اسکے نے قبول اچھی طرح اور بڑھایا اسے بڑھانا اچھی طرح اور پرورش میں لیا اسے

زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا

زکریا نے جب کبھی بھی داخل ہوتے پاس اسکے زکریا حجرہ میں پاتے پاس اسکے

رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ

کھانا کہا اے مریم! کہاں سے آیا پاس تیرے یہ کہا یہ ہے پاس اللہ کے

اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

بیشک اللہ روزی دیتا ہے جسے چاہے بے حساب (۳۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھراس کے رب نے اسے اچھی طرح قبول کیا اور اسے اچھی طرح بڑھایا اور اسے زکریا کے سپرد کیا جب کبھی زکریا اس کے پاس حجرے میں آتے تو اس کے پاس کچھ کھانا پاتے (زکریا نے کہا) اے مریم! تیرے پاس یہ کہاں سے آیا ہے؟ مریم کہنے لگی اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتا ہے، اللہ تعالیٰ جسے چاہیں بے حساب رزق دیتے ہیں۔ (۳۷)

تفسیر

زکریا علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے اور رشتہ میں حضرت مریم علیہا السلام کے خالو تھے، حضرت مریم علیہا السلام کے والد ماجد عمران کی جب وفات ہوئی تو ان کی وفات کے بعد قوم کی سرداری حضرت زکریا علیہ السلام کے حصہ میں آئی تھی۔

اَلْمِحْرَاب: ایسی جگہ جہاں کوئی سب سے الگ تھلگ ہو کر بیٹھے، مسجد کے محراب کو بھی اسی وجہ سے محراب کہا جاتا ہے کہ امام سب سے آگے اور سب سے الگ ہو کر اس جگہ کھڑا ہوتا ہے۔

بیت المقدس کی خدمت کیلئے اس زمانہ میں لڑکی قبول نہیں کی جاتی تھی لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کی دعا قبول فرمائی اور بیت المقدس کے خادموں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ عام دستور کے خلاف لڑکی کو قبول کرلیں جب اس کی پرورش کے متعلق ان کے درمیان اختلاف ہوا کہ کون ان کی پرورش کرے کہ ان میں سے ہر ایک چاہتا تھا کہ ان کی پرورش کا اعزاز اسے حاصل ہو کیونکہ یہ ان کے امام کی بیٹی تھیں اس وجہ سے قرعہ اندازی کی گئی تو قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو جسمانی، روحانی، علمی، اخلاقی ہر لحاظ سے ایک الگ حیثیت عطاء فرمائی تھی، یہاں تک کہ ایک عام بچہ جتنا ایک سال میں بڑھتا ہے حضرت مریم علیہا السلام ایک دن میں بڑھتی تھیں، حضرت زکریا علیہ السلام نگران بنے انہوں نے تربیت کیلئے زیادہ کوشش کی، جب حضرت مریم علیہا السلام ذرا بڑی ہوئیں تو عبادت خانے کے پاس ان کیلئے ایک حجرہ مخصوص کردیا گیا سارا دن حضرت مریم علیہا السلام وہاں عبادت میں مشغول رہتیں۔

ان کے حجرے میں حضرت زکریا علیہ السلام جب کبھی تشریف لے جاتے تو ان کے پاس کھانے کی طرح طرح کی چیزیں پاتے، آپ حیران ہوتے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس یہ کہاں سے آنے لگیں، حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم پھل موجود ہوتے، سردیوں کے پھل موسم گرما میں اور گرمیوں کے پھل موسم سرما میں حضرت مریم علیہا السلام کے پاس ہوتے، یہ حضرت مریم علیہا السلام کی کرامت تھی اس لئے ایک بار آپ نے پوچھا کہ مریم تیرے پاس یہ کہاں سے آتا ہے انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتا ہے وہ جسے چاہیں بے حساب رزق دیتے ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً

وہیں دعا کی زکریا نے رب اپنے سے کہا اے رب میرے عطا کر مجھے سے پاس اپنے اولاد

طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُوَ قَآئِمٌ

پاکیزہ بیشک آپ سننے والے ہیں دعا کو (۳۸) پس آواز دی اسے فرشتوں نے اور وہ کھڑے

يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ

نماز پڑھ رہے تھے میں محراب کہ بیشک اللہ خوشخبری دیتا ہے آپکو یحییٰ کی تصدیق کرنیوالا حکم

مِّنَ اللّٰهِ وَ سَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

سے اللہ اور سردار اور پاک دامن اور پیغمبر میں سے نیکوں (۳۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہیں زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، کہا: اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا کیجئے، بیشک آپ دعا کے سننے والے ہیں۔ (۳۸) پھر انہیں فرشتے نے خوشخبری دی جب وہ حجرے میں نماز کیلئے کھڑے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خوشخبری دیتے ہیں یحییٰ کی جو اسکے حکموں کی تصدیق

کرنے والے ہونگے اور سردار اور پاک دامن اور پیغمبر نیک لوگوں میں سے ہونگے۔ (۳۹)

تفسیر

حضرت زکریا علیہ السلام اپنی قوم کی حالت دیکھ کر دل میں کڑھتے رہتے تھے اور سوچتے تھے کہ پیغمبری کا وہ علم جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے کی خاص چیز ہے اب پوری قوم میں اسکا وارث کوئی شخص نظر نہیں آتا، گھر میں کوئی اولاد نہ تھی، بیوی بانجھ تھیں اور خود بوڑھے ہو چکے تھے، وہ برابر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ اے اللہ! میرے علم کا کسی کو وارث بنایئے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی ایک دن وہ (محراب) حجرے کے اندر نماز پڑھ رہے تھے (یہاں پر محراب سے مراد مسجد کا محراب نہیں بلکہ کمرہ مراد ہے) کہ فرشتے نے بیٹا پیدا ہونے کی خوشخبری دی اور اسکا نام یحییٰ بتلایا، اللہ تعالیٰ کے مبارک فرشتے نے اس مبارک بچے کی کچھ صفات بھی بیان کیں کہ:

(۱)....وہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔

(۲)....وہ پاک دامن و پاک باز ہوگا اور عبادت میں مشغول ہونے کی وجہ سے عورت کے قریب نہ جائیگا۔

(۳)....وہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر نہایت صالح اور انتہائی پاکیزہ انسان ہوگا۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اولاد کی خواہش ایک فطری بات ہے، اللہ تعالیٰ دل سے نکلی ہوئی دعاؤں کو قبول کرتے ہیں اور اس کے نیک بندے نیک اولاد کیلئے دعا کرتے ہیں۔

جب یہ واقعہ پیش آیا اس وقت حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر ستتر سال یا بعض روایتوں کے مطابق سو سال تھی، آپ کی کوئی اولاد نہ تھی، بیوی بھی عمر کی بڑی اور بانجھ تھی، مگر حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم پھل دیکھ کر انہیں خیال پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ قادر ہیں وہ بے موسم پھل عطا کر سکتے ہیں تو عمر بڑی ہونے کے باوجود مجھے اولاد عطا کر سکتے ہیں، اس کیلئے ایسا کرنا بالکل آسان ہے چنانچہ یہی خیال حضرت زکریا علیہ السلام کا اپنے حق میں اولاد کی دعا

کرنے کا سبب بن گیا اور آپ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیئے اس موقعہ پر حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی عرض کیا، اے پروردگار! مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد عطا کیجئے۔

ان دنوں حضرت زکریا علیہ السلام سخت پریشان تھے، بہت بوڑھے ہو چکے تھے، بھائی بندوں سے خطرہ تھا، خاندان کے لوگ نالائق تھے، انہیں اپنے بعد تبلیغ و ہدایت کا کام جاری رکھنے والا کوئی نظر نہیں آتا تھا لہٰذا انہوں نے اپنے لئے نیک اولاد کی دعا کی۔

حَصُوْرًا: حضرت یحییٰ علیہ السلام خواہشات سے مکمل طور پر رکنے والے ہوں گے، چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے زندگی بھر شادی نہیں کی، اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ "حصور" کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ آپ شادی کے قابل نہ تھے بلکہ بتلانا یہ مقصود ہے کہ آپ تمام تر مردانہ قوت ہوتے ہوئے عبادت میں اس قدر مشغول رہتے تھے کہ نکاح کی خواہش ہی نہ تھی۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ ؕ

کہا اے رب کہاں سے ہوگا لئے میرے لڑکا اور بیشک پہنچ چکا مجھے بڑھاپا اور بیوی میری بانجھ ہے

قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً ؕ

کہا اسی طرح اللہ کرتا ہے جو چاہے (۴۰) کہا اے رب بنایئے لئے میرے کچھ نشانی

قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَ اذْكُرْ

فرمایا نشانی تیری کہ نہ بات کر سکے گا تو لوگوں سے تین دن تک مگر اشارہ اور یاد کرو

رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِىِّ وَ الْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ ع ۱۱/۴ ۱۲

اپنے رب کو بہت اور تسبیح کریں شام کو اور صبح کو (۴۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (زکریا نے) کہا اے رب! میرے (ہاں) لڑکا کہاں سے ہوگا؟ جبکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا اور میری بیوی بانجھ ہے، فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتے ہیں (۴۰) (زکریا نے) کہا اے رب! میرے لئے کچھ نشانی مقرر فرما دیجئے، فرمایا: تیرے لئے نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں سے بات نہ کر سکے گا تین دن مگر اشارہ سے اور اپنے رب کو بہت یاد کرو اور صبح وشام تسبیح کرو۔ (۴۱)

تفسیر

جب حضرت زکریا علیہ السلام کو خوشخبری سنائی گئی کہ تیرے ہاں ایک نیک بچہ ہوگا تو انہیں بہت حیرت ہوئی، کہنے لگے کہ اس کے ظاہری اسباب تو موجود نہیں میں خود بوڑھا ہو چکا ہوں اور بیوی بانجھ ہے بچہ کیسے پیدا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اسباب کے محتاج نہیں، ظاہری اسباب کے بغیر بھی جیسے چاہیں کر سکتے ہیں، حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹا ہونے کی خوشخبری تو مل گئی تھی مگر وہ نشانی معلوم کرنا چاہتے تھے جس سے ان کو دلی اطمینان حاصل ہو جائے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی جب امید بندھ گئی تو عرض کیا کہ اے اللہ! کوئی ایسی نشانی بتا دیجئے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ میری بیوی کے بچہ ہونے والا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: تو قدرت ہونے کے باوجود تین دن تک مسلسل اشارہ کے سوا بات نہیں کر سکے گا، پس جب یہ حالت ہو جائے اور تیری زبان خالص اللہ تعالیٰ کے ذکر کیلئے وقف ہو جائے تو سمجھ لینا کہ بچہ ہونے کو ہے، اس کیساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو تاکید فرمادی کہ صبح وشام میری حمد وثنا اور پاکیزگی کے بیان میں مصروف رہنا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ: حضرت زکریا علیہ السلام اللہ تعالیٰ تعالیٰ کی قدرت پر مکمل یقین رکھتے تھے اور اس کا بارہا مشاہدہ بھی کر چکے تھے اور خود ہی درخواست بھی کی تھی اور قبولیت کا علم بھی ہو گیا تھا پھر اس کہنے کے کیا معنٰی کہ کس طرح لڑکا ہوگا؟

بات در حقیقت یہ ہے کہ آپ کا یہ سوال کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ مقصود سوال سے کیفیت معلوم کرنا تھا کہ آیا ہم دونوں میاں بیوی کی جو موجودہ حالت ہے کہ دونوں خوب بوڑھے ہیں یہی حالت رہے گی یا اس میں کچھ تبدیلی کی جائے گی، اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ: نہیں تم بوڑھے ہی رہو گے اور اسی حالت میں تمہارے اولاد ہوگی، اب اس میں کوئی شک نہ رہا۔

حضرت مریم علیہا السلام کا درجہ

وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓىِٕكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَ طَهَّرَكِ وَ

اور جب بولے فرشتے اے مریم بیشک اللہ نے چُن لیا تجھے اور پاکیزہ بنایا تجھے اور

اصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۲﴾ یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِیْ

پسند کیا تجھے پر عورتوں جہان والیوں (۴۲) اے مریم بندگی کر واسطے رب اپنے کے اور سجدہ کر

وَ ارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ﴿۴۳﴾

اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنیوالوں کے (۴۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب فرشتے بولے اے مریم! اللہ نے تجھے چُن لیا اور پاکیزہ بنایا اور تجھے سارے جہان کی عورتوں میں سے چنا۔ (۴۲) اے مریم! اپنے رب کی بندگی کر اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کیساتھ رکوع کر۔ (۴۳)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے حضرت مریم علیہا السلام سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنی برکتیں اور نعمتیں دینے کیلئے چن لیا ہے، تجھے اپنی منت میں قبول کیا ہے اور تجھے تمام جہان کی عورتوں پر فضیلت بخشی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام سے فرمایا کہ: جب تجھے ایسی عزت اور بلند مرتبہ عطاء ہوا ہے تو تجھے چاہئے کہ ہمیشہ عاجزی وانکساری کرے، نہایت خلوص سے اپنے رب کی عبادت کرے، اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ کرنے اور رکوع کرنے والوں کیساتھ سجدہ اور رکوع کرتی رہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بیت المقدس کی خدمت کیلئے وقف کیا گیا چنانچہ بیت المقدس ہی میں آپ کی رہائش کا بندوبست ہوا اور وہیں بچپن میں آپ عبادت میں مصروف رہیں؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ: رکوع سجدہ کرنے والوں کیساتھ رکوع سجدہ کرو، یعنی: نماز پڑھنے والوں کیساتھ نماز پڑھو، مطلب یہ ہے کہ جب لوگ بیت المقدس میں نماز پڑھیں تو تُو بھی اپنے حجرہ میں نماز ادا کر، یہ بات یاد رہے کہ یہ حکم صرف حضرت مریم علیہا السلام کے کیلئے تھا عام خواتین اس حکم کی مخاطب نہیں تھیں کہ وہ بھی بیت المقدس میں آکر نمازیوں کیساتھ نماز ادا کریں۔

وَ اصۡطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الۡعٰلَمِیۡنَ: فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو یہ بھی خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جہان بھر کی عورتوں پر بزرگی عطاء فرمائی ہے، پہلے "اصطفیٰ" سے مراد بچپن کی فضیلت تھی، اب اس دوسرے "اصطفیٰ" سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ بننے کا مرتبہ ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم سے بغیر باپ کے آپ کے پیٹ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے عظیم پیغمبر پیدا ہوئے، یہ مرتبہ دنیا میں کسی اور عورت کو حاصل نہیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ: مردوں میں سے تو بہت سے کامل درجہ والے گزرے ہیں سارے کے سارے پیغمبروں، اس کے بعد صدیق اور دوسرے لوگ، مگر عورتوں میں صرف چند عورتیں کامل درجہ والی ہوئی ہیں، ان میں مریم علیہا السلام بنت عمران ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد ہیں، فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم بھی مومنہ اور کامل درجہ والی تھیں، اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید (گوشت کے شوربے میں روٹی کے ٹکڑے کر کے اس میں ڈال دیا جائے تو اس کو ثرید کہتے ہیں) کھانے کی دوسرے تمام کھانوں پر بعض روایتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ کا بھی ذکر آتا ہے یہ سب

عورتیں کامل درجہ والوں میں شامل تھیں۔

حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ؕ وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ
یہ سے خبریں غیب کی ہم وحی کرتے ہیں اسے طرف آپکی اور نہ تھے آپ پاس انکے

اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ ۪ وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ
جب ڈالنے لگے قلمیں کون ان میں سے پرورش میں لے مریم کو اور نہ تھے آپ پاس انکے

اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾
جب وہ جھگڑ رہے تھے (۴۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنی قلمیں قرعہ اندازی کیلئے ڈال رہے تھے کہ کون مریم کو پرورش میں لے اور آپ (اس وقت بھی) ان کے پاس نہ تھے جب وہ اس کو اپنی کفالت میں لینے کیلئے جھگڑ رہے تھے۔ (۴۴)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبری کی تائید میں یہ بیان فرمایا ہے یہ تمام گزرے ہوئے واقعات جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنا رہے ہیں ہم نے ان کو بتائے ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دل سے نہیں گھڑے، اسکا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ظاہری حیثیت سے بالکل پڑھے لکھے نہیں اور اہل کتاب کیساتھ اٹھے بیٹھے بھی نہیں جو ان کی زبانی انہیں یہ پرانے واقعات معلوم ہو جاتے اور اگر فرض کریں یہ بات مان بھی لی جائے کہ ان کے پاس رہے تو ان لوگوں کے پاس بھی صحیح علم موجود نہیں ہے، وہ خود اپنے وہموں میں مبتلا ہیں،

انہوں نے صحیح واقعات کو بدل ڈالا ہے لہٰذا یہ بات ظاہر ہے کہ یہ تمام قصے مثلاً: حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کا منت ماننا، حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش، یعنی: اللہ تعالیٰ کی طرف سے منت کا قبول کرنا، حضرت مریم علیہا السلام کی پرورش حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری وغیرہ یہ تمام حالات اور واقعات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف وحی کے ذریعہ معلوم ہوئے۔

حضرت مریم علیہا السلام منت میں قبول کر لی گئیں تو انہیں بیت المقدس کی خدمت کیلئے بھیج دیا گیا اب ان کی پرورش کا مسئلہ تھا، طے پایا کہ قرعہ اندازی کر لی جائے اسکی صورت یہ تجویز ہوئی کہ تمام خدمت گزار اپنے اپنے قلم جس سے وہ تورات لکھتے تھے وہ بہتے پانی میں چھوڑ دیں جسکا قلم پانی کے بہاؤ کی طرف چلنے کے بجائے اس کے مخالف جائے وہی حضرت مریم علیہا السلام کی پرورش کرے گا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم بہاؤ کے مخالف سمت میں تیرنے لگا، یعنی: جس طرف سے پانی آ رہا تھا اس طرف چلنے لگا، اس لئے حضرت مریم علیہا السلام کی پرورش کا کام انہیں دیا گیا، حضرت زکریا علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے اور رشتے میں حضرت مریم علیہا السلام کے خالو تھے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی مرضی سے حقدار کو حق پہنچ گیا۔

اللہ تعالیٰ نے دوبارہ بتایا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اس وقت بھی موجود نہ تھے جب وہ پانی میں اپنی قلمیں چھوڑ رہے تھے کہ کونسا شخص مریم کی پرورش کرے گا، لیکن اس کے باوجود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ علم وحی کے ذریعہ حاصل ہو گیا، اللہ تعالیٰ کی اس دلیل کے بعد بھی جو لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبری سے انکار کریں وہ گمراہ ہیں اور سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہیں ان کیلئے سخت سزا ہے، اس آیت سے صاف ظاہر ہے قرآن مجید قصّے کہانیوں کا مجموعہ نہیں، وہ ہدایت بھری کتاب ہے اور درمیان میں جو واقعات بھی آتے ہیں وہ اس کے مقصد کو واضح کرنے کیلئے آتے ہیں۔

حضرت مریم علیہا السلام کی پرورش کا تفصیلی واقعہ

حضرت مریم علیہا السلام کے ذکر کے بعد اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبری کی سچائی کا بیان ہے اس کے بعد

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری کا بیان ہوگا تاہم درمیان میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ آپ کی پیغمبری کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے تھے، جن کو دور کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری یہ واقعہ جو ہم نے بیان کیا ہے غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں، یعنی: آپ کو اس واقعہ کا علم نہ تھا اور نہ آپ جانتے تھے، جب حضرت مریم علیہا السلام کا یہ واقعہ پیش آیا آپ ان کے پاس بھی نہیں تھے، جو اس واقعہ کو ذاتی طور پر مانتے ہوں اور یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ وہ لوگ اپنی قلمیں ڈال رہے تھے، یعنی: اس بات میں قرعہ اندازی کررہے تھے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کون کرے، یہ اس وقت ہوا جب ان کی والدہ نے بتایا کہ انہوں نے نذر مانی تھی کہ اللہ تعالیٰ بچہ عطاء کریں گے تو وہ اسے بیت المقدس کی خدمت اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے وقف کردیں گی، چونکہ عمران فوت ہوچکے تھے اس لئے بیت المقدس کے سارے سربراہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کی پرورش اپنے ذمے لینے کی خواہش ظاہر کی وہ سمجھتے تھے کہ یہ بڑی بابرکت بچی ہے جسے اسکی ماں نے دین کی خدمت کیلئے وقف کررکھا ہے جب ان لوگوں کے درمیان پرورش کے مسئلہ پر جھگڑا پیدا ہوا تو انہوں نے اسکا فیصلہ قرعہ اندازی کے ذریعہ کرنے پر اتفاق کرلیا، قرعہ اندازی کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ ہر خواہش مند نے اپنی اپنی قلمیں بہتی نہر میں ڈال دیں جن سے وہ تورات لکھا کرتے تھے، چنانچہ یہ طے پایا کہ جس کا قلم پانی کے بہاؤ کی طرف بہنے کے بجائے اس طرف تیر کر جائیگا جس طرف سے پانی آرہا ہے تو وہ مریم کی کفالت کا حق دار ہوگا، حضرت مریم علیہا السلام کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام بھی قرعہ ڈالنے والوں میں شامل تھے، چنانچہ جب قلمیں پانی کے بہاؤ کی طرف ڈالی گئیں تو سب کے قلم بہاؤ کی طرف بہہ نکلے سوائے حضرت زکریا علیہ السلام کی قلم کے جو بہاؤ کی الٹی طرف چل پڑا، چنانچہ قرعہ اندازی کا فیصلہ آپ کے حق میں ہوگیا اور اس طرح حضرت مریم علیہا السلام ان کی پرورش میں چلی گئیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ

جب کہا فرشتوں نے اے مریم بیشک اللہ خوشخبری دیتے ہیں تجھے اپنے ایک حکم کی سے طرف اپنی نام ہے اسکا

الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ

مسیح عیسیٰ بیٹا مریم کا مرتبہ والا میں دنیا اور آخرت اور سے

الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾

اللہ تعالیٰ کے نزدیک (۴۵) اور باتیں کریگا لوگوں سے میں گود اور ادھیڑ عمر کو اور سے نیک لوگوں (۴۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جب فرشتے نے کہا، اے مریم! اللہ تعالیٰ تجھے خوشخبری دیتے ہیں اپنے ایک حکم کی جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے دنیا اور آخرت میں مرتبہ والا اور اللہ تعالیٰ سے نزدیکی رکھنے والوں میں سے ہوگا۔ (۴۵) اور وہ لوگوں سے باتیں کریگا جبکہ ماں کی گود میں ہوگا اور جبکہ ادھیڑ عمر میں ہوگا اور وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا۔ (۴۶)

لفظی تحقیق: اَلْمَسِيْحُ: مسیح۔ یہ عبرانی لفظ "ماشیخ" یا "مشیحا" کی ایک شکل ہے، اس کے معنیٰ مبارک کے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عام طور پر اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ: مسیح کا دوسرا نام ہے اور یہ عبرانی لفظ "ایشوع" سے بنا ہے جس کے معنیٰ "سید" کے ہیں، یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن مجید نے "ابن مریم" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام کیساتھ خاص طور پر ایک جزو کی حیثیت سے رکھا ہے؛ اس لئے ان کی نسبت ہمیشہ ماں ہی کی طرف ہوا کریگی، اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام کی بزرگی ظاہر کرنے کیلئے ان کا نام ہمیشہ کیلئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام کا جزو بنا دیا گیا۔ كَلِمَةٍ: قرآن وحدیث میں کئی جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "كَلِمَةُ اللّٰهِ" فرمایا گیا ہے، جس طرح روح القدس حضرت جبرائیل علیہ السلام کا لقب ہے اسی طرح "كَلِمَةُ اللّٰهِ" حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کا لقب ہے، یوں تو اللہ تعالیٰ کے کلمات بے شمار ہیں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "کَلِمَةُ اللّٰهِ" خاص طور پر اس لئے کہا گیا ہے کہ ان کی پیدائش عام قاعدے کے خلاف باپ کے بغیر اللہ تعالیٰ کے کلمہ "کُنْ" سے ہوئی ہے۔

تفسیر

جب حضرت مریم علیہا السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری دی گئی تو ممکن تھا کہ انہیں تشویش ہوتی کہ بغیر باپ کے دنیا کس طرح سچ مانے گی اور لوگ طرح طرح کی تہمتیں لگائیں گے، میں اپنی بے گناہی کیسے ثابت کرسکوں گی؟ اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ: تم اطمینان رکھو میں اس کو نہ صرف آخرت میں بلکہ دنیا بھی بڑی عزت عطا کروں گا اور دشمنوں کے سارے الزام جھوٹے ثابت کروں گا، تیرا بیٹا نہایت لائق اور اعلیٰ درجے کا نیک ہوگا، وہ ابھی بچہ ہی ہوگا کہ لوگوں سے باتیں کریگا، اپنی بے گناہی ثابت کرنے کیلئے تجھے بولنے کی ضرورت نہیں ہوگی تو صرف کہہ دینا کہ میں نے آج چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے بات نہیں کرسکتی، بچہ خود ہی بات کرے گا اور بڑا ہو کر بھی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی باتیں بتائیگا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ادھیڑ عمری چالیس سال کے بعد کی عمر کو کہا جاتا ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک تو دنیا میں ٹھہرے ہی نہیں پھر ادھیڑ عمر میں کلام کرنے سے کیا مراد ہے؟۔

اسی لئے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن میں کلام کرنا تو مکمل ہو گیا مگر آپ کا کہولت، یعنی: ادھیڑ عمر میں کلام کرنا ابھی باقی ہے یہ بات اس وقت ہوگی جب قیامت کے قریب زمانہ میں آپ دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے تو اس عمر میں بھی دانشمندانہ کلام کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے بن شوہر کے بیٹا

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّ لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ

بولی | اے رب میرے | کیسے | ہوگا | میرے ہاں | لڑکا | اور | نہیں | مجھے ہاتھ لگایا | کسی آدمی نے | کہا

كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ
اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہے جب ارادہ کرتے ہیں کسی کام کا تو کہتا ہے اس کو

كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾
ہوجا پس وہ ہوجاتا ہے(۴۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (مریم) بولی اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ جبکہ مجھے کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا، (فرشتوں نے) کہا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہیں پیدا کرتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو یہی کہتے ہیں کہ ہوجا سو وہ ہوجاتا ہے۔(۴۷)

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے ذریعے جب حضرت مریم علیہا السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری سنائی تو آپ کو حیرت ہوئی انہوں نے سوچا بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے مجھے ابھی تک کسی مرد نے چھوا تک نہیں، بن شوہر کے بچہ کی پیدائش کیسے ممکن ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں وہ جو چاہیں کرتے ہیں، وہ کسی کام کے کرنے میں کسے شئے کے محتاج نہیں، وہ جب کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو صرف حکم دیتے ہیں کہ "ہوجا" اور وہ کام ہوجاتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان ہے کہ اس کی قدرت بہت بڑی ہے، اللہ تعالیٰ ہر کام کا سبب خود ہی پیدا کرتے ہیں، اس نے زمین وآسمان اور کائنات کی تمام چیزیں بنالیں ایک سے بڑھ کر ایک چیز پیدا کی اور وہ اسباب کے محتاج نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کا نظام چلانے کیلئے طریقے مقرر فرمائے ہیں، مثلاً: پانی سے پیاس جاتی ہے، آگ میں ہاتھ ڈالنے سے ہاتھ جل جاتا ہے، دل کی حرکت بند ہوجانے سے انسان مرجاتا ہے، عورت اور مرد کے ملاپ

سے اولاد پیدا ہوتی ہے، یہ تمام باتیں عام عادت کے مطابق ظاہر ہوتی ہیں۔

اس بارے میں انسان کا مشاہدہ اس قدر پختہ اور اٹل ہو چکا ہے کہ وہ ہر نتیجہ کا سبب دریافت کرتا ہے اور ہر نتیجہ کو پورا کرنے کیلئے اسکا سبب پیدا کرتا ہے اگر کوئی ایسا واقعہ ظاہر ہو جسکا ظاہری سبب موجود نہ ہو تو اسے حیرت ہوتی ہے۔

یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ اسباب تو صرف انسان کی تسلی کیلئے پیدا کئے گئے ہیں ورنہ تو ہر کام اللہ تعالیٰ کے ارادے سے بغیر اسباب کے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے کوئی چیز انہونی نہیں، کسی کام کو پورا کرنے کیلئے اسکا اشارہ ہی کافی ہے اس لئے اس نے خود فرمایا کہ: میں جب کسی کام ارادہ کرتا ہوں تو اس کو "کُنْ" کہتا ہوں تو وہ کام ہو جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے

وَ یُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ ﴿۴۸﴾ وَ رَسُوْلًا

اور سکھائیگا اسے کتاب اور دانائی کی باتیں اور تورات اور انجیل (۴۸) اور پیغمبر

اِلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْۤ

طرف بنی اسرائیل کے بیشک میں تحقیق آیا ہوں پاس تمہارے نشانیاں لیکر سے رب تمہارے کہ میں

اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ

بناتا ہوں لئے تمہارے سے گارے شکل جیسی پرندہ پھر پھونک مارتا ہوں اسمیں تو ہو جاتا ہے

طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى

پرندہ ساتھ حکم اللہ کے اور اچھا کرتا ہوں پیدائشی اندھے کو اور کوڑھی اور زندہ کرتا ہوں مُردوں کو

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ

ساتھ حکم اللہ کے اور بتا دیتا ہوں تمہیں وہ جو تم کھاتے ہو اور جو ذخیرہ کرتے ہو میں

بُیُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۴۹﴾

گھروں اپنے بیشک میں اس نشانی لئے تمہارے اگر ہو تم ایمان والے (۴۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اسے کتاب اور دانائی کی باتیں اور تورات وانجیل سکھائیں گے۔ (۴۸) اور اسے پیغمبر بنا کر بنی اسرائیل کی طرف بھیجیں گے، (حضرت عیسیٰ کہیں گے) بیشک میں تمہارے پاس نشانیاں لیکر آیا ہوں اپنے رب کی طرف سے میں تمہارے لئے گارے سے پرندہ کی شکل بنا دیتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اڑتا ہوا پرندہ ہوجاتا ہے اور پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں اور تمہیں بتا دیتا ہوں جو تم کھا کر آؤ اور جو اپنے گھروں میں رکھ کر آؤ، اس میں تمہارے لئے پوری نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو۔ (۴۹)

تفسیر

ان آیتوں میں حضرت مریم علیہاالسلام کو یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ خوبیاں عطاء کریں گے:

(۱)۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ انہیں کتاب وحکمت خاص طور پر "تورات" اور "انجیل" کا علم عطا فرمائیں گے۔

(۲)۔۔۔۔ وہ بڑی گہری حکمت کی باتیں سکھائیں گے۔

(۳)۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ انہیں پیغمبر بنا کر بنی اسرائیل کی طرف بھیجیں گے۔

(۴)۔۔۔۔ انہیں کئی معجزے عطا فرمائیں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام مٹی کے پرندوں میں پھونک ماریں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو کر پرندوں کی طرح اڑنا شروع کر دیا کریں گے۔

(۵)۔۔۔۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں سے فرمائیں گے کہ میں پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تندرست کر دیتا ہوں۔

(۶)۔۔۔۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں سے فرمائیں گے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں۔

(۷)....حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں سے فرمائیں گے کہ تم اپنے گھروں میں جو کھا کر آتے ہو وہ میں بتادیتا ہوں اور جو پیچھے چھوڑ آئے ہو وہ بھی بتادیتا ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طبیبوں اور حکیموں کا بڑا زور تھا لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزے عطا ہوئے جو لوگوں پر یہ کھول دیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمام لوگوں پر فوقیت حاصل ہے۔

وَالتَّوْرٰةَ: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "تورات" کا بھی علم دیا، "تورات" کا معنیٰ قانون ہے اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔

وَالْاِنْجِیْلَ: اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "انجیل" کا بھی علم دیا گیا، "انجیل" کا لفظی معنیٰ خوشخبری ہے اور یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اتاری اور آپ کو اس بات کا حکم دیا کہ تم جہاں بھی جاؤ لوگوں کو خوشخبری سناؤ، "سورۃ صف" میں ہے کہ "تم کو خوشخبری سنانے والا ہوں کہ میرے بعد ایک پیغمبر آئیگا جسکا نام احمد ہوگا" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیغمبری تمام قوموں کیلئے نہیں بلکہ صرف بنی اسرائیل کیلئے تھی۔

دراصل معجزہ کا مطلب ہی عاجز کر دینے والی نشانی ہے، یعنی: ایسی چیز جسکا عام لوگ جواب پیش کرنے سے عاجز آجائیں، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں حکیموں کا بڑا چرچا تھا مگر ان بیماریوں کے سامنے سب عاجز تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے زندگی سے مایوس مریضوں کو شفا ملنے لگی، یہاں مردوں کے زندہ کرنے کا ذکر بھی ہے جس کا درجہ مریضوں کے اچھا کر دینے سے بھی بڑھ کر ہے۔

وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ: مفسرین کرام نے چار ایسے مُردوں کا ذکر کیا ہے جنہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ کیا، پہلا واقعہ آپ کے عاذر نامی دوست کا تھا جسکا گھر آپ سے کئی دن کی مسافت پر تھا وہ سخت بیمار ہوا تو اس کی بہن نے آکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اسکی حالت بیان کی، آپ دو تین دن کا سفر طے کر کے اس کے گاؤں پہنچے تو دوست فوت ہو چکا تھا اور اسے دفن کیا جا چکا تھا آپ نے اسکی قبر پر جا کر کہا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کھڑے ہو جاؤ، تو وہ مردہ زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک عورت کا بیٹا تھا اس عورت نے آپ کی بڑی منت سماجت کی تو آپ نے اللہ تعالیٰ

کے حکم سے اس کو زندہ کر دیا، اسی طرح ایک چنگی والے کی مردہ بیٹی کو زندہ کیا۔

چوتھا واقعہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے (سام) کا ہے آپ نے اسکی قبر پر جا کر کہا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کھڑے ہو جاؤ تو وہ گھبرائے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئے ان کا آدھا سر سفید ہو چکا تھا، کہنے لگے! کیا قیامت قائم ہوگئی ہے؟ آپ نے جواب دیا نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سام سے پوچھا تمہارے بال کیسے سفید ہو گئے؟ انہوں نے کہا برزخ میں دہشت کی وجہ سے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کیا دوبارہ اسی حالت میں جانا پسند کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں! بشرطیکہ مجھ پر موت کی سختی دوبارہ نہ آئے، چنانچہ وہ دوبارہ اسی حالت پر چلے گئے، باقی تین کے متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: انہوں نے کافی عرصہ دوبارہ زندگی گزاری بلکہ بعض کے ہاں اولاد بھی ہوئی، وہ اپنے اپنے وقت میں ختم ہو گئے، بہر حال اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم

وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ لِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ

اور سچا بتاتا ہوں جو درمیان پہلے سے ہے تورات اور تاکہ حلال کردوں لئے تمہارے بعض

الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَاتَّقُوا

وہ جو حرام کیا گیا پر تم اور آیا ہوں پاس تمہارے ساتھ نشانی کے سے رب تمہارے سو! ڈرو

اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا

اللہ سے اور کہا مانو میرا (۵۰) بیشک اللہ رب ہے میرا اور رب ہے تمہارا پس عبادت کرو اسی کی یہی

صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾

راستہ ہے سیدھا (۵۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اپنے سے پہلی کتاب "تورات" کو سچا بتاتا ہوں اور اس واسطے کہ تم پر بعض

وہ چیزیں حلال کردوں جو تم پر حرام کی گئی تھیں اور تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانیاں لیکر آیا ہوں، سو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔(۵۰) بیشک اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے رب ہیں سو اسکی بندگی کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔(۵۱)

تفسیر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل سے فرمایا کہ: میں اس کتاب کی تصدیق کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتری تھی، یعنی: "تورات" وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے اور برحق ہے، اس کے عام اصول واحکام کو قائم رکھتے ہوئے زمانہ کے مناسب اللہ تعالیٰ کے حکم سے میں چند ایک تبدیلیاں کرونگا مثلاً: بعض حکموں میں جو پہلے سختی تھی وہ اب اٹھادی جائیگی، جو چیزیں تم پر تمہارے عملوں کی سزا میں حرام کردی گئی تھیں وہ میں تم پر حلال کردوں گا تم انہیں بے دھڑک استعمال کرسکتے ہو اور اپنے کام میں لاسکتے ہو اس کیساتھ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی پیغمبری کی نشانی لیکر آیا ہوں، اس نے مجھے کئی معجزے عطا فرمائے ہیں؛ اس لئے میں جو حکم تمہیں دیتا ہوں ان کو پورا کرو اور جو ہدایات دیتا ہوں ان پر چلو۔

یہاں یہ واضح ہوجاتا ہے کہ پیغمبر کی فرمانبرداری میں پرہیزگاری ہے، پیغمبر کوئی بات ایسی نہیں کہتے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو، وہ من گھڑت حکم نہیں دیتے، لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ پیغمبر کی اطاعت کے بغیر اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوسکے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش، ان کی پیغمبرانہ تعلیم اور معجزوں کا ذکر لگاتار ہورہا ہے، ان تمام باتوں کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف، پیغمبر کی اطاعت کا احساس پیدا ہو، انسان دوسرے انسانوں کی بندگی سے بالاتر ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنا سیکھ لیں کیونکہ سیدھی راہ یہی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری (ساتھی)

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ

پھر جب محسوس کیا عیسیٰ نے سے ان کفر کہا کون ہے مددگار میرا طرف اللہ کے

قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَ اشْهَدْ بِاَنَّا

کہا حواریوں نے ہم مددکرنے والے ہیں اللہ کے ہم ایمان لائے پر اللہ اور گواہ رہیں آپ کہ ہم

مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَ اتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ

مسلمان ہیں (۵۲) اے رب ہمارے! ایمان لائے ہم پر اس جو اتاری آپ نے اور اتباع کی ہم نے پیغمبر کی

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۵۳﴾ وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ

پس لکھ لیجئے ہم کو ساتھ گواہی دینے والوں کے (۵۳) اور خفیہ چال کی انہوں نے اور خفیہ چال کی اللہ نے اور اللہ

خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ﴿۵۴﴾

بہتر خفیہ تدبیر کرنیوالے ہیں (۵۴)

ع ۵ / ۱۳ / ۱۴

بامحاورہ ترجمہ: پھر جب (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) نے بنی اسرائیل کا کفر محسوس کیا بولے کون ہے جو اللہ کی راہ میں میری مدد کرے؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں مدد کرنے والے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیے کہ ہم مسلمان ہیں۔(۵۲) اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے اس چیز پر جو آپ نے اتاری اور ہم نے پیروی کی پیغمبر کی سو آپ ہمیں گواہی دینے والوں میں لکھ لیجئے۔(۵۳) اور انہوں (کافروں) نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ کی تدبیر سب سے بہتر ہے۔(۵۴)

لفظی تحقیق: اَلْحَوَارِیُّوْنَ: حواری کی جمع ہے۔ حواری کا لفظ "حَوَرٌ" سے بنا ہے "حَوَرٌ" سفیدی کو کہتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری دھوبی تھے جو کپڑوں کو دھو کر سفید کر دیتے تھے اس وجہ سے ان کو حواری کہا جاتا ہے۔ مَكْرٌ: تدبیر۔ مکر کے معنیٰ تدبیر اور چال کے ہیں اس کے خلاف اردو میں یہ لفظ فریب اور دھوکہ

کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔

تفسیر

حواری وہ مخلص لوگ ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے "حَوَرَ" اس چیز کو بھی کہتے ہیں جو خالص ہو، یہ لوگ بھی چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کیساتھ مخلص تھے اس لئے ان کو حواری کہا گیا ہے، یہ لوگ بنی اسرائیل میں سے تھے اور تعداد میں بارہ تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہیں مختلف مقامات پر تبلیغ کیلئے بھیجتے اور یہ اللہ تعالیٰ کا پیغام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مرضی کے مطابق لوگوں تک پہنچاتے تھے۔

حواری کا معنیٰ مخلص دوست ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: ہر پیغمبر کا کوئی حواری، یعنی: مخلص دوست ہوا کرتا ہے، اور میرا حواری (حضرت) زبیر (رضی اللہ عنہ) ہے جو آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔

الغرض! حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں، یعنی: ہم اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار ہیں کیونکہ خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: جو اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکی مدد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو اپنی مدد کی ضرورت نہیں ہے وہ تو غنی ہیں اور وہ خود ہر ایک کے مددگار ہیں، اللہ تعالیٰ کی مدد سے مراد اللہ تعالیٰ کے دین، اسکی کتاب، اس کے پیغمبر، اسکی شریعت اور حق کی مدد ہے، اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت کیلئے تن من دھن کی بازی لگا دینا ہی اللہ تعالیٰ کی مدد ہے۔

یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں اور خفیہ چالیں شروع کر دیں حتیٰ کہ وقت کے بادشاہ کے کان بھر دیئے کہ یہ شخص "تورات" کو بدلنا چاہتا ہے، بادشاہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کا حکم دیدیا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنی خفیہ تدبیر کی، بیشک اللہ تعالیٰ کی تدبیر سب سے بہتر اور مضبوط ہے جسے کوئی توڑ نہیں سکتا۔

بہر حال انہوں نے ایک پوشیدہ تدبیر کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عدالت میں پیش کر کے آپ کو سزائے

موت دلائیں اس وجہ سے آپ کو ایک مکان میں بند کر دیا گیا تا کہ آپ ان کی پکڑ سے نکل نہ سکیں، آپ کے خلاف اسی سازش کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور انہوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بچانے کی خفیہ تدبیر کی، وہ اپنے بندے کو یہودیوں کے ناپاک ہاتھوں سے محفوظ کرنا چاہتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچانے کیلئے اس بند کمرے سے نکال کر جس طرح آسمانوں پر اٹھالیا اس خفیہ تدبیر کا ذکر آگے آئے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے وعدے

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَىَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ
جب کہا اللہ نے اے عیسیٰ بیشک میں پورا لے لوں گا تجھے اور اٹھالوں گا تجھے طرف اپنی اور پاک کرونگا تجھے سے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا
ان لوگوں جو کافر ہوئے اور رکھوں گا انہیں جو پیروکار ہیں آپکے غالب پر ان لوگوں جو کافر ہوئے

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا
طرف میری دن قیامت کے پھر طرف میری لوٹنا تمہارا پھر فیصلہ کرونگا درمیان تمہارے میں اس

كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا
تھے تم میں جس اختلاف کرتے (۵۵) پس وہ لوگ جو کافر ہوئے پس عذاب دونگا میں انہیں عذاب

شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۫ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾
سخت میں دنیا اور آخرت اور نہیں لئے انکے کوئی مددگار (۵۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جس وقت اللہ تعالیٰ نے کہا اے عیسیٰ! میں تجھے پورا پورا لے لوں گا اور اپنی طرف اٹھالوں گا اور تجھے کافروں سے پاک کردوں گا، اور انہیں جو تیرے پیروکار ہیں ان لوگوں پر غالب رکھوں گا جو کافر ہیں قیامت کے دن تک، پھر تم سب کو میری طرف لوٹنا ہے، پھر تمہارے درمیان فیصلہ کردوں گا جس بات میں تم

جھگڑتے تھے۔ (۵۵) وہ لوگ جو کافر ہوئے انہیں سخت عذاب دوں گا دنیا میں اور آخرت میں، اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔ (۵۶)

تفسیر

یہودیوں کے کہنے پر جب بادشاہ نے لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کیلئے بھیجا تاکہ انہیں سولی پر چڑھادیں اور ایسی عبرتناک سزا دیں کہ دوسرے لوگ عبرت پکڑیں اور ان کی پیروی چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مطمئن فرمادیا کہ میں ان لوگوں کی سازشوں اور منصوبوں کو خاک میں ملادوں گا، ان لوگوں کا ارادہ ہے کہ آپ کو پکڑ کر قتل کردیں اور آپ سے لوگوں کی ہدایت کا جو مقصد ہے وہ برباد کردیں اگر انہوں نے ایسا کیا تو میں ان سے اپنی دی ہوئی یہ نعمت واپس لے لوں گا، آپ کی جتنی عمر تقدیر میں لکھی جاچکی ہے اور آپ کی پیدائش کا جو مقصد ہے وہ پورا کرکے رہیگا یہ اس طرح ہوگا کہ ہم آپ کو صحیح سالم اپنے پاس اٹھالیں گے وہ آپ کو سولی پر چڑھانا چاہتے ہیں ہم آپ کو آسمان پر لے جائیں گے، ان کا ارادہ ہے کہ آپ کو رسوا کریں اور لوگوں کو آپ کی پیروی سے روکیں لیکن ہم ان کے ناپاک ہاتھ آپ تک نہ پہنچنے دیں گے، ان کے گندے ہاتھ آپ تک پہنچنے سے پہلے آپ کو پاک صاف اٹھالیں گے، اور اس کے بجائے کہ آپ کی بے عزتی ہو اور لوگ ڈر کر آپ کی پیروی سے رک جائیں ہم آپ کی پیروی کرنے والوں اور نام لینے والوں کو قیامت تک انکار کرنے والوں پر غالب رکھیں گے پھر آخرت میں جب سب لوگ میرے پاس جمع ہوں گے تو میں تمام جھگڑوں کا فیصلہ کردوں گا، کافروں کو شدید عذاب ہوگا اور ایمانداروں کو ان کے نیک عملوں کا پورا پورا اجر ملے گا بیشک اللہ تعالیٰ بے انصاف لوگوں کو پسند نہیں کرتے۔

وَ مَکَرُوْا وَ مَکَرَ اللّٰہُ: روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے والے آئے تو آپ جس مکان میں قید کئے گئے تھے دشمنوں نے ایک شخص کو اس مکان کے اندر بھیجا تاکہ وہ آپ کو گرفتار کرسکے مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس مکان کے روشن دان کے راستے اٹھوالیا اور

جو آدمی پکڑنے گیا تھا اس کو حضرت مسیح علیہ السلام کا ہمشکل بنا دیا گیا، وہ شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہاں نہ پانے پر جب خود باہر نکلا تو لوگوں نے اسے ہی عیسیٰ سمجھ لیا اور پکڑ کر لے گئے، اس نے بڑا شور مچایا کہ وہ عیسیٰ نہیں ہے، مگر اس کی بات کون سنتا تھا؟ وہ اپنے ہی آدمی کو عیسیٰ سمجھ بیٹھے اور اسے سولی پر چڑھا دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک آیت ہے کہ "وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ" اور یقیناً انہوں نے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف (آسمان) پر اٹھا لیا لیکن ان (یہودیوں) کو غلط فہمی میں ڈالنے کیلئے انہی کے آدمی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہمشکل بنا دیا جسے انہوں نے (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) سمجھ کر سولی پر لٹکا دیا، اس آیت نے ان کے اس غلط خیال کی بھی تردید کر دی اور بتلا دیا کہ جیسے یہودی اپنے ہی آدمی کو قتل کر کے خوشیاں منا رہے تھے اس سے یہ دھوکہ عیسائیوں کو بھی لگ گیا کہ قتل ہونے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اس لئے "شُبِّهَ لَهُمْ" میں یہودیوں کی طرح عیسائی بھی داخل ہو گئے۔

بہر حال! اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے ہاتھ سے نجات دینے کیلئے آسمان پر زندہ اُٹھا لیا نہ ان کو قتل کیا جا سکا نہ ان کو سولی پر چڑھایا جا سکا، وہ زندہ آسمان پر موجود ہیں اور قیامت کے قریب زمانے میں آسمان سے اتر کر یہودیوں پر فتح پائیں گے اور آخر میں اللہ تعالیٰ ان کو طبعی موت دیں گے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) کی وفات نہیں ہوئی، بلکہ وہ زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف آسمان پر اٹھا لیا ہے، آپ قیامت کے قریب دوبارہ آسمان سے اتارے جائیں گے اور زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جیسے وہ اس سے پہلے ظلم اور ناانصافی سے بھری ہوئی ہوگی، ابوداؤد شریف کی روایت میں یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ زمین پر آنے کے بعد کے بعد چالیس سال تک حکومت کریں گے، بچے پیدا ہوں گے پھر آپ کی وفات کا ذکر بھی ہے، "ترمذی شریف" میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ "جب (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) وفات پائیں گے تو میرے پاس ہی دفن ہوں گے" چنانچہ حجرہ مبارک میں چوتھی قبر کی جگہ اب بھی موجود ہے اس وقت وہاں پر تین قبریں ہیں، یعنی: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی، حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ کی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی، چوتھی قبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بنے گی۔

امت کے علماء نے اس مسئلہ کو مستقل کتابوں اور رسالوں میں پورا پورا واضح فرمادیا ہے اور انکار کرنے والوں کے جوابات تفصیل سے دیئے ہیں ان کتابوں کا مطالعہ کافی ہے، مثلاً: عربی زبان میں "عقیدة الاسلام فی حیاتِ عیسیٰ علیه السّلام" اردو زبان میں حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام، حیاتِ مسیح علیہ السلام اور بھی سینکڑوں چھوٹے بڑے رسالے اس مسئلہ پر چھپ چکے ہیں، سو سے زائد حدیثوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ اٹھایا جانا اور پھر قیامت کے قریب زمانے میں اترنا ثابت ہے، ان حدیثوں کو ایک مستقل کتاب "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" میں جمع کیا گیا ہے۔

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو آپ کے انکار کرنے والوں پر قیامت تک غالب رکھا جائے گا، یہ وعدہ اسی طرح پورا ہوا کہ یہاں پیروی سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیغمبری کو سچا ماننا مراد ہے، ان کے سب احکام پر ایمان کی شرط نہیں ہے تو اس طرح عیسائی اور مسلمانوں دونوں اسمیں داخل ہوگئے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیغمبری پر یقین رکھتے ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ صرف اتنا یقین آخرت کی نجات کیلئے کافی نہیں بلکہ آخرت کی نجات اس بات پر موقوف ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نقل شدہ تمام حکموں پر ایمان رکھے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حکموں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ان کے بعد آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے عیسائی ان پر ایمان نہ لائے اس لئے آخرت کی نجات سے محروم رہے، مسلمانوں نے اس پر بھی عمل کیا اس لئے آخرت کی نجات کے مستحق ہوگئے؛ لیکن دنیا میں یہودیوں پر غالب رہنے کا وعدہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو ماننے پر منحصر تھا، دنیا کا غلبہ عیسائیوں اور مسلمانوں کو یہودیوں کے مقابلہ میں ہمیشہ حاصل رہا اور یقیناً قیامت تک رہے گا۔

جب سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا تھا: اس وقت سے آج تک یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ یہودیوں کے مقابلہ میں ہمیشہ عیسائی اور مسلمان غالب رہے ہیں اور انہیں کی حکومتیں دنیا میں قائم ہوئی اور رہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال

وَ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ

اور بہرحال وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک پورا پورا دینگے ان کو اجران کا

وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَ

اور اللہ نہیں پسند کرتا ظالموں کو (۵۷) یہ پڑھتے ہیں ہم اسے پر آپ سے آیتوں اور

الذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ

بیان حکمت والا (۵۸) بیشک مثال عیسیٰ کی نزدیک اللہ کے جیسے مثال آدم کی

خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ

بنایا اسے سے مٹی پھر کہا اسے ہوجا پس وہ ہوگیا (۵۹) حق سے رب آپکے

فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾

پھر نہ رہیں آپ سے شک کرنے والوں (۶۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور بہرحال وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کو ان کا اجر پورا پورا دیں گے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ (۵۷) یہ آیتیں اور حکمت والا بیان ہم آپ پر پڑھتے ہیں۔ (۵۸) بیشک عیسیٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم کی سی ہے انہیں مٹی سے بنایا پھر انہیں کہا ہوجا وہ ہوگیا۔ (۵۹) حق آپ کے رب کی طرف سے ہے پھر آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ (۶۰)

تفسیر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سب حقیقتیں حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بتا دیں اور فرمایا

کہ: اگر اب بھی عیسائی آپ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں جھگڑیں تو آپ ان کی پرواہ نہ کیجیے۔

اہل کتاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات پر جھگڑا کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے نہیں بلکہ اس کے بیٹے ہیں وہ کہتے تھے کہ اگر وہ اللہ کا بیٹا نہیں تو تم ہی بتاؤ وہ کس کا بیٹا ہے؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: حضرت آدم علیہ السلام کا نہ باپ تھا نہ ماں لہٰذا اگر عیسیٰ کا باپ نہ ہوا تو اس میں کون سی حیرت کی بات ہے، کسی کے باپ نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے ورنہ اس طرح تو حضرت آدم علیہ السلام کا درجہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی بلند ہونا چاہئے اور انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہلانے کا زیادہ حق ہونا چاہئے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے آدم علیہ السلام کو بھی مٹی سے بنایا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مٹی سے بنایا ان دونوں کی مثال ایک جیسی ہے، نہ وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے تھے نہ یہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ: عیسیٰ کی بابت ہم نے جو کچھ بھی بیان فرمایا سب حق ہے اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں، آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام سے مثال دیکر اللہ تعالیٰ نے اس قدر واضح دلیل دی ہے کہ اس مسئلہ پر مزید کسی بحث کی گنجائش نہیں رہتی، تمام انسان کا باپ جو بغیر ماں اور بغیر باپ پیدا ہوا، اگر وہ خدا نہیں اور خدا کا بیٹا نہیں تو ماں کے پیٹ سے بغیر باپ کے محض اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہونے والا خدا کا بیٹا اور خدا کی خدائی میں شریک نہیں ہوسکتا۔

مُباہلہ

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا

پھر جو کوئی جھگڑے آپ سے　میں اس　سے　بعد　جب آچکا پاس آپکے　سے　علم　پس کہہ دیجئے　آؤ

نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا

بلائیں ہم　بیٹے اپنے　اور　بیٹے تمہارے　اور　عورتیں اپنی　اور　عورتیں تمہاری　اور　جانیں اپنی

وَ اَنْفُسَكُمْ ۗ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾

اور جانیں تمہاری پھر التجا کریں ہم پھر ہم کریں لعنت اللہ کی پر جھوٹوں کے (۶۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جو کوئی آپ سے اس بارے میں جھگڑا کرے اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آ گیا تو آپ کہہ دیجئے آؤ! ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر ہم سب التجا کریں اور اللہ تعالیٰ کی لعنت کریں ان پر جو جھوٹے ہیں۔ (۶۱)

تفسیر

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں کی جانب ایک فرمان بھیجا جس میں تین چیزیں ترتیب وار ذکر کی گئی تھیں: (۱)....اسلام قبول کرو، (۲)....یا جزیہ ادا کرو، (۳)....یا جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ۔

نجران کے عیسائیوں نے آپس میں مشورہ کر کے شرحبیل، عبداللہ بن شرحبیل، جبار بن فیض کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ بحث و مناظرہ کرنے کیلئے بھیجا، انہوں نے اپنے تمام باطل عقیدوں کو پیش کیا اللہ تعالیٰ نے سب کا جواب قرآن مجید کے ذریعہ دیا اور انہیں لاجواب کر دیا۔

نجران کے عیسائی واضح دلیلوں کو سن لینے کے بعد بھی ایمان نہ لائے اور اپنے جھوٹے عقیدے پر ڈٹے رہے، اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ: آپ ان عیسائیوں سے مباہلہ کیجئے کہ دونوں فریق اپنی جان اور اولاد لیکر حاضر ہوں اور خوب گڑگڑا کر دعا کریں کہ ہم میں جو کوئی جھوٹا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور عذاب پڑے، مباہلہ کی یہ صورت پہلے ہی قدم پر یہ بتا دے گی کہ کون فریق کس حد تک خود اپنے دل میں اپنی سچائی اور حقیقت پر ایمان رکھتا ہے، مباہلہ کی دعوت سن کر نجران کے وفد نے مہلت مانگی کہ ہم آپس میں مشورہ کر کے جواب دیں گے، جب مشورہ کیلئے جمع ہوئے تو ان میں سے سمجھدار لوگوں نے کہا کہ تم لوگ دلوں میں سمجھ چکے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق انہوں نے صاف صاف فیصلہ کن دوٹوک باتیں

کہی ہیں اور یہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل میں پیغمبر بھیجنے کا وعدہ کیا تھا اور یہ ہوسکتا ہے کہ یہ وہی پیغمبر ہوں، کسی پیغمبر سے مباہلہ کرنے کا نتیجہ کسی قوم کے حق میں یہی نکل سکتا ہے کہ ان کا کوئی چھوٹا، بڑا ہلاکت اور عذاب سے نہ بچے۔

حدیث میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اگر وہ لوگ مباہلہ کرتے تو ایسی آگ ان پر برستی کہ اللہ تعالیٰ نجران کو ختم کردیتے، نجران کے عیسائیوں نے مقابلے کا ارادہ چھوڑ دیا اور جزیہ ادا کرنے کی شرط پر صلح کر کے واپس چلے گئے، اس معاہدے کے تحت نجران کے عیسائیوں نے کپڑے کے دو ہزار جوڑے دینے طے کئے، ان میں سے ایک ہزار جوڑے صفر کے مہینے میں اور ایک ہزار رجب کے مہینے میں واجب الادا قرار پائے اس کے علاوہ تیس زرہیں، تیس گھوڑے، تیس اونٹ اور لڑائی میں استعمال ہونے والے ہر قسم کے تیس تیس ہتھیار منجملہ تلوار نیزہ وغیرہ بھی بطورِ جزیہ ادا کرنے کا معاہدہ ہوا۔

مباہلہ کی حقیقت

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا: اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مباہلہ کرنے کا حکم دیا ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ کسی معاملہ کے حق و باطل میں فریقین میں جھگڑا ہوجائے اور دلیلوں سے جھگڑا ختم نہ ہو تو پھر ان کو یہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ سب ملکر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جو اس معاملہ میں جھوٹا ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وبال اور ہلاکت پڑے، کیونکہ لعنت کے معنیٰ حق تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوجانا ہے اور رحمت سے دور ہونا قہر سے قریب ہونا ہے پس حاصل معنیٰ اس کے یہ ہوئے کہ جھوٹے پر قہر نازل ہو، سو جو شخص جھوٹا ہوگا وہ اس کا خمیازہ بھگتے گا، اس وقت پوری تعیین سچے اور جھوٹے کی انکار کرنے والوں کے نزدیک بھی واضح ہوجائے گی اور اس میں اصل خود مباحثہ کرنے والوں کا جمع ہوکر دعا کرنا ہے، اپنے رشتہ داروں کو جمع کرنے کی ضرورت نہیں لیکن اگر جمع کیا جائے تو اس سے مباہلہ کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

سچا واقعہ

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَ

بیشک یہی ہے بیان سچا اور نہیں سے معبود سوا اللہ کے اور

اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

بیشک اللہ البتہ وہی زبردست ہے حکمت والا ہے (۶۲) پھر اگر منہ موڑیں وہ تو بیشک اللہ

عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾ ع ۶ ۹ ۱۴

جاننے والے ہیں فساد کرنے والوں کو (۶۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بیشک یہی سچا بیان ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ ہی زبردست ہیں اور حکمت والے ہیں۔ (۶۲) پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو جانتے ہیں (یعنی: عذاب دینگے)۔ (۶۳)

تفسیر

اَلْقَصَصُ الْحَقُّ: اس سے مراد صحیح واقعہ اور درست قصہ بھی ہوسکتا ہے اور سچا بیان بھی، یہاں آخری معنیٰ ہی آیت سے مطابقت رکھتا ہے۔

مباہلہ کی دعوت ان معاملوں پر دی گئی تھی جو کچھ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں بیان ہوا وہی سچا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہر قسم کے شرک سے پاک ہے، نہ اسکا کوئی بیٹا ہے نہ وہ کسی کا باپ ہے، بلکہ وہ اکیلا اور تنہا ہے، وہ سب کے خالق ہیں اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں، مخلوق اور اللہ تعالیٰ کا تعلق بندے اور معبود کا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ: اگر یہ لوگ نہ دلیلوں کو سنیں، نہ مباہلہ پر آمادہ ہوں تو سمجھ لو کہ وہ ضد اور ہٹ دھرمی کررہے ہیں، حق کو پہچاننے اور قبول کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے، اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کے حکموں کو ماننا نہیں

چاہتے، ان کا مقصد صرف فتنہ وفساد پھیلانا اور اصل باتوں کو غلط رنگ میں پیش کرنا ہے، یہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ ان تمام فساد پھیلانے والوں کو اچھی طرح جانتے ہیں اور وہ ان سب سے نپٹ لیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ زمین پر اترنا

صحیحین "بخاری و مسلم شریف" میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام قیامت کے قریبی زمانہ میں زمین پر اتریں گے، ہمارے پیغمبر کی شریعت کے مطابق حکم جاری کریں گے، کیونکہ ان کی اپنی شریعت کا دور ختم ہو چکا ہے، وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب اور امتی کی حیثیت سے زمین پر آئیں گے، قرآن وسنت کے مطابق فیصلے کریں گے، دجال اور خنزیر کو قتل کرینگے، صلیب کو توڑیں گے اور جزیئے کے حکم کو ختم فرمادیں گے۔

"مسلم شریف" کی ایک اور روایت کے مطابق آپ سات سال تک زمین پر ٹھہریں گے، "ابوداؤد" کی ایک روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زمین پر ٹھہرنے کی کل مدت چالیس سال ہے آپ تینتیس ۳۳ سال عمر گزار چکے ہیں اور باقی سات سال دوبارہ اترنے کے بعد گزاریں گے، ایک اور روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ زمین پر نہیں اتریں گے قیامت قائم نہیں ہوگی، آپ انصاف سے فیصلے کریں گے اور منصف حاکم بن کر آئیں گے، خلافت بھی آپ کے ہاتھ میں ہوگی اور آپ عادل خلیفہ ہوں گے آپ صلیب کو توڑیں گے، اب صلیب کا نشان عیسائیوں کے باطل عقیدے کے نشانی ہے، ان کا ایمان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس صلیب پر لٹک کر لوگوں کا کفارہ بن گئے؛ اسی لئے وہ اسکی پوجا کرنے لگے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "صلیب بت ہے اور شرک کی نشانی ہے" گلے میں لٹکا کر اور گرجے میں رکھ کر اسکی تعظیم کی جاتی ہے جو کہ اسکی پرستش کے برابر ہے حالانکہ نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھایا گیا اور نہ وہ عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ بنے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسلام کے سوا کوئی دین قبول نہیں کریں گے، لہٰذا یا تو سب مسلمان ہو جائیں گے یا قتل کر دیئے جائیں گے، صحیحین "بخاری و مسلم" میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بدترین دشمن یہودیوں کو کہیں پناہ نہیں ملے گی، جس پتھر یا درخت کے پیچھے چھپنا چاہیں گے وہ پتھر یا درخت خود بول اٹھے گا کہ اے مسلمان! دیکھ

میرے پیچھے تو یہودی چھپا ہوا ہے، حضرت عیسٰی علیہ السلام کے دوبارہ اترنے کے زمانے میں مال و دولت کی اس قدر زیادہ ہوگی کہ کوئی شخص صدقہ وخیرات قبول نہیں کریگا، ابوداؤد کی ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ دمشق سے مشرقی جانب سفید مینار پر اتریں گے، وہ سفید مینار بیت المقدس میں ہے جو دمشق سے مشرق کی جانب میں ہے۔

یکجہتی کی دعوت

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ

آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب آؤ طرف ایک بات کے جو برابر ہے ہم میں اور تم میں

اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا

کہ نہ عبادت کریں ہم سوا اللہ کے اور نہ ہم شریک ٹھہرائیں اسکا کسی کو اور نہ بنادے کوئی ہم میں سے

بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا

کسی کو رب سوا اللہ کے پھر اگر منہ موڑیں وہ پس کہہ دو گواہ رہو

بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

کہ ہم تو فرمانبردار ہیں (۶۴)

بامحاورہ ترجمہ: آپ کہہ دیجئے اے اہلِ کتاب! آؤ ایک بات کی طرف جو برابر (مشترک) ہے ہم میں اور تم میں کہ ہم اللہ تعالٰی کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور کسی کو اسکا شریک نہ ٹھہرائیں گے اور اللہ تعالٰی کے سوا کسی کو رب نہ بنائیں گے پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو کہہ دو گواہ رہو کہ ہم تو (اللہ کے) کے فرمانبردار ہیں۔ (۶۴)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: اے اہل کتاب! توحید کے بنیادی عقیدے پر ہم اور تم دونوں متفق ہیں، یہ

عقیدہ ہم سب کو ایک کرسکتا ہے بشرطیکہ ان دعووں کو بدل نہ ڈالیں، ضرورت صرف یہ ہے کہ جس طرح زبان سے یہ دعویٰ کرتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کو ایک مانتے ہو اپنے دعویٰ کو عمل سے بھی سچ کر دکھاؤ اسے ایک مانو اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دو، اس کے سوا نہ کسی کی بندگی کرو، نہ اسکی صفتوں میں کسی کو شریک کرو، کسی کو اسکا بیٹا یا بیٹی نہ بناؤ، اسکی حلال وحرام کی ہوئی چیزوں میں اپنی مرضی نہ چلاؤ بلکہ اس کے حکموں کو مانو اور ان میں کسی قسم کا ردّ وبدل نہ کرو؛ لیکن اس کے باوجود اگر وہ نہ مانیں، توحید سے منہ موڑیں، اللہ تعالیٰ کیساتھ شریک ٹھہرانے سے باز نہ آئیں تو اے مسلمانوں! تم یہ کہہ دو کہ اہل کتاب تم گواہ رہو ہم اسلام پر قائم ہیں، ہم نے اپنے آپ کو ایک اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے اور اسی کے حکم کے ماننے والے ہیں۔

حضرت عدی ابن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: جب میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت میری گردن میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھتے ہی فرمایا: اس بت کو اپنی گردن سے اتار پھینک، نیز: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی تلاوت فرمایا! ان یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے علماء اور صوفیوں کو رب بنالیا ہے، حضرت عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا حضور! ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے، رب تو جب بناتے جب ان کی عبادت کرتے، اس پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اہل کتاب کے علماء اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال قرار دیتے تھے اور ان کے کہنے سے وہ لوگ اسے حلال ہی سمجھتے تھے نیز: یہ کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا، ان کے علماء اور صوفی اس چیز کو حرام قرار دیتے تھے اور وہ لوگ ان کے کہنے سے اسے حرام ہی سمجھتے تھے، حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضور! ایسا تو ہے، تو آپ نے فرمایا: یہی تو رب بنانا ہے گویا کہ حلال وحرام قرار دینے کا خدائی اختیار ان کے ہاتھ میں تھا۔

اہلِ کتاب کو تنبیہ!

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ

اے اہل | کتاب | کیوں | جھگڑتے ہو تم | بابت | ابراہیم کے | اور | نہیں | اتاری گئیں | تورات

وَ الْاِنْجِیْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۵ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ
اور انجیل مگر سے بعد اسکے کیا نہیں عقل رکھتے ہوتم (۶۵) لو تم ہی وہ لوگ ہو

حَاجَجْتُمْ فِیْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَكُمْ
بحث کر چکے تم جس بات میں تمہیں ساتھ خبر اب کیوں جھگڑتے ہوتم جس بات میں نہیں تمہیں

بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۶
کچھ خبر اور اللہ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے (۶۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے اہل کتاب! (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو اور "تورات" اور "انجیل" تو ان کے بعد اتاری گئی ہیں، کیا تمہیں عقل نہیں۔ (۶۵) تم وہ لوگ ہو جو بحث کر چکے اس معاملہ میں جس کی تمہیں کچھ خبر تھی، اب کیوں جھگڑتے ہو اس معاملے میں جس کی تمہیں کچھ خبر نہیں اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔ (۶۶)

تفسیر

یہودی اور عیسائی دونوں اسلام اور توحید کا دعویٰ کرتے تھے نیز وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی بڑا ماننے کے دعویدار تھے، ان میں سے ہر ایک یہ کہتا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے دین پر تھے، یعنی: بقول انکے (معاذ اللہ) حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی یا عیسائی تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک ہزار سال بعد اتاری گئی اور انجیل کے اترنے کے وقت تو دو ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہزاروں سال بعد آنے والی یہودیت یا عیسائیت کیسے چسپاں کی جاسکتی ہے؟ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے اہل کتاب! تم ابراہیم (علیہ السلام) کے متعلق کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہزاروں سال بعد نازل ہوئیں تو جو کتابیں ان کے بعد نازل ہوئیں تم ان کی نسبت ان کتابوں کی طرف کیسے کر سکتے ہو؟

جواب اس کا یہ ہے کہ: اگر یہ مطلب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت تمہارے مذہب کے زیادہ قریب تھی تو یہ بھی غلط ہے، اسکا علم تمہیں کہاں سے ہوا، پھر ایسی بات میں جھگڑنا جسکا علم آدمی کو کچھ بھی نہ ہو حماقت کے سوا کچھ نہیں۔

جن چیزوں کی تمہیں تھوڑی بہت خبر تھی مثلاً: حضرت عیسٰی علیہ السلام کے واقعات یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کی خوشخبری وغیرہ ان میں تم جھگڑ چکے لیکن جس چیز کا تمہیں بالکل ہی علم نہیں اس کے بارے میں تم کیوں جھگڑتے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مسلک

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا

نہ　تھے　ابراہیم　یہودی　اور نہ　عیسائی　اور　لیکن　تھے وہ　حنیف

مُّسْلِمًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ

فرمانبردار　اور　نہ　تھے　سے　مشرکوں　(۶۷)　بیشک　زیادہ قریب　لوگوں میں سے

بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ هٰذَا النَّبِيُّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَ

ابراہیم کے　وہ لوگ ہیں جنہوں نے پیروی کی انکی　اور　یہ　پیغمبر　اور　جو　ایمان لائے　اور

اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾

اللہ　مددگار ہیں　ایمان والوں کے (۶۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی لیکن حنیف تھے (یعنی: تمام جھوٹے خداؤں سے کٹ کر) فرمانبرداری کرنے والے تھے اور وہ مشرک نہ تھے۔ (۶۷) لوگوں میں ابراہیم سے زیادہ مناسبت ان لوگوں کو تھی جنہوں نے اسکی پیروی کی تھی اور اس پیغمبر کو اور اسکے ماننے والوں کو زیادہ مناسبت ہے اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے مددگار ہیں۔ (۶۸)

لفظی تحقیق: حَنِيْفًا: یک رخ، ایسا شخص جو سیدھا راستہ پکڑے اور تمام غلط راستے چھوڑ دے،

اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑ کر باقی سب سے تعلقات توڑ دے، قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس لقب کا کئی بار ذکر کیا گیا ہے۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہلِ کتاب کو بتایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سیدھے سادھے مسلمان تھے یعنی: باطل کی تمام راہوں سے کٹ کر صرف ایک اللہ کے ہو رہے تھے، اس کے فرمانبردار تھے، ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ بتاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مکمل فرمانبردار بندے تھے اور اسی فرمانبرداری میں اپنی بیوی اور ننھے بچے کو عرب کے بنجر بیابان وادی میں چھوڑ آنا اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے کیلئے تیار ہو جانا اور خانہ کعبہ کی تعمیر میں لگ جانا، سب باتیں یہ بتاتی ہیں کہ آپ اعلیٰ درجہ کے اطاعت گزار تھے۔

اِنَّ اَوۡلَی النَّاسِ بِاِبۡرٰهِیۡمَ لَلَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡهُ: بیشک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جنھوں نے ان کے زمانے میں ان کی صحیح پیروی کی، ایسے ہی لوگوں کو آپ کیساتھ جوڑنا درست ہے، ان کے علاوہ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والے جو درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ماننے والے ہیں یہ بھی ان کے قریب ہیں ان کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اپنی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کریں، یہودیوں اور عیسائیوں کو یہ حق ہرگز نہیں پہنچتا۔

اہلِ کتاب کی گمراہیاں

وَدَّتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَوۡ يُضِلُّوۡنَكُمۡ ؕ وَ مَا يُضِلُّوۡنَ

آرزو رکھتا ہے ایک گروہ سے اہل کتاب کاش گمراہ کریں تمہیں اور نہیں گمراہ کرتے وہ

اِلَّآ اَنۡفُسَهُمۡ وَ مَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۶۹﴾ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَكۡفُرُوۡنَ

مگر اپنے آپ کو اور نہیں وہ سمجھتے (۶۹) اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو تم

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ۝۷۰ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ
آیتوں اللہ کی کا حالانکہ تم اسکا اقرار کرتے ہو (۷۰) اے اہل کتاب کیوں ملاتے ہو تم

الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝۷۱ ع ۸ ۱۵
سچ کو ساتھ جھوٹ کے اور چھپاتے ہو تم سچی بات حالانکہ تم جانتے ہو (۷۱)

بامحاورہ ترجمہ: بعض اہل کتاب کی آرزو ہے کاش کہ! وہ تمہیں گمراہ کردیں حالانکہ وہ اپنے سوا کسی کو گمراہ نہیں کرتے مگر سمجھتے نہیں۔(۶۹) اے اہل کتاب! اللہ تعالیٰ کے کلام کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم آپس میں چھپ چھپ کر اقرار کرتے ہو۔(۷۰) اے اہل کتاب! سچ میں جھوٹ کیوں ملاتے ہو اور سچی بات چھپاتے ہو، حالانکہ تم خود جانتے بھی ہو۔(۷۱)

تفسیر

اس آیت میں بتایا کہ: جب مؤمنوں کے مددگار اللہ تعالیٰ ہیں تو اے اہل کتاب! تمہارا داؤ ان پر نہیں چل سکتا، بعض اہل کتاب یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح خود گمراہ ہیں مسلمانوں کو بھی سچی راہ سے گمراہ کردیں، لیکن مسلمان ان کے جال میں پھنسنے والے ہرگز نہیں البتہ یہ لوگ اپنی گمراہی کے وبال میں مزید اضافہ کررہے ہیں، ان کوششوں کا نقصان خود انہی کو پہنچے گا جسے فی الحال یہ سمجھتے نہیں۔

پھر اہل کتاب کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا انکار نہ کرو حالانکہ تمہاری کتابوں میں جن کے تم ماننے والے ہو، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کریم کے متعلق سچی خوشخبریاں موجود ہیں جنہیں تمہارے دل سمجھتے ہیں اور جب تنہا ہوتے ہو تو اقرار بھی کرتے ہو لیکن کھلم کھلا قرآن مجید اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے۔

یہودیوں نے "تورات" کے بعض حکم تو دنیاوی لالچ میں آکر سرے سے ختم ہی کرڈالے تھے، بعض چھپا رکھے تھے اور ہرگز ان کا ذکر نہ کرتے تھے، مثلاً: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں خوشخبریوں اور پیشین گوئیوں کا ذکر

کھلے عام نہ کرتے تھے۔

ان آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اہل کتاب مسلمانوں سے حسد رکھتے ہیں اور ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ اپنی طرح انہیں بھی گمراہ کردیں، اس کیلئے طرح طرح کی تدبیریں اختیار کریں گے، سازشیں اور خفیہ چالیں کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے مددگار ہیں ان کی سازشوں کو کبھی کامیاب نہ ہونے دیں گے۔

اہل کتاب کے پیشواؤں کی گمراہی کا ذکر ہورہا ہے یہ لوگ بھٹک کر ایسے دور نکل گئے ہیں اور ان کے دل گمراہی میں اس قدر بھر چکے ہیں کہ اب یہ کفر کے امام بنے ہوئے ہیں، یعنی: جو شخص ایمان قبول کر کے صحیح راستے پر چلتا ہے یہ لوگ اسے گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: اہل کتاب کا ایک گروہ آرزو کرتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح تم کو گمراہ کریں، گزشتہ چودہ سو سال کے عرصہ میں اہل کتاب یہی کچھ کرتے آئے ہیں کہ کسی طرح مسلمانوں کو ان کے دین سے دور کردیں، دوسرے مقام پر فرمایا کہ: یہ لوگ خواہش کرتے ہیں کہ تم گمراہ ہو کر ان کیساتھ برابر ہو جاؤ۔

منافق اہل کتاب

وَ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ عَلَى

اور کہا ایک گروہ نے میں سے اہل کتاب مان لو جو کچھ اتارا گیا پر

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَ اكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾

ان لوگوں جو ایمان لائے شروع دن کے اور منکر ہو جاؤ آخر میں شاید وہ پھر جائیں (۷۲)

وَ لَا تُؤْمِنُوْۤا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ؕ

اور نہ مانو مگر اسکی جو چلے دین تمہارے پر

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور بعض اہل کتاب نے کہا جو کچھ مسلمانوں پر اترا ہے اسے مان لو دن کے شروع حصے

میں اور دین سے منکر ہو جاؤ دن کے آخری حصے میں، شاید وہ (اس چال کے ذریعے دین سے) پھر جائیں۔(۷۲)اور اپنے دین پر چلنے والوں کے سوا کسی کی نہ مانو۔

تفسیر

"سورۃ بقرہ" میں قبلہ کی تبدیلی کا ذکر ہو چکا ہے، جب مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنا قبلہ بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کو مقرر کر لیا تو مدینے کے یہودی بلبلا اٹھے، انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کسی طرح اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے سامنے بندھ باندھا جائے اس مقصد کیلئے انہوں نے یہ چال سوجھی کہ ان میں سے کچھ لوگ صبح کو اسلام قبول کر لیں اور شام کو اس سے پھر جائیں اس طرح کمزور ایمان والے یا ناواقف لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ اگر اسلام سچا مذہب ہوتا تو یہ لوگ اسے قبول کر کے اس سے ایسے نہ پھرتے، اس طرح اسلام میں نئے آنے والے رک جائیں گے اور جو ایمان لا چکے ہیں ان کے ایمان ڈگمگا جائیں گے اور وہ اسلام سے پھر جائیں گے۔

یہودیوں کے سردار اپنے ہم خیالوں کو یہ سکھاتے کہ مسلمانوں کے سامنے جا کر اپنے آپ کو مسلمان ضرور ظاہر کرو لیکن یہ بات یاد رکھو کہ سچ مچ مسلمان نہ بن جانا بلکہ دلی طور پر یہودی رہنا، مسلمانوں کی بات کو نہ ماننا، مسلمانوں کیساتھ نماز اور دوسری عبادات میں شامل ہونے سے مقصود یہی ہو کہ بعد میں اسے چھوڑ دیں گے اور کمزور ایمان والوں کو دھوکہ دیں گے پیروی صرف اپنے ہی دین کی کریں گے۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ یہودیوں نے کس مکاری سے اسلام اور مسلمانوں کیساتھ دشمنی کی، لوگوں کو فریب دینے کی خاطر کیسی کیسی چالیں چلیں لیکن اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے محافظ ہیں، ان کی چالیں کبھی کامیاب نہ ہوں گی، مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ بھی اپنی جگہ پر چوکنا رہیں اور دشمنان اسلام کی چالوں میں نہ آئیں۔

یہ اہل کتاب کی دینی خیانت تھی وہ لوگ جان بوجھ کر سچے دین سے انکار کر رہے تھے حالانکہ یہ وہی پیغمبر ہیں جن کی خوشخبری حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی بلکہ سارے پیغمبروں نے دی اور قرآن مجید وہی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ

کی آخری اور برحق کتاب ہے مگر یہ لوگ گمراہی کے لیڈر بنے ہوئے ہیں اور لوگوں کو صحیح دین سے پھیرنا چاہتے ہیں اپنی غلط چالوں پر چلتے ہوئے کہتے ہیں کہ تم اپنے دین والوں کے سوا کسی اور کی بات ماننا ہی نہیں، یعنی: صرف اپنے دین کو ہی سچا ماننا کہیں مسلمانوں کے دین کی سچائی نہ بیان کر بیٹھنا مقصد یہ کہ جب چال کے طور پر دن کے اوّل حصہ میں بظاہر ایمان بھی لے آؤ تو صرف اسی چیز کو سچ کہنا جو تمہارے دین میں شامل ہے کسی دوسری بات کی سچائی نہ بیان کرنا کیونکہ سچا دین صرف تمہارا ہی ہے۔

اہل کتاب کی جلن

قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰۤى اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِيْتُمْ

آپ کہہ دیجئے بیشک ہدایت ہدایت اللہ کی یہ کہ دیا گیا کسی اور کو جیسا کچھ دیا گیا تمہیں

اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ

یا وہ غالب آ گئے تم پر پاس رب تمہارے کے آپ کہہ دیجئے بیشک بڑائی ہاتھ میں اللہ کے ہے دیتے ہیں اسے

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۚ۝۷۳ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ

جسے چاہیں اور اللہ گنجائش والے خبردار (۷۳) خاص کرتے ہیں رحمت اپنی کو جس پر

يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۷۴

چاہیں اور اللہ والے فضل بڑے (۷۴)

بامحاورہ ترجمہ: ۔آپ کہہ دیجئے کہ! بیشک ہدایت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے، یہ سارا (حسد)؛ اس لئے ہے کہ کسی اور کو کیوں دیا گیا جیسا کہ تمہیں دیا گیا تھا یا وہ بحث کریں گے تم سے تمہارے رب کے سامنے، آپ کہہ دیجئے بڑائی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہیں دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بہت وسعت والے خبردار ہیں۔(۷۳) جس پر چاہیں اپنی مہربانی خاص کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں۔(۷۴)

تفسیر

ان آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہدایت تو اللہ تعالیٰ کے دینے سے ملتی ہے کوئی کسی کو کتنا گمراہ کرنا چاہے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، اے یہودیوں! جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا نور ڈال دیا ہے وہ نور تمہاری چال بازیوں سے بجھنے والا نہیں، تمہاری ساری چال بازیاں ناکام ہوجائیں گی۔

اس آیت میں یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ یہودی مسلمانوں سے یہ چالبازیاں اور مکاریاں حسد کی وجہ سے کرتے ہیں، وہ اس بات سے جلتے ہیں کہ مسلمانوں کو ایسی شریعت اور پیغمبری کیوں دی گئی ہے جیسی خود یہودیوں کو پہلے ملتی رہی ہے اور دینی جدوجہد میں دوسرے لوگ ان پر غالب آ کر کیوں آگے نکلے جارہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے آگے انہیں الزام ٹھہرا رہے ہیں۔

یہودی اس بات کا دعویٰ کرتے تھے کہ دنیا میں تنہا ہماری ہی قوم شریعت کی ٹھیکے دار ہے، "تورات" ہم پر اتری حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کئی پیغمبر ہم میں آئے، پھر عرب کے ان پڑھ لوگوں کو اس فضل وکمال سے کیا واسطہ؟ ان میں پیغمبر کیوں پیدا ہوا؟ لیکن ظاہر ہے کہ ان کے اس حسد سے تورات کی وہ پیشگوئیاں تو غلط نہیں ہوسکتی تھیں جن میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر بھیجیں گے، اپنا کلام (قرآن مجید) ان کی زبان پر جاری فرمائیں گے، چنانچہ بنی اسمٰعیل کو یہ دولت ملی اور وہ علم وفضل اور مذہبی جدوجہد کے میدان میں نہ صرف بنی اسرائیل بلکہ دنیا کی تمام قوموں سے آگے بڑھ گئے۔

اس کے بعد بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ وسیع علم وفضل والے ہیں، ان کے خزانوں میں کمی نہیں اور اس کو خبر ہے کہ کسے کیا بڑائی ملنی چاہئے، نبوت، شریعت اور دین وایمان اور ہر قسم کی فضیلتوں کا تقسیم کرنا اسی کے ہاتھ میں ہے جس وقت جسے مناسب سمجھیں عطا کرتے ہیں۔

بنی اسرائیل کا دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو باقی تمام قوموں پر فضیلت بخشی ہے قرآن مجید میں بھی آتا

ہے اے بنی اسرائیل! میری نصیحتوں کو یاد کرو جو میں نے تم کو دیں" اور میں نے تم کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی" مگر یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کی بات ہے جب اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا: اس وقت بنی اسرائیل ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک برتر تھے، چنانچہ انہیں فرعون سے نجات دلائی اور انہیں طرح طرح کی نعمتیں عطا کیں پھر جب انہوں نے اپنے دین کو بگاڑ لیا، حسد اور دشمنی کا شکار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل وخوار کر دیا، ان کی برتری اور فضیلت ختم ہو گئی۔

جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکموں سے منہ موڑ لیا تو نہ ان کے پاس حکومت رہی اور نہ برتری بلکہ پیغمبری بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسمٰعیل کی طرف منتقل فرمادی اور آخری پیغمبر کے طور پر حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا، لہٰذا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کے بعد فضیلت اور برتری بھی آخری امت کو منتقل ہو گئی، قرآن کریم نے بتادیا کہ: ہم نے تم (مسلمانوں) کو عادل اور افضل امت بنایا نیز یہ بھی فرمایا کہ: تم سب امتوں سے بہترین امت ہو، گویا آخری امت کو اللہ تعالیٰ نے تمام گزری ہوئی امتوں پر برتری عطا کر دی؛ اسی لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: قیامت کے دن سب سے پہلے میری امت کا فیصلہ ہوگا اور جنت میں بھی سب سے پہلے یہ آخری امت ہی جائیگی۔

امانت دار اور خیانت کار اہل کتاب

وَ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۚ وَ

اور بعض اہل کتاب جو اگر امانت رکھیں آپ ایک خزانہ تو ادا کر دے اسے طرف آپ کی اور

مِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ

میں سے ان جو اگر امانت رکھیں آپ ایک اشرفی نہ ادا کریں اسے طرف آپ کی مگر جب تک رہیں آپ

عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ

پر اس کھڑے یہ اس واسطے کہ وہ کہتے ہیں نہیں پر ہم میں اُمی لوگوں کے کوئی گناہ

وَ يَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ۝۷۵ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى
اور بولتے ہیں پر اللہ کے جھوٹ حالانکہ وہ جانتے ہیں (۷۵) کیوں نہیں جو پورا کرے
بِعَهْدِهٖ وَ اتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ۝۷۶
اقرار اپنا اور پرہیزگاری کرے تو بیشک اللہ محبت کرتے ہیں پرہیزگاروں سے (۷۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اہل کتاب میں بعض وہ ہیں کہ اگر آپ ان کے پاس ایک خزانہ امانت رکھیں تو آپ کو ادا کردیں اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کے پاس ایک اشرفی امانت رکھیں تو آپ کو ادا نہ کریں جب تک کہ آپ ان کے سر پر کھڑے نہ رہیں یہ اس واسطے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ ہم پر اُمّی (اَن پڑھ) لوگوں کے حق مارنے (اور مال کھانے) میں کچھ گناہ نہیں اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔ (۷۵) کیوں نہیں! جو کوئی اپنا اقرار پورا کرے اور وہ پرہیزگار ہو تو اللہ کو پرہیزگاروں سے محبت ہے۔ (۷۶)

تفسیر

اہل کتاب کی دینی خیانت کیساتھ دنیاوی خیانت کا بھی ذکر آیا ہے، بھلا! جو لوگ چار پیسہ پر نیت خراب کرلیں اور امانت داری نہ برت سکیں ان سے کیسے یہ امید ہوسکتی ہے کہ کسی دینی معاملہ میں ایمانداری کریں گے؟ ان میں بہت سے ایسے ہیں جن کے پاس زیادہ تو کیا ایک اشرفی بھی امانت رکھی جائے تو تھوڑی دیر بعد مکر جائیں اور جب تک کوئی تقاضہ کیلئے ہر وقت ان کے سر پر کھڑا نہ رہے وہ امانت ادا نہ کریں بیشک ان میں سب کا حال ایک جیسا نہیں بعض ایسے بھی ہیں جن کے پاس اگر سونے کا ڈھیر رکھ دیا جائے تو ایک رتی خیانت نہ کریں، اہل کتاب میں سے یہی امانت دار لوگ یہودیت چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئے مثلاً: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ، یہودی اپنی اس دنیاوی خیانت اور بے ایمانی کے حق میں دلیل یہ دیتے ہیں کہ عرب کے اُمّی جو ہمارے مذہب پر نہیں ان کا مال جس طرح بھی ملے ہمارے لئے انکا کھانا جائز ہے، غیر مذہب والوں کی امانت میں خیانت

کی جائے تو کچھ گناہ نہیں، خصوصاً وہ عرب جو اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر مسلمان بن گئے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کوئی ایسا حق نہیں بخشا، امانت میں خیانت کرنے کی اللہ تعالیٰ نے ہرگز اجازت نہیں دی بلکہ جو کوئی عہد کی پاسداری کرے، امانت کو پورا پورا ادا کرے، اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہے، برے اخلاق سے پرہیز کرے، وہی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: مدینے میں دس بڑے یہودی عالم تھے، ان میں سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وہ واحد عالم تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت نصیب فرمائی باقی نو (۹) خیانت کار علماء اس سے محروم رہے، کسی نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے پاس بارہ سو اونس چاندی امانت رکھی جب اس شخص نے اپنی امانت واپس مانگی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ٹال مٹول نہ کیا اور امانت اس کے حوالے کردی، ایک دوسرا یہودی عالم فنحاص تھا اس کا حال یہ تھا کہ قریش خاندان کا کوئی مسافر مدینے آیا تو فنحاص کو شکل وصورت سے بڑا بزرگ شخص خیال کرکے ایک دینار اس کے پاس امانت رکھ دیا، مگر جب اپنی امانت واپس لینی چاہی تو فنحاص نے انکار کردیا کہ میں نے تمہاری کوئی امانت نہیں رکھی، یہاں سے چلے جاؤ، پاس ہی اسکا شاگرد تھا اس نے کہا کہ حضرت اس شخص کی امانت آپ کے پاس موجود ہے اسے واپس کردیں، کہنے لگا ٹھیک ہے! میں نے ایک دینار اس سے لیا تھا مگر یہ اُمّی (اَن پڑھ) لوگ ہیں ان کا مال ہضم کرجانے میں کوئی گناہ نہیں یہ ہمارے لئے جائز ہے کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔

عہد کی تعریف

عہد اس قول کا نام ہے جو دو فریقوں کے درمیان باہمی بات چیت سے طے ہوتا ہے جس پر جانبین کو قائم رہنا ضروری ہوتا ہے، بخلاف وعدہ کے کہ وہ صرف ایک جانب سے ہوتا ہے۔

لالچیوں کی سزا

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ
بیشک جولوگ خریدتے ہیں بدلے عہد اللہ کے اور قسمیں انکی قیمت تھوڑی یہی ہیں

لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَ لَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ
کہ نہیں حصہ لئے انکے میں آخرت اور نہ بات کرینگے ان سے اللہ اور نہ دیکھیں گے طرف انکی

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾
دن قیامت کے اور نہ پاک کرینگے انہیں اور لئے انکے عذاب ہے دردناک (۷۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جولوگ اللہ کے اقرار اور قسموں پر تھوڑا سا مال لیتے ہیں ان کا کوئی حصہ نہیں آخرت میں اور نہ اللہ تعالیٰ ان سے بات کریں گے اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نگاہ کریں گے اور نہ انہیں پاک کریں گے ان کے واسطے دردناک عذاب ہے۔(۷۷)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا عام قانون بیان فرمایا ہے اور خیانت کرنے والوں کیلئے جو سزا مقرر کر رکھی ہے اسے بیان کیا ہے، یعنی: جولوگ دنیا کی حقیر اور تھوڑی سی دولت کے بدلے اپنی قسموں کر توڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو جو گواہ کیا تھا کہ وہ امانت ادا کردیں گے اسکی خلاف ورزی کرتے ہیں، آپس کے معاملات کو درست نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ سے جو قول وقرار کیا تھا اس پر قائم نہیں رہتے بلکہ مال ودولت کی لالچ میں شرعی حکموں کو بدل دیتے ہیں، آسمانی کتابوں میں تبدیلی کردیتے ہیں، انکا انجام بہت برا ہوگا، انکی پانچ سزائیں ہیں۔

(۱)....انہیں آخرت میں کچھ حصہ نہیں ملے گا۔

(۲)....قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے بات نہ کریں گے۔

(۳)....اللہ تعالیٰ اس دن ان کی طرف رحمت کی نظر بھی نہیں کریں گے۔

(۴)....انہیں گناہوں سے پاک نہیں کریں گے۔

(۵)....اور ان کیلئے دردناک عذاب ہوگا۔

یہودیوں سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ لیا تھا اور انہیں قسمیں دی تھیں کہ پیغمبر کے مددگار رہو گے لیکن وہ دنیاوی غرضوں کیلئے اپنے اس عہد سے پھر گئے اور انہیں یہ سزا دی گئی، ان آیات سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ جو شخص بھی دنیاوی لالچ اور دنیا کے تھوڑے سے مال کیلئے امانت میں خیانت کرتا ہے، ایمانداری سے دور ہٹ جاتا ہے، عہد کو توڑتا ہے، وعدہ کی خلاف ورزی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی قسموں کو توڑتا ہے اسکا وہی حشر ہوگا جو اوپر بیان کیا گیا ہے، اس کے بارے میں یہ سمجھا جائیگا کہ اس نے اپنی کوششوں کا پھل دنیا میں ہی عارضی دنیاوی چیزوں کی صورت میں حاصل کرلیا، قیامت کی نعمتوں سے اسے محروم رکھا جائیگا، سب سے بڑی نعمت جو اسے نہیں ملے گی وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن بات نہیں کریں گے اور نہ ان کی طرف رحمت کی نظر سے دیکھیں گے۔

اہلِ کتاب کی دھوکہ بازی

وَ اِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ

اور بیشک میں سے ان البتہ ایک فریق ہے مروڑتے ہیں زبانوں اپنی کو ساتھ کتاب کے تاکہ گمان کرو تم کہ وہ سے

الْكِتٰبِ وَ مَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

کتاب حالانکہ نہیں وہ سے کتاب اور وہ کہتے ہیں وہ سے پاس اللہ کے ہے

وَ مَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ

حالانکہ نہیں وہ سے پاس اللہ کے اور وہ بولتے ہیں پر اللہ کے جھوٹ حالانکہ

هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

وہ جانتے ہیں (۷۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور بیشک ان میں سے ایک فریق وہ ہے جو اپنی زبانوں کو مروڑ کر (یعنی: ایسے لہجہ میں) کتاب پڑھتے ہیں تاکہ تم گمان کرو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے ہے، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔ (۷۸)

تفسیر

اس آیت میں اہلِ کتاب کی دینی خیانت اور بددیانتی بتائی گئی ہے، یہ لوگ دنیاوی معاملات میں دھوکہ دینے کے علاوہ لوگوں کو دینی معاملوں میں بھی دھوکہ دیتے ہیں، وہ آسمانی کتاب کے لفظوں کو بدل دیتے ہیں، ان کے معنٰی اور مطلب کو بدل کر بیان کرتے ہیں، انہوں نے تورات وانجیل وغیرہ میں اپنی طرف سے کچھ جھوٹے مسئلے شامل کردیئے اور ایسے تمام مسئلے جو انہیں بظاہر فائدہ مند معلوم ہوئے آسمانی کتابوں سے نکال دیئے۔

یہ لوگ تلاوت کرتے وقت ایسے انداز میں زبان کو مروڑ مروڑ کر پڑھتے ہیں کہ سننے والا دھوکہ میں آجاتا اور یہ سمجھنے لگتا کہ یہ عبارت بھی آسمانی کتاب کا حصہ ہے، اہلِ کتاب کا گناہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا بلکہ وہ زبان سے بھی یہ دعویٰ کرتے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے پاس سے آیا ہوا ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آیا ہوا نہیں، اس سے زیادہ بدبختی اور کیا ہوگی کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ذمے غلط باتیں لگاتے ہیں حالانکہ جانتے ہیں کہ یہ بیان اپنی طرف سے وہ ساتھ ملا رہے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے ان لوگوں کیلئے یقیناً دردناک سزا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو جان بوجھ کر بدل ڈالا اور اس کی وجہ صرف دنیاوی لالچ تھی اسی قسم کے گناہوں کے بدلے میں ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا اور ان سے ہر قسم کی نعمت چھین لی گئی۔

یہ پیغمبر کا کام نہیں

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ

نہیں ہے لئے کسی انسان کے کہ دے اسکو اللہ کتاب اور حکمت اور پیغمبری پھر

يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ كُوْنُوْا

وہ کہے سے لوگوں ہوجاؤ بندے میرے چھوڑ کر اللہ کو اور لیکن ہوجاؤ

رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾

اللہ والے جیسے تھے تم سکھلاتے کتاب اور جیسے تھے تم پڑھتے (۷۹)

وَ لَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَ النَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ

اور نہ حکم دے تمہیں کہ ٹھہرالو تم فرشتوں اور پیغمبروں کو رب کیا حکم دے تمہیں

ع ۸ ۹ ۱۶ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾

کفر کا بعد جب ہو تم مسلمان (۸۰)

بامحاورہ ترجمہ: کسی انسان کا کام نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے کتاب اور حکمت اور پیغمبری دے پھر وہ لوگوں کو کہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، لیکن وہ تو یہ کہیں گے کہ تم اللہ والے ہوجاؤ جیسے کہ تم کتاب سکھاتے تھے اور جیسے کہ تم اسے خود بھی پڑھتے تھے۔ (۷۹) اور (پیغمبر) تمہیں یہ نہ کہیں گے کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو رب ٹھہرالو، کیا وہ تمہیں تمہارے مسلمان ہوجانے کے بعد کفر سکھائیں گے (ہرگز نہیں)۔ (۸۰)

تفسیر

نجران کے وفد کی موجودگی میں بعض عیسائیوں نے کہا تھا کہ اے محمد! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہاری اسی طرح پرستش کرنے لگیں جیسے عیسائی حضرت عیسیٰ بن مریم کو پوجتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ کی پناہ کہ

ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی کریں یا دوسروں کو اس کی دعوت دیں، حق تعالیٰ نے ہمیں اس کام کیلئے نہیں بھیجا اس پر یہ آیت اتری، یعنی: جس بشر کو حق تعالیٰ کتاب وحکمت اور فیصلہ دیتے ہیں اور پیغمبری عطا کرتے ہیں کہ وہ ٹھیک ٹھیک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا کر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور وفاداری کی طرف متوجہ کرتے ہیں، کبھی اسکا کام یہ نہیں ہوسکتا کہ ان کو خالص ایک اللہ تعالیٰ کی بندگی سے ہٹا کر اپنا یا کسی دوسری مخلوق کا بندہ بنانے لگے، دنیا کی کوئی حکومت بھی اگر کسی شخص کو ایک ذمہ داری کے عہدہ پر مامور کرتی ہے تو پہلے دو باتیں سوچ لیتی ہے:

(۱)....یہ شخص حکومت کی پالیسی کو سمجھنے اور اپنے فرائض کو انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں۔

(۲)....اس سے وفاداری کی امید کہاں تک کی جاسکتی ہے۔

کوئی بادشاہ ایسے آدمی کو نائب یا سفیر مقرر نہیں کرسکتا جس کے بارے میں حکومت کے خلاف بغاوت پھیلانے کا معمولی سا شبہ ہو، اس مثال سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب دنیاوی حکومتیں اتنی احتیاط کرتی ہیں تو اللہ تعالیٰ جس کو ہر چیز کا علم ہے وہ کیسے اس آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجیں گے جو خود ہی اللہ تعالیٰ کے حکموں کو نہ مانے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کروانے کے بجائے اپنی بندگی کروانے لگے۔

اس آیت سے عیسائیوں کے اس عقیدہ کی تردید ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہلایا اور اپنے آپ کو اس کی خدائی میں شریک ٹھہرایا یا اپنے آپ کو سجدہ کرایا، ایسی کھلی غلطی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سے نہیں ہوسکتی۔

بلکہ وہ تو لوگوں کو کفر وشرک نکال کر اسلام میں لاتے ہیں اس کے بعد کفر کی تعلیم کیسے دے سکتے ہیں؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تو یہودیوں سے یہی کہیں گے کہ اے اہل کتاب! تم میں جو پہلے دینداری تھی، کتاب پڑھنے اور سکھانے کا رواج تھا وہ باقی نہیں رہا تم اب میرا ساتھ دو اور وہی پہلا کمال حاصل کرلو، دوبارہ عالم، حکیم، فقیہہ، عارف، متقی اور خدا پرست بن جاؤ اور یہ بات اب قرآن کریم پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے سے حاصل ہوسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبر لوگوں کو یہ تعلیم بھی نہیں دے سکتے کہ فرشتوں یا پیغمبروں کو رب بنالو جیسے

عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت جبرائیل علیہ السلام اور ایک فرقہ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور بعض مشرکوں نے فرشتوں کو رب ٹھہرا رکھا تھا، جب فرشتے اور پیغمبر خدائی میں شریک نہیں ہوسکتے تو پتھر کے بت اور لکڑی کی صلیب کس شمار میں ہے؟

آخر میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ: یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک پیغمبر جو ابتداء میں لوگوں کو اللہ والا بنانے کی کوشش کرے اور جب لوگ قبول کرلیں تو انہیں شرک و کفر کی طرف لے جا کر اپنی ساری محنت اور کمائی اپنے ہاتھ سے برباد کردے؟ اس طرح اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کی معصومیت اور بے گناہی کو کھول کر واضح کردیا، اللہ تعالیٰ نے وہ تمام بہتان رد کردیئے جو عیسائیوں نے پیغمبروں پر لگا رکھے تھے۔

پیغمبروں کا عہد

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ

اور جب لیا اللہ نے عہد پیغمبروں سے جو کچھ دیا میں نے تمہیں سے کتاب اور

حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ

حکمت پھر آئے پاس تمہارے پیغمبر تصدیق کرنیوالے جو پاس ہے تمہارے تو ایمان لاؤ گے تم پر اس اور

لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا

مدد کرو گے اسکی فرمایا کیا اقرار کیا تم نے اور قبول کیا تم نے پر اس عہد میرے کو بولے

اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ

اقرار کیا ہم نے فرمایا گواہ رہو اور میں ساتھ تمہارے سے گواہوں (۸۱) پھر جو کوئی

تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

پھر جائے بعد اس کے تو وہی وہ نافرمان ہیں (۸۲)

بامحاورہ ترجمہ:- اور یاد کرو! جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ میں نے تمہیں جو کچھ کتاب اور حکمت سے دیا ہے پھر تمہارے پاس پیغمبر آئے اور تمہاری کتاب کو سچا بتائے تو اس پیغمبر پر تم ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے، (اللہ تعالیٰ نے) پوچھا: کیا تم نے اقرار کیا اور تم نے اس پر میرا عہد لیا، (پیغمبر) بولے ہم نے اقرار کیا، (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: تو اب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ (۸۱) پھر اسکے بعد جو لوگ پھر جائینگے وہی نافرمان ہیں۔ (۸۲)

تفسیر

ان آیتوں میں وہی حقیقت دہرائی گئی ہے کہ کوئی بھی پیغمبر اپنی بندگی کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ وہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کی بندگی سکھاتا ہے، عام لوگوں کا ذکر ہی کیا اللہ تعالیٰ نے خود پیغمبروں سے بھی عہد لے رکھا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے بعد دوسرے پیغمبر آئیں جو یقیناً پہلے پیغمبروں اور ان کی کتابوں کی تصدیق کرتے ہوئے آئیں گے تو ضروری ہے کہ پہلے پیغمبر بعد میں آنے والے کی سچائی پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں اور اگر ان کا زمانہ نہ پائیں تو اپنی امت کو پوری طرح تاکید کر جائیں کہ بعد میں آنے والے پیغمبر پر ایمان لا کر اس کی مدد کرنا اور اس قسم کی وصیت کر جانا بھی اس کی مدد کرنے میں داخل ہے۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کا عہد تمام پیغمبروں سے لیا گیا تھا، کیونکہ آپ سب سے آخر میں آنے والے تھے اور سب پیغمبر آپ سے پہلے ہو گزرے تھے، ظاہر ہے کہ ان پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں سے یہ بھی اقرار لئے ہوں گے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس قسم کا عہد پیغمبروں سے لیا گیا اور خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر آج موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو میری پیروی کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوتا اور یہ بھی فرمایا کہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب اتریں گے تو قرآن مجید اور تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر فیصلہ کریں گے، اس آیت میں موجود ہے کہ

مزید تاکید کیلئے اللہ تعالیٰ نے پھر پوچھا: کیا تم اقرار کرتے ہو؟ سب پیغمبروں نے عرض کیا کہ ہاں! ہم اقرار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اس عہد پر تم بھی گواہ رہو اور تمہارے ساتھ میں بھی گواہ ہوں۔

پیغمبر چونکہ گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں اس لئے ان پر تو عہد توڑنے کا گمان بھی نہیں ہوسکتا، لہٰذا جن لوگوں پر عہد توڑنے کا شبہ ظاہر کیا گیا ہے ان سے مراد امت کے لوگ ہی ہوسکتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: اسکے بعد بھی جو لوگ ہدایت سے منہ موڑیں گے یہی لوگ سب سے بڑے نافرمان ہوں گے۔

سچے دین کی مخالفت

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَ لَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ

اب کوئی اور دین اللہ کا ڈھونڈتے ہیں وہ حالانکہ اسی کے فرمانبردار ہیں جو میں ہے آسمانوں اور

الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

زمین خوشی اور لاچاری سے اور طرف اسی کے لوٹائے جائینگے (۸۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اب (یہ لوگ) اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا کوئی اور دین ڈھونڈتے ہیں حالانکہ اسی کی فرمانبرداری میں ہے جو کوئی زمین اور آسمان میں ہے خوشی سے یا لاچاری سے اور اسی کی طرف سب لوٹائے جائینگے۔ (۸۳)

تفسیر

اہلِ کتاب کو پیغمبر ﷺ کے بھیجے جانے کی خبر آسمانی کتابوں سے معلوم ہوچکی تھی، ان کے پیغمبروں نے ان کو خوشخبریاں سنائی تھیں کہ ایک آخری پیغمبر آنے والا ہے جسکا دین سارے جہانوں کیلئے ہوگا، جب پیغمبر ﷺ تشریف لائے تو ان لوگوں نے انہیں اچھی طرح پہچان لیا لیکن حسد اور ضد میں آکر ماننے سے انکار کردیا، اسلام لانے سے انکاری ہوگئے اور اس کو جھٹلانے لگے۔

اس آیت میں ارشاد ہے: کہ کیا یہ لوگ ایسا دین تلاش کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے دینوں سے بالکل علیحدہ ہو؟ یا خود سے بنائے ہوئے دین کے خواہش مند ہیں، حالانکہ دنیا میں ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کا دین اسلام ہی رہا ہے جس کے معنیٰ فرمانبرداری کے ہیں، یعنی: جس وقت اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم کسی پیغمبر کے واسطے سے پہنچے تو اس کے آگے سر جھکا دینا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو دین پیش کر رہے ہیں یہ وہی اسلام ہے اسے چھوڑ کر نجات نہیں مل سکتی، اس سے منہ موڑ کر کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی، انسان کو اپنی خوشی اور پسند کے پیچھے لگ کر اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے انکار نہیں کرنا چاہیے، خواہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم خوشی کا باعث ہو یا اسکو پورا کرنے میں انہیں لاچاری یا مجبوری محسوس ہوتی ہو۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے بعض ایسے ہیں جو اس کے حکموں کو خوشی سے مانتے ہیں، مثلاً: فرشتے، نیک انسان اور عبادت گزار بندے اور بعض ایسے بھی ہیں جو اسے مجبوراً مانتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے جب بنی اسرائیل کے سروں پر پہاڑ کو لا کھڑا کیا تو وہ ایمان لے آئے۔

حق کا انکار کرنے والوں پر یہ تمام باتیں اس دن روشن ہو جائیں گی جب سب کے سب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوں گے، تمام مخلوقات کو بالآخر وہیں لوٹ کو جانا ہے، ہر عقلمند کو چاہیے کہ اس دن کی پیشی کیلئے پہلے سے تیار ہو جائے اگر یہاں وہ نافرمانیوں میں مشغول رہا تو وہاں کیا منہ دکھائیگا؟

پیغمبروں کا سلسلہ

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ

آپ کہہ دیجئے ایمان لائے ہم پر اللہ اور جو کچھ اتارا گیا پر ہم اور جو کچھ اتارا گیا پر ابراہیم

وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى

اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد انکی کے اور جو دیا گیا موسیٰ

وَ عِيْسٰى وَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ

اور عیسیٰ اور دوسرے پیغمبروں کو سے رب انکے نہیں فرق کرتے ہم درمیان کسی ایک کے میں سے ان

وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾

اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں (۸۴)

بامحاورہ ترجمہ: ۔آپ کہہ دیجئے! ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو کچھ ہم پر اتارا گیا اور جو کچھ اتارا گیا ابراہیم پر اور اسماعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور ان کی اولاد پر اور جو دیا گیا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو سب پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے، ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔ (۸۴)

تفسیر

اہل کتاب کو اب عملی طور پر مسلمانوں کی مثال پیش کی گئی، یہودی وعیسائی اپنے پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کے سوا باقی سب کو غلط قرار دیتے تھے اور ان کو جھٹلاتے تھے، اس آیت میں انہیں مسلمانوں کے عقیدے کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ جو لوگ آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں داخل ہو گئے ہیں اور اسلام قبول کر چکے ہیں وہ بغیر کسی فرق کے گزرے ہوئے تمام پیغمبروں کو خدا کی طرف سے مانتے ہیں، پہلی آسمانی کتابوں کو اللہ تعالیٰ کا کلام سمجھتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ ہمارا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے اور اس کے تمام بھیجے ہوئے پیغمبروں کو سچا سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ماننا اس کے حکموں کو مانے بغیر درست نہیں ہوسکتا، ہم اس کلام پر ایمان رکھتے ہیں جو قرآن مجید کی صورت میں ہم پر اترا اور پیغمبروں کا جو سلسلہ ہے اس پر بھی یقین رکھتے ہیں، ہم ان تمام حکموں کو بھی مانتے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل میں پیغمبروں پر وقتاً فوقتاً اتریں، یعنی: حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد پر، ان کے بعد ہم اس کلام پر یقین رکھتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اترا (یعنی: ”تورات“) اور اس کتاب پر بھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملی، یعنی: انجیل، ہمارے نزدیک یہ سب پیغمبر

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھے اور سچے تھے، ان پر جو کلام اترا وہ برحق تھا ہم ان میں سے کسی ایک میں فرق نہیں کرتے، کسی کو سچا اور کسی کو (نعوذ باللہ) جھوٹا نہیں کہتے کیونکہ پیغمبر کو جھوٹا کہنا بھی کفر ہے خواہ باقی سب کو پیغمبر مانا جائے اور ہم صحیح معنوں میں مسلمان، یعنی: اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔

اسلام کے سوا دین

وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَ هُوَ

اور جو کوئی چاہے سوا اسلام کے کوئی دین سو ہرگز قبول نہ کیا جائیگا اس سے اور وہ

فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

میں آخرت ہوگا سے خسارہ پانے والوں (۸۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو کوئی دین اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے سو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔ (۸۵)

تفسیر

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اب اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا دین چھوڑ کر کسی اور راہ پر چلنا چاہے تو اسکی یہ کوشش قابلِ قبول نہ ہوگی اسے اسکی سزا اس دنیا میں بھی دی جائیگی اور آخرت میں بھی اسے خسارہ ہوگا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا دین (اسلام) مکمل صورت میں آ پہنچا تو کوئی جھوٹا، خود کا بنایا ہوا یا نامکمل دین قبول نہیں کیا جا سکتا اگر سورج کے نکل آنے کے بعد کوئی شخص مٹی کا چراغ جلائے یا ستاروں کی روشنی تلاش کرے تو یہ اسکی بیوقوفی ہوگی، بنی اسرائیل کو اس سے یہ تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اسلام کے سوا کسی اور دین کی تلاش نہ کرو۔

ہدایت سے کورے

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَ شَهِدُوْٓا
کیوں کر ہدایت دینگے اللہ ایسی قوم کو جو کافر ہوئے بعد اپنے ایمان لانے کے اور گواہی دی

اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي
کہ بیشک پیغمبر سچے ہیں اور آئیں پاس انکے نشانیاں اور اللہ نہیں ہدایت دیتے

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٦﴾
قوم ظالم کو (۸۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیونکر ہدایت دیں گے جو ایمان لا کر کافر ہو گئے اور انہوں نے گواہی دی کہ بیشک پیغمبر سچے ہیں اور ان کے پاس روشن نشانیاں آئیں اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتے۔(۸۶)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ وہ ظالموں کو کبھی ہدایت نہیں دیں گے، ظالموں سے مراد وہی لوگ ہیں جو حق کو پہچان لینے کے بعد اسے جھٹلاتے رہے، نہ خود حق کو قبول کیا نہ دوسروں کو نیکی کی طرف بلایا بلکہ ان کا انکار دوسروں کیلئے رکاوٹ بنا۔

کچھ لوگوں نے حق کو پہچان لینے کے بعد کفر اختیار کیا، وہ آنکھوں سے دیکھتے ہیں جب اپنے لوگوں سے مل بیٹھتے ہیں تو خفیہ خفیہ اقرار بھی کرتے ہیں کہ یہ پیغمبر سچا ہے، اسکی سچائی کی روشن دلیلیں، کھلے نشانات اور صاف صاف خوشخبریاں ان کو پہنچ چکی ہیں اس پر بھی ان کا تکبر وحسد اور ذاتی شان وشوکت کی محبت اسلام قبول کرنے اور کفر کو چھوڑنے سے انہیں روک رہی ہے۔

یہ عموماً یہودیوں اور عیسائیوں کا حال تھا ایسے ہٹ دھرم اور ضدی کافروں کے بارے میں کیونکر یہ امید کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادیں یا ان کو اپنی خوشنودی کے راستہ پر لے آئیں اور جنت تک پہنچنے کی راہ دیں، اسکا یہ اصول نہیں کے بے انصاف اور نافرمان ظالموں کو کامیابی عطا کریں۔

ایسے لوگ جو خود پر ظلم کریں، حق وسچائی کو جان لینے کے بعد نیک و بد میں تمیز کر لینے کے بعد برائی کی راہ چنیں، اللہ تعالیٰ کے حکموں سے منہ موڑیں تو انہیں ہدایت کا راستہ کیونکر دکھایا جاسکتا ہے وہ اپنے برے عملوں کی وجہ سے ٹیڑھ پن اختیار کرتے ہیں، گمراہی میں پھنس جاتے ہیں۔

ظالموں پر لعنت

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ

ایسے لوگ ، سزا انکی ، (یہ ہے کہ) کہ بیشک پر ان ، لعنت ، اللہ کی ، اور ، فرشتوں ، اور ، لوگوں

اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا

سب کے سب کی (۸۷) ، ہمیشہ رہینگے ، میں اس ، نہ ، ہلکا کیا جائیگا ، سے ان ، عذاب کو ، اور ، نہ

هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾

وہ ، مہلت دیے جائینگے (۸۸)

با محاورہ ترجمہ: ۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی۔ (۸۷) اس میں ہمیشہ رہیں گے ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائیگی۔ (۸۸)

تفسیر

گزشتہ آیتوں میں جن لوگوں کی دینی اور دنیاوی خرابیاں ذکر کی گئی ہیں، اب ان کی وہ سزا بیان کی گئی ہے

جو انہیں اس ظلم اور بددیانتی کے نتیجے میں دی جائیگی، ان لوگوں کا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ پیغمبروں کی سچائی کو پہچان لینے کے بعد انہیں جھٹلانے کی کوشش کی، نیکی کی راہ دیکھ لینے کے باوجود اس سے منہ موڑا، اللہ تعالیٰ کی طرف راہنمائی کرنے والوں کی طرف کان نہ دھرا، یہودیوں اور عیسائیوں کا یہی چال چلن تھا کہ یہ لوگ اپنی آسمانی کتابوں کے پڑھ لینے سے جان چکے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آخری پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے جائینگے، جب وہ آئے تو انہوں نے پہچان لینے کے بعد ان کا انکار کر دیا، ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ خدا، خدا کے فرشتے اور مسلمان سب کے سب ان پر لعنت بھیجتے ہیں بلکہ وہ خود بھی اپنے اوپر لعنت کرتے ہیں، جب وہ اپنے منہ سے کہتے ہیں کہ ظالموں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت تو یہ لعنت خود انہی پر پڑتی ہے۔

ان پر یہ لعنت ہمیشہ پڑتی رہے گی نیز آخرت میں بہت سخت عذاب ہوگا جس میں نہ کسی قسم کی کمی ہوگی اور نہ ذرا سی دیر کیلئے اس عذاب کو ٹال کر انہیں آرام دیا جائیگا۔

قابل قبول توبہ اور نا قابل قبول توبہ

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

لیکن جنہوں نے توبہ کی سے بعد اسکے اور نیک کام کئے تو بیشک اللہ بخشنے والے

رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا

مہربان ہے (۸۹) بیشک جولوگ منکر ہوئے بعد اپنے ایمان لانے کے پھر بڑھتے رہے وہ کفر میں

لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾

ہرگز نہ قبول ہوگی توبہ انکی اور وہی وہ گمراہ ہیں (۹۰)

بامحاورہ ترجمہ: مگر جنہوں نے اس کے بعد توبہ کرلی اور نیک کام کئے تو بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والے مہربان ہیں۔ (۸۹) بیشک جولوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہوئے پھر کفر میں بڑھتے رہے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ

ہوگی اور وہی گمراہ ہیں۔ (۹۰)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ بخشنے والے اور مہربان ہیں، اس کی بارگاہ میں اگر مجرم شرمندہ ہوکر سچے دل سے توبہ کرلے اور آئندہ نیک چلن اختیار کرنے کا ارادہ کرے تو سب گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔

ان آیتوں کے شانِ نزول میں مختلف روایتیں آتی ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ مدینہ کے انصار میں سے کوئی شخص اسلام قبول کرنے کے بعد پھر گیا مگر بعد میں اس پر شرمندہ ہوا تاہم بعض شخص ایسے بھی تھے جو اسلام کو چھوڑنے کے بعد کفر پر اڑے رہے، ان میں بشیر منافق کا ذکر آتا ہے جو مرتد ہوکر مکہ کے مشرکوں سے جاملا، یہ شخص اسلام اور مسلمانوں کی سخت مخالفت کرتا رہا، اسی طرح ابن خطل کے متعلق آتا ہے کہ اسلام لانے کے بعد اس کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقوں کی وصولی کیلئے کسی جگہ بھیجا؛ راستے میں خدمت کیلئے ایک خادم بھی ساتھ بھیجا؛ دورانِ سفر اس خادم نے کھانا تیار کرنے میں دیر کردی تو اس ظالم نے اس کو قتل کردیا، ظاہر ہے کہ قتل کے جرم میں اس کے خلاف مقدمہ قائم ہوتا پھر یا تو وہ قصاص میں قتل کیا جاتا یا دیت پر فیصلہ ہوجاتا اور آخرت کی سزا سے بچ جاتا مگر اس نے دنیا کی سزا قبول کرنے کے بجائے اسلام کو چھوڑ دیا اور مرتد ہوکر مکہ کے کافروں سے جاملا، وہاں پر اس نے عیش وعشرت کی زندگی گزارنا شروع کردی، اس کے پاس لونڈیاں تھیں، بری محفلیں لگتیں، جن میں اسلام کی توہین اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی شان میں گستاخی کی جاتی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن خطل سمیت چار آدمیوں کے متعلق حکم دے رکھا تھا کہ یہ جہاں بھی ملیں قتل کردیئے جائیں، یہاں تک کہ اگر کعبہ کے غلافوں سے چمٹے ہوئے ملیں تو بھی قتل کردیئے جائیں۔

۸ھ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کیساتھ مکہ کی فتح کیلئے مکہ پہنچے تو ابن خطل نے بیت اللہ شریف کے پردے پکڑ کر پناہ چاہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی تو اس کے قتل کا حکم فرمایا، چنانچہ اس بد بخت کو مقام ابراہیم اور حجرِ اسود کے درمیان قتل کردیا گیا، غرضیکہ یہ ان لوگوں میں سے تھا جو مرتد ہونے کے بعد کفر میں اور

زیادہ بڑھ گئے، ان آیتوں میں ایسے ہی لوگوں کا ذکر ہے۔

احکام ومسائل

مسئلہ(۱):.... مرتد ہونے، یعنی: اسلام سے پھر جانے کے بعد بھی اگر کوئی سچے دل سے توبہ کریگا تو وہ توبہ قبول ہوسکتی ہے۔

مسئلہ(۲):.... "وَاَصْلِحُوْا" اور اپنے عملوں کو سنوار لیں، اسمیں یہ بات بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کو پورا کیا جائے، اگر اللہ تعالیٰ کے حقوق، یعنی: نماز، روزہ وغیرہ قضاء ہوئے ہیں تو اس کو ادا کیا جائے اور اگر بندوں کے حقوق ضائع ہوئے ہیں تو پہلے انہیں ادا کیا جائے یا بندوں سے معاف کرایا جائے اس کے بغیر توبہ قبول نہیں ہوتی اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ جو غلطی ہوئی ہے اس کو دوبارہ نہ کیا جائے، اگر ان شرطوں پر پورا اترے تو توبہ قبول ہوگی۔

فدیہ ہرگز قبول نہ ہوگا

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ

بیشک جولوگ کافر ہوئے اور مرگئے اس حال میں کہ وہ کافر ہیں تو ہرگز نہ قبول ہوگا سے

اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّ لَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

کسی ایک بھری زمین سونا اور اگرچہ بدلہ دے اس کا وہی ہیں لئے انکے

۹ ع ۱۱ ۱۷ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾

عذاب ہے دردناک اور نہیں لئے انکے کوئی مددگار (۹۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جولوگ کافر ہوئے اور کفر میں مرگئے تو کسی ایسے سے ہرگز زمین بھر سونا بھی قبول نہ ہوگا اگرچہ بدلہ میں اس قدر سونا دے، انہیں دردناک عذاب ہوگا اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔(۹۱)

لفظی تحقیق: اِفْتَدٰی: بدلہ دے۔ فدیہ ایسے بدلہ کو کہتے ہیں جو کسی خرابی اور گناہ کے بدلے مال و دولت کی صورت میں یا کسی اور شکل میں ادا کیا جائے۔

تفسیر

اس آیت میں ایسے کافروں اور گناہگاروں کو تنبیہ کی گئی ہے جو ہمیشہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ مال و دولت ہی سب کچھ ہے، روپیہ تمام گناہوں کو ڈھانپ دیتا ہے اور تمام برائیوں کی پردہ پوشی کرتا ہے، ان کا خیال ہے کہ جس طرح ہم دنیا میں فدیہ، یعنی: رشوت دیکر جرموں کی سزا سے بچ جاتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے سونا اور چاندی دیکر اس کی سزا سے بچ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا ہے کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے، تم میں سے کسی گناہگار کے پاس پوری زمین کے برابر سونا ہو اور وہ اسے اپنے گناہوں کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کرے تو یہ ہرگز قبول نہ کیا جائیگا، اللہ تعالیٰ کو بھلا سونے کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے جبکہ وہ ساری کائنات کے مالک ہیں، تمام مخلوقات کے پیدا کرنے والے ہیں، ذرّہ سے لیکر سورج تک، چیونٹی سے لیکر ہاتھی تک، معمولی گناہگار انسان سے لیکر عظیم الشان پیغمبر تک سب اس کے حکم کے تابع ہیں، سونا، چاندی، مال و دولت سب اسی کی ملکیت ہیں اور وہی یہ سب کچھ لوگوں کو دیتے ہیں پھر اس کے بدلے وہ گناہگار کو کیوں معافی دیں گے؟

دراصل رشوت اور فدیہ کا یہ نظریہ ان لوگوں کی پیداوار ہے جن کا دین ایمان و دولت ہے، جن کے جینے کا مقصد مال و دولت ہے، جو زندگی بھر اس کی تلاش کرتے ہیں، اپنی محنت اور وقت اسی کے حاصل کرنے میں خرچ کرتے ہیں، اپنی عمر اسی کے ڈھیر اکٹھے کرنے میں لگاتے رہتے ہیں، آخر کار اسی کی حسرت دل میں لئے خالی ہاتھ اس جہان سے چلے جاتے ہیں، یہ لوگ سونے چاندی کے پیچھے دوڑتے رہے، مال و دولت کیلئے بھاگ دوڑ کرتے رہے، انہوں نے اپنی ساری توجہ اور محنت اسی پر لگادی، لیکن ان کا انجام انتہائی دردناک ہوگا، ان عقل کے اندھوں کو معلوم نہیں کہ اصل دولت ایمان کی دولت ہے، اصل سرمایہ نیکی کا سرمایہ ہے، سونے چاندی کی حیثیت

نیک اعمال کے مقابلہ میں ایک بے قیمت تنکے کی بھی نہیں، قیامت میں صرف نیک اعمال ہی بچا سکتے ہیں، سونے چاندی کے ڈھیر کام نہیں آئیں گے۔

سورہ آل عمران کی آیتوں کا خلاصہ

نجران کے وفد کے بحث کرنے کے بعد اور دل میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی کو صحیح ماننے کے باوجود عیسائی ایمان نہ لائے وہ لوگ برابر یہ جھوٹ بولتے رہے کہ فلاں چیز اللہ تعالیٰ نے کہی ہے، فلاں بات اس کی کتاب میں لکھی ہوئی ہے، حالانکہ یہ تمام باتیں وہ خود اپنے دل سے بناتے تھے نیز کوئی پیغمبر اللہ تعالیٰ کے حکموں کے خلاف تعلیم نہیں دیتے، وہ کبھی اپنی عبادت کیلئے حکم نہیں دیتے، وہ تو ہمیشہ یہی کہتے ہیں کہ اللہ والے بن جاؤ لیکن عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کے حکموں کو بدل ڈالا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات نہ مانی، پیغمبروں میں فرق کرتے رہے کسی کو مانا کسی کو نہ مانا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کو ایک ہی ہدایت کا راستہ دیکر بھیجا اور سب کو توحید کا سبق دیا۔

عیسائی یہ تمام حقیقتیں جاننے کے بعد بھی ایمان نہ لائے اور انکار ہی کرتے رہے، وہ دنیاوی غرضوں میں پھنس کر اور مال و دولت کی محبت میں گرفتار ہو کر اپنے ایمان کو بیچ ڈالتے، آخرت کی پرواہ نہ کرتے، اپنا انجام نہ سنوارتے، اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے کہ: وہ ایسے لوگوں کو کبھی ہدایت کا راستہ نہیں دکھائیں گے بلکہ ان پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور تمام لوگ لعنت کریں گے اور نہ ان سے عذاب ہلکا ہوگا، نہ انہیں مہلت ملے گی۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھئے کہ وہ انسان کو ایک اور موقع دیتے ہیں کہ وہ توبہ کر لے، اپنے کئے پر شرمندہ ہو اور معافی کا حقدار بن جائے، لیکن انکار کرنے والے پھر بھی نہیں سمجھتے، وہ اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں، ساری عمر اسی پر جمے رہتے ہیں اور مرتے دم تک توبہ نہیں کرتے، یہ لوگ اگر اپنے ان گناہوں کی سزا میں دنیا بھر کا سونا فدیہ میں دینا چاہیں تو وہ قبول نہ ہوگا، یہی گناہگار ہیں انہیں دردناک انجام دیکھنا پڑیگا، سخت ترین سزا ملے گی، ان کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار بلکہ یہ بے بس اور بے سہارا ہوں گے، انہیں کوئی پوچھنے والا نہ ہوگا، انہیں کسی کا آسرا نہ ہوگا۔

عقلمند انسان کو چاہئے کہ ان حالات و واقعات سے سبق حاصل کرے، گمراہ اور بھٹکے ہوئے لوگوں کا راستہ اختیار کرکے اپنی آخرت کو خراب نہ کرے، اپنا انجام گھناؤنا نہ بنائے بلکہ ان باتوں سے سبق حاصل کرکے نیکی کا راستہ اختیار کرے۔

حاصل یہ ہے کہ! اس آیت میں برے کام کرنے والے انسانوں کی دو سزاؤں کا بیان ہے: ایک تو دردناک عذاب کی شکل میں ہوگی اور دوسری یہ کہ کوئی ان کا مددگار نہ ہوگا، وہ تنہا بے یار و مددگار رہ جائیں گے، جن سہاروں پر انہیں ناز تھا وہ سب چھوٹ جائیں گے اور جن دوستوں سے انہیں توقع تھی وہ سب ساتھ چھوڑ جائیں گے، مبارک ہیں وہ انسان جو اس گھڑی سے پہلے سنبھل جائیں۔

عمدہ نیکی کا معیار

الجزء ۴

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا

ہرگز نہ | حاصل کرسکو گے | نیکی | یہاں تک کہ | خرچ کرو | سے اس | تم پسند کرتے ہو | اور | جو | تم خرچ کروگے

مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾

کوئی | چیز | تو بیشک | اللہ | اس کو | جانتا ہے(۹۲)

بامحاورہ ترجمہ: تم ہرگز نیکی نہ حاصل کرسکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز سے کچھ خرچ کرو اور جو چیز خرچ کروگے سو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ (۹۲)

تفسیر

اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ کس شخص نے کونسی چیز خرچ کی ہے؟ اور کس کیلئے خرچ کی ہے؟ جتنی محبوب چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کی جائیگی اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے بدلہ ملے گا۔

اللہ تعالیٰ نے نیکی کا معیار یہ قرار دیا کہ اپنی سب سے محبوب شئے ہماری راہ میں قربان کردو اسے سب سے بڑی نیکی سمجھا جائیگا اور اللہ تعالیٰ اسکی قدر فرمائیگا۔

مِمَّا تُحِبُّوْنَ: اس چیز میں سے خرچ کرو جسے تم پسند کرتے ہو، جب حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سنی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا حضور میرے باغ ہیں جن میں سے بیر حاء مجھے بہت محبوب ہے میں اسے اللہ کی راہ میں دینا چاہتا ہوں آپ اس کو مناسب جگہ پر خرچ کریں، فرمایا: بہت اچھے! یہ مال بڑا فائدہ دینے والا ہے میرا مشورہ ہے کہ اسے اپنے غریب رشتہ داروں میں تقسیم کردو چنانچہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے وہ باغ اپنے تین چار قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کردیا، اس میں میٹھا پانی بھی تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لے جاتے اور اس کے کنویں کا پانی پیتے تھے، یہ حدیث "بخاری ومسلم" کی ہے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خیرات صرف وہ نہیں جو عام غریبوں اور مسلمانوں پر خرچ کی جائے بلکہ اپنے غریب رشتہ داروں کو دینا یہ بھی بڑی خیرات ہے جسمیں اجروثواب ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ جو زمین مجھے خیبر میں ملی ہے وہ مجھے اپنے مالوں میں سے زیادہ پیاری ہے میں چاہتا ہوں کہ اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیدوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں وقف کردو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ بولے بیٹے حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے پاس بڑی اچھی چال والا ایک گھوڑا ہے اور وہ مجھے بہت پسند ہے میں اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینا چاہتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بہت اچھی بات ہے دیدو، عرض کیا حضور! جسے آپ مناسب سمجھیں دیدیں، آپ نے وہ گھوڑا زید ہی کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو دیدیا، تاکہ وہ اسے جہاد میں استعمال کرسکیں اس پر زید رضی اللہ عنہ کو کچھ پریشانی ہوئی کہ میں تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینا چاہتا تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے اپنے بیٹے کو ہی دیدیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلا تو فرمایا: پریشان مت ہو جب تم نے اللہ کی راہ میں دیدیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کرلیا، تمہارا بیٹا اسکا حق دار تھا، لہٰذا تمہارے صدقے میں کوئی کمی نہیں آئی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بڑی اچھی رومی باندی تھی جو آپ کو بہت پسند تھی، آپ نے اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں آزاد کردیا، خود فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں اپنی دی ہوئی چیزوں میں سے واپس لینا چاہتا تو یقیناً اس سے نکاح کر لیتا مگر میں اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں آزاد کر چکا ہوں، پھر آپ نے مشورہ کر کے اپنے شاگرد نافع رحمۃ اللہ علیہ سے اس باندی کا نکاح کرا دیا، مقصد یہ کہ اپنی پسندیدہ چیز کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا بلاشبہ اعلیٰ درجے کی نیکی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عام طور پر اعلیٰ سے اعلیٰ چیز خدا کی راہ میں خرچ کرتے تھے تاہم یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا تھوڑا ہو یا زیادہ ایمان، اسلام اور اطاعت کے جذبہ سے ہوگا تو قبول ہوگا اور اسکا اجر بھی اعلیٰ درجے کا ہوگا، یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ خرچ کا تعلق صرف مال کیساتھ ہی نہیں بلکہ جو بھی کسی کے پاس پسندیدہ چیز ہے اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر کے اعلیٰ مرتبہ حاصل کر سکتا ہے۔

احکام ومسائل

مسئلہ (۱):.... اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو صدقہ بھی ادا کرو خواہ زکوۃ ہو یا کوئی نفلی صدقہ و خیرات ان سب میں مکمل فضیلت اور ثواب جب ہے کہ اپنی پیاری چیز کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو یہ نہیں کہ صدقہ کو جرمانے کی طرح سر سے ٹالنے کیلئے فالتو، بیکار یا خراب چیزوں کا انتخاب کرو۔

مسئلہ (۲):.... آیت میں لفظ "مِمَّا" سے اشارہ کردیا گیا ہے کہ یہ مقصود نہیں ہے کہ جتنی چیزیں اپنے نزدیک پیاری ہیں ان سبھی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ جتنا بھی خرچ کرنا ہے اس میں اچھی اور پیاری چیز دیکھ کر خرچ کریں تو مکمل ثواب کے حقدار ہوں گے۔

مسئلہ (۳):.... پسندیدہ چیز خرچ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی بڑی قیمت کی چیز خرچ کی جائے بلکہ جو چیز کسی کے نزدیک پسندیدہ ہے خواہ وہ قیمت کے اعتبار سے کتنی ہی کم ہو اس کے خرچ کرنے کا پورا پورا ثواب ملے گا۔

مسئلہ (۴):.... آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ پورے ثواب کے ملنے کا دارومدار اس پر ہے کہ اپنی

پسندیدہ چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضرورت سے زائد فالتو مال خرچ کرنے والے کو کوئی ثواب ہی نہ ملے بلکہ آیت کے آخر میں جو یہ ارشاد ہے کہ تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے، آیت کے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ پورے ثواب کا ملنا اپنی پسندیدہ چیز خرچ کرنے پر ہے، لیکن محض ثواب سے کوئی صدقہ خالی نہیں، خواہ محبوب چیز خرچ کریں یا زائد اور فالتو چیزیں، یہ بات ناپسندیدہ ہے کہ کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کیلئے یہی طریقہ اختیار کرلے کہ جب خرچ کرے فالتو اور خراب چیز ہی خرچ کرے، لیکن جو شخص صدقہ وخیرات میں اپنی پسندیدہ اور عمدہ چیزیں خرچ کرتا ہے اور اپنی ضرورت سے زائد چیزیں، بچا ہوا کھانا یا پرانے کپڑے، عیب دار برتن یا استعمال کی ہوئی چیزیں بھی خیرات میں دیدیتا ہے تو وہ ان چیزوں کو صدقہ کرنے سے گناہ کا مرتکب نہیں ہوتا بلکہ اس کو ان پر بھی ضرور ثواب ملے گا۔

آیت کے اس آخری جملہ میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ آدمی جو کچھ خرچ کرتا ہے اس کی اصلی حقیقت اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ وہ اس شخص کے نزدیک پسندیدہ ہے یا نہیں، اور اخلاص کیساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا پر خرچ کررہا ہے یا دکھاوے اور شہرت کیلئے۔

بنی اسرائیل میں حلال وحرام

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ

سب کھانے کی چیزیں تھیں حلال واسطے بنی اسرائیل کے مگر جو حرام کرلی تھیں اسرائیل نے

عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ

پر جانوں اپنی کے سے پہلے اس کہ اتاری جاتی تورات

بامحاورہ ترجمہ:۔ بنی اسرائیل کیلئے سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں مگر جو اسرائیل (یعقوب) نے اپنے اوپر حرام کرلی تھیں "تورات" اترنے سے پہلے۔

تفسیر

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ تم اپنے آپ کو ابراہیم کے دین پر بتاتے ہو لیکن تم وہ چیزیں کھاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے پر حرام کر رکھی تھیں، مثلاً اونٹ کا گوشت اور اسکا دودھ وغیرہ، اس صورت میں تم ابراہیم کے سچے پیروکار کیونکر کہلا سکتے ہو؟

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس سوال کے جواب میں فرمایا کہ: جتنی چیزیں اب لوگ عموماً کھاتے ہیں یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں حلال تھیں اور "تورات" کے اترنے سے پہلے تک حلال ہی رہیں جہاں تک اونٹ کے گوشت اور اس کے دودھ کے حرام ہونے کا تعلق ہے، یہ "تورات" کے اترنے سے بہت پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام نے استعمال نہ کرنے کی قسم کھائی تھی اور ان کی پیروی میں ان کی اولاد نے بھی چھوڑ دیا تھا، قسم کھانے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو "عرق النساء" کا درد تھا جس کو طب کی کتابوں میں "لنگڑی کا درد" بھی کہتے ہیں، "نساء" کے متعلق مشہور ہے کہ یہ رگ ہے، مگر حقیقت میں یہ پٹھا ہوتا ہے جو کولہے سے شروع ہو کر ران سے ہوتا ہوا انگوٹھے تک جاتا ہے، یہ درد کبھی ٹانگ کے ایک طرف ہوتا ہے اور کبھی دونوں طرف، حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہی مرض تھا، انہوں نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے صحت عطاء فرمائی تو میں اپنی خوراک میں سب سے پسندیدہ چیز کھانا چھوڑ دونگا، آپ کے نزدیک اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ سب سے پسندیدہ تھا، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت عطاء فرمائی تو آپ نے ان چیزوں کو چھوڑ کے اپنی منت پوری کی، مقصد یہ کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کی تھیں بلکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے خود اپنے اوپر نذر مان کر حرام کر لی تھیں۔

اللہ تعالیٰ پر بہتان

قُلْ فَأْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى

آپ کہہ دیں لاؤ تورات کو پڑھو اسے اگر ہو تم سچے (۹۳) پھر جو باندھے

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾

پر اللہ جھوٹ سے بعد اس کے پس وہی لوگ ظالم ہیں (۹۴)

بامحاورہ ترجمہ: ۔آپ کہہ دیں "توریت" لاؤ، اور اسے پڑھو اگر تم سچے ہو۔(۹۳) پھر جو لوگ اسکے بعد اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھیں وہی بڑے ظالم ہیں۔(۹۴)

تفسیر

اس آیت کی ابتدا میں یہودیوں کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ جو چیزیں اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کی شریعت میں حرام تھیں وہ اسلام میں حلال کیسے ہوگئیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: جن چیزوں کو تم حرام سمجھ بیٹھے ہو وہ حرام نہ تھیں۔

آیت کے اس آخری حصہ میں بنی اسرائیل کو نہایت واضح لفظوں میں بہت زوردار طریق پر کہا جارہا ہے کہ اگر اب بھی تمہیں کچھ شک ہے اور ہمارے اس بیان پر تمہارا دل نہیں جمتا تو اپنی کتاب "تورات" لے آؤ اسے اوّل سے آخر تک پڑھ جاؤ، اگر کہیں یہ بیان مل جائے کہ یعقوب کی شریعت میں بھی یہ چیزیں حرام تھیں تو ہمیں دکھا دو کس قدر عجیب بات ہے کہ وہ اپنی کتاب سے بھی کوئی ایسی آیت نکال کر نہ دکھا سکے مگر پھر بھی ضد پر اڑے رہے۔

یہودیوں نے قرآن مجید کا یہ چیلنج قبول نہ کیا اور قبول کرتے بھی کیسے؟ جبکہ ان کا دعویٰ بے بنیاد تھا، اس لئے کہ ان کے پاس "تورات" کا اصل علم ہی نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم اپنی کتاب سے ایسا کوئی حکم نہ دکھا سکو تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ تم اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ رہے ہو، شریعت کے نام پر غلط بیانی سے کام لے رہے ہو، اپنی طرف سے باتیں گھڑ لیتے ہو اور انہیں مذہب اور کتاب کے نام لگا دیتے ہو، ایسا کرنے والے ظالم شمار ہوں گے اور حقیقت یہی ہے کہ دنیا میں اس

سے بڑا ظلم نہیں ہوسکتا کہ بندہ اپنی بات کو خدا کی بات قرار دے، بندہ ہوکر خدائی دعوے شروع کردے، ایسا کرنے والے نہ صرف خود گمراہ ہوتے ہیں بلکہ لوگوں کی گمراہی کا سبب بن جاتے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں یوں آتا ہے کہ یہودیوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا کہ ہم آپ سے بعض ایسی باتیں پوچھنا چاہتے ہیں جن کا جواب پیغمبر کے سوا کوئی نہیں دے سکتا آپ نے فرمایا: اگر میں نے ان باتوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دیدیا تو پھر تمہیں ایمان لانا ہوگا، انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ ایمان لے آئیں گے، چنانچہ یہودیوں کا پہلا سوال یہی تھا جس کا ذکر آچکا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کون سی چیز اپنے اوپر حرام قرار دی تھی آیت میں دیا ہوا جواب سن کر یہودیوں نے اسکی تصدیق کی۔

یہودیوں کا دوسرا سوال یہ تھا کہ ماں کے پیٹ میں بچہ یا بچی کیسے بنتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ: مرد کی منی سفید اور گاڑھی ہوتی ہے جبکہ عورت کی منی زرد اور پتلی ہوتی ہے، فرمایا: دونوں میں سے جسکی منی غالب ہوتی ہے اسی کے مطابق بچہ یا بچی پیدا ہوتی ہے، یہودیوں نے کہا کہ جواب درست ہے۔

یہودیوں کا تیسرا سوال یہ تھا کہ آخری پیغمبر کی نیند کیسی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کی آنکھیں سوتی ہے اور دل جاگتا ہے، یہودیوں نے اس جواب کو درست کہا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: کہ ان سوالوں کے جواب مجھے معلوم نہ تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرائیل علیہ السلام نے آکر مجھے یہ جواب بتلائے تو میں نے تم کو بتادیئے۔

یہودیوں نے چوتھا سوال یہ کیا کہ آپ پر وحی لانے والا فرشتہ کونسا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب دیا کہ: وہ فرشتہ جبرائیل ہے، اس جواب پر یہودی بدک گئے کہ جبرائیل کو ہم نہیں مانتے، یہ فرشتہ ہمارے باپ دادا پر عذاب لایا تھا، اس طرح یہودیوں نے چوتھے سوال کے جواب کا انکار کرکے ایمان لانے سے انکار کردیا حالانکہ پہلے اسکا وعدہ کرچکے تھے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بنی اسرائیل کیلئے کھانے پینے کی تمام چیزیں حلال تھیں، سوائے انکے چیزوں

کے جنکا ذکر "سورۂ نساء" کے پہلے رکوع میں آئیگا، بعض چیزوں کا ذکر "سورۂ اعراف" میں بھی آتا ہے اس کے علاوہ وحی کے ذریعے حرام کی ہوئی چیزیں مثلاً: مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کی نذر، بنی اسرائیل کیلئے بھی حلال نہیں تھیں، البتہ کھانے پینے کی عام چیزیں اور بھیڑ بکری یا اسی قسم کے دوسرے جانوروں کا گوشت، دال، سبزی، روٹی وغیرہ، تمام چیزیں بنی اسرائیل کیلئے حلال تھیں، ہاں! جو چیزیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے منت مان کر خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں، وہ خاص انہیں کے واسطے حرام تھیں اور وہ بھی "تورات" کے نازل ہونے سے سینکڑوں سال پہلے، مگر ان کی دیکھا دیکھی ان کی اولاد نے بھی اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ استعمال کرنا چھوڑ دیا، حالانکہ یہ ان کیلئے بالکل جائز تھا اور "تورات" میں ان چیزوں کے حرام ہونے کا کوئی ذکر نہیں تھا، یہودیوں نے یہ غلط مشہور کر دیا تھا کہ یہ چیزیں "تورات" کے حکم سے حرام ہوئی ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کی ملّت کی پیروی

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۟ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ
آپ کہہ دیں سچ کہا اللہ نے پیروی کرو دین ابراہیم کی ایک اور نہ تھا

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾
سے شرک کرنے والوں (۹۵)

بامحاورہ ترجمہ: آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا، اب ابراہیم حنیف کے دین کے تابع ہو جاؤ اور وہ شرک کرنے والا نہ تھا۔ (۹۵)

تفسیر

گزشتہ آیات میں حلال و حرام نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین سے متعلق اصل حقائق بتانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ: آپ کہہ دیں! اللہ تعالیٰ کا کلام سچا ہے اس نے حرام و حلال کے

علاوہ اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت سچی اور کھری باتیں تمہیں سنادی ہیں ان میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے۔

فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا: ابراہیم حنیف کا دین، لفظ "ملت" اردو زبان میں صرف جماعت اور قوم کیلئے استعمال ہوتا ہے، خصوصاً مذہبی اور دینی جماعت، لیکن عربی زبان میں یہ لفظ جماعت کے علاوہ خود دین اور مذہب کے معنیٰ میں بھی بولا جاتا ہے۔

"حنیف" کے لفظی معنیٰ ہیں "یک رخ" جو سب سے منہ موڑ کر صرف ایک اللہ تعالیٰ کی طرف رُخ کر لے اور سب سے کٹ کر ایک کا ہو جائے، "حنیف" حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب بھی ہے، "حنیف" وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لاتا ہے، قبلے کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتا ہے، ختنہ کرتا ہے اور بیت اللہ کا حج کرتا ہے، ان کی زندگی اس ایک لفظ کی مکمل تشریح ہے، انہوں نے اللہ بزرگ و برتر کیلئے خاندان، برادری اور ملک کو چھوڑا، بتوں کو توڑا، ستاروں سے منہ موڑ کر آگ میں گرنا منظور کیا، بیوی بچہ کو چھوڑنا گوارا کر لیا، بیٹے کو قربان کرنا منظور کر لیا، غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہر قربانی دی۔

یہودی اور عیسائی اس بات پر بڑا فخر کرتے تھے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں وہ ساتھ ساتھ اس چیز کا دعویٰ بھی کرتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام کا اصلی مذہب انہی تک پہنچا ہے، قرآن مجید نے یہ واضح کر دیا کہ بنی اسرائیل اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں، لیکن وہ مذہب میں قطعی طور پر ان کے پیرو نہیں ہیں، ابراہیم علیہ السلام خالص خدا پرست تھے، شرک کے قریب بھی نہیں پھٹکتے تھے، لیکن بنی اسرائیل گمراہ ہو گئے تھے اپنے پیغمبروں اور راہبوں کی پوجا کرتے تھے، معمولی لالچ میں آ کر ایمان بیچ ڈالتے تھے، ان حالات میں انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیسے نسبت ہو سکتی ہے؟

ان باتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے بجائے مسلمان ابراہیم علیہ السلام کے زیادہ قریب ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح فرمانبردار اور خدا پرست ہیں، اس لئے یہودی جو زبانی طور پر ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں چاہئے کہ مسلمانوں کی طرح سچے دل سے ابراہیم علیہ السلام کا اتباع کریں، شرک چھوڑ کر توحید اختیار کریں اور شر و بغاوت چھوڑ کر ایمان و یقین حاصل کریں۔

پہلی عبادت گاہ خانہ کعبہ

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًی
بیشک پہلا گھر جومقرر ہوا لئے لوگوں کے البتہ وہ ہے مکہ میں برکت والا اور ہدایت

لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ۬ وَ مَنْ
لئے جہان کے (۹۶) میں اس نشانیاں ہیں ظاہر مقام ابراہیم بھی اور جو

دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ
اندر آیا ہوگا امن والا

بامحاورہ ترجمہ:۔ بیشک سب سے پہلا گھر جولوگوں کے واسطے مقرر ہوا یہی ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور جہان کے لوگوں کیلئے ہدایت والا۔(۹۶) اس میں کھلی نشانیاں ہیں جیسے مقام ابراہیم اور جو اس کے اندر آیا اس کو امن ملا۔

تفسیر

مسلمانوں کے اس دعویٰ پر کہ ہم باقی تمام قوموں اور امتوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیادہ قریب ہیں، یہودیوں کو یہ بھی اعتراض تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کا اصلی وطن عراق تھا، جسے چھوڑ کر وہ شام کی طرف ہجرت کر گئے، پھر وہیں رہے سہے، اسی جگہ انہوں نے وفات پائی ان کی اولاد بھی شام میں ہی رہی، اس ملک میں جتنے پیغمبر آئے انہوں نے بیت المقدس کو قبلہ بنایا، اسلام کا مرکز اس کے برعکس حجاز ہے اور مسلمانوں نے بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کو اپنا قبلہ بنالیا ہے، وہ ملک شام سے ایک طرف پڑے ہوئے کس منہ سے دعویٰ کر سکتے ہیں کہ وہ ابراہیم علیہ السلام سے قریبی نسبت رکھتے ہیں۔

ان اعتراض کرنے والوں کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے، یعنی: بیت المقدس اور دوسرے بابرکت مقامات بعد میں تعمیر ہوئے ہیں، بیت اللہ کی تعمیر کے چالیس سال بعد حضرت اسحٰق علیہ السلام نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی تھی اور یہ کئی سو سال بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں مکمل ہوئی، دنیا میں سب سے پہلا بابرکت گھر جو ہدایت کیلئے بنایا گیا تھا وہ کعبہ ہی ہے جو مکہ معظّمہ میں ہے، اسکا مقصد یہ تھا کہ دنیا کے لوگ یہاں آئیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں، اس بات کی تشریح "مسلم شریف" کی روایت میں موجود ہے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا حضور! زمین پر سب سے پہلا کونسا عبادت خانہ یا مسجد بنائی گئی تھی؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: مسجد حرام جس میں بیت اللہ شریف واقع ہے، پھر ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا حضور! دوسرے نمبر پر کون سی مسجد تعمیر ہوئی؟ ارشاد ہوا مسجد اقصیٰ جو بیت المقدس ہے، پھر عرض کیا ان دونوں کے درمیان کتنا وقفہ ہے؟ فرمایا چالیس سال۔

اللہ تعالیٰ نے شروع سے ہی اس گھر کو ظاہری اور باطنی برکتیں عطاء کیں ہیں، اسے سارے جہان کی ہدایت کا ذریعہ بنایا، یہیں پر آخری پیغمبر پیدا ہوئے، حج ادا کرنے کیلئے سارے جہان کو دعوت دی، دنیا کے تمام مسلمانوں کو اس طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی برکت سے مکہ کی سرزمین میں طرح طرح کی نشانیاں رکھ دیں جو یہاں داخل ہوا اسے امن حاصل ہوا۔

بیت اللہ شریف جس شہر میں واقع ہے وہ مکہ کہلاتا ہے، جبکہ اس آیت کریمہ میں لفظ "بَكَّةَ" آیا ہے، یہ دونوں نام اسی ایک ہی شہر کے ہیں، اس شہر کو "البلد الحرام، ام القریٰ، بلدۃ طیبہ، بلد امین، بلدۃ المامون اور بلد مقدسہ" بھی کہتے ہیں، عربی زبان میں "بَكَّةَ" کے دو معانی آتے ہیں، اس کا ایک معنیٰ اجتماع ہے چونکہ یہاں پر لوگوں کا کثرت سے آنا جانا ہے خاص طور پر حج کے دنوں میں بہت بڑا ہجوم ہوتا ہے اس لئے اس کو "بَكَّةَ" کہتے ہیں، اس کا دوسرا معنیٰ جھکانا ہے یا توڑنا ہے، امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ یہ شہر اپنے اوپر چڑھائی کرکے آنے والے ظالموں کی گردنوں کو توڑنے والا ہے، جیسے اصحاب فیل کا واقعہ قرآن مجید میں موجود ہے، ابرہہ نے ہاتھیوں کیساتھ بیت اللہ پر چڑھائی کی، اس کو گرانے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے

وادی محسر سے آگے نہیں جانے دیا، مکہ سے تین میل باہر منیٰ کے قریب اس لشکر کو ہلاک کیا، گویا "بَکَّۃَ" اس معنیٰ میں بھی ہے کہ جو کوئی اس کو نقصان پہنچانا چاہے اللہ تعالیٰ اس کی گردن توڑ دیں گے۔

وَهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ: اور جہان کے لوگوں کیلئے ہدایت والا، مکہ مکرمہ بابرکت بھی ہے اور تمام جہانوں کیلئے ذریعہ ہدایت بھی ہے۔

فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ: عام مشہور یہ ہے کہ مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف تعمیر کیا تھا، خانہ کعبہ کی دیواریں جوں جوں اونچی ہوتی جاتی تھیں پتھر بھی خود بخود اوپر کو اٹھتا تھا اور نیچے اترتے وقت نیچا ہو جاتا تھا، آپ اس پر کھڑے کھڑے تعمیر کا کام کرتے تھے، اس سخت پتھر پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کا نشان بھی ڈال دیا جس کو دنیا بھر کے لوگ آج تک دیکھ رہے ہیں، پہلے یہ پتھر ایک دوسری عمارت میں بند کر کے رکھا گیا تھا، موجودہ سعودی حکومت نے اس کو شیشہ میں بند کر کے باب رحمت کے سامنے مطاف میں رکھ دیا ہے، یہ دیکھنے والوں کو بخوبی نظر آتا ہے۔

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا: اور جو اس کے اندر آیا اس کو امن ملا، امن سے مراد ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے امن ہیں، ظاہری امن تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قاتل ہو یا کسی دوسرے جرم میں ملوث ہو اور وہ حرم شریف میں پناہ لے لے، تو اس کو مارنے کی اجازت نہیں، البتہ محدثین فرماتے ہیں کہ ایسے شخص سے میل جول اور اس کی خوراک پانی وغیرہ بند کر کے اسے باہر نکلنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے اور پھر حرم سے باہر لیجا کر اس پر حد جاری کی جا سکتی ہے، بعض فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص وہاں پر بالفعل فساد کرے تو اس کا دفاع جائز ہے، مگر اس سے بھی حتی الامکان بچنا چاہئے۔

حرم مکہ میں داخل ہونے والا انسان بلکہ جانور تک محفوظ ہے، جانوروں میں بھی اسکا احساس ہے، حدود حرم کے اندر جانور بھی اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہیں وہاں وحشی شکاری جانور انسان سے نہیں بھاگتا۔

یہ یاد رہے کہ فتح مکہ میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے دین کی اہمیت مصلحت اور بیت اللہ سے بتوں کے

صفایا کی خاطر صرف چند گھنٹوں کیلئے حرم میں کفار سے لڑنے کی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی تھی اور فتح مکہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید کیساتھ اسکا اعلان فرمایا کہ یہ اجازت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بیت اللہ سے بتوں کے صفایا کی خاطر تھی اور وہ بھی چند گھڑیوں کیلئے تھی اور فرمایا کہ: حرم کے اندر لڑائی نہ مجھ سے پہلے حلال تھی نہ میرے بعد کسی کیلئے حلال ہے، اور میرے لئے بھی صرف چند گھڑیوں کیلئے لڑائی حلال ہوئی تھی پھر ہمیشہ کیلئے حرام کردی گئی۔

امن کی دوسری صورت باطنی ہے اور اس سے مراد یہ ہے جو شخص وہاں داخل ہوگیا وہ دوزخ کی آگ سے محفوظ ہوگیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مکے یا مدینے کے حرم میں فوت ہوگیا میں قیامت کے دن اس کی سفارش کروں گا بشرطیکہ ایسا شخص ایماندار ہو۔

بیت اللہ کا حج

وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَ

اور لئے اللہ کے　پر　لوگوں　حج کرنا　بیت اللہ کا　جو　قدرت رکھتا ہو　طرف اسکی　راستے کی　اور

مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾

جو　نہ مانے　تو بیشک　اللہ　بے پرواہ ہے　سے　جہان والوں　(۹۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ کیلئے اس گھر کا حج کرنا لوگوں میں سے اس شخص پر فرض ہے جو راستے کی طاقت رکھتا ہو، اور جو نہ مانے تو پھر اللہ جہان کے لوگوں کی پرواہ نہیں رکھتا۔ (۹۷)

تفسیر

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا: اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہر اس

شخص پر اس گھر کا حج فرض ہے جو اس کی طرف جانے کی استطاعت رکھتا ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا استطاعت سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: سواری اور سفر خرچ، جس کے پاس اپنے اور اپنے بال بچوں کیلئے اتنا مال موجود ہو جو اس سفر کے عرصہ کیلئے کافی ہو تو ایسے شخص پر حج فرض ہو جاتا ہے۔

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ: یہاں پر "كَفَرَ" کا لفظ کفران سے بنا ہے، جس کا معنیٰ ہے ناشکری، آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے پاس بیت اللہ کی طرف جانے کیلئے سواری اور سفر خرچ موجود ہے لیکن پھر بھی وہ حج نہیں کرتا تو وہ نہایت ناشکرا ہے، اللہ تعالیٰ کو ایسے ناشکرے کی کوئی پرواہ نہیں۔

خانہ کعبہ کی تعمیر کی تاریخی حقیقت

خانہ کعبہ دنیا کی تمام سچی عبادت گاہوں میں سب سے پہلی عبادت گاہ ہے، جو کہ برکت والی ہے اور پورے جہان کیلئے ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ ہے۔

سب سے پہلا گھر جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے مقرر کیا گیا ہے وہ مکہ میں ہے، اس سے پہلے کوئی عبادت خانہ نہیں تھا اس کو حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے دنیا میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جبرائیل امین کے ذریعہ ان کو یہ حکم بھیجا کہ وہ بیت اللہ (کعبہ) بنائیں، ان دونوں میاں بیوی نے جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے خانہ کعبہ تعمیر کر لیا تو ان کو حکم دیا گیا کہ طواف کریں اور ان سے کہا گیا کہ آپ سب سے پہلے انسان ہیں اور یہ گھر سب سے پہلا گھر ہے جو لوگوں کیلئے مقرر کیا گیا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی یہ تعمیر حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے تک باقی تھی، نوح علیہ السلام کے طوفان میں گر گئی تھی، اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کو دوبارہ تعمیر کیا، پھر ایک حادثہ میں اس کی تعمیر گر گئی تو قبیلہ جرہم کی ایک جماعت نے اسکی تعمیر کی، پھر ایک مرتبہ اسکی عمارت گری تو عمالقہ نے تعمیر کی اور پھر گری تو قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ابتدائی زمانہ میں تعمیر کی جس میں آنحضرت ﷺ بھی شریک ہوئے اور حجر اسود کو اپنے ہاتھ مبارک سے اس جگہ پر رکھا، قریش کے پاس تعمیر کیلئے خرچہ کم تھا اس لئے انہوں نے خانہ کعبہ کا کچھ حصہ تعمیر سے الگ کر دیا جس کو حطیم کہا جاتا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر میں کعبہ کے دو دروازے تھے، ایک داخل ہونے کیلئے، دوسرا پشت کی جانب باہر نکلنے کیلئے، قریش نے صرف مشرقی دروازہ کو باقی رکھا اور بیت اللہ کے دروازے کو زمین سے بہت اونچا کر دیا، تاکہ ہر شخص آسانی سے اندر نہ جا سکے بلکہ جس کو وہ اجازت دیں وہی جا سکے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ: میرا دل چاہتا ہے کہ کعبہ کی موجودہ تعمیر کو گرا کر اس کو بالکل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے مطابق بنا دوں، قریش نے اپنی مرضی سے جو تبدیلیاں کی ہیں ان کو ختم کر دوں، لیکن نو مسلم ناواقف مسلمانوں میں غلط فہمی پیدا ہونے کا خطرہ ہے اسی لئے فی الحال اس کو اسی حال پر چھوڑتا ہوں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنے ہوئے تھے خلفائے راشدین کے بعد جس وقت مکہ مکرمہ پر ان کی حکومت ہوئی تو انہوں نے بیت اللہ کی عمارت کو گرا کر حضور ﷺ کی خواہش کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے نقشے پر بنا دیا مگر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حکومت مکہ معظمہ پر چند دن تھی، حجاج بن یوسف نے مکہ پر چڑھائی کر کے ان کو شہید کیا اور حکومت پر قبضہ کر کے خانہ کعبہ کی تعمیر کو گرا کر نئے سرے سے قریش کی تعمیر کے مطابق کر دیا، حجاج بن یوسف کے بعد آنے والے بعض مسلم بادشاہوں نے پھر یہ ارادہ کیا کہ بیت اللہ کی نئے سرے سے تعمیر حضور ﷺ کی خواہش کے مطابق بنا دیں لیکن اس زمانہ کے امام حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فتویٰ دیا کہ اب بار بار بیت اللہ کو گرانا اور بنانا آگے آنے والے باشاہوں کیلئے بیت اللہ کو ایک کھلونا بنا دیگا، اس لئے اب جس حالت میں بھی ہے اسی حالت میں چھوڑ دینا مناسب ہے، تمام امت نے اس کو قبول کیا، اسی وجہ سے آج تک وہی حجاج بن یوسف ہی کی تعمیر باقی ہے۔

اہل کتاب کا انکار

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖۗ وَ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى
آپ کہہ دیں اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو تم آیتوں اللہ کی کا اور اللہ باخبر پر

مَا تَعْمَلُوْنَ ۝۹۸ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ
اس جو تم کرتے ہو (۹۸) آپ کہہ دیں اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو تم سے راستے

اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَ مَا اللّٰهُ
اللہ کے جو ایمان لائے ڈھونڈتے ہو ٹیڑھ پن حالانکہ تم جانتے ہو اور نہیں اللہ

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۹۹
بے خبر سے اس جو تم کرتے ہو (۹۹)

بامحاورہ ترجمہ: آپ کہہ دیں اے اہل کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے منکر کیوں ہوتے ہو؟ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے۔ (۹۸) آپ کہہ دیں اے اہل کتاب! تم کیوں روکتے ہو ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے کہ اس میں ٹیڑھ پن ڈھونڈتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے۔ (۹۹)

تفسیر

یہودیوں اور عیسائیوں سے کہا جا رہا ہے کہ جب تمہارے سامنے نیکی اور بدی کی راہیں کھول کر بیان کردی گئی ہیں اور قرآن مجید کی سچی اور پکی باتیں سنادی گئی ہیں تو اے اہل کتاب! اب تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کے کلام اور اس کے لانے والے کے انکار پر تلے ہوئے ہو، یادرکھو! تمہارے سب عمل اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں وہ تمہاری نیتوں اور تدبیروں کو بھی خوب جانتا ہے۔

دوسری آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ اہل کتاب سے پوچھیں کہ تم نہ صرف خود ایمان لاتے

ہو بلکہ دوسروں کو بھی اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہو، ایسا کیوں ہے؟ جو لوگ مسلمان ہو چکے ہیں تم کوشش کرتے ہو کہ انہیں اسلام سے نکال کر واپس کفر میں لے آ ؤ، تم یہ بری حرکتیں بے خبری میں نہیں کر رہے ہو بلکہ سمجھ کر حق کو جھٹلانے کی کوشش کرتے ہو تمہاری ان چالا کیوں سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ہے۔

یہودی اسلام کے خلاف سازش کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، کبھی قرآن مجید کے لفظ بدلتے ہیں اور کبھی معنیٰ بدلتے ہیں، کبھی قرآن مجید میں موجود پیش گوئیوں کو جھٹلانے کی کوشش کی تا کہ مسلمانوں میں شبہ پیدا ہو جائے اور وہ اسلام سے بدظن ہو جائیں اور لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل جائے کہ ان کی کتاب کی طرح قرآن مجید بھی محفوظ نہیں تا کہ لوگ اسلام سے بیزار ہو جائیں۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے ذریعے اہل کتاب سے فرمایا کہ: تم لوگوں کو اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو جو ایمان لا چکے ہیں، تم اللہ کے راستے میں ٹیڑھ پن تلاش کرتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو، اہل کتاب کی ان تمام باتوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے۔

اہل کتاب کا کہا نہ مانو

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اگر تم کہا مانو بعض سے ان لوگوں کا دی گئی جن کو

الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝۱۰۰

کتاب تمہیں پھر کر دیں گے بعد ایمان تمہارے کے کافر بنا کر (۱۰۰)

با محاورہ ترجمہ: ۔ اے ایمان والو! اگر تم کہا مانو گے بعض اہل کتاب کا تو وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر بنا دیں گے۔ (۱۰۰)

تفسیر

بنی اسرائیل خواہ مخواہ اسلام سے دشمنی پر تلے ہوئے ہیں وہ ان نصیحتوں کو سن کر بھی باز آنے والے نہیں تھے، لہٰذا ساتھ ہی مسلمانوں کو نصیحت کی گئی کہ تم ان کے دھوکے میں نہ آنا یہ لوگ طرح طرح کی چالبازیوں سے تمہیں اسلام سے ہٹانے کی کوشش کریں گے اگر تم ان کے اشاروں پر چلو گے اور ان کی باتیں مانو گے تو خطرہ ہے کہ تم بھی آہستہ آہستہ ایمان سے نکل کر کفر کے اندھیروں میں دوبارہ جا گرو گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی

وَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَ

اور کیسے تم کفر کرتے ہو حالانکہ تم پڑھی جاتی ہیں پر تم آیتیں اللہ کی اور

فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَ مَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى

میں تم ہے پیغمبر اس کا اور جو کوئی مضبوط پکڑے اللہ کو تو بس ہدایت دی طرف

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۠﴿۱۰۱﴾ ع ۱۰/۱

راستے سیدھے کے (۱۰۱)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور تم کس طرح کفر کرتے ہو حالانکہ تم پر پڑھی جاتی ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتیں اور تم میں اس کا پیغمبر ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کو مضبوط پکڑے تو اسے ہدایت ہوئی سیدھے راستہ کی طرف۔ (۱۰۱)

شانِ نزول

اسلام سے پہلے مدینہ کے پرانے قبیلوں کی آپس میں بہت بڑی دشمنی تھی، ان کے درمیان ذرا ذرا سی بات پر لڑائی ہو جاتی تھی جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے تو ان لوگوں کے نصیب کھل گئے،

اسلام کی تعلیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ان قبیلوں کی دشمنی جو صدیوں سے چلی آ رہی تھی دوستی میں بدل گئی اور ان کے درمیان نہایت مضبوط تعلقات قائم ہو گئے۔

مدینہ کے یہودیوں کو ان خاندانوں کا اس طرح مل بیٹھنا اور اسلام کی خدمت و ہدایت کیلئے اکٹھے ہونا بہت ہی ناگوار تھا انہوں نے ایک شخص کو اس کام پر لگایا کہ جہاں کہیں دونوں خاندانوں کے لوگ جمع ہوں وہاں جنگِ بُعاث (جو ماضی میں ان دو خاندانوں کے درمیان لڑی گئی تھی) کا ذکر چھیڑ دے اس شخص نے موقع پا کر اس جنگ کی یاد تازہ کرنے والے شعر سنانے شروع کر دیئے، جس سے دونوں قبیلے لڑائی کیلئے تیار ہو گئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چند دوستوں کیساتھ وہاں پہنچ گئے، آپ نے فرمایا: اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو میں تم میں موجود ہوں، پھر یہ جاہلیت کی باتیں کیوں؟ خدا نے تمہیں ہدایت دی، تم پھر کفر کی تاریکیوں میں الٹے پاؤں لوٹنا چاہتے ہو؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے تمام لوگوں نے ہتھیار پھینک دیئے اور ایک دوسرے سے گلے مل کر رونے لگے، سب نے سمجھ لیا کہ یہ ان کے دشمنی یہودیوں کی چال تھی جس سے آئندہ ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہئے۔

تفسیر

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمان جیسی قوم ایمان لانے کے بعد کافر نہیں ہو سکتی کیونکہ ان کے درمیان خدا کا عظیم الشان پیغمبر موجود ہے جو ان کو اللہ تعالیٰ کا کلام سناتا رہتا ہے، جس سے ان کا ایمان بڑھتا رہتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ جس نے بھی تمام راہیں چھوڑ کر ایک خدا کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور جس نے بھی پورے دل سے اسی پر اعتماد و توکل کیا اسے کوئی طاقت راہِ راست سے اِدھر اُدھر نہیں ہٹا سکتی۔

اسلام پر جینا اور اسلام پر مرنا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا

اے لوگو! جو ایمان والے ڈرتے رہو اللہ سے جیسا چاہئے ڈرنا اس سے اور نہ مرنا تم ہرگز مگر

وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اس حال میں کہ تم مسلمان ہو (۱۰۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جیسا کہ اس سے ڈرنا چاہئے اور تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان ہوکر۔ (۱۰۲)

تفسیر

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، لفظ "تقویٰ" اصل عربی میں بچنے اور ڈرنے کے معنٰی میں آتا ہے، اس کا ترجمہ ڈرنا بھی اس مناسبت سے کیا جاتا ہے کہ جن چیزوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے وہ ڈرنے ہی کی چیزیں ہوتی ہیں، "تقویٰ" کے کئی درجے ہیں، ادنیٰ درجہ کفر و شرک سے بچنا ہے اس معنٰی کے لحاظ سے ہر مسلمان کو متقی کہا جاسکتا ہے اگرچہ گناہوں میں مبتلا ہو، اس معنٰی کیلئے قرآن مجید میں کئی جگہ لفظ متقین اور تقویٰ استعمال ہوا ہے، دوسرا درجہ جو اصل میں مطلوب ہے وہ ہے اس چیز سے بچنا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔

تیسرا درجہ تقویٰ کا اعلٰی مقام ہے جو پیغمبروں اور ان کے نائبوں کو حاصل ہوتا ہے جو اپنے آپ کو ہر چھوٹے سے چھوٹے گناہ سے بچاتے ہیں۔

تقویٰ کا حق کیا ہے؟

تقویٰ کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی کی ملامت اور برائی کی پرواہ نہ کرے اور ہمیشہ انصاف پر قائم رہے اگرچہ انصاف کرنے میں خود اپنے نفس یا اپنی اولاد یا ماں باپ ہی کا نقصان ہوتا ہو اور بعض نے فرمایا کہ کوئی آدمی اس وقت تک حق تقویٰ ادا نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ اپنی زبان کو محفوظ نہ رکھے۔

قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو جتنا تمہاری قدرت میں ہے، یہ درحقیقت اسی آیت "حَقَّ تُقٰتِهٖ" کی تفسیر و تشریح ہے اور مطلب یہ ہے کہ نافرمانیوں اور گناہوں سے بچنے میں

اپنی پوری طاقت لگا دو تو تقویٰ کا حق ادا ہو جائیگا، اگر کوئی شخص اپنی پوری طاقت لگانے کے بعد کسی ناجائز کام میں مبتلا ہو گیا تو وہ تقویٰ کا حق کے خلاف نہیں۔

وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ: اور نہ مرنا مگر مسلمان ہو کر، آیت کے اس حصہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ: مرتے دم تک اسلام پر قائم رہنا، تمہارا جینا اور مرنا خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہونا چاہئے، دوسرے لفظوں میں اسکا مطلب یہ ہے کہ تمہیں ہر منٹ اور ہر سیکنڈ اسلامی شان سے ہی زندہ رہنا چاہئے، کون جانتا ہے کس وقت موت آجائے، عمر بھر کبھی شیطانیت، کفر لالچ یا خود غرضی کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دینا چاہئے، صرف اسی صورت میں اس حکم پر عمل ہو سکتا ہے کہ اسلام پر جئیں اور اسلام پر مریں۔

اللہ تعالیٰ کی رسّی کو تھامو

وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا

اور مضبوط پکڑو رسّی اللہ کی سب مل کر اور نہ پھوٹ ڈالو

بامحاورہ ترجمہ: اور سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوط پکڑو اور پھوٹ نہ ڈالو۔

لفظی تحقیق: وَاعْتَصِمُوْا: "اور مضبوطی سے پکڑلو"۔ اعتصام کے معنٰی مضبوطی سے پکڑنا ہے اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ کسی بات کو نہایت پختگی اور عزم و استقلال کیساتھ تھام لیا جائے، اس پر عمل کیا جائے اور اسے اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا جائے۔ بِحَبْلِ اللّٰهِ: "اللہ کی رسّی"۔ اس سے مراد قرآن مجید اور اسلامی شریعت ہے جسے مضبوطی سے تھام لینا ہی دنیاوی کامیابی اور آخرت کی نجات کا ذریعہ ہے۔

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وہ تدبیر بتائی ہے جسے اختیار کر کے مسلمان دشمنوں کی سازشوں سے بچ سکتے ہیں، یعنی: یہ کہ سب مل کر اسے پوری قوت سے پکڑے رہو گے اور اس پر عمل کرتے رہو گے تو تمہارے مقابلے

میں کوئی شیطانی قوت کامیاب نہیں ہوسکے گی اور کوئی غلط کار تمہیں بے راہ اور گمراہ نہ کر سکے گا۔

قرآن مجید کو تھامنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے یہ ایسا حکم ہے جس پر عمل کرنے سے قوم کی تمام سیاسی، معاشی، سماجی، اخلاقی اور دنیاوی خرابیاں دور ہوجاتی ہیں، قرآن مجید دنیا اور آخرت کی کامیابی کا پیغام دیتا ہے، مسلمان قوم کی کامیابی وسربلندی کا راز اس کی پیروی میں چھپا ہوا ہے۔

"ترمذی شریف" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگو! یاد رکھو ایک بڑا فتنہ آنے والا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اس فتنہ سے بچ نکلنے کا کیا ذریعہ ہے؟ فرمایا: وہ ذریعہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں تم سے پہلی امتوں کے واقعات ہیں اور تمہارے بعد پیش آنے والے حالات کی اطلاعات ہیں اور اس زندگی میں پیش آنے والے معاملات کے متعلق واضح حکم موجود ہیں، فرمایا یہ خدا کی مضبوط رسّی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے قرآن مجید ہی اللہ تعالیٰ کی رسّی ہے جسے آسمان سے زمین تک لمبا کیا گیا ہے، ایک دوسری روایت میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسّی ہے، جو اس کو مضبوطی سے تھام لے گا یہ اس کے لئے گمراہی اور دوزخ سے بچاؤ کا ذریعہ بن جائیگا اور جو اس کا اتباع کرلے گا اس کو نجات نصیب ہوگی۔

"مسلم شریف" کی حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزوں کو پسند فرمایا ہے اور تین چیزوں کو ناپسند۔

پسندیدہ چیزیں یہ ہیں:

(۱)....تم عبادت اللہ تعالیٰ کیلئے کرو اور اس کیساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

(۲)....اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامو اور نااتفاقی سے بچو۔

(۳)....اپنے حاکموں کے حق میں خیر خواہی کا جذبہ رکھو۔

اور وہ تین چیزیں جو ناپسند ہیں:

(۱)....بے مقصد بحث و مباحثہ۔

(۲)....بلاضرورت کسی سے سوال کرنا۔

(۳)....مال کو ضائع کرنا۔

بھائی چارہ

وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ

اور یاد کرو احسان اللہ کا پر اپنے جب تھے تم دشمن پھر محبت دی درمیان

قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا

دلوں تمہارے کے اب ہوگئے تم ساتھ فضل اسکے کے بھائی بھائی اور تم تھے پر کنارے

حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ

گڑھے دوزخ کے سے آگ پھر بچایا تمہیں سے اس اسی طرح کھولتا ہے اللہ پر تم

اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

آیتیں اپنی تاکہ تم راہ پاؤ (۱۰۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا احسان یاد کرو جب تم آپس میں دشمن تھے پھر تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی اب اس کے فضل سے تم بھائی بھائی ہو گئے اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، پھر تمہیں اس سے بچایا اسی طرح اللہ تعالیٰ تم پر اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم راہ پاؤ۔ (۱۰۳)

تفسیر

اسلام سے پہلے عرب کے لوگ آپس کی دشمنیوں میں مبتلا تھے، جنگیں اور خونریزیاں بہت ہوتی تھیں،

غرض یہ لوگ انسانیت کے درجے سے نیچے گر کر درندوں کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے انکی ہدایت کیلئے اپنے آخری پیغمبر حضرت **محمد** صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا جنہوں نے انسانوں کو تمام اخلاقی گندگیوں سے پاک کر دیا، انہیں ہدایت کی راہ دکھائی اور انہیں آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ : اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو، اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے اسی فضل وکرم کی طرف اشارہ ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنا احسان یاد دلا رہے ہیں، اس نے اپنی تدبیر سے ان لوگوں کی صدیوں کی دشمنیاں نکال کر ایک دوسرے کا ہمدرد بنا دیا، انہیں ایک دین پر اکٹھا کر دیا جس سے ان کی ایسی ساکھ قائم ہو گئی جسے دیکھ کر ان کے دشمن بھی رُعب کھانے لگے یہ اتحاد خدا کی اتنی بڑی نعمت ہے جو مسلمانوں کو اپنے تمام خزانے خرچ کر کے بھی میسر نہ آ سکتی تھی۔

اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ : تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے اور تمہارے اندر جاہلیت پائی جاتی تھی، ذرا ذرا سی بات پر لڑنے پر تیار ہو جاتے تھے، ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کیلئے محبت ڈال دی، اگر پوری دنیا کے خزانے بھی خرچ کر دیئے جاتے تو بھی ان کے درمیان پیار ومحبت کی فضا قائم نہ کی جا سکتی تھی، یہ تو ایمان اور اسلام کی محبت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر انکے درمیان محبت پیدا کی۔

فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا : تم اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے، تمہاری تمام پرانی دشمنیاں دور ہو گئیں۔

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ : اور تم ایک آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، اللہ تعالیٰ نے اسلام سے قبل کی زندگی کو واضح کرنے کیلئے یہ مثال دی ہے کہ لوگ کفر وانکار کی وجہ سے دوزخ کے کنارے پر کھڑے تھے اور فنا ہونے کو تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایمان کی توفیق دے کر اس سے بچایا۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ : اسی طرح اللہ تم پر اپنی آیتیں کھولتا ہے تا کہ تم راہ پاؤ، اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے اپنے حکموں کو بیان فرماتے ہیں، تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتے ہیں جن کے

ذریعے تم فرمانبردار بن سکتے ہو اور اس کا مقصد یہ ہے کہ تم ہدایت پا جاؤ۔

نیک لوگ

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

اور چاہئے کہ ہو میں سے تم ایک جماعت جو بلاتی رہے طرف نیک کام کے اور حکم کرتی رہے اچھے کام کی

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اور منع کریں سے برائی اور وہی لوگ ہیں کامیاب ہونے والے (۱۰۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور چاہئے کہ تم میں ایک ایسی جماعت رہے جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف اور اچھے کاموں کا حکم کرتی رہے اور برائی سے منع کرتی رہے اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ (۱۰۴)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو لوگوں کو اچھے کاموں کی طرف بلائے اور بُرے کاموں سے روکے۔

ظاہر ہے کہ یہ کام وہ لوگ ہی کر سکتے ہیں جو دین کی روشنی میں نیکی اور بدی میں فرق کر سکتے ہوں، قرآن مجید کی تعلیمات سے پوری طرح باخبر ہوں، نیز موقع کے مطابق بات کرنے والا ہو ورنہ ممکن ہے کہ ایک جاہل آدمی نیکی کو بدی یا بدی کو نیکی سمجھ کر اصلاح کرنے کی بجائے زیادہ بگاڑ پیدا کر دے یا کوئی بے موقع بات کر دے جس سے اگلا آدمی کفر میں اور زیادہ بڑھ جائے۔

ایسی جماعت ہر دور میں یہ کوشش کرتی رہی ہے کہ لوگوں کو برائیوں سے روکے، نیکی کی طرف دعوت دے، شرک وبت پرستی سے ہٹائے، ضروری ہے کہ ایسی جماعت کو مضبوط کیا جائے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں ”قسم ہے اس

ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم ضرور نیکی کا کام کرتے رہو اور برائی سے روکتے رہو، اگر ایسا نہیں کرو گے تو منتظر رہو کہ اللہ تم پر عذاب مسلط کردے'' پھر تم دعائیں کرتے رہو گے مگر اللہ قبول نہیں کریگا، گویا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے غفلت اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کے حقدار ٹھہرو گے۔ (ترمذی وابن ماجہ)

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ: کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ دین کی تبلیغ کا کام فرض کفایہ ہے، فرض کفایہ کا حکم یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے کچھ لوگ بھی اس کو ادا کرلیں تو سب کی طرف سے ادائیگی ہوجائے گی اور اگر کوئی شخص بھی اس فرض کو پورا نہ کرے تو سب کے سب گناہگار رہوں گے، جیسے جہاد کا فریضہ ہے۔

فرقہ بندی

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ

اور مت ہو طرح ان لوگوں کے جو بٹ گئے اور اختلاف کرنے لگے سے بعد اسکے کہ پہنچے انہیں

الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۱۰۵

صاف حکم اور وہی لوگ لیئے انکے عذاب ہے بڑا (۱۰۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ان لوگوں کی طرح مت بنو جو بٹ گئے اور اختلاف کرنے لگے اس کے بعد کہ انہیں صاف حکم پہنچ چکے اور انہیں لوگوں کو بڑا عذاب ہوگا۔ (۱۰۵)

تفسیر

اس آیت میں ہے کہ تمہیں ایسے لوگوں کی طرح نہ ہونا چاہئے جنہوں نے آپس میں پھوٹ ڈالی، مذہب میں فرقے بنا ڈالے، حالانکہ انہیں حقیقت کا علم ہو چکا تھا۔

یہ اختلاف ڈالنے والے اور مذہبی فرقے بنانے والے یہودی اور عیسائی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ کے صاف حکم پہنچ چکے تھے لیکن اسکے باوجود انہوں نے اختلاف کیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا۔

حق پر کون ہونگے؟

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دو کتابوں یعنی "تورات اور انجیل" کے ماننے والوں نے دین کے اندر فرقے بنالئے اور بہتر (۷۲) فرقے بن گئے، نیز فرمایا: میری اس امت کے تہتر (۷۳) فرقے بن جائیں گے مگر یاد رکھو! ان میں سے ایک کے سوا باقی سب دوزخ میں جائیں گے، عرض کیا حضور! وہ نجات پانے والے کون ہونگے؟ فرمایا: جو لوگ میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہ کے طریقے پر چلیں گے، یعنی: ان کا عقیدہ اور ان کا عمل میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے عقیدے اور عمل کے مطابق ہوگا۔

علماء کرام کیلئے خصوصی مضمون

اجتہادی اختلاف "وَلَا تَفَرَّقُوْا" کے خلاف نہیں

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد کے بیٹے امام قاسم ابن محمد رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم دین تھے، آپ تابعین کے دور کے فقہائے سبعہ (سات بڑے فقہاء) میں سے ہیں، آپ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کا اختلاف اللہ تعالیٰ کے بندوں کیلئے رحمت ہے، لہٰذا اس قسم کا اختلاف بالکل جائز بلکہ امت کیلئے سہولت کا ذریعہ ہے، چاروں امام جن کے پیروکار پوری دنیا میں پائے جاتے ہیں ان کا آپس میں اختلاف بھی جائز ہے کیونکہ نہ تو وہ دین کے اصول میں ہے اور نہ خواہشات کی بناء پر ہے، پانچواں طبقہ محدثین ظاہریہ کا ہے جو ظاہری طور پر کسی امام کی تقلید نہیں کرتے مگر یہ سب کے سب حق پر ہیں، ان کا آپس میں اختلاف تحقیق و تجسس کی بناء پر ہے نہ کہ ضد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر۔

یہاں سے ایک بہت اہم اصولی بات واضح ہوگئی کہ جو اجتہادی اختلاف شرعی اجتہاد کی تعریف میں داخل ہے اس میں اپنے اپنے اجتہاد سے جس امام نے جو جانب اختیار کرلی اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان میں سے صحیح صرف ایک ہے دوسرا خطاء ہے لیکن صواب وخطاء کا فیصلہ صرف حق تعالیٰ کے کرنے کا ہے، وہ اجتہاد میں

درست پر پہنچنے والے عالم کو دوہرا ثواب عطاء فرمائیں گے اور جس سے خطاء ہوئی اس کو ایک ثواب دینگے، کسی کو اجتہادی اختلاف میں یہ کہنے کا حق نہیں کہ یقینی طور پر یہ صحیح ہے دوسرا غلط ہے، ہاں! اپنی سمجھ و دانائی کی حد تک ان دونوں میں جس کو وہ قرآن و سنت کے قریب سمجھے اس کے متعلق یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے نزدیک یہ صحیح ہے، مگر احتمال خطاء کا بھی ہے اور دوسری جانب خطاء ہے، مگر احتمال صحیح کا بھی ہے اور یہ وہ بات ہے جو تمام فقہاء کرام میں تسلیم شدہ ہے، اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اجتہادی مسائل میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ماتحت اس پر نکیر کیا جائے اور جب وہ منکر نہیں تو غیر منکر پر نکیر خود امر منکر ہے، اس سے پرہیز لازم ہے یہ وہ بات ہے جس میں آجکل بہت سے اہل علم بھی غفلت سے مبتلا ہیں، اپنے مخالف نظریہ رکھنے والوں پر لعن طعن اور سبّ و شتم سے بھی پرہیز نہیں کرتے جسکا نتیجہ مسلمانوں میں جنگ و جدل اور انتشار و اختلاف کی صورت میں جگہ جگہ دیکھنے میں آرہا ہے۔

اجتہادی اختلاف بشرطیکہ اصول اجتہاد کے مطابق ہو وہ تو ہرگز اس آیت "وَلَا تَفَرَّقُوْا" کے خلاف مذموم نہیں، البتہ اس اجتہادی اختلاف کیساتھ جو معاملہ آجکل کیا جارہا ہے کہ اسی بحث و مباحثہ کو دین کی بنیاد بنالیا گیا اور اسی پر باہمی جنگ و جدل اور سب و شتم تک نوبت پہنچادی گئی، یہ طرز عمل بلاشبہ "وَلَا تَفَرَّقُوْا" کی کھلی مخالفت اور مذموم اور سلف صالحین اور صحابہ و تابعین کے طریقے کے بالکل خلاف ہے، اسلاف امت میں کبھی کہیں نہیں سنا گیا کہ اجتہادی اختلاف کی بناء پر اپنے سے مختلف نظریہ رکھنے والوں پر اس طرح نکیر کی گئی ہو، مثلاً: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ جو نماز جماعت کیساتھ امام کے پیچھے پڑھی جائے اس میں بھی مقتدیوں کو "سورۂ فاتحہ" پڑھنا فرض ہے اور ظاہر ہے کہ جو اس فرض کو ادا نہیں کریگا ان کے نزدیک اسکی نماز نہیں ہوگی، اس کے بالمقابل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقتدی کو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں، اس لئے حنفیہ نہیں پڑھتے لیکن پوری امت کی تاریخ میں کسی سے نہیں سنا گیا کہ شافعی مذہب والے حنفیہ کو تارکِ نماز کہتے ہوں کہ تمہاری نمازیں نہیں ہوئیں، اس لئے تم بے نمازی ہو یا ان پر اس طرح نکیر کرتے ہوں جیسے

منکراتِ شرعیہ پر کی جاتی ہے۔

امام ابن عبدالبرؒ اپنی کتاب "جامع العلم" میں اس معاملہ کے متعلق سنتِ سلف کے بارے میں یہ بیان فرماتے ہیں: یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ ہمیشہ اہل فتویٰ، فتویٰ دیتے رہے ہیں ایک شخص غیر منصوص احکام میں ایک چیز کو اپنے اجتہاد سے حلال قرار دیتا ہے، دوسرا حرام کہتا ہے، مگر نہ حرام کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس نے حلال ہونے کا فتویٰ دیا ہے وہ ہلاک اور گمراہ ہوگیا، اور نہ حلال کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ حرام کا فتویٰ دینے والا ہلاک اور گمراہ ہوگیا۔

ایک اہم بات

یہ تمام گفتگو اس اجتہاد میں ہے جو شریعت کے اصول اجتہاد کے ماتحت ہو جس کی پہلی شرط یہ ہے کہ اجتہاد صرف ان مسائل میں کیا جاسکتا ہے جن کے متعلق قرآن وحدیث میں کوئی فیصلہ موجود نہیں یا ایسا مبہم ہے کہ اس کی تفسیریں مختلف ہوسکتی ہیں یا چند آیات وروایات سے ظاہراً دو متضاد چیزیں سمجھی جاتی ہیں، ایسے مواقع میں صرف ان لوگوں کو اجتہاد کرنے کی اجازت ہے جن میں شرائط واجتہاد موجود ہیں، مثلاً: قرآن وحدیث کے متعلق تمام علوم وفنون کی مکمل مہارت، عربی زبان کی مکمل مہارت، صحابہ وتابعین کے اقوال وآثار کی مکمل واقفیت وغیرہ، تو جو شخص کسی منصوص مسئلہ میں اپنی رائے چلائے وہ اجتہادی اختلاف نہیں بلکہ بے راہ روی ہے۔

اسی طرح شرائط اجتہاد جس شخص میں موجود نہیں اس کے اختلاف کو اجتہادی اختلاف نہیں کہا جاسکتا، اس کے قول کا کوئی اثر مسئلہ پر نہیں پڑتا، جیسے آجکل بہت سے لکھے پڑھے لوگوں نے یہ سن لیا ہے کہ اسلام میں اجتہاد بھی ایک اصول ہے اور ان منصوصاتِ شرعیہ میں رائے دینے لگے جس میں کسی امام مجتہد کو بھی بولنے کا حق نہیں اور یہاں تو شرائطِ اجتہاد کیا نفسِ علمِ دین سے بھی واقفیت نہیں ہوتی۔ (العیاذ باللہ)

بدکردار سیاہ چہرے

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ
جس دن سفید ہونگے بعض چہرے اور سیاہ ہونگے بعض چہرے سو وہ لوگ کہ سیاہ ہوئے

وُجُوْهُهُمْ ۚ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا
چہرے جن کے (ان سے کہا جائیگا) کیا تم کافر ہوگئے بعد ایمان لانے تمہارے کے چکھو عذاب بدلے اسکے

كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾
جو تھے تم کفر کرتے (۱۰۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے سو وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوئے (ان سے کہا جائیگا) کیا تم کافر ہوگئے اپنے ایمان لانے کے بعد؟ اب عذاب چکھو اسکے بدلے جو تم کفر کرتے تھے۔(۱۰۶)

تفسیر

قیامت کے دن لوگوں کے چہروں سے ان کے عمل ظاہر ہونگے، جن لوگوں نے نیک عملی کی زندگی بسر کی ہوگی ان کے چہروں پر ایمان اور تقویٰ کا نور چمکتا ہوگا، ان کے چہرے سفید ہوں گے، وہ بڑے عزت و آبرو سے ہونگے اور خوش خوش نظر آئیں گے، اس کے برعکس جو لوگ اس دنیا میں عمر بھر گناہوں میں مبتلا رہے، سیاہ کاری اور بدکاری میں آگے رہے، ان کے چہرے کفر کی سیاہی سے کالے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ ہر مرتد، منافق اور کافر سے یہ سوال کریگا، کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے اور تم نے ایمان کے بدلے کفر کیوں اختیار کیا؟ ان لوگوں کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ ہوگا، شرم وندامت سے ان کے سر جھک جائیں گے، ذلت ورسوائی کے گڑھے میں گر جائیں گے اور انہیں سزا کا حکم سنا دیا جائیگا، وہ اپنے کفر

کے سبب عذاب میں مبتلا ہوں گے، دوزخ میں داخل ہوں گے جہاں وہ ہمیشہ پڑے سڑتے رہیں گے۔

یہ آخرت کا حال ہے جہاں انسان کو پوری زندگی کا حساب دینا ہوگا، جہاں اسے مستقل ثواب وعذاب ملے گا، خود اس دنیا میں بھی انسان کو نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے لوگوں کے عمل انکے چہروں سے ظاہر ہونگے، اگر انسان بدی کرتا ہے تو اس کے چہرے پر برائیاں اڑنے لگتی ہیں، خفت اور شرمندگی کے آثار نمایاں ہوجاتے ہیں، دوسری طرف نیکی کے نتیجہ میں اسے کامیابی اور نورانیت حاصل ہوتی ہے، اس کے چہرے پر نور برستا ہے، اس کی آنکھوں سے روشنی جھلکتی ہے۔

چہرے کی سفیدی اور سیاہی سے کیا مراد ہے؟

جمہور مفسرین کے نزدیک سفیدی سے مراد ایمان کے خود کی سفیدی ہے، یعنی: مؤمنوں کے چہرے ایمان کے نور سے روشن اور بے حد خوشی کے سبب چمکتے دمکتے ہوں گے، اور سیاہی سے مراد کفر کی سیاہی ہے، یعنی: کافروں کے چہروں پر کفر کی نحوست چھائی ہوگی اور اوپر سے اس کے گناہوں کی سیاہی ان کے چہروں کو اور زیادہ سیاہ کردیگی۔

نورانی چہرے

وَ اَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ
اور | وہ | لوگ | کہ سفید ہوئے | چہرے جنکے | پس وہ میں | رحمت | اللہ کی | وہ

فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾
میں اس | ہمیشہ رہیں گے (۱۰۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور وہ لوگ جن کے چہرے سفید ہوئے سو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۱۰۷)

تفسیر

پچھلی آیت میں کافروں کا انجام ذکر کرنے کے بعد اب ان لوگوں کا حال بیان کیا جارہا ہے جن کے چہرے قیامت کے روز ایمان اور تقویٰ کے نور سے چمکتے ہوں گے، اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت میں داخل کریگا، یعنی: جنت میں جگہ عطاء فرمائیگا۔

پہلی آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جو لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید کی دعوت سن لینے کے بعد بھی مسلمان نہ ہوئے یا انہوں سے زبان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی کا اقرار کیا مگر دل سے کافر رہے اور پہلی کتابوں کی خوشخبری پر یقین کے باوجود پیغمبر اسلام کو جھٹلاتے رہے، اللہ تعالیٰ ان پر سخت ترین عذاب نازل کریگا۔

اللہ تعالیٰ کی آیتیں سچی ہیں

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَ مَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا

یہ حکم اللہ ہم پڑھتے ہیں آپ پر ٹھیک ٹھیک اور نہیں اللہ ارادہ کرتا ظلم کا

لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ اِلَى

جہان والوں پر (۱۰۸) اور اللہ کا ہے جو میں ہے آسمانوں اور جو میں ہے زمین اور طرف

اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ ع ۱۱/۸/۲

اللہ لوٹائے جائیں گے تمام کام (۱۰۹)

بامحاورہ ترجمہ: ۔یہ اللہ تعالیٰ کے حکم ہیں ہم آپ کو ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جہان والوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتے ۔(۱۰۸) اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور تمام کاموں کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائیگا۔ (۱۰۹)

تفسیر

کافروں اور مسلمانوں کے بارے میں بتاتے کے بعد اب تاکیداً فرمایا کہ: ان تمام باتوں کو جھوٹ نہ سمجھو یہ بالکل حق اور سچ باتیں ہیں جو پیش آکر رہیں گی، جو ہم تمہیں اپنے پیغمبر کے ذریعے سناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات پر کسی طرح کا ظلم نہیں کرنا چاہتا۔

اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے، ان کی زندگی، موت، خوشحالی، بدحالی، دکھ، سکھ کا تنہاء مالک ہے، بیشک انسان کو زندگی میں کئی قسم کی تکلیفیں پہنچتی ہیں، اسے بہت سی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے، اس وقت وہ سمجھتا ہے کہ اس پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں، وہ اپنی قسمت کو کوسنے لگتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا، انسان کو چاہئے کہ صبر سے کام لیکر نیکی پر جمارہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے کہ اس کے پاؤں ڈگمگانے نہ پائیں۔

بہترین اُمّت

كُنْتُمْ	خَيْرَ	اُمَّةٍ	اُخْرِجَتْ	لِلنَّاسِ	تَاْمُرُوْنَ	بِالْمَعْرُوْفِ	وَ
ہو تم	بہترین	امت	جو بھیجی گئی	لئے لوگوں کے	حکم کرتے ہو تم	اچھے کاموں کا	اور

تَنْهَوْنَ	عَنِ	الْمُنْكَرِ	وَ	تُؤْمِنُوْنَ	بِاللّٰهِ ؕ
منع کرتے ہو تم	سے	برے کام	اور	ایمان لاتے ہو	پر اللہ

بامحاورہ ترجمہ:۔ تم سب امتوں سے بہتر ہو جو جہان میں بھیجی گئی اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

تفسیر

اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمام امتوں میں بہترین امت قرار دیا ہے اس کے علم میں طے پاچکا تھا

کہ تمہیں تمام امتوں میں برتری ملے گی اوراس کی خبر پہلے پیغمبروں کو بھی دیدی گئی تھی جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں سے افضل ہیں اسی طرح آپ کی امت بھی تمام امتوں سے افضل اور برتر ہے، کیونکہ اسے سب سے اعلیٰ پیغمبر ملا ہے اور سب شریعتوں سے زیادہ مکمل شریعت عطاء ہوئی اور علم کے دروازے اس پر کھول دیئے گئے ہیں۔

اہل کتاب کو نصیحت

وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ

اور اگر ایمان لاتے اہل کتاب تو ہوتا بہتر لئے انکے میں سے ان پر ایمان

وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿١١٠﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ

اور اکثر ان میں نافرمان ہیں (۱۱۰) نہیں بگاڑ سکتے آپ کا سوائے ستانے اور اگر

يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١١١﴾

آپ سے لڑیں تو پیٹھ دکھائیں گے پھر نہ انکی مدد کی جائیگی (۱۱۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے تو ان کیلئے بہتر تھا ان میں سے کچھ ایمان پر ہیں اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔(۱۱۰) تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے زبان سے ستانے کے سوا اور اگر تم سے لڑیں تو پیٹھ پھیر لیں گے پھر ان کی مدد نہ کی جائیگی۔(۱۱۱)

تفسیر

اس آیت میں اہل کتاب سے کہا گیا ہے کہ تم اگر ایمان لے آتے تو تمہارے حق میں بہتر تھا، اس طرح تم بھی بہترین امت میں شامل ہو سکتے تھے، دنیا میں تمہاری عزت بڑھتی اور آخرت میں اجر ملتا، لیکن افسوس ہے کہ ان میں سے چند افراد (مثلاً: عبد اللہ بن سلام اور نجاشی وغیرہ) کے سوا کسی نے اسلام قبول نہیں کیا، حق واضح ہو جانے کے باوجود وہ نافرمانی پر ہی اڑے رہے۔

وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ: اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کیلئے بہتر ہوتا، ایمان لانے کا یہی مطلب ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید اور پوری شریعتِ اسلامیہ پر ایمان لاتے، مگر یہ لوگ تو جان بوجھ کر کفر میں مبتلا ہیں، انہوں نے اپنی کتاب بگاڑ لی ہے، عقیدہ خراب کر لیا ہے اور طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا ہیں، ایمان والوں سے ان کو ضد ہے، انہوں نے ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے کفر کا راستہ اختیار کیا، اِن کی بہتری اسی میں تھی کہ ایمان لے آتے۔

وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ: اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اے مسلمانو! تم کو ان کی زیادہ تعداد زیادہ ساز وسامان کو دیکھ کر خوف نہیں کھانا چاہئے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ یہ نافرمان تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے بشرطیکہ تم اپنے آپ کو صحیح معنوں میں بہترین امت ثابت کرو، یہ لوگ زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتے ہیں کہ زبان سے گالی دیں یا تمہیں برا بھلا کہیں، یہ نہ تم پر غالب آ سکتے ہیں، نہ تمہیں کوئی بڑا نقصان پہنچا سکتے ہیں، یہ یقین رکھو کہ اگر لڑائی میں یہ لوگ تمہارے مقابلے پر آئیں تو پیٹھ دکھا کے بھاگ نکلیں گے اور کسی طرف سے انہیں مدد نہیں پہنچے گی، شکست کھا کر ذلیل اور رسوا ہوں گے۔

اہل کتاب پر اللہ تعالیٰ کا عذاب

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ

چپکا دی گئی ہے پر ان ذلّت جہاں کہیں پائے جائیں سوائے ساتھ عہد سے اللہ کے

وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ

اور عہد سے لوگ اور لوٹے غضب لے کر سے اللہ اور چپکا دی گئی پر ان

الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ

رسوائی یہ اس لئے کہ وہ کرتے کفر ساتھ آیتوں اللہ کی اور قتل کرتے رہے

الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ﴿۱۱۲﴾

پیغمبروں ناحق یہ اس لئے کہ نافرمانی کی اور وہ تھے حد سے نکلتے (۱۱۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ چپکا دی گئی ان پر ذلّت جہاں دیکھے جائیں سوائے اس کے کہ اللہ کی طرف سے کوئی عہد ہو یا لوگوں کی طرف سے کوئی عہد ہو اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا غصہ کمایا اور چپکا دی گئی ان پر رسوائی، یہ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے رہے اور ناحق پیغمبروں کو قتل کرتے رہے یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے نکل گئے۔ (۱۱۲)

تفسیر

ضُرِبَتْ: چپکا دی گئی، عربی کا یہ لفظ چپکانے کے علاوہ چلنے چسپاں کرنے اور مسلّط کردینے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے، قرآن مجید کے اندر بھی مختلف جگہوں پر ان تینوں معنوں میں آیا ہے، یہاں چسپاں کرنے کے معنٰی میں استعمال ہوا ہے۔

فرمایا: ان پر ہمیشہ ذلّت اور رسوائی چپکی رہے گی، ہاں! اگر وہ اللہ تعالیٰ سے یا اسکے بندوں سے کوئی عہد کرکے اسے پورا کریں تو اس صورت میں وہ ذلّت اور رسوائی سے بچ جائیں گے۔

وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ: اور وہ اللہ تعالیٰ کا غصہ لیکر لوٹے، یعنی: وہ اپنی غلط کاریوں اور بدعملیوں کے سبب اللہ تعالیٰ کے غضب کی لپیٹ میں آ گئے۔

آیت کے اس حصہ میں فرمایا کہ اس صورت حال کی چند وجوہات تھیں:

(۱)۔۔۔۔ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے رہے، یعنی: حکموں کو جھٹلاتے رہے اور جو نشان اور معجزے آئے انہیں بھی اس قوم نے نہ مانا۔

(۲)۔۔۔۔ پیغمبروں کو انہوں نے ناحق قتل کیا، پیغمبروں کا قتل کوئی معمولی جرم نہیں تھا مگر انہوں نے

تو بلا وجہ یہ جرم کیا۔

(۳)....انہوں نے نافرمانی کی عادت بنالی۔

ضُرِبَتۡ عَلَیۡهِمُ الذِّلَّةُ اَیۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا: ماری گئی ان پر ذلت جہاں دیکھے جائیں، جب سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تبدیلی کی ہے اور برائیوں میں ملوث ہوئے ہیں اس وقت سے ذلیل وخوار ہورہے ہیں، قرآن مجید میں یہودیوں کی ذلت اور رسوائی کا ذکر بہت سی دوسری جگہوں پر بھی موجود ہے، "اَیۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا" کا یہی مطلب ہے کہ یہ لوگ جہاں کہیں بھی ہیں ذلیل وخوار ہوکر ہی گزر اوقات کررہے ہیں۔

یہودیوں کی ذلّت کی دوسری بات یہ ہے کہ یہ لوگ عزت نفس سے محروم رہے ہیں، کروڑ پتی ہونے کے باوجود بھکاریوں کی زندگی بسر کررہے ہیں، مال سے محبت، ہر کام میں سازش اور ہر قوم سے مکاری و چالاکی ان کی عادت رہی ہے، ان کو کہیں بھی آرام سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا، ایک جگہ شرارت کی تو دوسری جگہ چلے گئے وہاں سازش کی تو وہاں سے نکالے گئے، گزشتہ تاریخ سے واضح ہے کہ دنیا کی کوئی قوم انہیں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتی تھی، کچھ عرصہ پہلے تک عیسائیوں سے بھی ان کی ایسی ہی اَن بَن تھی جیسے مسلمانوں کیساتھ، یہودی کبھی عیسائیوں کے ماتحت رہے اور کبھی مسلمانوں کے۔

موجودہ اسرائیلی حکومت سے شبہ کا جواب

گزشتہ اڑھائی ہزار سال میں یہودی حکومت سے محروم رہے ہیں اور ہمیشہ دوسری قوموں کے ماتحت رہ کر وقت گزارا ہے، انکی گزری ہوئی تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے تجارت کے بہانے جہاں بھی قدم جمانے کی کوشش کی ہمیشہ تکلیف اٹھائی، جرمن قوم نے ان کو خوب مارا، یہ لوگ جرمنوں کو بدنام کرتے تھے کہ انہوں نے یہودیوں سے اچھا برتاؤ نہیں کیا مگر وہ کہتے تھے کہ تمہیں ان کی شرارتوں کا علم نہیں ہے، یہ سازشی لوگ ہیں ان کو ہر وقت سازش ہی سوجھتی ہے، جہاں بھی رہتے ہیں لوگوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے، یہ لوگ ترکی میں ہمیشہ رہے ہیں اور اب بھی ہیں مگر اسلامی حکومتیں ان سے ہمیشہ تکلیف اٹھاتی رہی ہیں، مسلمان حکمران ان کو

رعایا سمجھ کر ان کیساتھ نرمی برتتے رہے مگر یہ اپنی فطرت سے کبھی باز نہ آئے۔

اب موجودہ زمانے میں حالات مختلف ہے، کچھ عرصہ پہلے اسرائیل کی حکومت قائم ہوئی اور یہودیوں کو ٹھکانا نصیب ہوا، اس پر لوگ باتیں بنانے لگے کہ قرآن مجید کا دعویٰ غلط ثابت ہوا ہے کہ یہودیوں پر ذلت مسلط کردی گئی اور وہ اقتدار سے محروم ہیں، حالانکہ قرآن مجید میں یہ نہیں کہا گیا کہ یہودیوں کی کبھی کوئی حکومت نہیں بنے گی، بلکہ فرمایا کہ: ان پر ذلت ورسوائی چپکادی گئی اور وہ ذلت ورسوائی ان میں پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے، اس میں عرض ہے کہ یہودیوں کی موجودہ حکومت کی اپنی کوئی بنیاد نہیں بلکہ ان کی حکومت صرف غیر مسلم طاقتوں کی وجہ سے ہے جن میں کچھ عیسائی ہیں اور کچھ دہریہ ہیں، اسرائیل کو چار عالمی طاقتوں امریکہ، برطانیہ، فرانس اور روس کی مدد حاصل ہے، ان میں سے پہلی تین حکومتیں عیسائی ہیں اور چوتھی دہریہ ہے، اسرائیل ان سب کی مشترکہ چھاؤنی ہے جسے مسلمانوں کو تنگ کرنے کیلئے قائم کیا گیا ہے، آج بھی اگر یہ قوتیں اسرائیل سے اپنا ہاتھ اٹھالیں تو یہودی ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتے، امریکہ اس سازش میں مرکزی کردار ادا کررہا ہے، اسرائیل اپنے اردگرد مسلمانوں پر ظلم کررہا ہے، تل ابیب کے بجائے بیت المقدس کو دارالخلافہ بنایا گیا، جولان کی پہاڑیوں پر زبردستی قبضہ کیا اور پھر انہیں اسرائیل اسمبلی کے ذریعے اسرائیل کا حصہ بنادیا گیا ہے، حالانکہ یہ ملک شام کا علاقہ ہے مگر اس ساری کاروائی میں امریکہ خاموش تماشائی بنا ہوا ہے، وہ اسرائیل کو زیادتی کرنے سے روک سکتا ہے مگر جان بوجھ کر نہیں روک رہا، اسرائیلی حکومت قائم کرنے والے برطانیہ اور فرانس ہیں مگر امریکہ بھی اپنے فائدے کیلئے ان کیساتھ شامل ہوگیا ہے، اُدھر روس کا فائدہ بھی اسی میں ہے کہ مسلمان ملکوں کے درمیان اسرائیل تنگ کرنے کا سبب بنا رہے، پہلی تین طاقتیں عیسائی ہونے کے باوجود آپس میں بھی درپردہ ایک دوسرے کی مخالف ہیں مگر مسلمانوں کی مخالفت کے معاملہ میں سب اکٹھے ہیں، روس تو ویسے ہی دہریہ یعنی خدا کا منکر ہے اسے مسلمانوں سے کیا ہمدردی ہوسکتی ہے، البتہ جہاں اس کا اپنا فائدہ ہو وہاں وہ ہر کاروائی کرنے کیلئے تیار ہوتا ہے، بہرحال اسرائیلی حکومت کو قائم رکھنے اور مدد کرنے میں سب شریک ہیں۔

اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی آبادی ایک ارب کے لگ بھگ ہے، پچاس کے قریب حکومتیں ہیں، مگر ان عیسائی اور روسی طاقتوں نے انہیں اس قدر بے بس کر کے رکھا ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد بھی نہیں کر سکتے، پاکستان کے قائم ہونے کے وقت مسلمان ملک مدد کر سکتے تھے مگر نہیں کی گئی، بیت المقدس کی توہین ہو رہی ہے، بیس لاکھ فلسطینی مسلمانوں کو انکے ملک سے نکال دیا گیا ہے، بہت سے ہلاک ہو چکے ہیں، کچھ اردن میں پڑے ہیں اور کچھ لبنان میں، مگر وہاں بھی آئے دن ان کے خیموں پر بمباری ہوتی رہتی ہے، یتیم بچوں کو عیسائی مشنریاں لے گئی ہیں تا کہ انہیں عیسائی بنایا جا سکے۔

بہر حال ہمارا ایمان ہے کہ یہودیوں پر ذلت ہمیشہ کیلئے چپکا دی گئی ہے اگر چہ اس وقت ان کو اسرائیل حکومت کی صورت میں ایک پناہ گاہ میسر آ گئی ہے مگر صحیح حدیث کے مطابق ایک وقت آنے والا ہے جب ان کو درخت اور پتھر بھی پناہ نہیں دیں گے، اگر کوئی یہودی کسی درخت کے پیچھے چھپا ہو گا تو وہ درخت پکار کر کہے گا اے مسلمان! یہودی یہاں چھپا ہے، اس کو پکڑ لو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول پر ایسا دور ضرور آنے والا ہے۔

سب اہل کتاب برابر نہیں

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ

نہیں برابر سے اہل کتاب جماعت سیدھی راہ پر وہ پڑھتے ہیں آیتیں اللہ کی

اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

وقتوں رات کے اور وہ سجدے کرتے ہیں (۱۱۳) ایمان لاتے ہیں پر اللہ اور دن آخرت کے

وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي

اور حکم کرتے ہیں اچھی بات کا اور منع کرتے ہیں سے برے کام اور دوڑتے ہیں میں

الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ

نیک کام اور وہی لوگ ہیں سے نیک بخت (۱۱۴) اور جو کچھ وہ کریں گے کوئی نیکی

فَلَنۡ يُّكۡفَرُوۡهُ ‌ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۱۱۵﴾

ہرگز نہ ہوگی ناقدری اسکی اور اللہ باخبر ہے پرہیزگاروں سے(۱۱۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ سب اہل کتاب برابر نہیں ایک جماعت سیدھی راہ پر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھتے ہیں رات کے وقت میں اور وہ سجدہ کرتے ہیں۔(۱۱۳) اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور اچھی بات کا حکم کرتے ہیں اور برے کاموں سے منع کرتے ہیں اور نیک کاموں کی طرف دوڑتے ہیں اور وہی لوگ نیک بخت ہیں۔(۱۱۴) اور وہ لوگ جو کچھ کام کریں گے اس کی ہرگز ناقدری نہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ کو پرہیزگاروں کی خبر ہے۔(۱۱۵)

تفسیر

اس آیت میں فرمایا کہ:تم سب یہودیوں اور عیسائیوں کو برابر نہ سمجھو ان میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندے بھی ہیں جو یہودیت اور عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام قبول کر چکے ہیں،جن کی خوبیاں یہ ہیں کہ وہ سیدھی راہ پر قائم ہیں، رات کی تاریکی اور خاموشی میں اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں۔

اس آیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر چہ یہودیوں میں طرح طرح کی برائیاں پیدا ہو چکی تھیں، وہ اپنی کتابوں میں آخری پیغمبر کی خوشخبریاں پڑھنے کے باوجود انکار پر ڈٹے ہوئے تھے پھر بھی ان میں کچھ ایسے لوگ موجود تھے جو ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے تھے، ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارشیں ہوئیں اور دوسرے یہودی وہ تھے جو جھوٹا وقار قائم رکھنے کی خاطر دین کا انکار کرتے رہے ان کا انجام انتہائی بُرا ہوا، پس معلوم ہوا کہ حق قبول کرنے کی توفیق اسے حاصل ہوتی ہے جو ضد چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھے، رات کے وقت سجدے کرے، اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لائے، بُرے کاموں سے بچے اور نیک کاموں کی طرف دوڑے، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملے گا، اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو اچھی طرح جانتے ہیں اس لئے جب یہودیوں کی برائیوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان میں سے ایمان لانے والوں کو شامل نہیں کیا جاتا کیونکہ اب وہ

یہودی نہ رہے بلکہ مسلمان ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں بچاؤ

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ لَآ اَوْلَادُهُمْ

بیشک جولوگ کافر ہے ہرگز نہ کام آئینگے ان کو مال انکے اور نہ اولاد انکی

مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

سے اللہ کچھ اور وہی لوگ والے ہیں آگ وہ میں اس ہمیشہ رہیں گے (۱۱۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہ لوگ جو کافر ہے ان کو ان کے مال ہرگز کام نہ آئیں گے اور نہ ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے آگے کچھ (کام آئیگی) اور وہی لوگ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۱۱۶)

تفسیر

اہل کتاب میں سے ایمان قبول کرنے والوں کا ذکر کرنے کے بعد کفر پر جمے رہنے والوں کا بیان شروع کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ صرف ایمان ہی ایک ایسی شئے ہے جو دنیا و آخرت دونوں میں کام آئے گی، دنیا کی چیزیں مثلاً: مال ودولت اور اولاد خاندان ان کے کسی کام نہیں آئیں گے۔

یہ چیز پہلے بھی بیان کی جا چکی ہے کہ انسان کے کفر کی طرف جانے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ مال وجائیداد اور اولاد کے بہکاوے میں آ جاتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ مال ودولت کے ڈھیر اور بیٹے ہر جگہ اس کے کام آئیں گے، اس کی ہر مصیبت کو ٹال دینگے، یہ نہیں سمجھتا کہ یہ تمام چیزیں آخرت میں اس کے کسی کام نہ آئیں گی، اصل چیز ایمان کی دولت ہے، جس کی وجہ سے انسان دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوتا ہے۔

کافروں کا مال خرچ کرنا

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا
مثال جو کچھ خرچ کرتے ہیں وہ میں اس زندگی دنیا کی جیسے مثال ہوا کی میں اس

صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَ مَا
ٹھنڈک جا لگی کھیتی کو قوم کی جنھوں نے ظلم کیا جانوں اپنی پر پھر برباد کر دیا اسکو اور نہیں

ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَ لٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾
ظلم کیا ان پر اللہ نے اور لیکن جانوں اپنی پر وہ ظلم کرتے تھے (۱۱۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اس دنیا کی زندگی میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک ہوا کی کہ اس میں پالا ہو (یعنی طوفانی سردی) اس قوم کی کھیتی کو جا لگے جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا پھر اسے تباہ و برباد کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا اور وہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔ (۱۱۷)

تفسیر

اس آیت میں کافروں کا انجام بیان کیا گیا ہے کہ وہ جو کچھ بھی مال و دولت دنیا میں خرچ کریں آخرت میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی کیونکہ ایمان کے نہ ہونے کی وجہ سے ان کا ہر عمل ضائع ہو جائیگا، لہٰذا آخرت میں اس کا ثواب بھی نہیں ملے گا، عمل کی حفاظت کرنے والی چیز ایمان ہے۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا: ایمان والے اس دنیا کی زندگی میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کرتے ہیں اور اسکا بدلہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر ملے گا، برے کاموں میں خرچ کرنے کے علاوہ کافر لوگ بعض اوقات اچھے کاموں پر بھی خرچ کرتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں،

اسکول اور اسپتال قائم کرتے ہیں، یتیم خانے تعمیر کرتے ہیں، پُل اور سرائیں بنواتے ہیں اور وہ اس لوگوں کے فائدے کیلئے یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کا خرچ کیا ہوا مال انہیں آخرت میں بہت فائدہ دیگا مگر کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا خرچ کیا ہوا مال ان کو کوئی فائدہ نہیں دیگا، ان کی مثال اس کسان کی سی ہے جو اپنی کھیتی سے بہت بڑے فائدے کی امید لگائے بیٹھا تھا مگر طوفانی یخ ہوا نے اسے برباد کر کے رکھ دیا، اسی طرح مال خرچ کرنے والے کافر امید کریں گے کہ مال خرچ کرنے کے بدلے ان کو ثواب ملے گا، مگر ان کا یہ سارا کیا کرایا یکدم ضائع ہو جائیگا اور ان کے کچھ کام نہ آئیگا۔

كَمَثَلِ رِيْحٍ: کافروں کے خرچ کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے ایک باغ لگایا اور اس کو طوفانی سردی سے بچانے کا کوئی انتظام نہ کیا، چند دن اس کی سرسبزی و شادابی دیکھ کر خوش ہوتا رہا اور لمبی چوڑی امیدیں باندھتا رہا، کہ ایک دم سے طوفانی یخ ہوا چلی اور اس قدر پالا گرا کہ اس کا سارا لہلہاتا باغ اور کھیتیاں دیکھتے دیکھتے تباہ ہو گئیں، وہ شخص اپنی تباہی اور بربادی پر ہاتھ ملتا رہ گیا نہ اس کی کوئی امید پوری ہوئی، نہ وہ ضرورت کے وقت اس کی پیداوار سے کوئی فائدہ اٹھا سکا۔

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ: اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ایسے لوگوں کو اجر سے محروم کر کے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے آخرت میں عمل کی قبولیت کیلئے ایمان لانے کو کہا کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی نیک عمل قبول نہیں ہوگا۔

بہر حال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کفر کرنے والوں پر ظلم نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو ان پر احسان کیا، جسم دیا، صحت و توانائی دی، عقل و شعور دیا، پیغمبر بھیجے، کتابیں اتاریں تاکہ انسان ہدایت کا راستہ اختیار کریں، جنہوں نے ان تمام چیزوں کو چھوڑ کر اور ایمان سے منہ موڑ کر کفر کا راستہ اختیار کیا تو انہیں سزا دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ظلم نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ کافر لوگ ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

بیگانے رازدار

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا
اے وہ لوگو! جو ایمان لائے نہ بناؤ بھیدی سوائے اپنوں کے نہیں

يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ
کمی کرتے تمہاری خرابی میں چاہتے ہیں وہ تکلیف تمہاری بیشک ظاہر ہوگئی دشمنی سے

اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ
موہوں انکی اور جو کچھ چھپاتے ہیں سینے انکے زیادہ ہے بیشک ہم نے لئے تمہارے

الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١١٨﴾
آیتیں اگر ہو تم عقل رکھتے (۱۱۸)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اے ایمان والو! کسی کو اپنا بھیدی نہ بناؤ اپنوں کے سوا وہ تمہاری خرابی میں کمی نہیں کرتے ان کی خوشی ہے کہ تم تکلیف میں پڑو انکی زبان سے دشمنی ظاہر ہو چکی ہے اور جو کچھ ان کے جی میں چھپا ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے ہم نے تمہیں بتا دیا اگر تمہیں عقل ہو۔(۱۱۸)

شانِ نزول

مدینے میں دو مشہور قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے، یہ مشرک لوگ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان لانے کی توفیق بخشی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اپنی پرانی دشمنی چھوڑ کر بھائی بھائی ہو گئے، ان قبیلوں والوں کے مدینے کے یہودیوں سے پرانے تعلقات تھے جنہیں وہ اسلام لانے کے بعد نبھاتے رہے، مگر یہودی چونکہ ایمان نہیں لائے تھے اس لئے وہ مسلمانوں کے مخلص دوست نہیں ہو سکتے تھے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اوس اور خزرج والوں کو بھی منع فرمادیا کہ یہودیوں کیساتھ دوستی نہ رکھیں کیونکہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو اچھا نہیں سمجھتے، گویا یہ آیت اوس اور خزرج

والوں کے حق میں نازل ہوئی۔

مفسرین کرام نے اس آیت کے شانِ نزول میں ایک اور واقعہ بھی بیان کیا ہے، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ مدینہ کے انصار میں سے بڑے مرتبے والے صحابی ہیں، مصر کی فتح کے دوران اسلامی لشکر کے سپہ سالار عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کو مقوقس سے گفتگو کرنے کیلئے سفیر بنایا تھا، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا حضور! یہاں کے یہودیوں سے میرے مخلصانہ تعلقات ہیں اگر آپ اجازت دیں تو میں ان کو جنگ میں اپنے ساتھ شریک کرلوں، یہ واقعہ احد کی جنگ یا خندق کی جنگ کا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کی مدد لینے سے یہ کہہ کر منع فرمادیا کہ ان سے خیر کی توقع فضول ہے، ان سے مسلمانوں کے حق میں نقصان کی توقع ہی کی جاسکتی ہے، الغرض! اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کیساتھ دوستی کرنے سے روک دیا، مومن کے سوا کسی سے دوستی نہ کرو، کافروں کی دوستی سے نقصان پہنچ سکتا ہے، لہٰذا ان سے مخلصانہ دوستی نہ جوڑو۔

تفسیر

اس آیت کے شانِ نزول کے سلسلہ میں یہودیوں اور منافقوں کی دونوں جماعتوں کا ذکر کیا گیا ہے، پہلے گروہ کے بارے میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ اسلام سے پہلے جن مسلمانوں کے یہودیوں سے ہمسایہ ہونے کی وجہ سے تعلقات تھے وہ اسلام کے بعد بھی قائم رہے، ان کی دوستی پر اعتماد کرکے انہیں مسلمان بعض رازدارانہ مشورے بھی بتادیتے تھے۔

منافقوں کے بارے میں روایت یہ ہے کہ مسلمان عام طور پر انہیں مسلمان سمجھ کر ان سے پوری احتیاط نہ کرتے اور اپنی خفیہ باتیں ان کو بتادیتے، اس طرح ان سے سخت نقصان کا اندیشہ رہتا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ: اے ایمان والو! کسی کو اپنا بھیدی نہ بناؤ اپنوں کے سوا، یہاں پر "بِطَانَةً" کا لفظ آیا ہے جو خاص رازداں دوست کیلئے استعمال ہوتا ہے یہ نہایت ہی

مخلص دوست کیلئے بولا جاتا ہے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ: اپنوں کے سوا میں منافق، یہودی، عیسائی، مشرک سب شامل ہیں، مسلمانوں کو نصیحت کی جارہی ہے ایمان والوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کو اپنا مخلص دوست نہ بنائیں۔

وثیق نامی روم کا عیسائی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غلام تھا، بڑا ذہین اور اعلیٰ درجے کا حساب دان تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس غلام سے فرمایا اگر تم ایمان لے آؤ تو میں تمہیں کوئی ذمہ داری کا کام سونپ دوں مگر وہ شخص ایمان نہ لایا اور آپ نے اسے کوئی عہدہ نہ دیا، جب آپ زخمی ہو گئے تو پھر اسے بلا کر ایمان اور عہدہ کی پیش کش کی مگر وہ رضامند نہ ہوا، آپ نے اسے آزاد کر دیا مگر کوئی عہدہ نہ دیا، اس روایت سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں، پہلی یہ کہ اسلام میں زبردستی نہیں ہے کہ کسی کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا جاسکتا اور دوسری بات یہ کہ کسی غیر مسلم کو اسلامی حکومت میں کوئی بڑا عہدہ پیش نہیں کیا جاسکتا، اگر ایسا ہوگا تو مسلمانوں کیلئے لازماً نقصان کا باعث ہوگا۔

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ: دشمنی ظاہر ہو چکی ہے، ان کی اسلام دشمنی بعض اوقات اُن کی زبانوں پر بھی آجاتی ہے، وہ لاکھ کوشش کریں کہ ان کی اسلام کیساتھ دشمنی چھپی رہے مگر پھر بھی منہ سے کوئی نہ کوئی بات ایسی نکل جاتی ہے جو اُن کی دِلی دشمنی کو ظاہر کرتی ہے۔

وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ: اور جو کچھ ان کے جی میں چھپا ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو دشمنی اور بغض ان کے دلوں میں چھپا ہے، وہ تو بہت ہی زیادہ ہے، کبھی دشمنی اور غصے کے جذبات سے بے قابو ہو کر ان کے منہ سے بھی ایسی باتیں نکل جاتی ہیں جو ان کی گہری دشمنی کا صاف پتہ دیتی ہیں، جلن اور دشمنی کے مارے انکی زبان قابو میں نہیں رہتی، پس ایک دانشمند آدمی کو چاہئے کہ ایسے بدظن دشمنوں کو اپنا رازدار نہ بنائے۔

اہل کتاب سے دوستی

هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ

سن لو　تم لوگ　لگاؤ رکھتے ہو تم ان سے　حالانکہ نہیں　لگاؤ رکھتے وہ تم سے　اور　ایمان رکھتے ہو تم　کتابوں

كُلِّهٖ ۚ وَ اِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ

سب کی سب پر اور جب ملتے ہیں تم سے کہتے ہیں ایمان لائے ہم اور جب اکیلے ہوں کاٹ کھاتے ہیں پر تم

الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ

انگلیاں سے غصہ آپ کہہ دیں مرجاؤ تم میں غصہ اپنے بیشک اللہ کو معلوم ہیں

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾

باتیں دلوں کی (۱۱۹)

بامحاورہ ترجمہ: ۔سن لو! تم لوگ ہی ان سے لگاؤ رکھتے ہو حالانکہ وہ تم سے لگاؤ نہیں رکھتے اور تم سب کتابوں پر ایمان لائے اور وہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تم پر غصہ سے انگلیاں کاٹ کھاتے ہیں آپ کہہ دیں تم اپنے غصہ میں مرجاؤ اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں سینوں کی باتوں کو۔(۱۱۹)

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بتایا ہے کہ تم تو اہلِ کتاب کی دوستی کا دَم بھرتے ہو لیکن وہ تمہارے دوست نہیں بلکہ وہ تمہاری جڑیں کاٹنے والے دشمن ہیں، تم تمام آسمانی کتابوں کو مانتے ہو، اسکے برخلاف یہ لوگ تمہاری کتاب اور پیغمبر کو نہیں مانتے، خود اپنی کتابوں پر بھی ان کا ایمان صحیح نہیں، چاہئے تو یہ تھا کہ وہ تم سے محبت کرتے اور تم ان سے بیزاری ظاہر کرتے، لیکن یہاں معاملہ برعکس ہو رہا ہے۔

منافقوں کی دیکھا دیکھی خالص یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی اپنے آپ کو مسلمان کہنا شروع کر دیا اور مطلب یہ لیا کہ ہم اپنی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور انہیں مانتے ہیں، اس لئے ہم کافر نہیں مسلمان ہیں، اس پردہ میں وہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے رہے۔

مسلمانوں کیساتھ ان کا بغض اس بات سے ظاہر ہے کہ اسلام کی ترقی اور مسلمانوں کی آپس کی محبت دیکھ

کر حسد کی آگ میں جلتے رہے، جب کچھ نہ کر سکے تو غصہ میں آ کر دانت پیتے اور اپنی انگلیاں کاٹ کھاتے، مسلمانوں کو ان کی اس دشمنی سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، اہلِ کتاب غصّہ کھا کھا کر مرتے رہیں گے اور ان کی آرزوئیں پوری نہ ہوں گی، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کی خفیہ چالوں سے آگاہ کر دیا ہے تاکہ وہ اپنے اور خدا کے دشمنوں سے ہمیشہ بچتے رہیں۔

اہل کتاب کا حسد

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا

اگر پہنچے تمہیں کوئی بھلائی بُری لگتی ہے انہیں اور اگر پہنچے تمہیں کوئی تکلیف تو خوش ہوتے ہیں

بِهَا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ؕ

سے اس اور اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو نہ بگڑے گا تمہارا چالوں انکی سے کچھ

۱۲ ع ۱۱ ۳

اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾

بیشک اللہ جو کچھ وہ کرتے ہیں جانتے ہیں (۱۲۰)

با محاورہ ترجمہ: ۔اگر تمہیں کچھ بھلائی ملے تو انہیں بری لگتی ہے اور اگر تم پر کوئی تکلیف پہنچے تو اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو انکی چالوں سے تمہارا کچھ نہ بگڑے گا بیشک جو وہ کرتے ہیں سب اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ (۱۲۰)

تفسیر

مسلمانوں سے اہل کتاب کی دشمنی اس بات سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو کوئی بھلائی پہنچے تو ان لوگوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتی، مسلمانوں کا اتحاد، دشمنوں پر مسلمانوں کا غلبہ اور کامیابی دیکھ کر حسد کی آگ میں جلتے ہیں، لیکن مسلمانوں پر کوئی مصیبت آ جائے تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا، اس قسم کے لوگوں سے ہمدردی اور

خیر خواہی کی کوئی امید نہیں۔

اہل کتاب کا یہ رویہ اسلام کے صرف ابتدائی دور میں نہ تھا بلکہ آج تک مسلمانوں سے ان کا برتاؤ یہی ہے، یہ دوسری بات ہے کہ اپنے کسی مفاد کی خاطر کچھ وقت کیلئے وہ دشمنی سے باز آ جائیں۔

اہل کتاب سے دوستی رکھنے سے منع کرنے پر بعض مسلمانوں کے دل میں یہ خیال گزرنے کا امکان تھا کہ جب وہ اُن سے دوستانہ تعلقات نہ رکھیں گے تو وہ شاید اُن کے خلاف اور سازشیں کریں گے اور پہلے سے بڑھ چڑھ کر نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے، اس خیال کو روکنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ڈرو نہیں صبر سے کام لو، انکا کوئی داؤ تم پر نہیں چلے گا، وہ جو چالیں چلتے ہیں اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہیں، وہ بڑی قدرت وطاقت والا ہے، وہ ان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دے گا، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنا معاملہ صاف رکھیں، اسکی قدرت اور طاقت پر بھروسہ رکھیں اور اس کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رکھیں۔

غزوۂ اُحد

وَ اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَ

اور جب صبح کو نکلے آپ سے گھر والوں اپنے بٹھا رہے تھے آپ مؤمنوں کو ٹھکانے لئے جنگ کے اور

اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ

اللہ سننے والا ہے جاننے والا ہے (۱۲۱) جب ارادہ کیا دو گروہوں میں سے تم کہ بزدلی دکھائیں

وَ اللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

حالانکہ اللہ مددگار ہے ان دونوں کا اور پر اللہ چاہئے کہ بھروسہ کریں ایمان والے (۱۲۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور (وہ وقت یاد کریں) جب آپ صبح کو اپنے گھر سے نکلے مؤمنوں کو لڑائی کے ٹھکانے پر بٹھانے لگے اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ (۱۲۱) وہ وقت یاد کرو جب تم میں سے دو گروہوں

نے ارادہ کیا کہ بزدلی دکھائیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کا مددگار تھا اور (چاہیئے کہ) اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کریں ایمان والے۔(۱۲۲)

تفسیر

اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنگی تیاریوں، گھر سے جنگ کے میدان کی طرف روانگی اور جنگ میں صف بندی کے واقعات کی طرف اشارہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح سویرے جہاد کیلئے گھر سے روانہ ہوئے، مؤمنوں کی صف بندی کی، انہیں مناسب مورچوں پر بٹھایا اور جنگ کے میدان کا نقشہ درست فرمایا۔

یہاں اشارہ غزوۂ اُحد کی طرف ہے اور اس کے بعد مسلسل طور پر اس غزوۂ اُحد کے حالات و واقعات ذکر ہونگے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر طور پر اس غزوہ کے حالات بیان کر دیئے جائیں تا کہ بار بار دہرانے کی ضرورت نہ رہے۔

شوال ۳ھ میں مکہ کے قریش تین ہزار کا لشکر لیکر مدینہ پر چڑھ آئے، ایک سال پہلے وہ بدر کے میدان میں شکست کھا چکے تھے، اس لئے اس مرتبہ بہت تیاریوں سے آئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے جنگ کے بارے میں مشورہ کیا، بعض صحابہ کی رائے تھی کہ شہر کے اندر رہ کر جنگ کی جائے، منافقوں کے سردار عبداللہ بن اُبی کی رائے بھی یہی تھی، بعض صحابہ نے کہا یہ کمزوری کی نشانی ہے ہمیں شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہئے، ہم ہر طرح سے سر دھڑ کی بازی لگائیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رائے سے اتفاق کیا کہ شہر سے باہر نکل کر جنگ لڑی جائے، گھر سے زرہ پہن کر باہر نکلے اور مسلمانوں کیساتھ شہر سے باہر جنگ کے میدان کی طرف روانہ ہوئے، مسلمانوں کی کل تعداد ایک ہزار تھی، عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو (۳۰۰) منافق ساتھیوں کیساتھ یہ کہتے ہوئے راستے سے واپس لوٹ آ گیا کہ جب ہماری بات نہیں مانی تو ہم ساتھ نہ دینگے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دیا، زبیر بن عوام کو گھڑسوار جماعت پر مقرر فرمایا، جو مسلمان زرہ پہنے ہوئے نہ تھے انہیں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں

رکھا، پچاس تیر اندازوں کو حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں ایک گھاٹی پر متعین فرمایا اور حکم دیا کہ اس جگہ کو کسی صورت میں نہ چھوڑیں، ان تیاریوں کیساتھ حق و باطل کی جنگ شروع ہوئی۔

غزوۂ اُحد، جنگ کا نقشہ

طَآئِفَتٰنِ: دو گروہ، ان دو گروہوں سے بنو حارثہ اور بنو سلمہ قبیلوں کے افراد مراد ہیں، جب منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبی اپنے منافق ساتھیوں کیساتھ راستہ سے واپس لوٹ گیا، یہ دیکھ کر بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے لوگ گھبرا گئے، یہ گھبراہٹ تعداد اور سامان کی کمی کی وجہ سے تھی نہ کہ ایمان کی کمزوری کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں حوصلہ مندی اور جرأت کے جذبات ابھارے اور فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے۔

اس بات سے مسلمان اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اس قوت سے بڑھے کہ کافروں کے حوصلے ختم ہوگئے اور وہ جنگ کے میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے، مسلمانوں نے انہیں گرفتار کرنا اور سامان اکٹھا کرنا شروع کردیا، یہ دیکھ کر عبداللہ بن جبر رضی اللہ عنہ کے پچاس ساتھی جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک درّے پر مقرر فرمایا تھا اور ان کو تاکید کی تھی کہ ہم جیتیں یا ہاریں تم نے یہ جگہ نہیں چھوڑنی، وہ بھی ان کے ساتھ مالِ غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے، وہ کافروں کے لشکر کی قیادت کر رہے تھے، درّہ خالی دیکھ کر انہوں نے درّے کے پیچھے سے انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کردیا جس سے مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی، جس سے مسلمان گھبرا گئے اور انہوں نے بہت بڑا جانی نقصان اٹھایا۔

تاہم کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم ابھی تک میدان میں ڈٹے ہوئے تھے، اتنے میں کہیں سے یہ افواہ اڑ گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید کردیئے گئے، اس خبر نے صحابۂ کرام کے رہے سہے ہوش و حواس بھی گم کردیئے اور باقی صحابہ بھی ہمت ہار کر بیٹھ گئے، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِردگرد صرف دس بارہ جاں نثار صحابہ رہ گئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی زخمی ہوگئے تھے، مسلمان جنگ ہارنے ہی والے تھے کہ صحابہ کرام کو معلوم ہوگیا کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہیں، چنانچہ وہ ہر طرف سے سمٹ کر پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حفاظت کیساتھ پہاڑی کی طرف لے گئے۔

اُحد کی جنگ کا واقعہ اپنی پوری تفصیل کیساتھ اسی سورۃ میں بیان کیا جاچکا ہے، جس میں یہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ اس جہاد میں مسلمانوں کی بعض کوتاہیوں کے سبب ابتدائی فتح کے بعد پھر مسلمانوں کو شکست ہوئی، ستر (۷۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زخم آئے، مگر ان سب کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے جنگ کا پانسہ پلٹا دیا اور دشمن شکست کھا ہو گئے۔

اس عارضی شکست کے تین سبب تھے، پہلا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو حکم حضرت جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے پچاس تیر انداز ساتھیوں کو دیا تھا وہ ساتھی اپنی جگہ سے ہٹ گئے تھے، کیونکہ اس بارے میں ان کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا، کوئی کہتا تھا کہ ہمیں یہیں جمے رہنا چاہئے، اکثر نے کہا کہ اب یہاں ٹھہرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی، چل کر سب کیساتھ غنیمت حاصل کرنے میں لگنا چاہئے، تو پہلا سبب رائے کا اختلاف تھا۔

دوسرا سبب یہ ہوا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی خبر مشہور ہوگئی تو مسلمانوں کے اندر کمزوری پیدا ہوگئی جسکا نتیجہ کم ہمتی کی صورت میں ظاہر ہوا۔

تیسرا سبب جو ان دونوں سببوں سے زیادہ اہم تھا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے خلاف کیا، یہ تین لغزشیں مسلمانوں سے ہوگئی تھیں، جن کیوجہ سے ان کو عارضی شکست ہوئی، یہ عارضی شکست اگرچہ بعد میں کار فتح میں تبدیل ہوگئی تھی لیکن مسلمان مجاہدین زخموں سے چور تھے، اُن کے بڑے بڑے بہادروں کی لاشیں آنکھوں کے سامنے پڑی تھیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی زخمی ہو گئے تھے۔

بدر کی جیت

وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

اور | بیشک | مدد کی تمہاری | اللہ نے | میں بدر | اور | تم | کمزور تھے | سو ڈرو | اللہ سے

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

تا کہ تم شکرگزار بنو (۱۲۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ بدر میں تمہاری مدد کر چکا ہے حالانکہ تم کمزور تھے، سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم شکرگزار بنو۔ (۱۲۳)

تفسیر

بدر میں اسلام اور کفر کے درمیان یہ سب سے پہلی جنگ تھی جو ۱۷/ رمضان ۲ھ کو لڑی گئی، بدر کے میدان میں مٹھی بھر مسلمانوں نے ایسی شاندار کامیابی حاصل کی کہ کافروں کی کمر ٹوٹ گئی اور انکو پہلی بار مسلمانوں کی طاقت کا اندازہ ہوا، اس وقت جوان، بوڑھے اور چھوٹے بڑے ملا کر لڑنے کے قابل مسلمانوں کی کل تعداد صرف تین سو تیرہ (۳۱۳) تھی، سب کے پاس ہتھیار بھی نہ تھے، اس پوری فوج میں صرف ستر (۷۰) اونٹ، اور دو (۲) گھوڑے تھے، آٹھ (۸) تلواریں اور نیزے تھے، چند ایک تو کھجور کے ڈنڈوں سے ہی جہاد کرنے چل پڑے تھے۔

اس جنگ میں ایسے نوعمر بھی شریک تھے جو اپنے قد اور عمر کے اعتبار سے جنگ کے قابل نہ تھے اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ وہ جنگ کے میدان میں نہ جائیں لیکن ان کا شوق دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی۔

غزوۂ بدر مسلمانوں کی جرأت اور حوصلہ کا ایک بہت بڑا امتحان تھا، ایک ہزار قریشی ابوجہل اور ابوسفیان جیسے تجربہ کار سپہ سالاروں کی نگرانی میں مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے، ان میں زیادہ تر سوار تھے، تین سو (۳۰۰) لوگ زرّہ پہنے ہوئے تھے اور ہر طرح کا جنگی ساز و سامان انہیں حاصل تھا۔

اپنی طاقت کے نشے میں چور ایک ہزار قریش کا یہ لشکر تین سو تیرہ مسلمانوں سے ٹکرایا مگر پہلے ہی مرحلے میں انکے آدمی مارے گئے اور ستر (۷۰) ہی مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوئے، مسلمان جو کہ کمزور تھے وہ غالب

ہوئے اور کافر جو طاقتور تھے وہ بری طرح ذلیل ہوئے۔

فرشتوں کی مدد

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ

جب آپ کہنے لگے ایمان والوں کو کیانہیں کافی تمہیں کہ مدد کرے تمہاری رب تمہارا تین

اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ

ہزار سے فرشتوں اتارے ہوئے (۱۲۴) البتہ اگر تم صبر کرو اور ڈرتے رہو اور

يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ

وہ آئیں تم پر سے اسی دم تو یہ مدد کریگا تمہاری رب تمہارا پانچ ہزار

مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

سے فرشتوں نشان لگائے ہوئے (۱۲۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (وہ وقت یاد کریں) جب آپ مسلمانوں کو کہنے لگے کیا تمہیں کافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے آسمان سے اتارے ہوئے تین ہزار فرشتوں کے ذریعے۔ (۱۲۴) البتہ اگر تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور وہ تم پر اسی دم آئیں تو تمہارا رب تمہاری مدد کیلئے نشان لگے ہوئے پانچ ہزار فرشتے بھیجے گا۔ (۱۲۵)

تفسیر

جب کافروں کی بڑی تعداد دیکھ کر مسلمان گھبرائے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی تسلی کیلئے ایسا فرمایا کہ کیا کافروں کے مقابلے میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کی مدد کافی نہ ہوگی جو آسمانوں سے اسی کام کیلئے اتارے گئے ہیں؟

اس جنگ میں کافروں کی تعداد ایک ہزار تھی اس لئے پہلے اللہ تعالیٰ نے تین ہزار فرشتے بھیجنے کا وعدہ فرمایا کہ: تم صبر وتقویٰ سے کام لو، ثابت قدمی دکھاؤ گے اور دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرو گے تو تمہاری مدد کیلئے پانچ ہزار فرشتے آسمان سے اتارے جائینگے جو نشان لگے ہوئے گھوڑوں پر سوار ہوں گے، اللہ تعالیٰ اس سے تمہاری مدد فرمائیگا۔

قرآن پاک کے اس مقام پر اصل ذکر تو غزوۂ اُحد کا چل رہا ہے تاہم درمیان میں اللہ تعالیٰ نے مثال کے طور پر غزوۂ بدر کا ذکر بھی کر دیا ہے تاکہ مسلمانوں کو تسلی رہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نہایت بے سروسامانی کی حالت میں بدر کے مقام پر بہت بڑی فتح عطاء فرمائی، وہ اپنے بندوں کو بے یارومددگار نہیں چھوڑے گا۔

اُحد کی جنگ میں کافروں کیساتھ انکی عورتوں کی شمولیت

کافر اس جنگ میں عورتوں کو بھی لائے تھے تاکہ وہ مردوں کو پیچھے ہٹنے سے روک سکیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ عورتیں شعر گا کر مردوں کو جوش دلا رہی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر یہ دعا جاری تھی کہ اے اللہ! میں آپکی توفیق سے حملہ کرتا ہوں اور آپ ہی کیلئے لڑتا ہوں، میرے لئے اللہ ہی کافی ہے اور وہ بڑا اچھا مددگار ہے۔

ہار جیت کا مدار لڑنے والوں کی کمی زیادتی پر نہیں

بدر کی جنگ میں مسلمانوں کی تعداد کم ہونے کے باوجود انہیں فتح حاصل ہوئی، اُحد کی جنگ میں بدر کی بنسبت مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی پھر بھی شکست ہوئی، اس میں بھی مسلمانوں کیلئے عبرت ہے کہ مسلمانوں کو کبھی سازوسامان پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ فتح کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے سمجھنا چاہئے اور اسی سے اپنے تعلق کو مضبوط رکھنا چاہئے۔

غیبی مدد کا مقصد

وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی لَکُمْ وَ لِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُکُمْ بِهٖ ؕ

اور نہیں بنایا اسے اللہ نے مگر خوشخبری لئے تمہارے اور تا کہ مطمئن ہوں دل تمہارے ساتھ اسکے

وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِیَقْطَعَ

اور نہیں مدد مگر سے طرف اللہ کے جو زبردست ہے حکمت والا ہے (۱۲۶) تا کہ ہلاک کر دے

طَرَفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اَوْ یَکْبِتَهُمْ فَیَنْقَلِبُوْا خَآئِبِیْنَ ﴿۱۲۷﴾

بعضے سے ان لوگوں جو کافر ہوئے یا ذلیل کر دے انہیں تو لوٹ جائیں وہ ناکام ہو کر (۱۲۷)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور یہ تو اللہ نے تمہاری خوشی کیلئے کیا اور اس لئے کہ تمہارے دلوں کو اطمینان ہو اور مدد صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے جو زبردست ہے حکمت والا۔(۱۲۶) تا کہ ہلاک کر دے بعض کافروں کو یا انہیں ذلیل کر دے تو ناکام ہو کر لوٹ جائیں۔(۱۲۷)

تفسیر

یہاں پر ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو وہ طاقت بخشی ہے کہ ایک ہی فرشتہ پوری بستی کا تختہ الٹ سکتا ہے جیسا کہ "لوط کی قوم" کی زمین تنہا جبرئیل امین نے الٹ دی تھی تو پھر فرشتوں کا لشکر بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔

نیز: یہ کہ جب فرشتے میدان میں آئے ہی تھے تو ایک کافر بھی بچنا نہیں چاہئے تھا، اس کا جواب خود قرآن مجید نے یہ دیا کہ فرشتوں کو بھیجنے میں ان کے ذریعے کافروں کو قتل کرنا اور مسلمانوں کو فتح دلوانا مقصد نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کو خوشخبری دینا اور ان کو دِلی اطمینان دلانا مقصد تھا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کی صورت میں مدد اس لئے پہنچی اور تمام غیبی سامان اس لئے مہیا کئے گئے

کہ مسلمانوں کے دلوں سے تعداد کی کمی کا خوف ختم ہو جائے اور انہیں سکون واطمینان نصیب ہو، ورنہ خدا کی مدد ایسی چیزوں کی محتاج نہیں، نہ اسباب کی پابند ہے، وہ چاہے تو محض اپنی زبردست قوت سے کام لے کر تمام کام بنا دے یا جنگ کے بغیر ہی کافروں کو ذلیل اور رسوا کر دے، فرشتے جو مدد پہنچاتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مرضی سے پہنچا سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ غالب اور زبردست ہے، وہ بڑی حکمت والا ہے اور اچھی طرح جانتا ہے کہ کس وقت کس چیز سے کام لینا مناسب ہے۔

وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ: اور اس لئے کہ تمہارے دلوں کو سکون ہو، فتح تو بہر صورت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہوگی مگر دلی اطمینان کیلئے یہ بھی کافی ہے کہ مسلمانوں کو فرشتوں کی تائید بھی حاصل ہے۔

جب انسان پورے عزم اور پختہ ارادے کیساتھ جان کی بازی لگا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد بھی شامل ہو جاتی ہے، مگر اُحد کے میدان میں مسلمانوں میں کچھ کمزوری آ گئی تھی، عبداللہ بن اُبی کیساتھ تین سو (۳۰۰) آدمیوں کا لشکر پہلے ہی علیحدہ ہو گیا، اس کے علاوہ مجاہدین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف درّے کو خالی چھوڑ دیا، بعض لوگوں کے دلوں میں وسوسے آئے جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا۔

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا: تا کہ ہلاک کر دے بعض کافروں کو، اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد کا نتیجہ بیان فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کی مدد اس لئے آئی تا کہ کافروں کے لشکر میں سے ایک گروہ کو ہلاک کر دے، چنانچہ ایسا ہی ہوا جنگ بدر میں ستر (۷۰) بڑے بڑے سردار مارے گئے جن میں ان کا سردار ابوجہل اور اُمیہ بھی شامل تھے۔

اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ: یا انہیں ذلیل کر دے تو محروم ہو کر پھر جائیں، چنانچہ ستر (۷۰) قتل ہوئے اور اتنی ہی تعداد میں قیدی بنا لئے گئے جو کہ مکہ کے مشرکوں کیلئے نہایت ہی ذلّت ورسوائی کی بات تھی، اُن قیدیوں کی رہائی کیلئے فدیہ دینا پڑا اور وہ ذلیل وخوار ہو کر رہ گئے، بڑے جوش وخروش کیساتھ مکے سے نکلے تھے کہ مسلمانوں کو تباہ وبرباد کر دیں گے مگر خود پس کر رہ گئے، مکے والے فتح کی خوشخبری سننے کیلئے انتظار کر رہے

تھے کہ انہیں ذلّت اور رسوا کن شکست کی خبر سنا پڑی۔

اللہ تعالیٰ کا اختیار

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ

نہیں لئے آپکے سے اختیار کچھ خواہ توجہ کرے پر ان خواہ عذاب کرے انہیں کہ وہ

ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ

ظالم ہیں (۱۲۸) اور لئے اللہ کے ہے جو کچھ میں ہے آسمانوں اور جو کچھ میں ہے زمین بخش دے جسے

ع ۹ ۱۳ ۴ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾

چاہے اور عذاب دے جسے چاہے اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے (۱۲۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ آپ کا اختیار میں کچھ نہیں اللہ تعالیٰ خواہ ان کی توبہ قبول کرے خواہ انہیں عذاب دے کہ وہ ظالم ہیں۔(۱۲۸) اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔(۱۲۹)

شانِ نزول

"صحیح بخاری" میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں جب دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے اور "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ. رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" کہہ دیتے تو کافروں کیلئے بددعا کرتے، کہ خدایا فلاں فلاں پر لعنت، کہ اسکے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، "مسند احمد" میں ان کافروں کے نام بھی لکھے ہیں، مثلاً: حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو، صفوان بن اُمیہ، اور اسی میں ہے کہ بالآخر ان کو ہدایت نصیب ہوئی اور یہ مسلمان ہوگئے، "صحیح بخاری" میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی پر بددعا کرنا چاہتے یا کسی کے حق میں نیک دعا کرنا چاہتے تو رکوع کے بعد جب "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ. رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" پڑھ کر دعا مانگتے، کبھی کہتے اے اللہ! ولید

بن ولید، سلمہ بن ہشام، عیاش ابن ابو ربیعہ، اور کمزور مسلمانوں کو کافروں سے نجات دے، اے اللہ! قبیلہ مضر پر اپنی پکڑ اور اپنا عذاب نازل فرما اور ان پر ایسا قحط بھیج دے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں آیا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ اُحد کے جنگ میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے چہرا زخمی ہوا، اور خون بہنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلا کہ" وہ قوم کیسے کامیاب ہوگی جنہوں نے اپنے پیغمبر کیساتھ یہ سلوک کیا" حالانکہ پیغمبر انہیں خدا کی طرف بلاتا ہے، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

آپ اس جنگ میں ایک گڑھے میں گر پڑے تھے اور خون بہت نکل گیا تھا، کچھ تو کمزوری کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ آپ ڈبل زِرہ پہنے ہوئے تھے اُٹھ نہ سکے، حضرت سالم رضی اللہ عنہ آپکے پاس پہنچے اور چہرے پر سے خون صاف کیا۔

تفسیر

اس آیت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ بندہ کو نہ کوئی اختیار ہے، نہ غیب کا علم ہے، اگر چہ کافر مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہے تھے، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے چاہے ان کو ہدایت دے چاہے ان کو عذاب دے، تمام زمین و آسمان کا اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے ایمان کی توفیق دیکر بخش دے اور جسے چاہے کفر کی سزا میں پکڑے، لیکن اللہ تعالیٰ کسی کو تکلیف میں ڈالنا اور سزا دینا نہیں چاہتا جب تک کوئی بدعملی اور نافرمانی کی آخری حد کو نہ پہنچ جائے۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ: آپ کو اللہ تعالیٰ کے حکم میں اختیار نہیں ہے، کسی کو ایمان کی توفیق عطاء کر دے یا کسی کا کفر پر خاتمہ کر کے عذاب دے، یہ سب اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، آپ کا اس میں کوئی دخل نہیں، آپ کا کام دعوت دینا، جہاد کرنا اور صبر کرنا ہے، کسی کو ہدایت پر لانا آپ کا کام نہیں ہے، کسی کی کامیابی اور ناکامی، کسی کی فتح اور کسی کی شکست سب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ: خواہ ان کی توبہ قبول کرے خواہ انہیں عذاب دے کہ وہ ظالم ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ اِن میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں جو آگے چل کر ایمان لے آئینگے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انکے خلاف بددعا کرنے سے یہ کہہ کر روک دیا کہ آپ کو اس معاملے میں کوئی دخل نہیں، چنانچہ بعد میں یہ لوگ ایمان لے آئے، ابوسفیان رضی اللہ عنہ، عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابوجہل، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، صفوان رضی اللہ عنہ بن امیہ، عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ شامل تھے، یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت میں ہے کہ کس کی توبہ قبول کر لی جائے اور کون ہے جس کو عذاب دیا جائے، چنانچہ بہت لوگوں کو ایمان کی توفیق نصیب نہیں ہوئی اور وہ سزا کے حق دار ٹھہرے۔

گویا اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو آپ تنگ دل ہو کر ان کیلئے بددعا نہ کریں، اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا اور مہربان ہے، وہ جس کو چاہے گا توبہ کی توفیق دیکر اس کے لئے بخشش کے دروازے کھول دیگا۔

سود سے منع

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَ

اے | لوگو! جو | ایمان لائے | نہ | کھاؤ | سود | دونے پر | دونا | اور

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور | ڈرتے رہو | اللہ سے | تاکہ تمہارا | بھلا ہو | (۱۳۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے ایمان والو! سود نہ کھاؤ دونے پر دونا (چند در چند) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔ (۱۳۰)

تفسیر

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا: اے ایمان والو! سود نہ کھاؤ، مراد اس سے سود کا لینا دینا ہے یعنی: اے ایمان والو! سود کا لین دین نہ کرو، جس طرح کسی چیز کا کھانا حرام ہے اُسی طرح اُسکا پہننا بھی حرام ہوگا، یہ نہیں ہوسکتا کہ سود کی رقم سے خرید ہوا غلّہ تو حرام ہو مگر اُسی رقم سے لیا گیا کپڑا حلال ہو، سود خواہ کسی بھی شکل وصورت میں ہو حرام ہی ہوگا، لہٰذا "لَا تَاْكُلُوْا" سے مراد صرف کھانا ہی حرام نہیں ہوگا بلکہ سود کا استعمال ہر صورت میں حرام ہوگا۔

اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً: سود مرکب اس کو کہتے ہیں کہ سود پر قرضہ دینے والا شخص سال کے آخر میں حساب کرتا ہے، مثلاً: ایک لاکھ (۱۰۰۰۰۰) روپے قرضہ دینے پر بیس ہزار (۲۰۰۰۰) روپے سود لگایا، اگر مقروض نے ادائیگی کردی تو ٹھیک ہے ورنہ وہ سود والے بیس ہزار (۲۰۰۰۰) کو ایک لاکھ (۱۰۰۰۰۰) ساتھ ملا کر یہ کہتا ہے کہ آئندہ کیلئے میرا اصل قرض ایک لاکھ (۱۰۰۰۰۰) نہیں بلکہ ایک لاکھ بیس ہزار (۱۲۰۰۰۰) ہوگا اب آپ جو سود دو گے وہ ایک لاکھ بیس ہزار (۱۲۰۰۰۰) پر دو گے۔

پھر اسی طرح اگلے سال حساب کر کے پچیس ہزار (۲۵۰۰۰) روپے سود لگایا اگر مقروض ایک لاکھ پینتالیس ہزار ادا کرتا ہے تو ٹھیک ورنہ قرضہ دینے والا کہتا کہ آئندہ میرا اصل قرضہ ایک لاکھ پینتالیس ہزار روپے ہوگا، اور آپ کو اس کے مطابق سود ادا کرنا ہوگا،

پھر مثلاً تیسرے سال تیس ہزار (۳۰۰۰۰) روپے سود لگایا تو اب اگر مقروض آدمی ایک لاکھ پچھتر ہزار (۱۷۵۰۰۰) ادا کردیتا ہے تو ٹھیک ورنہ قرضہ دینے والا اس کو کہتا ہے کہ آئندہ میرا اصل قرضہ پونے دو لاکھ (۱۷۵۰۰۰) ہوگا اور پھر اس پر وہ سود لگاتا رہتا، اور پھر یہ معاملہ اسی طرح چلتا رہتا، یہاں تک کہ مقروض کو اپنا قرض اتارنے کیلئے اپنی زمین، جائیداد اور مکان تک فروخت کرنا پڑتا ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ: اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تمہارا بھلا ہو، سود خوری سے انسان کا اخلاق

خراب ہوتا ہے چنانچہ "مستدرک حاکم" کی روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس قوم میں زِنا اور سودخوری جیسی بیماریاں پیدا ہو جائیں اس قوم پر خدا کا غضب نازل ہوگا کیونکہ یہ اخلاقی بیماریاں خدا کے غضب کو دعوت دیتی رہتی ہیں۔

سودخوروں کی سزا

وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۟ۚ﴿۱۳۱﴾ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ

اور بچو آگ سے وہ جو تیار کی گئی لئے کافروں کے (۱۳۱) اور فرمانبرداری کرو اللہ کی اور

الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۟ۚ﴿۱۳۲﴾ وَ سَارِعُوْۤا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ

پیغمبری کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے (۱۳۲) اور دوڑو طرف بخشش کے سے

رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ۟ۙ﴿۱۳۳﴾

رب اپنے اور جنت جوڑائی کی اسکی آسمانوں اور زمین جتنی ہے تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کیلئے (۱۳۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے واسطے تیار کی گئی ہے۔ (۱۳۱) اور اللہ کا اور پیغمبر کا حکم مانو تاکہ تم پر رحم کی جائے۔ (۱۳۲) اور اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف دوڑو جسکا عرض (یعنی چوڑائی) آسمانوں اور زمین جتنی ہے اور پرہیزگاروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ (۱۳۳)

تفسیر

سود کھانے سے منع کرنے کے بعد سود کھانے والوں کی سزا بیان کی گئی ہے کہ اسکا آخری ٹھکانہ دوزخ ہوگا جو حقیقت میں کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ: اور اللہ کی اور اسکے پیغمبر کی فرمانبرداری کرو، پیغمبر کا حکم ماننا بھی اصل میں

خدا ہی کا حکم ماننا ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ: پیغمبر کا حکم مانو اور اسکی پوری پوری اطاعت کرو، جنگ اُحد میں بعض مسلمانوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی اور اس سے ان کی فتح خطرے میں پڑگئی، اس لئے تنبیہ کی جاتی ہے کہ آئندہ ایسی غلطی اور کوتاہی نہ کرنا، اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت سے ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوگی اور کامیابی کے دروازے کھل جائیں گے۔

تیسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ ان نیک **عملوں** اور اچھے اخلاق کی طرف دوڑو جنکا حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیتے ہیں اور جس کے سبب تم اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور جنت کے حقدار بن جاؤ گے، اگر تم تقویٰ اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کرو گے اور اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھو گے تو اس دنیا سے جانے کے بعد تمہارا آخری ٹھکانہ جنت ہوگا، جنت اتنی کشادہ ہے جتنا آسمان اور زمین، انسان کے ذہن میں آسمان اور زمین کی کشادگی سے زیادہ کشادگی نہیں آسکتی اس لئے جنت کی کشادگی سمجھانے کیلئے جنت کو اس سے تشبیہ دی گئی ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ربّ العزت کی جنت آسمانوں اور زمین سے کہیں زیادہ کشادہ ہے۔

سود خور اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار انسانوں کے انجام میں فرق ظاہر کردیا گیا ہے کہ ایک دنیا میں بھی ذلیل وخوار ہوتا ہے اور آخرت میں بھی دوزخ کی آگ میں جلتا ہے، دوسرا دنیا میں بھی عزت کی زندگی بسر کرتا ہے اور آخرت میں بھی جنت کا حقدار ہوگا۔

نیکی میں جلدی

نیکی میں جلدی کرنے کے متعلق "ترمذی شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ: سات (۷) چیزیں پیش آنے سے پہلے پہلے نیک عمل کرلو، ورنہ پھر موقع نہیں ملے گا، فرمایا: وہ سات چیزیں یہ ہیں:

(۱)....ایسی دولت مندی آنے سے پہلے جو انسان کو سرکشی میں ڈال دے۔

(۲)....ایسا فقر جو سب کچھ بھلا دے۔

(۳)....یا ایسی بیماری آنے سے پہلے جو صحت کو برباد کردے۔

(۴)....یا ایسا بڑھاپا آنے سے پہلے جو عقل و سمجھ کو ختم کر دے۔

(۵)....یا موت کے آنے سے پہلے جو خاتمہ ہی کرے۔

(۶)....یا دجّال کے آنے سے پہلے۔

(۷)....یا پھر قیامت کے آنے سے پہلے۔

پرہیزگاروں کی خوبیاں

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ

وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں میں خوشی اور تکلیف اور دبا لیتے ہیں غصہ کو اور

الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَ الَّذِيْنَ

معاف کرتے ہیں سے لوگوں اور اللہ پسند کرتا ہے نیکی کرنے والوں کو (۱۳۴) اور وہ لوگ

اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا

جب کریں کھلا گناہ یا ظلم کریں جانوں اپنی پر یاد کریں اللہ کو بخشش مانگیں

لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَ مَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۟ وَ لَمْ يُصِرُّوْا

واسطے گناہوں اپنے کے اور سے بخشے گناہوں کو سوائے اللہ کے اور نہیں اڑتے

عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

پر جو وہ کریں اور وہ جانتے ہیں (۱۳۵)

با محاورہ ترجمہ:۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خوشی اور تکلیف میں خرچ کئے جاتے ہیں اور غصہ دبا لیتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (۱۳۴) اور وہ لوگ جب کچھ کھلا گناہ کر بیٹھیں یا اپنی جانوں پر ظلم کرے تو اللہ کو یاد کریں اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا گناہ

بخشنے والا کون ہے؟ اور وہ اپنے کئے پر اڑتے نہیں اور وہ جانتے ہیں۔ (۱۳۵)

تفسیر

یہاں پر یہ دو باتیں بیان ہوئی ہیں ایک تو یہ کہ وہ انتقام لیتے نہیں، اور دوسرا یہ کہ وہ غصہ کو پی جاتے ہیں اور یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے خلاف ہے، اس کے بارے میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ انتقام لینے والی بات کافروں اور نافرمانوں کے بارے میں ہے، جب وہ کوئی غلط کام کرتے ہیں تو مسلمان بھی انتقام لینے کا حق محفوظ رکھتے ہیں، "سورۃ مائدہ" میں بھی آچکا ہے، مسلمان کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں، جبکہ مومنوں کیلئے نرم دل ہیں۔ اور غصہ کو پی جانے والی بات ایمان والوں کے ساتھ ہے کہ وہ ایمان والوں سے انتقام نہیں لیتے بلکہ درگزر سے کام لیتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ: جو خوشی اور تکلیف میں خرچ کیے جاتے ہیں، یہاں پرہیزگاروں کی پہلی خوبی بیان کی گئی ہے کہ وہ رنج وراحت اور امیری غریبی دونوں صورتوں میں خرچ کرتے ہیں، یعنی: اپنی حیثیت کے مطابق ہر صورت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم دوزخ کی آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ اگرچہ آدھی کھجور ہی ہو اور سائل کو خالی واپس نہ کرو اور کچھ بھی نہ ہو تو بکری کے پاؤں کی کھری ہی دیدو۔ (مسلم)

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو صدقہ دینے کی ترغیب دی، تو جن کے پاس سونا چاندی تھا انہوں نے وہ صدقہ میں دیدیا، ایک شخص کھجور کے چھلکے لایا کہ میرے پاس اور کچھ نہیں، وہ ہی صدقہ کردیئے گئے۔

وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ: اور غصّہ کو دبا لیتے ہیں، ناراضگی میں غصّہ کا آجانا ایک فطری بات ہے، لیکن نیک لوگ غصّہ کو پی جاتے ہیں، اور غصّہ سے بے قابو ہو کر ناخوشگوار باتیں نہیں کرتے۔

وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ: اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں، درگزر کرنا، یعنی: کسی کی غلطی اور کوتاہی کو نظر

انداز کر دینا یہ نیک انسان کی خوبیوں میں سے بہت بڑی خوبی ہے، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کو جنت میں اونچے محل ملیں اور اس کے درجے بلند ہوں اس کو چاہئے کہ جس نے اس پر ظلم کیا ہو اس کو معاف کردے اور جس نے اس کو کبھی کچھ نہ دیا ہو وہ اس کو دے، اور جس نے اس سے تعلق تھوڑا اس سے جڑے۔ (ترمذی)

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً: اور وہ لوگ جو کوئی فحش بات کر گزرتے ہیں یا انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، یعنی: کوئی بڑا گناہ کیا ہو تو اس کے بعد وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں، یاد کرنے کا مطلب اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنا اور اس سے ڈر کر وہ اپنے کئے پر شرمندہ ہو اور بخشش مانگے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تم میں سے ہر شخص خطا کار، یعنی: گناہگار ہے، کیونکہ کوئی نہ کوئی گناہ تو ہوتا ہی رہتا ہے، مگر فرمایا: اچھے خطاء کار وہ ہیں جو خطاء کے بعد توبہ کر لیتے ہیں، توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ گناہوں سے پاک کر دیتے ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں، اچھے انسان کی یہی خوبی ہے کہ وہ گناہ پر اڑے نہ رہے بلکہ معافی مانگ کر اللہ تعالیٰ کو راضی کرے، اسی میں اس کی کامیابی ہے۔

وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا: اور وہ اپنے کئے پر اڑتے نہیں، اپنی غلطی پر اڑنے سے یہ خرابی پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کی اصلاح ممکن نہیں رہتی، اسی لئے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اگر انسان معافی مانگ لے تو پھر کبیرہ گناہ بھی معاف ہو جاتا ہے، اور اگر معافی نہ مانگے اور گناہ نہ چھوڑے تو پھر چھوٹے گناہ بھی پہاڑ بن جاتے ہیں، اس لئے گناہ پر اڑنا نہیں کرنا چاہئے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہنا چاہئے۔

پرہیزگاروں کا بدلہ

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ

یہی لوگ بدلہ ان کا بخشش ہے سے رب انکے اور باغ نہیں بہتی ہیں سے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿١٣٦﴾

نیچے انکے نہریں ہمیشہ رہینگے میں اس اور اچھا ہے بدلہ کام کرنیوالوں کا (۱۳۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پرہیزگاروں کا بدلہ ان کے ربّ کی طرف سے بخشش ہے اور باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور کیا ہی اچھا بدلہ ہے نیک کام کرنے والوں کا۔(۱۳۶)

تفسیر

وہ لوگ جن میں خدا خوفی، نیکوکاری اور پرہیزگاری کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کو پرہیزگار کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کیلئے بڑے عمدہ اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ اُن لوگوں کیلئے اُن کے ربّ کی طرف سے مغفرت ہے، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی خطاؤں کو بخش دینا چاہتے ہیں، ان سے درگزر فرماتا ہے اور اپنے کرم سے نوازتا ہے۔

وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ: نیک عمل کرنے والوں کیلئے خوب اجر ہے، نیک عمل بہت بڑی چیز ہے، ایمان اور عقیدے کی درستگی کے بعد کامیابی کا دارومدار عمل پر ہے، ہر ایک کو بدلہ اس کے عمل کے مطابق ملے گا، لہٰذا نیک عمل کرنے والے عزت کے مقام میں پہنچیں گے، خدا تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور معافی ملے گی اور وہ ہمیشہ کیلئے عزت کی زندگی بسر کریں گے، یہ اُن کی ہمیشہ زندگی ہوگی اور اُس کی نعمتیں بھی ہمیشہ کی ہوں گی۔

آخرت میں اُن کیلئے ہمیشگی کے باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جنت اور اسکی ابدی نعمتیں ان ہی لوگوں کو حاصل ہوں گی، نیک عمل کرنے والوں کیلئے اُن کے ربّ کی طرف سے کتنا اچھا اجر ہے۔

پرہیزگاروں کیلئے عبرت

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ

بیشک　گزرچکے　سے　پہلے تم　واقعات　پس چلو پھرو　میں　زمین　اور دیکھو　کیسا

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ

ہوا　انجام　جھٹلانے والوں کا(۱۳۷)　یہ　بیان ہے　لئے لوگوں کے　اور　ہدایت　اور

مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٣٨﴾

نصیحت لئے پرہیزگاروں کے (۱۳۸)

با محاورہ ترجمہ:۔ تم سے پہلے بہت سے واقعات گذر چکے ہیں چلو زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔ (۱۳۷) یہ بیان ہے لوگوں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کیلئے۔ (۱۳۸)

تفسیر

ان آیتوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے پہلے بہت سی قومیں گزر چکی ہیں، بڑے بڑے واقعات پیش آچکے ہیں، گذری ہوئی اُمتوں میں سے جن لوگوں نے پیغمبروں سے دشمنی اور حق کو جھٹلایا، بدکاری اور زیادتی کرتے رہے، اُن کا کیسا برا انجام ہوا؟ کوئی پانی میں غرق ہوئے، کچھ آگ میں جل گئے، بعض کو آندھی نے آگھیرا اور بعض پر پتھروں کی بارش ہوئی، یہ سب واقعات عبرت کیلئے ہیں، جو زمین میں سفر کرنے سے ملیں گے۔

جن لوگوں نے حق کا ساتھ دیا، پیغمبروں کا کہنا مانا، ان پر کیسی کیسی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوئیں؟ اگر تم لوگوں کو اس میں کسی قسم کا شک وشبہ ہو تو زمین میں چل پھر کر انکار کرنے والوں کا انجام دیکھ لو جو آج بھی ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں۔

قرآن مجید میں یہ باتیں بیان کی جارہی ہیں جن کو سن کر اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہدایت اور نصیحت حاصل کرتے ہیں لیکن جن کے دل میں خدا کا خوف نہ ہو انہیں ایسی نصیحتوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

مسلمانوں کا غلبہ

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾

اور نہ سست ہو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر ہو تم ایمان والے (۱۳۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور سست نہ ہو اور غم نہ کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان والے ہو۔(۱۳۹)

لفظی تحقیق: لَا تَهِنُوْا: سست نہ ہو، "وَهَن" اسکا مادہ ہے، جسکے معنٰی سستی اور کم ہمتی کے ہیں، مقصد یہ ہے کہ دل نہ تھوڑو، اور ہمت نہ ہارو۔ اَلْاَعْلَوْنَ: اعلیٰ کی جمع ہے۔ غالب، علوا سکا مادہ ہے، عالی، اعلیٰ، علیا وغیرہ الفاظ اسی سے نکلے ہیں۔

تفسیر

اس آیت سے ایک نہایت عقلمندی بات نکلتی ہے، دین کے دشمنوں پر غلبہ پانے کیلئے سب سے ضروری شرط ایمان ہے، خواہ مسلمانوں کی تعداد کم ہو، جنگی سامان تھوڑا ہی ہو، تب بھی وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے کافروں پر غالب آ سکتے ہیں بشرطیکہ اللہ تعالیٰ پر انکا ایمان مضبوط ہو، پھر فتح خود بخود چلی آتی ہے، مومن و کافر میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ مومن کو سب سے زیادہ عزیز شئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول کی محبت ہے، وہ ہر شئے قربان کر کے اللہ تعالیٰ کے دین کو سربلند کرنے کیلئے جہاد کرتا ہے اس کے برعکس کافر کو ہر چیز سے زیادہ اپنی جان عزیز ہوتی ہے، اُسے جہاں جان کا خوف پیدا ہوا وہ بھاگ نکلا لیکن ایک مومن جان کی بازی لگا کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں سر کٹاتا ہے پیٹھ نہیں دکھاتا، لہٰذا اس کے آگے کوئی طاقت نہیں ٹھہر سکتی۔

کبھی فتح کبھی شکست

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَ تِلْكَ

اگر پہنچے تمہیں کوئی زخم تو بیشک پہنچ چکا ہے قوم کو زخم مثل اس کے اور یہ

الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

دن ہیں باری باری بدلتے رہتے ہیں درمیان لوگوں کے اور اسلئے کہ معلوم کرے اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے

وَ یَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَ

اور بنائے میں سے تم شہید اور اللہ نہیں پسند کرتا ظالموں کو (۱۴۰) اور

لِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ یَمْحَقَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۴۱﴾

اس واسطے کہ پاک کرے اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور مٹا دے کافروں (۱۴۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اگر تمہیں زخم پہنچا تو انہیں بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے اور یہ دن باری باری لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں، اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ معلوم کرے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور بنائے تم سے شہید اور اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (۱۴۰) اور اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پاک وصاف کرے اور کافروں کو مٹا دے۔ (۱۴۱)

تفسیر

اُحد کی جنگ میں مسلمانوں کو جو شدید نقصان اٹھانا پڑا تھا اُس سے مسلمان سخت پریشان تھے، پھر اُنہیں منافقوں اور دشمنوں کے طعنوں سے مزید اذیت پہنچی تھی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تسلی دی کہ اگر لڑائی میں تمہیں زخم پہنچا ہے یا تمہیں تکلیف اٹھانی پڑی ہے تو کوئی غم کی بات نہیں، اس طرح کے زخم کافروں کو بھی پیش آ چکے ہیں، اس میں شک نہیں کہ اُحد میں تمہارے پچھتر (۷۵) آدمی شہید اور بہت سے زخمی ہوئے، لیکن ایک سال پہلے بدر کی جنگ میں کافروں کے ستر (۷۰) بڑے بڑے سردار قتل اور زخمی ہوئے، اس کے علاوہ خود اُحد کی لڑائی میں پہلے پہل ان کے بہت سے آدمی قتل اور زخمی ہو گئے تھے۔

یہ بات ضرور درست ہے کہ ہم سختی و نرمی یا دُکھ سُکھ و تکلیف و راحت کے دنوں کو لوگوں میں ادل بدل کرتے رہتے ہیں جس میں بہت سی حکمتیں ہیں، پھر جب کافروں نے دُکھ اٹھا کر کافروں کی حمایت نہیں چھوڑی تو ایمان والے حق کی حمایت میں کیونکر ہمت ہار سکتے ہیں۔

اس آیت سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اگر مسلمانوں کو کچھ دن کیلئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دُکھ اور تکلیف برداشت کرنی پڑیں تو پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ مصیبت عارضی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ دُکھ اور سُکھ کے دن افراد و قوم میں بدلتا رہتا ہے۔

یہ تو اس لئے کہ وہ دیکھ لے کہ سچے ایماندار کون ہیں اور منافق کون ہیں، مومن تکلیف اور مصیبت کے دنوں میں بھی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے، اور ایمان و یقین پر ثابت قدم رہتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتا رہتا ہے، اس کے برعکس کافر اور منافق دکھ اور تکلیف کے دنوں میں سخت پریشان ہو جاتے ہیں، وہ جان بچانے کی خاطر اور ذاتی فائدے حاصل کرنے کیلئے باطل کی حمایت میں تیز تر ہو جاتے ہیں۔

یاد رکھو! اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتے، ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ اُحد کی جنگ میں مشرکوں کو جو عارضی کامیابی ملی، اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے محبت کرتا ہے، ہرگز ایسا نہیں ہے، مسلمانوں پر عارضی مصیبت اور تکلیف کا دور آنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پاک صاف کرے اور کافروں کو تباہ و برباد کردے، فتح اور شکست ایک ادلتی بدلتی ہوئی چیز ہے، مسلمانوں کو شہادت کا مقام عطاء فرمانا تھا، مومن اور منافق کو پرکھنا، مسلمانوں کو گناہوں سے پاک کرنا اور کافروں کو آہستہ آہستہ مٹا دینا مقصود تھا۔

جنّت کے داخلہ کی شرط

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا

کیا خیال کیا تم نے کہ داخل ہو جاؤ گے میں جنت حالانکہ نہیں جانا اللہ وہ لوگ جو لڑنے والے ہیں

مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ

میں سے تم اور تاکہ جان لے ثابت رہنے والے (۱۴۲) اور بیشک تھے تم تمنا کرتے موت کی سے

قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع ۱۴ ۱۴ ۵

پہلے کہ ملو اس سے پس بیشک دیکھ لیا تم نے اسے حالانکہ تھے تم دیکھ رہے تھے (۱۴۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کیا تم نے یہ خیال کیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے ہیں اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں۔ (۱۴۲) اور تم تو خود موت (لڑائی) کا سامنے کرنے سے (شہادت کی) موت کی تمنا کیا کرتے تھے، چنانچہ اب تم نے کبھی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ (۱۴۳)

تفسیر

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جنت کے بلند درجوں پر پہنچانا چاہتے ہیں کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ بس یونہی وہاں جا پہنچو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان لیکر یہ نہ دیکھے گا کہ تم میں کتنے اس کی راہ میں لڑنے والے اور ثابت قدم رہنے والے ہیں، یاد رکھو! بلند درجوں پر صرف وہ لوگ پہنچائے جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر طرح کی سختیاں برداشت کرنے اور قربانیاں پیش کرنے کیلئے تیار ہوں۔

بدر کی جنگ میں جو صحابۂ کرام شریک نہیں ہو سکے تھے، وہ یہ تمنا کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ پھر کوئی موقعہ لائے کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت کا مرتبہ حاصل کریں، اس آیت میں فرمایا گیا کہ: جس چیز کی تم پہلے تمنا رکھتے تھے وہ تمہارے سامنے آ چکی ہے، یعنی: تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت کے شوق سے لڑنا چاہتے تھے، اس وقت کافر تمہارے سامنے ہیں اب آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے پلٹنا کیسا؟ تمہیں تو چاہئے کہ دل کے ارمان پورے کرو۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ دشمن کے مقابلہ کی کبھی تمنا نہ کرو، البتہ جب یہ موقع آجائے کہ دشمن مقابلہ پر ہو تو پھر ڈٹ کر مقابلہ کرو۔

ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ بھلائی کا انجام حاصل کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں سختیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں، امتحان یہ بتا دیتا ہے کہ کون شخص اس جنت کا اہل ہے، کون اُس کو وارث بننے کا حق رکھتا ہے، چنانچہ جنت حاصل کرنے کیلئے مسلمانوں کو طرح طرح مصیبتیں برداشت کرنا پڑیں گی، لہٰذا ہمت ہارنے کے بجائے ثابت

قدمی دکھانی چاہئے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا تعالیٰ کے پیغمبر ہیں، خدا نہیں

وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ
اور نہیں محمد مگر پیغمبر بیشک گزر چکے سے اس سے پہلے پیغمبر پھر کیا اگر

مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى
وہ وفات پاگئے یا قتل کردیے گئے تم پھر جاؤ گے پر ایڑیوں اپنی اور جو پھر جائے پر

عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْــًٔا ؕ وَ سَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾
ایڑیوں اپنی ہرگز نہ بگاڑیگا اللہ کا کچھ اور عنقریب بدلہ دیگا اللہ شکر گزاروں کا (۱۴۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور محمد تو ایک پیغمبر ہیں ان سے پہلے بہت سے پیغمبر گزر چکے، پھر کیا اگر وہ وفات پاگئے یا قتل کردیے گئے تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے (مرتد ہوجاؤ گے)؟ اور جو اُلٹے پاؤں پھر جائے (مرتد ہوجائے) وہ ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا اور اللہ تعالیٰ جلد شکر گزاروں کو جزاء دیگا۔ (۱۴۴)

تفسیر

مشرکوں کے ایک لشکر کی کمان خالد بن ولید کے ہاتھ میں تھی، پلٹ کر درّہ کی طرف سے حملہ آور ہوئے، مٹھی بھر دس تیرانداز ڈھائی سو سواروں کو تو نہ روک سکے تاہم عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں نے لڑتے لڑتے وہیں جان دیدی، اب مسلمان دونوں طرف سے گھر گئے اور اس زور کا مقابلہ کیا کہ اللہ کی پناہ، بہت سے مسلمان شہید اور زخمی ہوئے، اسی دوران میں ایک مشرک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر پھینکا جس سے آپ کا ایک دانت شہید ہوگیا اور چہرہ مبارک زخمی ہوگیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخم کی شدت سے زمین پر گر پڑے اور کسی نے یہ افواہ

اڑا دی کہ آپ ﷺ قتل کر دیئے گئے ہیں۔

یہ سنتے ہی مسلمانوں کے حواس اڑ گئے اور اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے، بعض مسلمانوں نے یہ کہہ کر ہتھیار گرا دیئے کہ اب لڑنے کا فائدہ نہیں، بعض کو خیال ہوا کہ مشرکوں کے سردار سے امن حاصل کرلیں، منافق کہنے لگے کہ جب محمد قتل کر دیئے گئے ہیں تو اسلام چھوڑ کر اپنا پرانا مذہب اختیار کر لینا چاہئے۔

اس نازک گھڑی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ ابن النضر نے کہا کہ اگر محمد ﷺ مارے گئے تو کیا ہوا ان کا رب تو زندہ ہے، بعض نے کہا کہ حضور ﷺ کے بعد ہم لوگوں کا زندہ رہنا کس کام کا ہے، جس چیز پر آپ ﷺ قتل ہوئے ہم بھی اُسی پر کٹ مریں گے، یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے اور شہید ہو گئے، اسی دوران میں حضور ﷺ نے آواز دی اللہ کے بندو اِدھر آؤ، آواز کا سننا تھا کہ مسلمان حضور ﷺ کے پاس جمع ہونا شروع ہو گئے، تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے قریب ہو کر آپ کی حفاظت کی اور مشرکوں کی فوج کو بھگا دیا۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی، محمد پیغمبر کے سوا کچھ نہیں، ان سے پہلے بہت سے پیغمبر گزر چکے ہیں، ہمیشہ پیغمبروں کے بعد ان کے پیروی کرنے والوں نے دین کو سنبھالا، اس لئے آپ کا بھی اس دنیا سے گزر جانا کوئی تعجب کی بات نہیں اگر آپ وفات پا گئے یا شہید کر دیئے گئے تو کیا تم دین کی خدمت اور حفاظت کے راستہ سے اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے، یاد رکھو! جس کسی نے ایسا کیا وہ اپنا ہی نقصان کریگا، خدا کا کچھ نہیں بگاڑے گا، تمہیں چاہئے کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں اپنی دین کی خدمت میں لگا رکھا ہے۔

وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ: شکر گزاری یہ ہے کہ انسان ایمان، توحید، اطاعت اور فرمانبرداری کے کاموں پر ثابت قدم رہے، یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے، سب سے پہلی ثابت قدمی حضور ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوئی، جو براہِ راست حضور ﷺ کے تربیت یافتہ تھے، جو تھوڑی بہت خامیاں تھیں وہ بھی دور ہو گئیں، اُن کی غلطیاں معاف ہو گئیں اور وہ لوگ مجموعی طور پر شکر گزار بن گئے، یہی لوگ ایمان کی دولت کے محافظ تھے، ایمان ہی ان کی سب سے قیمتی چیز تھی جسے اُنہوں نے آئندہ نسلوں کو منتقل کیا۔

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غنیمت کا مال جمع کرنے کی فکر میں درّے کو چھوڑ بیٹھنے

میں ان سے غلطی ہوئی، یاد رہے کہ! حقیقت کے اعتبار سے غنیمت کا مال اکٹھا کرنا بھی محض دنیاوی کام نہیں جو ناپسندیدہ ہو، بلکہ غنیمت کا مال اکٹھا کر کے محفوظ کرنا بھی جہاد کا حصہ اور عبادت ہے، ان حضراتِ صحابہ کا اس میں شریک ہونا صرف دنیا کی لالچ کی وجہ سے نہ تھا، کیونکہ شرعی ضابطہ سے اگر وہ اس مال کے جمع کرنے میں شریک نہ ہوتے جب بھی اُن کو اس مال میں حصہ ملتا جواب ملا، اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان حضرات نے دنیاوی لالچ کیلئے اپنے مقام کو چھوڑا۔

دنیا اور آخرت میں بدلہ

وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَ

اور نہیں ہے کسی کیلئے کہ وہ مرے مگر ساتھ حکم اللہ کے لکھا ہوا ہے ایک مقررہ وقت اور

مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَ مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ

جوکوئی چاہیگا بدلہ دنیا کا ہم دینگے اسے میں سے اس اور جوکوئی چاہیگا بدلہ آخرت

نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَ سَنَجْزِی الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۴۵﴾

ہم دینگے اسے میں سے اس اور عنقریب ہم بدلہ دینگے شکر گزاروں کو (۱۴۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کوئی اللہ کے حکم کے بغیر مر نہیں سکتا ایک مقررہ وقت لکھا ہوا ہے، جوکوئی دنیا کا بدلہ چاہے گا اسے ہم دنیا ہی سے دیں گے اور جوکوئی آخرت کا بدلہ چاہے گا ہم اسے آخرت ہی سے دیں گے اور جلد ہی شکر گزاروں کو بدلہ دیں گے۔ (۱۴۵)

تفسیر

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی نہیں مر سکتا، خواہ موت کے کتنے ہی سبب جمع

ہو جائیں، نیز: یہ کہ ہر ایک کی موت مقررہ وقت پر آتی ہے، جب بات یہ ہے تو خدا پر توکل کرنے والوں کو اس سے گھبرانا نہیں چاہئے اور نہ کسی چھوٹے یا بڑے کی موت کا سنکر مایوس اور بددل ہو کر بیٹھ جانا چاہئے۔

جو شخص اپنا بدلہ اس دنیا میں لینا چاہیگا اسے ہم دنیا ہی میں دیں گے، جس کا عمل صرف دنیا کیلئے ہو تو اس میں سے جتنا اس کے مقدر میں ہوتا ہے مل جاتا ہے، لیکن آخرت میں وہ خالی ہاتھ رہ جاتا ہے، اور جس کا عمل صرف آخرت کیلئے ہو تو اسے آخرت تو ملتی ہی ہے دنیا میں بھی اپنا مقدر پالیتا ہے، جیسے دوسری جگہ فرمایا: آخرت کی کھیتی چاہنے والوں کو ہم زیادتی کے ساتھ دیتے ہیں اور دنیا کی کھیتی چاہنے والے کو ہم دنیا دیدیں گے، لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا، ایک اور آیت میں کہ جو شخص صرف دنیا ہی چاہتا ہو ہم ان میں سے جسے چاہے جس قدر چاہیں دنیا دیتے ہیں پھر وہ دوزخی بن جاتا ہے اور ذلت و رسوائی کے ساتھ اس میں جاتا ہے جو آخرت کا چاہنے والا ہو اور اس کے لئے کوشش کرنے والا اور ایمان والا بھی ہو ان کی کوشش اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہے، اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ ہم شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دیتے ہیں۔

پیغمبر اور اُن کے ساتھی

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ

اور بہت سے پیغمبر لڑے ساتھ ان کے رب والے بہت سارے پر نہ اور سست ہوئے بوجہ اس تکلیف کے

اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ مَا ضَعُفُوْا وَ مَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَ اللّٰهُ

جو پہنچی انہیں میں راستہ اللہ کے اور نہ کمزور ہوئے اور نہ دب گئے اور اللہ

يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

پسند کرتا ہے صبر کرنے والوں کو (۱۴۶)

با محاورہ ترجمہ:۔ اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کیساتھ ہو کر بہت سے اللہ والے (اللہ کے دشمنوں سے)

لڑے ہیں، اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیف پہنچنے سے وہ سست نہیں ہوئے اور نہ وہ کمزور ہوئے اور نہ دب گئے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (۱۴۶)

لفظی تحقیق: رِبِّیُّوْنَ: رِبِّیٌّ۔ کی جمع ہے، جسکا معنی رب والا۔

تفسیر

پہلی دو آیتوں سے یہ مضمون شروع ہے کہ نبی اور رسول دنیا میں آئے اور چلے گئے، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مقررہ عرصہ کیلئے آئے ہیں، اور چلے گئے، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چلے جانے سے دین کے معاملہ میں سستی اور کمزوری دکھانا عقل و دانش کے خلاف ہوگا، دین اللہ تعالیٰ کا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ رہنے والے ہے، اسکو کوئی فناء نہیں۔

اس سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے اس آیت میں دوسرے پیغمبروں اور اُن کے نیک دل ساتھیوں کا ذکر فرمایا ہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت ان سے سبق حاصل کرے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ: اکثر ایسا ہوا ہے کہ اللہ والے لوگ پیغمبروں کیساتھ ہوکر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے لڑے، جنگ میں اچھے برے ہر طرح کے حالات آتے ہیں، کبھی ہار ہوتی ہے کبھی جیت ہوتی ہے، لیکن ان لوگوں کے پاؤں کبھی نہ ڈگمگائے، ان کی ہمت و طاقت نے کبھی جواب نہ دیا، انہیں ہزار تکلیفیں پہنچیں لیکن نہ تو وہ سست پڑے، نہ کمزوری دکھائی اور نہ دشمنوں کے مقابلہ میں دبے، ایسے ہی ثابت قدم لوگوں کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے، مسلمانوں کو پروردگار کا محبوب بننے کیلئے اپنے اندر یہی صفات پیدا کرنی ہوں گی۔

اللہ والوں کی دعا

وَ مَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ

اور نہ تھا قول انکا مگر یہی کہ کہا انہوں نے اے رب ہمارے بخش دے ہمیں گناہ ہمارے اور

اِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ

زیادتیاں ہماری میں معاملوں ہمارے اور ثابت رکھ قدم ہمارے اور مدد کر ہماری پر قوم

الْكٰفِرِیْنَ۝۱۴۷ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْیَا وَ حُسْنَ ثَوَابِ

کافروں کے (۱۴۷) پھر دیا انہیں اللہ نے ثواب دنیا کا اور اچھا ثواب

۱۵ ع ۵ ۲ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۝۱۴۸

آخرت کا اور اللہ محبت کرتا ہے احسان کرنے والوں سے (۱۴۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور وہ کچھ نہیں بولے مگر یہی کہ اے ہمارے ربّ! ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے کام میں ہم سے جو زیادتی ہوئی اسے معاف کرنا اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافر قوم پر ہماری مدد فرما۔ (۱۴۷) پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کا ثواب اور آخرت کا اچھا ثواب دیا اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (۱۴۸)

تفسیر

پیغمبروں کیساتھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ تن من دھن لگانے سے گریز نہیں کرتے، سستی نہیں دکھاتے، کمزور نہیں پڑتے، دبتے نہیں، ثابت قدم رہتے ہیں، اس پر بھی وہ فخر و غرور نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی سے سر جھکائے رکھتے ہیں، جس انداز میں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی وہ خود ان کی نیک نفسی کا بڑا ثبوت ہے۔

انہوں نے بڑی عاجزی کے ساتھ دعا کی، اے ہمارے ربّ!

ہمارے گناہوں کی پردہ پوشی کر، اپنی رحمت کے پردے ہماری لغزشوں اور خطاؤں پر ڈال دے، ہماری کمزوریوں سے درگزر فرما اور ہمیں معاف فرمادے۔ ہمارے کام میں ہم سے جو زیادتی ہوئی ہو، اس پر بھی پردہ ڈال دے اور اسے معاف فرمادے۔ ہمیں ثابت قدمی عطاء کر، کسی

مشکل اور آڑے وقت میں ہمارے قدم نہ ڈگمگائیں۔ ہمیں کافروں کی قوم پر کامیابی عطاء فرما، جو آپکے ماننے والے نہیں، آپکے پیغمبر کے مخالف اور آپکے دین کے دشمن ہیں ان پر ہمیں غلبہ عطاء فرما۔

دعا کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے: ہم نے ایسے بندوں کو دنیا اور آخرت میں خوب بدلہ دیا اور آخرت کے بدلہ کے تو کیا ہی کہنے، اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ: اس آیت سے مسلمانوں کو بتلانا یہ مقصود ہے کہ جہاد کا حکم صرف آخری امت کیلئے ہی خاص نہیں بلکہ پہلی امتوں کیلئے بھی جہاد کا حکم اس طرح تھا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کیلئے ہے، کفر اور اسلام کا مقابلہ ہمیشہ سے ہے، لہٰذا ہر امت کیلئے جہاد کرنا ضروری رہا ہے، اے مسلمانو! تسلی رکھو کہ جہاد ہی میں تمہاری اور تمہارے دین کی حفاظت ہے۔

کافروں کا کہنا نہ مانو

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى

اے لوگو! جو ایمان لائے اگر کہا مانو گے ان لوگوں کا جو کافر ہیں تو پھیر دینگے تمہیں پر

اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَ هُوَ

ایڑیوں تمہاری پھر ہو جاؤ گے نقصان اٹھانیوالے (۱۴۹) بلکہ اللہ مددگار ہے تمہارا اور وہ

خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

سب سے بہتر مددگار ہے (۱۵۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے ایمان والو! اگر تم کافروں کا کہا مانو گے تو وہ تمہیں اُلٹے پاؤں پھیر دیں گے پھر تم نقصان میں جا گرو گے۔ (۱۴۹) بلکہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا مددگار ہے اور وہی سب سے بہتر مددگار ہے۔ (۱۵۰)

تفسیر

اُحد کی لڑائی میں تیراندازوں کی وجہ سے عارضی شکست کھانے کے سبب مسلمان کچھ ہمت ہار بیٹھے تھے، کافروں اور منافقوں نے اس موقع سے ناجائز فائدہ اٹھا کر الزامات اور طعنوں کی بوچھاڑ شروع کردی کہ دیکھو اگر تم سچے ہوتے تو تمہارے اتنے مجاہد ساتھی مارے نہ جاتے۔

بعض منافق خیر خواہی کے پردہ میں مسلمانوں کو سمجھانے لگے کہ کافروں سے لڑنا دانشمندی نہیں ہے کیونکہ ان کے ہاتھوں تمہیں سخت نقصان پہنچتا ہے، بہتر یہ ہے کہ آئندہ تم اس قسم کی دلیری نہ کرو، ہوسکتا تھا کہ مسلمان ان چالبازیوں اور فریب کاریوں کے سبب اسلام سے پھر جاتے یا اپنی شکست کو نعوذ باللہ اسلام کی شکست سمجھتے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خبردار کردیا کہ دشمنوں کے دھوکے میں نہ آنا، وہ تمہاری عارضی شکست سے ناجائز فائدہ اٹھا کر تمہیں دوبارہ کفر کی طرف لوٹا دیں گے، اگر تم ان کی باتوں میں آجاؤ گے تو کفر کے جن اندھیروں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں نکالا ہے دوبارہ ان میں جا گرو گے، جسکا نتیجہ دنیا و آخرت میں خسارے کے سوا کچھ نہیں۔

اس سے پہلی آیت میں مسلمانوں کو اللہ والوں کی راہ پر چلنے کی ترغیب دی تھی یعنی یہ کہ تکلیفوں اور مصیبتوں کے سبب دین سے نہ پھر جاؤ، صبر کو ہاتھ سے نہ جانے دو بلکہ پوری طاقت سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ڈٹے رہو، اس آیت میں مسلمانوں کو بدباطن شریروں کا کہا ماننے سے منع کیا گیا ہے تاکہ مسلمان ہوشیار رہیں اور منافقوں کی چکنی چپڑی باتوں میں آنے سے مسلمانوں کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے طلبگار رہیں کیونکہ وہ ہی سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے، لہٰذا اُسی کا کہنا ماننا چاہیئے اور اُسکی مدد پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔

اسلام کا رُعب

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ

اب ہم ڈال دینگے میں دلوں ان لوگوں کے جو کافر ہیں ہیبت بسبب ان کے شرک کے ساتھ اللہ کے

مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَ بِئْسَ

جسکی نہیں اتاری اسکی سند اور ٹھکانہ ان کا دوزخ اور برا

مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

ٹھکانہ ظالموں کا (۱۵۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اب ہم کافروں کے دل میں ہیبت ڈال دیں گے اس لئے کہ انہوں نے اللہ کا شریک ٹھرایا جس کی اس نے کوئی سند نہیں اتاری اوران کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا وہ برا ٹھکانہ ہے۔(۱۵۱)

تفسیر

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ: اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ہم کافروں کے دلوں میں تمہاری ایسی ہیبت اور رعب ڈال دیں گے کہ تمہارے زخمی اور کمزور ہونے کے باوجود تم پر پلٹ کر حملہ کرنے کی جرأت نہ کرسکیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کافروں کے لشکر کا سپہ سالار ابوسفیان اپنی فوج لیکر جنگ سے بھاگ نکلا راستہ میں اسے ایک بار خیال بھی آیا ایک تھکی ماندی زخموں سے چور فوج کو ہم یونہی آزاد چھوڑ کر چلے آئے، چلو پھر واپس جا کر ان کا کام تمام کردیں لیکن مسلمانوں کے حمراء الاسد تک انکا پیچھا کیا جسکی وجہ سے ان کے دل میں رعب چھا گیا، کہ اپنے ارادہ کو پورا کرنے کی اسے ہمت نہ ہوئی، اس کے بعد پھر ایسا موقع نہیں آیا کہ وہ مدینہ پر حملہ کرتے۔

مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا: جس کے اللہ نے کوئی سند نہیں اتاری، یہ لوگ شرک کرتے تھے وہ ایسا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نہیں اتاری، مشرکوں کے پاس شرک کی کوئی دلیل نہیں یہ محض اپنے باپ دادا یا قوم کی اندھی تقلید ہے جس پر یہ لوگ اڑے ہوئے ہیں۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ ہے اور یاد رکھو! ظالموں کا ٹھکانہ بہت برا ہے، کفر شرک کرنے والے سب سے بڑھ کر ظالم ہیں، شرک ظلم عظیم ہے اور یہ

اوّل درجے کا ظلم ہے۔

مسلمانوں کی آزمائش

وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا

اور بیشک پورا تم سے اللہ وعدہ اپنا جب تم قتل کرنے لگے ان کو ساتھ حکم انکے یہاں تک کہ جب

فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَ عَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ

کم ہمتی دکھائی تم نے اور جھگڑا ڈالا تم نے میں کام اور نافرمانی کی تم نے سے بعد جو کچھ دکھایا تم کو

مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ

جو تم پسند کرتے ہو میں سے تم جو چاہتا تھا دنیا اور میں سے تم جو کوئی چاہتا تھا

الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ

آخرت پھر پھیر دیا تمہیں ان سے تا کہ آزمائے اور کر چکا درگزر کی سے تم

وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

اور اللہ والا ہے فضل پر ایمان والوں (۱۵۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ تو تم سے اپنا وعدہ پورا کر چکا جب تم انہیں خدا کے حکم سے قتل کرنے لگے یہاں تک کہ جب تم نے کم ہمّتی کی اور کام میں جھگڑا ڈالا اور نافرمانی کی اس کے بعد کہ تم کو تمہاری خوشی کی چیز دکھائی دی، تم میں سے کوئی دنیا چاہتا تھا اور تم میں کوئی آخرت چاہتا تھا، پھر تمہیں ان سے پھیر دیا تا کہ تمہیں آزمائے اور وہ تمہیں معاف کر چکا اور ایمان والوں پر اللہ کا فضل ہے۔ (۱۵۲)

تفسیر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کے میدان میں جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی مسلمانوں سے فرمادیا تھا کہ: اگر

تم صبر سے کام لوگے تو تمہیں کافروں پر فتح وغلبہ حاصل ہو جائیگا، اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ جنگ کے شروع میں سچ کر دکھایا مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کافروں کی لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے، مشرک گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے، مسلمانوں کو اپنی فتح نظر آئی تو وہ مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑے، تیر اندازوں نے کہا ہمیں یہیں ٹھہرنا چاہئے اور بعض نے کہا اب یہاں ٹھہرنے کی کوئی ضرورت نہیں، مشرکوں کی طرف سے حضور ﷺ کے قتل کی خبر مشہور ہوگئی، ان تمام چیزوں سے مسلمانوں کے دل میں کمزوری پیدا ہوگئی جس کے نتیجہ میں یہ کم ہمّتی پیدا ہوئی، بعض تیر اندازوں نے مالِ غنیمت جمع کرنے کیلئے درّہ چھوڑ دیا جسکا نقصان سب کو بھگتنا پڑا، اور خالد بن ولید جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے انہوں نے دَرّہ کے پیچھے سے آ کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہوگئی، اس غلطی اور کوتاہی سے معاملہ الٹ گیا، اس میں بھی مسلمانوں کی آزمائش تھی تاکہ پکے اور کچے مسلمانوں میں فرق ظاہر ہو جائے۔

ایک ضروری تنبیہ!

اس مقام پر بعض حضرات نے غلطی کھائی ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دنیا کے طالب تھے، سچی بات یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سچے اور مخلص اہل ایمان تھے، ان میں محض دنیا کا طالب کوئی بھی نہیں تھا، اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے، وہ اپنے مقربین کی معمولی سی لغزش پر بھی تنبیہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس معمولی سی غلطی پر بھی انہیں آزمائش میں ڈال دیا، اس موقعہ پر ان کا مالِ غنیمت محض دنیا کیلئے نہیں بلکہ آخرت ہی کیلئے تھا، شرعی قانون کے مطابق مالِ غنیمت میں سے ہر مجاہد کو حصہ ملتا ہے، خواہ وہ خود اسے جمع کرے یا کوئی دوسرا یہ فرض انجام دیتا رہے، لہٰذا اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مورچہ چھوڑ کر مالِ غنیمت جمع کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو حصہ سے محروم ہو جائیں گے بلکہ یہ فریضہ بھی وہ تمام مسلمانوں کے مشترکہ مقصد کی خاطر ہی ادا کر رہے تھے، اس لئے غنیمت کا مال جمع کرنے کو محض دنیا کی طالب سمجھنا درست نہیں، اُن کے دوسرے ساتھی جو دَرّہ پر موجود رہے اور غنیمت کے مال جمع کرنے کا کچھ خیال نہ کیا وہ دنیا کی طلب کے بغیر محض آخرت کے طالب تھے، گویا دونوں

گروہ درحقیقت آخرت ہی کے طلب گار تھے، ایک گروہ دنیا کے راستے آخرت کا طالب تھا اور دوسرا براہِ راست آخرت چاہتا تھا، دنیا سے رغبت کسی کو نہ تھی چونکہ اس وقت غنیمت کا مال سامنے موجود تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا کا طلب کرنا کہا۔

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ: اور وہ تمہیں معاف کر چکا، اس آزمائش کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی لغزش کو معاف فرمادیا، ظاہر ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ معاف فرمادے، وہ پاک ہوگیا، یہ لغزش کوئی جان بوجھ کر خلاف ورزی کی نیت سے نہیں ہوئی بلکہ اجتہادی لغزش تھی، جسے اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کو ڈرانا بھی ضروری ہے اور غنیمت کا مال اکٹھا کرنا بھی ضروری ہے، تاکہ زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل ہو، چنانچہ اس بات پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمادی اور ساتھ تسلی بھی دے دی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری لغزش معاف کردی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر فضل کرنے والا ہے۔

غم کے بدلے غم

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ

جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور نہ نظر ڈال رہے تھے مڑ کر پر کسی ایک کے اور پیغمبر پکار رہے تھے تم کو سے

اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ

پیچھے تمہارے پھر دیا تم کو غم بدلے غم کے تاکہ نہ غم کرو تم پر جو ہاتھ سے نکل گیا تمہارے

وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

اور نہ جو کچھ پیش آیا تمہیں اور اللہ خبردار ہے ساتھ اسکے جو تم کرتے ہو (۱۵۳)

بامحاورہ ترجمہ: اس وقت کو یاد کریں جب تم چڑھے چلے جارہے تھے اور کسی کو پیچھے مڑ کر نہ رہے تھے اور پیغمبر تمہیں پیچھے سے پکار رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو غم کے بدلے غم دیا تاکہ تم اس پر غمگین نہ ہو جو ہاتھ

سے نکل گیا اور نہ اس پر جو کچھ پیش آ گیا اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے کام کی خبر ہے۔ (۱۵۳)

تفسیر

یہاں اس سے اُحد کے جنگ کی ایک خاص حالت کا ذکر ہے، یہ موقع تھا جب اُحد کی جنگ میں تیر اندازوں کے دڑّہ چھوڑنے سے فائدہ اٹھا کر خالد بن ولید کی سربراہی میں مشرکوں نے پیچھے سے زوردار حملہ کیا جس سے مسلمان پہاڑوں پر چڑھے چلے جا رہے تھے، وہ اس افراتفری اور گھبراہٹ میں پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھ رہے تھے، اس وقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے ''اللہ کے بندو! میری طرف آ ؤ میں، تو یہاں ہوں'' آخر جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک چلائے تو لوگوں نے سنا اور واپس لوٹ کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے سب کو معاف فرمادیا۔

غَمًّام بِغَمٍّ: غم کے بدلے غم، اس آیت میں اس حالت کی طرف اشارہ ہے جبکہ فتح کے بعد شکست کے آثار دکھائی دے رہے تھے، مسلمانوں کو ایک تو ابتدائی فتح چلے جانے کا غم تھا، دوسرا اپنے آدمیوں کے مارے جانے اور زخمی ہونے کا افسوس تھا، اور تیسرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی غلط خبر کے مشہور ہو جانے سے انہیں غم پہنچا، پھر غنیمت کے ہاتھ سے نکل جانے سے بھی انہیں بہت نقصان برداشت کرنا پڑا، اسی غم کی وجہ سے آگے پیچھے کا انہیں کچھ ہوش نہ رہا، حتیٰ کہ انہوں ابتدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بھی نہ سنی، اللہ تعالیٰ نیتوں کو جانتا ہے اور اسی کے موافق معاملہ کرتا ہے، تیراندازوں کا ارادہ نافرمانی کا نہ تھا بلکہ وہ اپنے خیال میں یہ سمجھتے تھے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مقصد پورا کر دیا ہے، اب جبکہ فتح حاصل ہو چکی ہے ہمیں مالِ غنیمت جمع کرنا چاہئے، گویا انہوں نے یہ غلطی جان بوجھ کر نہیں کی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرمادیا۔

لہٰذا جو شخص اس کے بعد بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہے گا تو اس کے اپنے ایمان میں کمی ہو گی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق تو خود قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ''اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو چکی ہے ''بیشک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور حوصلے والا ہے''

وہ فوراً گرفت نہیں کرتا بلکہ ایمان والوں کو موقع دیتا ہے کہ اس قسم کی لغزشوں سے پرہیز کریں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآىِٕفَةً
پھر اتارا پرتم سے بعد غم کے امن اونگھ جو ڈھانک رہی تھی گروہ

مِّنْكُمْ ۙ وَطَآىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ
سے تم کو اور ایک گروہ تھے فکرمند جانوں اپنی کے خیال کرتے تھے پر اللہ ناحق

ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ
خیال جاہلیت جیسے کہتے تھے کیا ہے لئے ہمارے سے کام کچھ بھی

قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا
آپ کہہ دیں کہ بیشک کام سب کے سب اللہ کے ہاتھ میں ہے چھپاتے ہیں میں دلوں اپنے جو نہیں

يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا
ظاہر کرتے لئے آپ وہ کہتے ہیں اگر ہوتا لئے ہمارے سے کام کچھ نہ

قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ
قتل کئے جاتے ہم اس جگہ آپ کہہ دیں اگر ہوتے تم میں گھروں اپنے ضرور باہر نکلتے وہ لوگ کہ لکھ دیا گیا

عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ
جن پر قتل طرف پڑاؤں کے اور تاکہ آزمالے اللہ جو کچھ ہے میں سینوں تمہارے

وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۱۵۴
اور تاکہ صاف کردے جو کچھ ہے میں دلوں تمہارے اور اللہ جانتا ہے بھید سینوں کے (۱۵۴)

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ
بیشک جولوگ واپس پھر گئے میں سے تم دن ملیں دوفوجیں بیشک پھسلا دیا انہیں

الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ
شیطان نے بعض کو بسبب اسکے جوکیا انہوں نے اور بیشک درگزر کی اللہ نے ان سے بیشک

ع ۱۶/۷ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾
اللہ بخشنے والا حوصلہ والا ہے (۱۵۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر تم پر غم کے بعد امن کو اتارا کہ یعنی اونگھ کو اتارا جو ڈھانپ رہی تھی تم میں سے ایک گروہ کو، اور ایک گروہ کو غم میں ڈال رکھا تھا ان کے دلوں نے اللہ تعالیٰ پر جاہلیت جیسا گمان کر رہے تھے وہ کہتے تھے کیا ہمارے ہاتھ میں بھی کچھ کام ہے، آپ کہدیں کہ سب کام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، وہ اپنے جی میں چھپاتے ہیں جو آپ سے ظاہر نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں اگر ہمارے ہاتھ کچھ کام ہوتا تو ہم اس جگہ مارے نہ جاتے، تو آپ کہدیں اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو وہ لوگ ضرور باہر نکلتے جن کیلئے اپنے پڑاو پر مارا جانا لکھ دیا گیا تھا اور یہ سب اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ آزمالے اس بات کو جو تمہارے سینوں میں ہے اور صاف کردے اس بات کو جو تمہارے دلوں میں ہے، اور اللہ دلوں کے بھید کو جانتا ہے۔ (۱۵۴) تم میں سے جو لوگ واپس پھر گئے جس دن دو فوجیں لڑیں سو شیطان نے انہیں بہکا دیا ان کے گناہوں کی وجہ سے، اور اللہ تعالیٰ ان سے درگزر کردے گا، بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے حوصلے والا ہے۔ (۱۵۵)

تفسیر

اس آیت میں مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کے ایک اور احسان کا ذکر ہے، یعنی: جن لوگوں کے حصہ میں شہادت لکھی تھی وہ شہید ہوگئے، جن کو چلے جانا تھا وہ جاچکے اور جو میدان میں باقی رہے ان میں سے مخلص مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے اونگھ ڈال دی، لوگ کھڑے اونگھنے لگے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے کئی مرتبہ تلوار

چھوٹ کر زمین پر گری، یہ اس باطنی سکون اور اطمینان کا ظاہری اثر تھا جو ایسے مشکل وقت میں بھی مسلمانوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے آیا، اس کیفیت کے بعد ان کے دل سے دشمنوں کا تمام خوف و ہراس ختم ہو گیا۔

یَغْشٰی: ڈھانپ لیا، یہاں ڈھانپ لینے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اونگھ کی لپیٹ میں لے لیا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اونگھ ڈال کر ان کی ساری تھکاوٹ دور کر دی اور آگاہ فرمادیا کہ خوف اور پریشانی کا وقت ختم ہو گیا ہے، اب تم بالکل امن میں ہو، پورے اطمینان سے اپنا فرض انجام دو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے اور لڑائی شروع کر دی، انہوں نے جلد ہی دیکھ لیا کہ دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا، ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عین لڑائی کے موقع پر اونگھ کا آنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کامیابی اور بے خوفی کی علامت ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ اس نے تنگی آجانے کے بعد امن دیا، یا شکست کے آثار ظاہر ہونے کے بعد فتح دی، مغلوب ہو جانے کے امکانات کو دور کر دیا اور مسلمانوں کی تھکن کو دور کر کے انہیں تازہ دم کر دیا تاکہ وہ نئے جذبہ حاصل کر کے دشمنوں کو کچل سکیں اور ساتھ ہی مشرکوں کے دلوں میں حق کی ہیبت اور اسلام کا رعب ڈال دیا، جس سے مشرکوں کو غالب آجانے کے بعد بھی بھاگتے ہی بنی۔

وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ: اس آیت میں منافقوں کا ذکر ہے جو بزدل اور ڈرپوک تھے، جنہیں نہ اسلام کی فکر تھی، نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلکہ انہیں اپنی جان ہر چیز سے زیادہ پیاری تھی، وہ اس فکر میں ڈوبے ہوئے تھے کہ جان کیونکر بچائی جائے، ایسا نہ ہو کہ کافروں کی فوج ہم پر دوبارہ حملہ کر دے، اس فکر میں انہیں اونگھ یا نیند کیسے آسکتی تھی۔

مخلص مسلمان خطرہ کو دیکھنے کے باوجود میدان سے نہیں بھاگے تھے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ وہیں کھڑے تھے، ان کی تھکن کو دور کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ان پر اونگھ ڈال دی، جس سے ان کے دلوں میں سکون و اطمینان پیدا ہو گیا۔

منافقوں کے دلوں میں چور تھا انہیں ایمان و اسلام کے بجائے اپنی جان پیاری تھی، وہ صرف اپنی زندگی بچانے کی فکر میں تھے، ان پر اونگھ کیسے آتی؟ ان کے دلوں میں غلط خیال آرہے تھے، کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کہاں گئے، غیبی مدد کہاں ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا بس اب خاتمہ ہوا، اب پیغمبر اور مسلمان اپنے گھر واپس نہیں جاسکیں گے۔

اور اس واقعہ کی شرمندگی کو مٹانے کے بعد انہوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہی ایسی تھی، ہم لوگوں کا اس میں کیا اختیار ہے؟ اُن کے اس قول کا اصل مقصد یہ تھا کہ اس جنگ کے سلسلہ میں ہماری رائے نہیں مانی گئی، ہم نے پیغمبر کو یہ مشورہ دیا تھا کہ شہر کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے، لیکن وہ نوجوانوں کے کہنے پر مدینہ سے باہر لڑنے کیلئے چلے گئے، اگر یہ معاملہ کچھ بھی ہمارے ہاتھ میں ہوتا یا ہمارے مشورے پر عمل کیا جاتا تو مسلمانوں کو اس قدر نقصان نہیں اٹھانا پڑتا۔

مَا قُتِلْنَا هٰهُنَا: تو ہم اس جگہ مارے نہ جاتے، منافق لوگ مدینہ والوں کے مارے جانے کو اپنا مارا جانا قرار دیتے تھے، اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے کے مطابق فتح اور غلبہ مسلمانوں کیلئے ہوتا تو اتنے لوگ کیوں مارے جاتے اور ہم پر یہ مصیبت کیوں ٹوٹتی۔

لفظ: ’’مَا قُتِلْنَا هٰهُنَا‘‘ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ منافقوں نے یہ باتیں مدینہ میں کہیں، کیونکہ عبداللہ بن اُبی جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی اپنے ساتھیوں کو ساتھ لیکر مدینہ کو واپس چلا گیا تھا، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ ایک منافق نے میدانِ جنگ میں ہی کہے تھے، ہوسکتا ہے کہ بعض منافق بعض مصلحتوں کی بنا پر عبداللہ بن اُبی کیساتھ واپس نہ لوٹے ہوں۔

قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ: ان آیتوں میں منافقوں کو کہا گیا ہے حسرت و افسوس کا کچھ فائدہ نہیں، اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی موت کی جگہ اسکا وقت اور سبب پہلے سے لکھ رکھا ہے جو ٹل نہیں سکتا، اگر تم گھروں میں بیٹھے رہتے اور تمہاری ہی رائے مانی جاتی تو بھی جن کی تقدیر میں اُحد کے پڑاؤ پر مارا جانا لکھا جاچکا تھا وہ لوگ کسی نہ کسی طرح اپنے گھروں سے نکل کر اس جگہ پر پہنچ جاتے اور وہیں مارے جاتے، یہ خدا کا احسان ہے کہ وہ لوگ جو اس

جنگ میں مارے گئے وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں بہادروں کی موت شہید ہوئے اس پر پچھتانے اور افسوس کرنے کا کوئی موقع نہیں۔

پھر فرمایا: اس جنگ کا مقصد یہ تھا کہ مومن اور منافق سب کا امتحان لیا جائے تاکہ دونوں میں فرق ظاہر ہوجائے، مخلص مسلمان کامیابی کا صلہ پائیں، ان کے دل وسوسوں سے پاک ہوجائیں، منافقوں کا باطن کھل جائے اور لوگوں پر ان کی منافقت ظاہر ہوجائے، جس طرح ایک نیکی سے دوسری نیکی کی توفیق بڑھتی ہے اسی طرح ایک گناہ سے شیطان کو موقع ملتا ہے کہ انسان کو دوسرے گناہ کیلئے آمادہ کرے، جنگ اُحد میں شیطان نے ان کے قدم ڈگمگا دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنا فضل کیا اور انہیں تباہی وشکست سے بچالیا۔

اُحد کے مصائب سزا نہیں بلکہ آزمائش تھے

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ: جو کچھ تمہارے جی میں ہے وہ اللہ کو آزمانا تھا، معلوم ہوا کہ اُحد کی جنگ میں جو مصیبتیں اور تکلیفیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو پیش آئیں وہ سزا کے طور پر نہیں تھیں بلکہ آزمائش کیلئے تھیں، اس امتحان کے ذریعے مؤمنوں اور منافقوں میں فرق کو ظاہر کرنا تھا، اور "اَثَابَكُمْ غَمًّا" کے الفاظ سے جو اسکا سزا ہونا معلوم ہوتا ہے اسکی تطبیق یہ ہے کہ صورت تو سزا ہی کی تھی مگر یہ سزا اصلاح کیلئے تھی، جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے کو اور استاد اپنے شاگرد کو سزا دیتا ہے تو عرف میں اسکو سزا بھی کہہ سکتے ہیں مگر درحقیقت یہ تربیت اور اصلاح کی ایک صورت ہوتی ہے، حاکمانہ سزا سے مختلف ہے۔

عفو و درگذر کا بے مثال معاملہ

ان تمام آیتوں میں یہ بات پوری کھل کر سامنے آگئی کہ اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کو اللہ کے محبوب ہونے کا درجہ حاصل ہے کہ ان کی خطاؤں کے باوجود ان کیساتھ درگزر اور کرم کا معاملہ فرمایا گیا۔

عام مسلمانوں کیلئے سبق

یہیں سے اہلِ سنت والجماعت کے اس عقیدے اور عمل کی تصدیق ہوتی ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اگر چہ کچھ گناہ ہوئے بھی ہیں امت کیلئے یہ جائز نہیں کہ ان پر کوئی برائی اور عیب لگائے، جب اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اتنی خطاؤں کو معاف کر کے ان کیساتھ لطف وکرم کا معاملہ فرمایا اور ان کو "رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ" کا مقام عطاء فرمایا تو پھر کسی کو کیا حق ہے کہ ان میں سے کسی کا برائی کیساتھ ذکر کرے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک مرتبہ کسی نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر غزوۂ اُحد کے اسی واقعہ کا ذکر کر کے طعنہ دیا کہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: جس چیز کی معافی کا اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا اس پر طعنہ دینے کا کسی کو کیا حق ہے۔

منافقوں کی چال

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ

اے لوگو! جو ایمان والے نہ ہو طرح لوگوں کے جو کافر ہوئے اور کہتے ہیں سے بھائیوں اپنے

اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا

جب سفر کو نکلیں میں زمین یا ہوں جہاد میں اگر رہتے ہمارے پاس نہ مرتے

وَ مَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ

اور نہ قتل کئے جاتے تاکہ بنائے اللہ اس کو افسوس میں دلوں انکے

بامحاورہ ترجمہ: اے ایمان والو! تم ان کی طرح نہ ہو جاؤ جو کافر ہوئے اور (وہ کافر) اپنے بھائیوں کو

کہتے ہیں جب وہ ملک میں سفر کو نکلیں یا جہاد میں ہوں کہ اگر ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کئے جاتے تا کہ اللہ اس گمان سے ان کے دلوں میں افسوس ڈال دے۔

تفسیر

مسلمانوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ تم منافقوں کی طرح ایسے غلط خیالات کو دل میں جگہ نہ دو کہ اگر ہم گھر میں بیٹھے رہتے تو موت نہ آتی، یاد رکھو! موت کی جگہ، موت کا وقت پہلے سے ہی مقرر ہے، اس میں نہ تبدیلی ہو سکتی ہے اور نہ یہ ٹالا جا سکتا ہے۔

اِخْوَانِهِمْ: منافق بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے اس مسلمانوں کو یہاں انہوں نے بھائی کہا ہے اور چونکہ یہ بات انہوں نے خیر خواہی کے انداز میں کہی ہے اس لئے لفظ اخوان استعمال کیا گیا، انہوں نے کہا کہ ہمارے بھائی مسلمان باہر نکل کر خواہ مخواہ مارے گئے اگر ہمارے پاس اپنے گھروں میں ہی بیٹھے رہتے تو نہ مارے جاتے۔

منافقوں کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے دلوں میں حسرت وافسوس پیدا ہو کہ واقعی ہم نے غلطی کی جو بلا سوچے سمجھے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے اور لڑائی میں کود پڑے، منافقوں کے کہنے پر چلتے اور گھروں میں بیٹھے رہتے تو یہ مصیبت دیکھنی نہ پڑتی۔

اگر چہ یہودیوں نے مسلمانوں کے دلوں میں حسرت وافسوس پیدا کرنے کیلئے بہت زور مارا اور ایسی ایسی باتیں منہ سے نکالی، لیکن مسلمان ایسے کچے نہ تھے جو ان کی باتوں میں آ جاتے، ایسی فضول باتوں سے الٹا منافقوں کا راز فاش ہو گیا اور ان کی بدنیتی مسلمانوں پر ظاہر ہو گئی۔

لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ: تا کہ اس گمان سے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں افسوس ڈالے، اس کے معنی بعض مفسرین نے یہ کئے ہیں کہ منافقوں کی زبان اور دل پر ایسی باتیں اللہ تعالیٰ نے اس لئے جاری کیں کہ خدا انہیں ہمیشہ اسی حسرت وافسوس کی آگ میں جلتا چھوڑ دے اور وہ آخرت میں بھی حسرت وافسوس

ہی کرتے رہیں، اور دوسری حسرت ان کو یہ رہے کہ افسوس مسلمان ہماری مانند نہ ہوئے اور ہماری باتوں پر کسی نے کان نہ دھرا بلکہ ان میں سے بعض شہید ہوئے اور باقی کامیاب ہو کے واپس لوٹے۔

زندگی اور موت کا مسئلہ

وَ اللّٰهُ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَ لَئِنْ
اور اللہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھتا ہے (۱۵۶) اور اگر
قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَحْمَةٌ خَيْرٌ
قتل کئے گئے تم میں راہ اللہ کی یا مر گئے تم البتہ بخشش ہے سے اللہ اور رحمت بہتر
مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَ لَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾
سے اس جو وہ جمع کرتے ہیں (۱۵۷) اور اگر مر گئے تم یا قتل کئے گئے تم تو البتہ آگے اللہ کے اکٹھے کئے جاؤ گے (۱۵۸)

بامحاورہ ترجمہ: اور اللہ ہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کام دیکھتا ہے۔ (۱۵۶)

اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے گئے یا مر گئے تو اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کی رحمت اس چیز سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔ (۱۵۷) اور اگر تم مر گئے یا قتل کئے گئے تو البتہ تم اللہ تعالیٰ کے آگے اکٹھے کئے جاؤ گے۔ (۱۵۸)

تفسیر

یہاں منافقوں کی اس بات کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر مسلمان گھروں میں رہتے تو نہ مارے جاتے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: مارنا اور زندہ رکھنا میرے اختیار میں ہے، اس میں کسی کا دخل نہیں، میں جہاں چاہوں، جب چاہوں، انسان کو موت دیتا ہوں، بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو عمر بھر سفر میں رہتے ہیں، لڑائیوں اور جنگوں میں جاتے ہیں، جہاد کرتے ہیں، لیکن انہیں موت گھر میں ہی آتی ہے، اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو

گھر میں پڑے رہتے ہیں، لیکن جب ان کی موت قریب آتی ہے تو وہ کسی بہانے سے گھر سے باہر نکلتے ہیں اور جا کر مرجاتے ہیں جہاں ان کی موت لکھی ہوئی تھی، انسان کتنی تدبیریں کرے، کتنی ہی ترکیبیں لڑائے، ان باتوں کو نہ ٹال سکتا ہے اور نہ بدل سکتا ہے، چنانچہ منافقوں کا یہ کہنا بالکل فضول اور بے معنٰی ہے کہ گھر میں رہتے تو کبھی نہ مرتے۔

اللہ تعالٰی سب کی نیت جانتا ہے، وہ جو کام بھی کرتے ہیں اللہ تعالٰی انہیں دیکھتا ہے، اسے علم ہے کہ منافق اور کافر کس راستہ پر جارہے ہیں اور مسلمان کہاں تک ان کا کہا ماننے سے پرہیز کرتے ہیں، اللہ تعالٰی ہر ایک کو اس کے مناسب بدلہ دے گا، اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ اگر تم میری راہ میں مرجاؤ یا مارے جاؤ تو تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے، تم پر رحمتیں ہوں گی، اللہ تعالٰی کی راہ میں مرجانا اور اس کے بدلے اللہ تعالٰی کا دیا ہوا صلہ لینا اس چیز سے کہیں بہتر ہے جسے حاصل کرنے کیلئے منافق اور کافر موت سے بچنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے، اگر تم لوگ جہاد کیلئے نہ نکلو اور فرض کرو کچھ دیر کیلئے تم بچ بھی جاؤ تو کیا تم کبھی نہ مروگے یا مارے نہ جاؤ گے، مرنا ہر حالت میں ہے، پھر تم سب خدا کے سامنے حاضر کئے جاؤ گے، اس وقت پتہ چل جائیگا کہ جو خوش قسمت اللہ تعالٰی کی راہ میں مرے یا مارے گئے ان پر اللہ تعالٰی کی کیسی کیسی رحمتیں نازل ہوتی ہیں، جس کے سامنے کافروں کی دنیا کی کمائی اور جمع کی ہوئی دولت سب ہیچ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی نرم مزاجی

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ

سو کچھ رحمت سے اللہ نرم ہوئے آپ واسطے انکے اور اگر ہوئے آپ سخت مزاج سخت دل

لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ

تو منتشر ہو جاتے سے گرد آپکے سو درگزر کریں سے ان اور بخشش مانگیں لئے انکے اور

شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

مشورہ لیں ان سے میں کام پھر جب ارادہ کر چکے آپ بھروسہ کریں پر اللہ بیشک اللہ

يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

پسند کرتا ہے توکل کرنیوالوں کو (۱۵۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہ اللہ ہی کی رحمت ہے جو آپ ان کے لئے نرم دل ہوتے اور اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس تتر بتر ہو جاتے، سو آپ انہیں معاف کریں اور ان کے واسطے بخشش مانگیں اور کام میں ان سے مشورہ لیں، پھر جب آپ کسی کام کا پکا ارادہ کر چکے تو اللہ پر بھروسہ کریں، اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔(۱۵۹)

تفسیر

اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر پر اور مسلمانوں پر احسان جتاتے ہیں کہ پیغمبر کے ماننے والوں اور ان کی نافرمانی سے بچنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے دل کو نرم کر دیا ہے اگر اس کی رحمت نہ ہوتی تو اتنی نرمی اور آسانی نہ ہوتی۔

آگے فرمایا: آپ سخت مزج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے بکھر جاتے اور آپ کو چھوڑ دیتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ڈال رکھی ہے اس لئے آپ کو محبت اور نرمی عطا فرمائی ہے، چنانچہ آپ ان سے درگزر فرمائیں اور ان کے لئے استغفار کریں اور کاموں میں ان سے مشورہ لیا کریں۔

پھر فرمایا: کہ جب آپ کسی کام کا مشورہ کر چکیں اور پھر اس کے کرنے کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اب اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں، اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

مشوروں کی شرعی حیثیت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے معاملات میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشور کیا، غزوۂ خندق کے موقع پر

خندق کھودنے کا مشورہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دیا تھا، انہوں نے عرض کیا حضور! میں نے اپنے ملک میں دیکھا ہے کہ جب دشمن حملہ کرتا ہے تو بسا اوقات اپنے شہروں اور بستیوں کے اردگرد خندق کھود کر اپنے بچاؤ کی جنگ لڑی جاتی ہے، آپ نے اس مشورہ کو قبول کیا، اور خندق کھودنے کا حکم دیا، چنانچہ مدینہ کی تین طرفوں میں خندق کھود دی گئی۔

اسی جنگ کے دوران جب دشمن کا دباؤ زیادہ بڑھ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیال ہوا کہ غطفان قبیلہ کے بعض سرداروں سے معاہدہ کرلیا جائے، آپ کا خیال تھا کہ مدینہ کے درختوں کی آمدنی یا پھلوں کا کچھ حصہ اس قبیلہ کو پیش کردیا جائے اور اس کے بدلے میں ان سے عہد لیا جائے کہ وہ مدینہ پر حملہ کرنے والوں کا ساتھ نہ دیں، معاملہ بڑا ہی نازک تھا، خطرے کی وجہ سے مسلمانوں کے دل اچھل کر گلے کو آرہے تھے، اس تمام تر دباؤ کے باوجود مدینے کے انصار صحابہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا حضور! ہم اپنے بچاؤ کی سرتوڑ کوشش کریں گے، ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے بہتری کا سامان پیدا کریگا، مگر مدینے کی آمدنی کا کچھ حصہ قبیلہ غطفان کو دینا منظور نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابہ کی رائے سے اتفاق کیا اور آپ نے غطفان قبیلہ سے معاہدہ نہ کیا، بالآخر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور مشرک ناکام ونامراد واپس لوٹ گئے۔

بدر کی جنگ کے موقع پر حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا تھا کہ اگر ہم فلاں جگہ پر پڑاؤ کریں تو ہمیں پانی اور دوسری ضرورتوں کے حاصل کرنے میں سہولت رہے گی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رائے کو قبول فرماتے ہوئے اسی جگہ پر پڑاؤ کیا، غرضیکہ اس قسم کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا، جب اللہ تعالیٰ کا واضح حکم وحی کے ذریعہ نہیں ملتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشورہ بھی کرتے تھے اور اجتہاد بھی فرماتے تھے۔

مشورہ کی فقہی حیثیت کے متعلق بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے مستحب تھا، بعض بعض کہتے ہیں واجب تھا، جو حضرات مستحب کہتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آپ کیلئے مشورہ کرنا ضروری نہیں تھا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دل جوئی کیلئے تھا، بعض فرماتے ہیں جس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل نہ ہو اس

معاملہ میں حضور ﷺ کا صحابہ سے مشورہ کرنا واجب تھا، البتہ یہ بات قابل غور ہے کہ مشورہ کن صحابہ سے کیا جائے، حضور ﷺ اکثر معاملات میں بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا کرتے تھے، آپ نے بدر کے قیدیوں کے متعلق مشورہ کیا اور پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کو پر کیا اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کچھ اور تھی، مسندِ احمد کی حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اگر تم دونوں کسی معاملہ میں متفق ہوجاؤ تو میں تمہارے خلاف نہیں کرونگا'' یعنی: تمہاری رائے کو اختیار کرلوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ: آپ مشورہ کرلیا کریں، مشورہ کے ذریعے کوئی بات طے ہوجائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اُس معاملہ پر عمل کریں، اور کوئی حکم ہو تو اس کو جاری کردیں، اگر کسی معاملہ میں رائے میں اختلاف ہو تو پھر امیر کو اختیار حاصل ہے کہ وہ زیادہ لوگوں کے فیصلہ کو قبول کرے یا کم لوگوں کی رائے کو قبول کرتے ہوئے اپنا آخری فیصلہ جاری کردے، عام دنیاوی کاموں میں کثرت رائے کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے مگر اسلام کا اصول یہ ہے کہ اگر کوئی معاملہ اتفاق رائے سے طے ہوتا ہے تو اسے اسی طرح قبول کرلیا جائے اور اگر اس میں اختلاف ہوجائے تو پھر امیر اپنی طرف سے کوئی بھی رائے قبول کرکے فیصلہ دے سکتا ہے، اسی لئے فرمایا کہ: اے پیغمبر! جب آپ کسی کام کا پختہ ارادہ کرلیں تو پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اس پر عمل کریں، کیونکہ معاملہ جنگ کا ہو یا کوئی اور ہو اس کا بناؤ یا بگاڑ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، آپ اسی کے بھروسہ پر کام شروع کردیں کیونکہ بیشک اللہ تعالیٰ انہی کو پسند فرماتا ہے جو اس پر بھروسہ کرتے ہیں۔

مشورہ کی برکت

بیہقیؒ نے "شعب الایمان" میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور آپس میں مشورہ کرنے کے بعد اس کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو صحیح اور فائدہ صورت کی طرف ہدایت مل جاتی ہے۔

عورتوں سے مشورہ

ایک حدیث میں ہے کہ جب تمہارے حکمران تم میں سے بہترین آدمی ہوں اور تمہارے مالدار سخی ہوں اور تمہارے معاملات آپس میں مشورہ سے طے ہوا کریں تو زمین کے اوپر رہنا (زندہ رہنا مرنے سے بہتر) تمہارے لئے بہتر ہے اور جب تمہارے حکمران بدترین افراد ہوں اور تمہارے مالدار بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو زمین کے اندر دفن ہو جانا تمہارے زندہ رہنے سے بہتر ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب تم پر خواہش پرستی غالب آ جائے کہ بھلے برے اور نافع ومضر سے قطع نظر کر کے محض عورت کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اپنے معاملات اس کے سپرد کر دو تو اس وقت کی زندگی سے تمہارے لئے موت بہتر ہے، ورنہ مشورہ میں کسی عورت کی بھی رائے لینا کوئی منع نہیں۔

جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص سے مشورہ کیا جائے وہ امانتدار ہے اس پر لازم ہے کہ اس معاملہ میں جو کام وہ خود اپنے لئے تجویز کرتا ہے وہی رائے دوسرے کو دے، اس کے خلاف کرنا خیانت ہے۔

کن کاموں میں مشورہ ہوگا اور کن کاموں میں نہیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کے بعد اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آ جائے جسکا حکم قرآن مجید نہ ہوا، اور آپ سے بھی اس کے متعلق کوئی ارشاد ہم نے نہ سنا ہو تو ہم کیا کریں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ایسے کام کیلئے اپنے لوگوں میں سے علم والوں کو جمع کرو اور ان کے مشورہ سے اسکا فیصلہ کرو، کسی کی تنہا رائے سے فیصلہ نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ کی مدد

اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا
اگر مدد کریگا تمہاری اللہ تو نہ غالب آئیگا پر تم اور اگر مدد چھوڑ دے تمہاری پھر کون ہے

الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۶۰
جو مدد کر سکے تمہاری سے بعد اسکے اور پر اللہ چاہئے کہ بھروسہ کریں ایمان والے (۱۶۰)

بامحاورہ ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کریگا تو تم پر کوئی غالب نہ آسکے گا اور اگر وہ تمہاری مدد نہ کرے تو پھر ایسا کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے، مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ (۱۶۰)

تفسیر

اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ بھروسہ کے لائق اللہ تعالیٰ ہیں، جو سب سے زبردست اور سب سے غالب ہے۔

اُحد کی جنگ میں مسلمانوں سے جو خطاء ہوئی وہ اللہ تعالیٰ نے خود بھی معاف فرمادی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ان کو معاف کرنے کو فرمایا، اس کے بعد انہیں نصیحت کی جاتی ہے کہ: اے مسلمانو! کسی کے کہنے سننے میں نہ آؤ، کافروں اور منافقوں کے چالوں ں میں نہ پھنسو، غلط خیالات ذہن میں نہ لاؤ، بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو، اگر اسکی مدد تمہارے ساتھ رہی تو کوئی طاقت تم پر غالب نہیں آسکتی، جس طرح بدر میں تم دیکھ چکے ہو کہ مشرکوں کی تعداد تم سے تین گنا تھی، جنگ کا سامان اور تیاری میں تمہارا ان سے کوئی مقابلہ ہی نہ تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے ساتھ تھی جس سے تمہیں فتح نصیب ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خیانت سے پاک ہیں

وَ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَ مَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ
اور نہیں لائق پیغمبر کے کہ چھپا رکھے اور جو کوئی چھپائیگا وہ لائیگا جو کچھ چھپایا دن

الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾
قیامت کے پھر پورا پائیگا ہر شخص کو جو کمایا اس نے اور وہ نہ ظلم کیے جائینگے (۱۶۱)

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ
کیا ایک شخص جو فرمانبردار ہے مرضی اللہ کی برابر اسکے لوٹے ناراضگی سے طرف اللہ کے اور ٹھکانہ اسکا

جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ
دوزخ ہے اور بُرا ہے ٹھکانہ (۱۶۲) وہ درجے (والے ہیں) نزدیک اللہ کے اور اللہ

بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾
دیکھنے والا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں (۱۶۳)

بامحاورہ ترجمہ: کسی پیغمبر کے لائق نہیں کہ وہ غنیمت میں کچھ چھپا رکھے اور جو کوئی چھپائیگا وہ اپنی چھپائی ہوئی چیز قیامت کے دن لائیگا پھر ہر شخص کو پورا پورا (بدلہ) دیا جائیگا جو اس نے کمایا، اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ (۱۶۱) کیا ایک شخص جو اللہ کی مرضی کے تابع ہے اس کے برابر ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے غصہ کے ساتھ لوٹا اور اسکا ٹھکانہ دوزخ ہے کیا ہی بری جگہ پہنچا۔ (۱۶۲) اللہ کے ہاں لوگوں کے مختلف درجے ہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے۔ (۱۶۳)

تفسیر

وَ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ: مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ: اس آیت کا تعلق غزوۂ بدر سے متعلق ایک

واقعہ کیساتھ ہے، بدر کی جنگ میں جو مالِ غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوا اس میں سے ایک سرخ چادر گم پائی گئی، اس کے متعلق لوگوں نے کہا کہ شاید یہ چادر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود لے لی ہو، دوسری تفسیر یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ منافقوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی چیز کی تہمت لگائی تھی کہ وہ چادر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھپائی ہوگی، اللہ تعالیٰ نے اس تہمت کو جھوٹا قرار دیا، اور لوگوں کو خبردار کیا کہ پیغمبر اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر ہے، لہٰذا یہ گمان نہ کرنا کہ پیغمبر نے کوئی چیز اپنے لئے چھپالی ہوگی۔

غلول اصل میں مالِ غنیمت میں سے کسی چیز کے چھپا لینے کو کہتے ہیں، اس کے علاوہ غلول کا لفظ ایسے مال پر بھی بولا جاتا ہے جسمیں خیانت کی گئی ہو، یہ لفظ کسی دوسرے کا حق مارنے پر بھی بولا جاتا ہے۔

"ترمذی شریف" میں غزوۂ خیبر یا کسی اور جنگ سے متعلق واقعہ آتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کرکرہ نامی ایک غلام تھا، وہ جنگ میں مارا گیا، لوگوں نے کہا اس کیلئے شہادت مبارک ہو، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرگز نہیں، وہ تو دوزخی ہے، اس غلام نے غنیمت کے مال میں سے ایک چادر چھپالی تھی، وہ اس پر شعلے بن کر چمٹ رہی ہے، یہ سن کر لوگ سخت خوفزدہ ہوئے اور جس کسی نے کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی مالِ غنیمت میں سے تقسیم کے بغیر لی ہوئی تھی سب واپس کردی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کسی شخص نے جوتے کا ایک تسمہ یا دو تسمے بھی ناحق لئے ہیں تو وہ بھی دوزخ میں لے جانے کا سبب ہیں، ایک شخص نے مشترکہ مال میں سے ایک معمولی دھاگہ رکھ لیا تھا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وعید سنی تو وہ دھاگہ لیکر حاضر ہوگیا، آپ نے فرمایا: اب تو وہ مال تقسیم ہو چکا ہے اس دھاگے کو میں اب باقی مسلمانوں میں کیسے تقسیم کروں، تم نے غلط کام کیا ہے، غرضیکہ آپ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ خیانت کبیرہ گناہ ہے۔

"ترمذی شریف" میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص کی روح اس حالت میں اس کے جسم سے جدا ہوئی کہ وہ تین چیزوں سے پاک ہے: (۱)۔۔۔۔ تکبر (۲)۔۔۔۔ خیانت اور (۳)۔۔۔۔ قرض، تو وہ شخص جنت کا حقدار ہے۔

سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے مال کا حکم

وقف کا مال اور سرکاری محکموں کا مال مسجدوں، مدرسوں، خانقاہوں اور رفاہی اداروں کے مالوں میں چوری غلول ہے، اس میں ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کا حق ہوتا ہے، اگر معاف بھی کرائے تو کس کس سے معاف کرائے، اسی طرح حکومت کے سرکاری خزانے (بیت المال) کا حکم ہے کیونکہ اس میں پورے ملک کے باشندوں کا حق ہے، جو اس میں چوری کرے اس نے سب کی چوری کی، مگر چونکہ یہی مال عام طور پر ایسے ہوتے ہیں جن کا کوئی شخص مالک نہیں ہوتا، نگرانی کرنے والے بے پروائی کرتے ہیں، چوری کے موقع بہت ہوتے ہیں، اس لئے آجکل دنیا میں سب سے زیادہ چوری اور خیانت انہی مالوں میں ہو رہی ہے اور لوگ اس کے برے انجام سے غافل ہیں کہ اس جرم کی سزا دوزخ کے علاوہ حشر کے میدان کی رسوائی بھی ہے۔

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ: پھر ہر شخص پورا پورا پائیگا جو اس نے کمایا، قیامت کے دن تمام چھپے عمل ظاہر کر دینے کے بعد ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق پورا پورا بدلہ دیا جائیگا اور کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ: یہ تمہارے اپنے کئے ہوئے عمل ہیں، میں نے ان کو شمار کر رکھا ہے اب اسکی سزا بھگتو، ہر شخص اپنے عملوں کا خود ذمہ دار ہوگا، کسی کا عمل کسی دوسرے کے ذمے نہیں لگایا جائیگا اور ہر جرم کی سزا جرم کے مطابق دی جائے گی، کسی کیساتھ زیادتی نہیں ہوگی، البتہ اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں بے شمار ہوں گی، اسکی رحمت کے دروازے کھلے ہوں گے، نیکی کا اجر کم از کم دس گنا ہوگا، جو بڑھ کر سات سو تک یا لاکھوں گنا تک بھی ہوسکتا ہے۔

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ: کیا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہے اس شخص کی مانند ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی لیکر لوٹا ہے؟ کفر، شرک، نافرمانی، چوری، خیانت وغیرہ خدا کی ناراضگی کے کام ہیں، جو شخص عمر بھر ان کاموں میں لگا رہا وہ اس شخص کی طرح کیسے ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ایک مانتا ہے، اس کے حکموں پر عمل کرتا ہے اور اس کی مخلوق کی خدمت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لینے والے کے متعلق فرمایا: ایسے شخص کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور یہ لوٹ کر جانے کی نہایت ہی بری جگہ ہے۔

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ: اللہ کے ہاں لوگوں کے مختلف درجے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں ان سب کے درجات ہیں، نیکی والوں کے بھی درجے ہیں اور برائی والوں کے بھی درجے ہیں، جس قسم کا عمل ہوگا اسی قسم کا بدلہ ہوگا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھیجنے کا مقصد

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ

بیشک احسان کیا اللہ نے پر ایمان والوں جب بھیجا میں ان پیغمبر سے

اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ

لوگوں انہی پڑھتا ہے پر ان آیتیں اسکی اور پاک کرتا ہے انہیں اور سکھاتا ہے انہیں کتاب اور

الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

دانائی کی بات اور بیشک تھے سے پہلے میں گمراہی کھلی (۱۶۴)

النصف

با محاورہ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان کیا جو انہیں میں سے ان میں پیغمبر بھیجا وہ ان پر اسکی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور دانائی کی بات سکھاتا ہے اور وہ تو اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ (۱۶۴)

تفسیر

قرآن مجید میں یہ ایک واحد مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کوئی احسان جتلایا ہے، انسانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے انہی کی طرح کے ایک انسان کو پیغمبر بنا کر بھیجا، جس کے پاس بیٹھنا، جس سے بات چیت کرنا، اس سے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سمجھنا اور ہر قسم کی برکتوں سے فائدہ اٹھانا آسان ہے، اس پیغمبر کے حالات، اخلاق، امانت، دیانت، پاک بازی اور خدا ترسی انہیں خوب معلوم ہے، اپنی ہی طرح کے ایک

انسان سے جب معجزے ظاہر ہوتے دیکھتے ہیں تو ان پر ایمان لے آنا آسان ہے، اگر کوئی جن یا فرشتہ پیغمبر بنا کر بھیجا جاتا تو اس کے معجزے دیکھ کر لوگ یہ بہانہ کر سکتے تھے کہ یہ ہم میں سے نہیں اس لئے اس کی پیروی نہیں کر سکتے، لہٰذا اس نے انسان پیغمبر بھیجا جو خوش اخلاق، رحم دل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھیجنے کے چار (۴) مقصد بیان فرمائے ہیں:

پہلا:.... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سناتے ہیں، جن کے معنیٰ عرب کے لوگ اہل زبان ہونے کی وجہ سے بڑی آسانی سے سمجھ لیتے تھے۔

دوسرا:.... وہ لوگوں کو شرک، بت پرستی، بدکاری اور گناہوں سے پاک کرتے ہیں، ان کی گندگیوں کو دور کر کے دلوں کو صاف کرتے ہیں۔

تیسرا:.... وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تعلیم دیتے ہیں، جہاں جہاں سمجھنے میں کچھ مشکل پیش آئے اس کو واضح کرتے ہیں۔

چوتھا:.... وہ لوگوں کو حکمت (دانائی) کی تعلیم دیتے ہیں۔

اور اس لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوّلین مبلغ اسلام ہیں، تلاوت قرآن عموماً دو مقاصد کیلئے ہوتی ہے، پہلا مقصد یہ ہے کہ: آپ لوگوں کے سامنے تلاوت کریں تاکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین کا علم ہو سکے، اس کو تلاوت برائے تبلیغ بھی کہہ سکتے ہیں۔ تلاوت کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ: انسان خود تلاوت کر کے قربِ الٰہی حاصل کر سکے، نماز کے دوران تلاوت کلام پاک بہترین عمل ہے اور اسکا اجر کئی گنا بڑھ جاتا ہے، اس وقت انسان اللہ تعالیٰ کی صفت کیساتھ موصوف ہوتا ہے اور اسے درجہ کمال حاصل ہوتا ہے۔

وَيُزَكِّيهِمْ: اور انہیں پاک کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو پاک کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لحاظ سے امت کیلئے مرشد ہیں، کیونکہ تزکیہ نفس کرنا مرشد کا کام ہے، تزکیہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کفر، شرک، اور منافقت وغیرہ سے پاک ہو جائے، کفر کے بجائے ایمان حاصل ہو اور بداخلاقی خوش اخلاقی میں تبدل ہو جائے۔

ایک شخص نے ابتدائی دور میں مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا، لوگوں نے غصہ بھری نظروں سے دیکھا، حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اسے کچھ نہ کہو، یہ ادھر اُدھر بھاگے گا تو باقی مسجد کو بھی ناپاک کریگا، جب وہ شخص پیشاب کر چکا تو آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: یہاں پانی بہا کر جگہ کو صاف کر دو، اس کے بعد آپ نے اس آدمی کو نرمی سے سمجھایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے، یہاں تلاوت قرآنِ پاک، نماز اور دوسری عبادتیں ہیں، یہاں پیشاب کرنا جائز نہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے آکر عرض کیا حضور! میں ایمان قبول کرنے کیلئے تیار ہوں مگر مجھے بدکاری کی عادت پڑ چکی ہے، جو مجھ سے چھوٹتی نہیں، حضور ﷺ نے اسے اپنے قریب بلایا، اس پر اپنا ہاتھ رکھا اور دعا فرمائی کہ: اے اللہ! اس کو ہدایت نصیب فرما، پھر آپ نے اس شخص کو سمجھایا کہ دیکھو! اگر کوئی دوسرا شخص تمہاری ماں یا بہن یا بیٹی کیساتھ ایسی حرکت کرے تو کیا تم پسند کرو گے؟ اس نے عرض کیا حضور! ہرگز نہیں، آپ نے فرمایا: جن عورتوں کیساتھ تم زیادتی کرتے ہو وہ بھی کسی کی ماں، بہن یا بیٹی ہوتی ہے، یہ سن کر وہ شخص سخت شرمندہ ہوا اور اس گناہ سے ہمیشہ کیلئے توبہ کر لیا، اسی چیز کا نام تزکیہ ہے کہ انسان سے بری عادتوں کو نکالا جائے اور اس میں اچھی عادتیں پیدا کی جائیں، یہی وہ کام ہے جو آپ ﷺ انجام دیتے رہے۔

وَالْحِكْمَةَ: اور دانائی کی بات، چوتھی چیز فرمایا: پیغمبر خدا لوگوں کو حکمت کی تعلیم بھی دیتا ہے، حکمت کا آسان معنی دانائی، دانشمندی یا گہری سوچ کی باتیں ہیں، حضور نبی کریم ﷺ نے ایک جاہل قوم کی تربیت اس طریقے سے کی کہ انہیں دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کی صف میں لا کھڑا کیا۔

حکمت سے مراد حضور ﷺ کی حدیث بھی ہے۔

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ: اور بے شک وہ تو اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے، یعنی اس قدر بھٹکی ہوئی قوم کو پیغمبر ﷺ نے قرآن کی تعلیم کے ذریعے ایک با اخلاق اور ترقی یافتہ قوم بنا دیا، اس زمانے میں جگہ جگہ بت رکھے ہوئے تھے، حتیٰ کہ خود بیت اللہ شریف میں "۳۶۰" بت تھے، پوری کی پوری قوم بت پرست تھی، ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص احسان فرمایا کہ ایک عظیم الشان پیغمبر بھیجا، یہ اللہ تعالیٰ کا

بہت بڑا احسان تھا۔

امتحان کا شکوہ

اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى
کیا جس وقت پہنچی تمہیں کوئی تکلیف بے شک پہنچا چکے ہو تم دوگنی اس سے کہتے ہو کہاں سے آئی

هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ
یہ آپ کہدیں وہ سے طرف نفوس تمہارے کے ہے بیشک اللہ پر ہر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۱۶۵)
چیز کے قادر ہے (۱۶۵)

بامحاورہ ترجمہ: کیا جس وقت تمہیں ایک تکلیف پہنچی کہ تم اس سے پہلے اس جیسی دوگنی تکلیف پہنچا چکے ہو تو کہتے ہو یہ کہاں سے آئی، آپ کہدیں یہ تکلیف تمہیں تمہاری ہی طرف سے پہنچی ہے، بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱۶۵)

تفسیر

اس آیت میں مسلمانوں سے یہ کہا جاتا ہے کہ اُحد کی جنگ میں تمہیں جو تکلیف اور نقصان اٹھانا پڑا کیا تم کو اس پر تعجب ہے اور یہ پوچھتے ہو کہ یہ مصیبت کہاں سے آ گئی، تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم تو مسلمان تھے اللہ کی راہ میں حق کے دشمنوں سے لڑنے کے لیے نکلے تھے اللہ تعالیٰ نے مدد کا وعدہ بھی کیا، پھر یہ مصیبت ہم پر کہاں سے آ گئی؟ ایسا کہتے وقت تمہیں سوچنا چاہیے کہ جس قدر تکلیف تمہیں پہنچی اس سے دگنی تکلیف اس سے پہلے تمہارے دشمنوں کو پہنچ چکی ہے اُحد میں تمہارے ستر آدمی شہید ہوئے اور جنت کے وارث بنے، بدر میں ان کے ستر آدمی مارے گئے ساتھ ہی ان کے ستر آدمی تمہارے ہاتھ قید ہوئے جن پر تمہیں پورا اختیار تھا، اگر تم چاہتے تو قتل بھی کر سکتے تھے، پھر بدر کے علاوہ اُحد کی جنگ میں بھی پہلے پہلے ان کے بیس سے زیادہ آدمی قتل ہو چکے ہیں اگر یہاں تمہارا نقصان

ہوا تو ادھر دیکھو انہیں بدر میں تمہارے ہاتھوں شکست مل چکی ہے اور اُحد میں بھی جب تم پوری دل بستگی سے لڑے تو ان کے چھکے چھوٹ گئے اور بدحواس ہو کر بھاگ نکلے، اگر غور کرو تم خود ہی اس مصیبت کا سبب بنے، اول تم نے جوش میں آ کر مدینہ سے باہر نکل کر لڑنے پر اصرار کیا دوسرے یہ کہ تیر اندازوں نے درے کو خالی چھوڑ دیا، اب تعجب کا کیا موقع ہے، اب مصیبت اور شکست کا سبب تم ہی بنے تھے ورنہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، وہ چاہتا تو تمہیں اس امتحان میں نہ ڈالتا بیشک اسے پوری قدرت حاصل ہے۔

آزمائش کا مقصد

وَ مَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيَعْلَمَ

اور جو کچھ پہنچا تمہیں جس دن آمنے سامنے ہوئی دو فوجیں ساتھ حکم اللہ کے اور تاکہ معلوم کرے

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَ قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا

ایمان والوں کو (۱۶۶) اور تاکہ معلوم کرلے ان لوگوں کو جو منافق ہوئے اور کہا گیا سے ان آؤ

قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ

لڑو میں راستے اللہ کے یا ہمارا بچاؤ ہی کرو

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو کچھ تمہیں پیش آیا اس دن جب دو فوجوں کا آمنا سامنا ہوا اللہ کے حکم سے، تاکہ ایمان والوں کو معلوم کر لے۔ (۱۶۶) اور تاکہ انہیں بھی معلوم کر لے جو منافق تھے اور انہیں کہا گیا کہ آؤ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑو یا دشمن سے ہمارا بچاؤ۔

تفسیر

اس آیت میں اُحد کی جنگ کی طرف اشارہ ہے، جس دن اسلام اور کفر کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل

ہوئیں۔اور آپس میں ان کا آمنا سامنا ہوا۔

اُحد کی جنگ میں جب مسلمان مجاہدوں اور مشرکوں کا آپس میں آمنا سامنا ہوا، اور مسلمانوں کو عارضی پسپائی ہوئی، مسلمانوں کیساتھ جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا، مقصود یہ تھا کہ ایک طرف تو مسلمانوں کے ایمان اور خلوص کا پتہ چل جائے اور دوسری طرف منافقوں کا دوغلا پن ظاہر ہو جائے اور کھرے کھوٹے میں فرق ہو جائے۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے جب منافق واپس جانے لگے تو انہیں کہا گیا کہ آؤ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑو، ورنہ کم از کم دشمن کو روکنے اور دفع کرنے میں ہی حصہ لو، یعنی مجمع میں شریک رہو، تاکہ ہماری تعداد کی زیادتی کا رعب دشمن کے دل پر پڑے اور اگر خدا کی راہ میں دین کی خاطر نہیں لڑتے تو کم از کم اپنے شہر مدینہ ہی کی حفاظت کے لیئے ہی دشمن کو روکنے میں مدد دو، جس میں تمہارے اپنے بیوی بچے بھی ہیں، ہر طرح سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی گئی، لیکن منافق نہ مانے اور ان کے دل کا کھوٹ ظاہر ہو گیا، انہوں نے جو منافقانہ جواب دیا، وہ آگے آ رہا ہے۔(انشاء اللہ)

منافقوں کی بہانہ بازی

قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ

بولے اگر ہم جانتے لڑائی تو البتہ ساتھ رہتے تمہارے وہ کفر کے اس دن زیادہ قریب ہیں

مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَ

بنسبت ان کے قریب ہونے کے ایمان کے وہ کہتے ہیں منہوں اپنے سے جو نہیں میں دلوں انکے اور

اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوْا لَوْ

اللہ زیادہ جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے ہیں (۱۶۷) وہ لوگ جو کہتے ہیں سے بھائیوں اپنے اور خود بیٹھ رہے ہیں اگر

اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ

وہ مانتے کہنا ہمارا نہ قتل کئے جاتے آپ کہدیں اب ہٹادو سے جانوں اپنی موت کو اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

ہو تم سچے (۱۶۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ منافقوں نے کہا اگر ہم کو لڑائی معلوم ہوتو البتہ ہم تمہارے ساتھ رہیں وہ لوگ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر کے زیادہ قریب ہیں اپنے منہ سے منافق وہ ہمدردی کی بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں۔ (۱۶۷) یہ وہ لوگ ہیں جو خود بیٹھ گئے ہیں اور اپنے بھائیوں کو کہتے ہیں اگر وہ ہماری بات مانتے تو قتل کئے نہ جاتے آپ کہدیں اب ہٹادو اپنے جانوں سے موت کو، اگر تم سچے ہو۔ (۱۶۸)

تفسیر

جب دشمن سامنے تھا اور اسلام اور کفر کی ٹکر ہونے کو تھی، عبداللہ بن ابی اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس چلا آیا جب اس سلسلہ میں اسے سمجھایا بجھایا گیا تو جواب میں یہ کہا کہ لڑائی تو ہوتی نظر نہیں آتی اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ لڑائی سچ مچ ہونے والی ہے تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے، ان الفاظ سے اس کا ایک مطلب تو یہ تھا کہ اگر مقابلہ صحیح معنوں میں ہوتا تو ہم ضرور تمہارے ساتھ رہتے، بھلا یہ بھی کوئی مقابلہ ہے کہ ایک طرف تین ہزار کا لشکر ہے اور دوسری طرف صرف ایک ہزار کا لشکر، اور تمہارے پاس کوئی ساز و سامان بھی نہیں یہ لڑائی نہیں بلکہ اپنے آپ کو خواہ مخواہ ہلاکت میں ڈالنا ہے، ان لوگوں نے اپنی اس حرکت سے مسلمانوں کا جو حوصلہ گرانے والی بات کر کے انکو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔

منافق مدینہ کے انصار کو کہنے لگے کہ ہماری بات مان کر گھر میں بیٹھے رہتے لڑائی میں شریک نہ ہوتے تو یوں قتل نہ کئے جاتے، اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ کہا کہ اگر تمہاری بات ٹھیک ہے اور تم اپنی بات میں سچے ہو کہ بیٹھے

رہنے اور جنگ میں شرکت نہ کرنے سے انسان مرنے سے بچ جاتا ہے تو چاہئے کہ تمہیں کبھی موت نہ آئے، اس لئے کہ تم تو گھروں میں بیٹھے ہو لیکن ظاہر ہے ایک دن تمہیں بھی موت آئے گی، پس ہم تو تمہیں سچا اس وقت مانیں گے جب تم موت کو اپنی جانوں سے ٹال دو۔

شہید زندہ ہیں

وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ

اور نہ ہرگز تو گمان کر ان لوگوں کو جو قتل کئے گئے میں راہ اللہ کے مردے بلکہ وہ زندہ ہے

عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ

پاس رب اپنے کے کھاتے پیتے ہیں (۱۶۹) خوشی کرتے ہیں اس پر جو انہیں دیا اللہ نے سے فضل اپنے

وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا

اور خوش ہوتے ہیں انکی طرف سے جو نہیں پہنچے انکے پاس سے پیچھے ان کے اس واسطے کہ نہ

وقف لازم خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ

ڈر پر ان اور نہ وہ غمگین ہونگے (۱۷۰) خوش ہوتے ہیں ساتھ نعمت

ع ۱۷/۱۶ ۸ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ۚع

سے اللہ اور فضل اور اسلئے کہ اللہ نہیں ضائع کرتا بدلہ ایمان والوں کا (۱۷۱)

بامحاورہ ترجمہ: اور ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کئے گئے مردہ نہ سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے ہیں۔ (۱۶۹) اس پر خوشی کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اور ان کی طرف سے خوش ہوتے ہیں جو ابھی تک ان کے پاس نہیں پہنچے ان کے پیچھے سے اس واسطے کہ نہ ان کو ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے۔ (۱۷۰) اللہ کی نعمت اور فضل سے خوش ہوتے ہیں اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا

بدلہ ضائع نہیں کرتے۔(۱۷۱)

شانِ نزول

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کی روحوں کو سبز پرندوں کے جسم میں رکھ کر آزاد کردیا وہ جنت کی نہروں اور باغوں کے پھلوں سے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں اور پھر ان قندیلوں میں آجاتے ہیں جو ان کے لئے عرش کے نیچے لٹکائی گئی ہیں (جب ان لوگوں نے اپنی راحت وعیش کی یہ زندگی دیکھی تو کہنے لگے کہ ہمارے متعلقین دنیا میں ہمارے مرنے سے غمگین ہیں) کیا کوئی ہمارے حالات کی خبر ان کو پہنچا سکتا ہے تا کہ وہ ہم پر غم نہ کریں اور وہ بھی جہاد میں کوشش کرتے رہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ہم تمہاری یہ خبر ان کو پہنچائے دیتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے جائیں وہ شہید ہیں اور انہیں ایک خاص طرح کی زندگی نصیب ہوتی ہے جو دوسروں کو نہیں ملتی، شہید جنت میں خوش خوش ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل ورحمت سے شہادت کا مرتبہ عطا فرمایا، ان پر اپنی بڑی بڑی نعمتیں نازل فرمائی، اور اپنے فضل سے ان پر انعامات کی بارش کریگا، رسول اللہ ﷺ کی زبانی شہیدوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے جو وعدے کئے تھے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بہت خوش ہوں گے انہیں معلوم ہوجائے گا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی محنت اور کوشش کو ضائع نہیں کرتے بلکہ وہم وخیال سے بھی بڑھ کر بدلہ دیتا ہے۔

شہید نہ صرف اپنی حالت پر خوش ہوں گے بلکہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کا خیال کر کے بھی خوش ہوں گے، جنہیں وہ اپنے پیچھے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے چھوڑ آئے تھے کہ وہ بھی اگر ہماری طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے گئے یا ایمان اور اسلام پر ان کا خاتمہ ہوا تو وہ بھی پرسکون زندگی حاصل کریں گے، ان لوگوں کو نہ اپنے

آگے کا ڈر ہوگا، نہ پیچھے کا غم ہوگا بلکہ بڑے اطمینان سے سیدھے اللہ کی رحمت (جنت) میں داخل ہو جائیں گے۔

"مؤطا امام مالک" کی روایت میں آتا ہے کہ: شہیدوں کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے جسموں میں سوار ہو کر جہاں چاہتے ہیں سیر و تفریح کرتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں اور پھر ان فانوسوں کی طرف آجاتے ہیں جو عرش کے نیچے لٹک رہے ہیں، جنت الفردوس جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور عرش اس کے اوپر ہے، جس کیساتھ وہ فانوس ہیں جن میں شہیدوں کی روحیں رہتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنا اعلیٰ مقام عطا کیا ہے۔

شہیدوں کے بارے احکام ومسائل

مسئلہ (۱):.... کافروں کے ہاتھوں شہادت پانے والے شہیدوں کو غسل نہیں دیا جاتا، بلکہ اسی طرح ان نمازِ جنازہ ادا کر کے قبر میں اتار دیا جاتا ہے،

مسئلہ (۲):.... اگر شہیدوں کے بدن پر کوئی زائد کپڑا ہو، مثلاً: کمبل، کوٹ، زرہ، بوٹ، وغیرہ ہوں تو اتار لئے جائیں گے۔

شہیدوں کے فضائل ودرجات

اس آیت میں شہیدوں کی خاص فضیلتوں کا بیان ہے اور صحیح حدیثوں میں اس کی بڑی تفصیل آئی ہے، شہیدوں کے بھی درجے اور حالات مختلف ہوتے ہیں۔

یہاں پہلی فضیلت تو یہ بیان کی گئی ہے کہ تم ان کو مردہ نہ کہو، دوسری فضیلت یہ ہے کہ شہیدوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق ملتا ہے۔ تیسری فضیلت یہ بیان کی گئی کہ وہ ہمیشہ خوش خوش رہیں گے، ان نعمتوں میں جو ان کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں، چوتھی فضیلت یہ ہے کہ وہ اپنے جن متعلقین کو دنیا میں چھوڑ گئے تھے ان کے متعلق بھی ان کو یہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں رہ کر نیک عمل اور جہاد میں مصروف رہیں تو ان کو بھی یہاں آ کر یہی

نعمتیں اوراعلیٰ درجے ملیں گے۔

ہیبت کی بجائے ایمان

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ
وہ لوگ جنہوں نے حکم مانا اللہ کا اور پیغمبر کا سے بعد اس کے کہ انہیں پہنچے زخم

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ
لئے ان لوگوں کے جو نیک ہیں میں سے ان اور پرہیزگار ہیں ثواب بڑا (۱۷۲) وہ لوگ جنہوں نے کہا

لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ
سے ان لوگوں کہ بیشک لوگوں نے بیشک جمع کیا ہے لئے تمہارے پس تم ان سے ڈرو تو ان کا زیادہ ہوا

اِيْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ
ایمان اور بولے کافی ہے ہمیں اللہ اور اچھا ہے کام بنانے والا (۱۷۳) پھر لوٹے وہ ساتھ احسان

مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ
سے اللہ اور فضل کے نہ پہنچی انہیں کوئی برائی اور فرمانبردار ہوئے مرضی

اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾
اللہ کی کے اور اللہ والا ہے فضل بڑا (۱۷۴)

مع عند المتقدمین ۱۲

بامحاورہ ترجمہ:۔ جن لوگوں نے اللہ اور پیغمبر کا حکم مانا اس کے بعد کہ انہیں زخم پہنچ چکے تھے جو ان میں سے نیک اور پرہیزگار ہیں ان کو بڑا ثواب ہے۔(۱۷۲) جنہیں لوگوں نے کہا کہ (مکہ کے) آدمیوں نے تمہارا مقابلہ کا سامان جمع کیا ہے، سوتم ان سے ڈرو تو اُن کا ایمان اور زیادہ ہوا اور بولے ہمیں اللہ کافی ہے اور کیا خوب کام بنانے والا ہے۔(۱۷۳) پھر مسلمان اللہ کے احسان اور فضل کیساتھ لوٹے، انہیں کچھ برائی نہ پہنچی وہ

اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا فضل بڑا ہے۔ (۱۷۴)

شانِ نزول

اُحد کی جنگ میں جب مسلمانوں پر اونگھ ڈالی گئی اور وہ تازہ دم ہو کر دشمنوں کے مقابلہ میں ڈٹ گئے سخت گھمسان کی جنگ ہوئی اور مشرک شکست کھا کر بھاگے، ابوسفیان کافروں کے لشکر کا سردار تھا مکہ کو واپس جاتے ہوئے راستہ میں رُکا اور دل میں سوچنے لگا کہ ہم نے بڑی غلطی کی جو یونہی زخمی مسلمانوں کو چھوڑ کر چلے آئے، بہتر تھا کہ آج انہیں ختم ہی کر دیا جاتا، آپس میں ان کے مشورے ہونے لگے کہ پھر مدینہ چل کر مسلمانوں کا کام تمام کیا جائے۔

رسول للہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب یہ خبر ملی کہ ابوسفیان دوبارہ حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو آپ نے مدینہ میں اعلان فرمادیا کہ: جو لوگ کل احد کے میدان میں ہمارے ساتھ لڑائی میں شریک تھے آج دشمن کا پیچھا کرنے کیلئے تیار ہو جائیں۔

مسلمان مجاہدین میدانِ جنگ میں شدید زخم کھا چکے تھے اور زخموں سے چور ہو رہے تھے، بظاہر اب ان میں مقابلہ کی کوئی طاقت نہ تھی لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سن کر وہ فوراً تیار ہو گئے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انہی نیک بندوں کا ذکر فرمایا ہے۔

زخم کھا کر بھی پیچھے نہ ہوئے بلکہ دوبارہ جنگ کیلئے تیار ہو گئے، ان میں نیکوکار اور پرہیز گار لوگوں کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔

تفسیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجاہدین کا ایک لشکر لیکر ابوسفیان کے پیچھے "حمراء الاسد" کے مقام تک پہنچے یہ جگہ مدینہ سے آٹھ میل دور ہے، جب ابوسفیان نے یہ سنا کہ مسلمان اس کا پیچھا کرتے چلے آرہے ہیں تو اس کے دل

میں مسلمانوں کا رعب پیدا ہوگیا، اور حملے کا ارادہ چھوڑ کر مکہ کی طرف بھاگ کھڑا ہوا، اتفاق سے عبدالقیس کا ایک تجارتی قافلہ مدینہ کو جارہا تھا ابوسفیان نے شرمندگی مٹانے کیلئے ان لوگوں کو کچھ لالچ دیکر اس بات پر تیار کیا کہ وہ مدینہ پہنچ کر ایسی خبریں شائع کریں جنہیں سن کر مسلمانوں پر ہمارا رعب چھا جائے اور وہ خوف زدہ ہوجائیں، اس قافلہ کے لوگوں نے مدینہ پہنچ کر یہ کہنا شروع کردیا کہ مکہ والوں نے مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے بڑا بھاری لشکر تیار کیا ہے، یہ سن کر مسلمانوں کے دلوں میں خوف کے بجائے ایمان اور زیادہ بڑھ گیا اور کفر کے لشکر کا حال سن کر کہنے لگے کہ ساری دنیا کے مقابلے میں اکیلا خدا ہم کو کافی ہے، اس آیت میں مسلمانوں کے انہیں جذبات اور ان کے اجروثواب کا ذکر ہے۔

اس طرف تو مسلمانوں پر رعب کیلئے یہ خبر دی گئی اور مسلمان اس سے متاثر نہیں ہوئے، دوسری طرف معبد خزاعی بنی خزاعہ کا ایک آدمی مدینہ سے مکہ کی طرف جارہا تھا یہ اگرچہ مسلمان نہ تھا مگر مسلمانوں کا خیرخواہ تھا، اس کا قبیلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف تھا اس لئے جب راستہ میں مدینہ سے لوٹتے ہوئے ابوسفیان کو دیکھا کہ وہ اپنے لوٹنے پر پچھتا رہا ہے اور پھر واپسی کی فکر میں ہے تو اس نے ابوسفیان کو بتایا کہ تم دھوکے میں ہو کہ مسلمان کمزور ہوگئے، میں ان کے بڑے لشکر کو ”حمراء الاسد“ میں چھوڑ کر آیا ہوں جو پورے ساز وسامان سے تمہارا پیچھا کررہا ہے، ابوسفیان پر اس کی خبر نے رعب ڈال دیا۔

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ: یہ لوگ اللہ کے انعام اور فضل کیساتھ واپس آئے، اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو تین نعمتیں عطا کیں، پہلی نعمت تو یہ کہ کافروں کے دلوں میں رعب اور خوف ڈال دیا، اور وہ لوگ بھاگ گئے، جسکی وجہ سے یہ حضرات لڑائی سے محفوظ رہے، دوسری نعمت اللہ تعالیٰ نے یہ عطا فرمائی کہ ان حضرات کو ”حمراء الاسد“ کے بازار میں تجارت کا موقع ملا اور اس سے منافع حاصل ہوا، تیسری نعمت جو ان تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہے جو اس جہاد میں ان حضرات کو خاص انداز میں حاصل ہوئی۔

"حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ" کی فضیلتیں

حَسْبُنَا اللّٰهِ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ: پڑھنے کے فائدوں میں لکھا ہے کہ اس آیت کو ایک ہزار مرتبہ پڑھ کر جو دعا مانگی جائے اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرماتے، مصیبتوں اور تکلیفوں کے وقت "حَسْبُنَا اللّٰهِ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ" کا پڑھنا فائدہ مند ہے۔

یہ کلمہ بہترین ورد بھی ہے اور یہ اس بات کا اقرار ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، ہار جیت اسی کے ہاتھ میں ہے، اسی نے ہمارا کام بنانا ہے جب تک کسی چیز میں اللہ تعالیٰ اثر نہ ڈالے اس وقت تک کوئی چیز فائدہ نہیں دے سکتی، لہٰذا اسی پر ہمارا بھروسہ ہے، جب کوئی انسان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے انعام اور فضل اس کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔

توکل کی تعریف

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھروسہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا بھروسہ نہیں ہوسکتا، لیکن آپ کی بھروسہ کی صورت یہ نہ تھی کہ ظاہری سبب کو چھوڑ کر بیٹھے رہتے اور کہتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے وہ بیٹھے بٹھائے ہمیں غلبہ عطا فرماوے گا، نہیں بلکہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا، زخمی لوگوں کے دلوں میں نیا جذبہ پیدا فرمایا، جہاد کیلئے تیار کیا، اور نکل کھڑے ہوئے، جتنے ظاہری سبب اپنے اختیار میں تھے وہ سب مہیا اور استعمال کرنے کے بعد فرمایا کہ: ہمیں اللہ کافی ہے، یہی وہ صحیح بھروسہ ہے جس کی تعلیم قرآن میں دی گئی اور رسولِ کریم ﷺ نے اس پر عمل کیا اور کرایا، دنیاوی سبب بھی خدا تعالیٰ کا انعام ہیں، ان کو چھوڑ دینا بھی پیغمبر کی سنت نہیں۔

رسول کریم ﷺ نے خود ایک واقعہ میں اسی آیت "حَسْبُنَا اللّٰهِ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ" کے بارے میں واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ: اللہ تعالیٰ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانے کو ناپسند کرتا ہے بلکہ تم کو چاہئے

کہ کہ تمام ذریعہ اختیار کرو پھر اس وقت کہو "حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ "۔

شیطان کا ڈراوا

اِنَّمَا ذٰلِکُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَہٗ فَلَا تَخَافُوْھُمْ وَخَافُوْنِ
بیشک یہ جو ہے شیطان ڈراتا ہے دوستوں اپنے کو پس نہ ڈرو تم ان سے اور ڈرو مجھ سے

اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَ لَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی
اگر ہو تم ایمان والے (۱۷۵) اور نہ غم میں ڈالے آپ کو وہ لوگ جو کوشش کرتے ہیں میں

الْکُفْرِ ۚ اِنَّھُمْ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰہَ شَیْئًا ؕ یُرِیْدُ اللّٰہُ اَلَّا یَجْعَلَ
کفر بیشک وہ ہرگز نہیں بگاڑیں گے اللہ کا کچھ بھی چاہتا ہے اللہ کہ نہ دے

لَھُمْ حَظًّا فِی الْاٰخِرَۃِ ۚ وَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۶﴾
انہیں فائدہ میں آخرت اور لئے ان کے عذاب بڑا (۱۷۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہ شیطان ہے کہ اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے سو تم ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان والے ہو۔ (۱۷۵) اور آپ کو وہ لوگ غم میں نہ ڈالیں جو کفر کی طرف کوشش کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑیں گے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان کو فائدہ نہ دے آخرت میں اور ان کیلئے بڑا عذاب ہے۔ (۱۷۶)

تفسیر

اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے فرماتے ہیں کہ جو آدمی تمہارے دشمنوں کے بارے میں غلط خبریں پھیلا کر تم پر رعب ڈالنا چاہتا ہے وہ شیطان ہے، اور شیطان کا بہکایا ہوا ہے، اس کی غرض یہ ہے کہ ان کا رعب تم پر بٹھا کر تم کو خوف زدہ کردے، سو تم اگر ایمان والے ہو تو اس شیطان سے بالکل نہ ڈرو، بلکہ صرف مجھ سے ڈرو، منافق لوگ اس کی باتوں میں آکر کفر کی طرف دوڑتے ہیں تم ان منافقوں کی حرکتوں کو دیکھ کر غم نہ کھاؤ اور فکر مند نہ ہو، یہ نہ تو

پیغمبر کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ اللہ تعالیٰ کے دین کو کوئی ضرر پہنچا سکتے ہیں، بلکہ سراسر اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی منافقت کے بدلے انہیں انتہائی ناکامی دے گا اور آخرت میں انہیں بہت سخت سزا دی جائے گی۔

ایمان کے بدلے کفر

اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَ

بیشک وہ لوگ جو خریدتے ہیں کفر کو بدلے ایمان کے ہرگز نہ بگاڑیں گے اللہ کا کچھ بھی اور

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٧﴾ وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ

لئے ان کے عذاب ہے دردناک (۱۷۷) اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو کافر ہیں کہ ہم مہلت دیتے ہیں

لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ

انہیں بھلائی کیلئے واسطے جانوں ان کی کے بیشک ہم مہلت دیتے انہیں تا کہ زیادہ کریں گناہ اور لئے انکے

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٧٨﴾

عذاب ذلیل کرنے والا (۱۷۸)

بامحاورہ ترجمہ:- جنہوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدا وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑیں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔(۱۷۷) اور کافر یہ گمان نہ کریں کہ جو ہم انہیں مہلت دیتے ہیں ان کے حق میں کچھ بھلا ہے ہم تو انہیں اس لئے مہلت دیتے ہیں تا کہ وہ گناہوں میں اضافہ کریں اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔(۱۷۸)

تفسیر

اشْتَرَوُا: اس کے معنی خریدنا اور فروخت کرنا دونوں ہیں، یہاں خریدنے کے معنوں میں آیا ہے، یعنی: انہوں نے ایمان ویقین کو چھوڑ کر کفر وانکار اختیار کر لیا ہے، ایمان کے بدلے وہ کفر کی اختیار کر رہے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر اختیار کرلیا ہے، ایسا کرنے سے یہ اللہ تعالیٰ کا، اس کے پیغمبر کا یا اس کے دین کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، اسلئے دردناک عذاب میں گرفتار ہونگے انہیں اگر کچھ ڈھیل مل گئی ہے تو یہ ڈھیل ان کے حق میں بہتر نہیں، بلکہ اس لئے ہے کہ ان کے گناہوں میں اور اضافہ ہو۔ اور ذلیل کرنے والے عذاب میں مبتلا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ

نہیں ہے اللہ کہ چھوڑ دے ایمان والوں کا پر جو تم ہو پر جس یہاں تک کہ جدا کردے

الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَ

ناپاک کو سے پاک اور نہیں ہے اللہ کہ خبر دے پر غیب کی اور

لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ

لیکن اللہ چن لیتا ہے سے پیغمبروں اپنی جسے چاہے سو تم ایمان لاؤ اللہ اور

رُسُلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

پیغمبروں اس کے پر اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگاری اختیار کرو تو لئے تمہارے اجر بڑا (۱۷۹)

بامحاورہ ترجمہ: اللہ ایسا نہیں کہ مسلمانوں کو اس حالت پر چھوڑ دے جس پر تم ہو یہاں تک کہ پاک کو ناپاک سے جدا کردے، اور اللہ تعالیٰ نہیں ہے کہ تمہیں غیب کی خبر دے، لیکن اپنے پیغمبروں میں جسے چاہے چن لیتا ہے، سو تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے پیغمبروں پر اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگاری اختیار کرو تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہے۔ (۱۷۹)

تفسیر

اس آیت میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہمیشہ اس حالت پر نہیں رکھنا چاہتا، جس پر وہ اب تک رہے،

یعنی بہت سے کافر مسلمانی کے لبادہ میں منافقت کا کھیل کھیلتے رہے زبان سے کلمہ پڑھ کر دل سے کفر پر ڈٹے رہے ہیں اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کیلئے ان میں ملے جلے رہے بلکہ مسلمانوں کو منافقوں کے دھوکہ سے بچانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کیے جن سے کھرے اور کھوٹے میں اور پاک اور ناپاک میں تمیز ہو جائے۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ کیلئے یہ بہت آسان بات تھی کہ تمام مسلمانوں کو امتحان میں ڈالے بغیر منافقوں کے نام بتا دیتا لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت کے مطابق یہ بات مناسب نہیں کہ تمام لوگوں کو اس طرح کی غیب کی باتیں بتادے البتہ اس کام کے لیئے وہ انسانوں میں سے پیغمبر چن لیتا ہے اور غیب کا جتنا علم انہیں دینا چاہے دیدیتا ہے۔

اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ تمام لوگوں کو غیب کی باتیں نہیں بتائی جاتیں بلکہ صرف پیغمبروں کو ہی بتائی جاتی ہیں، تمہارا کام صرف یہ ہے کہ اللہ اور اس کے پیغمبروں کی باتوں پر یقین رکھو اور پرہیزگاری کی زندگی اختیار کرو، اگر یہ کرلیا تو سمجھو کہ سب کچھ حاصل کرلیا تم لوگوں کو بہت بڑا ثواب ملے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کی یہ حکمت بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلص مؤمنوں اور منافقوں کے درمیان واضح فرق پیدا کرنا چاہتا ہے، تاکہ پتہ چل جائے کہ کون خالص مؤمن ہیں اور کون منافق، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ پکے سچے مسلمان منافقوں کی سازشوں سے اپنا بچاؤ کرسکیں گے، یہاں تک کہ ناپاک کو پاک سے علیحدہ کردے، اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں ہے کہ خالص مؤمن اور منافق آپس میں ایک ساتھ ملے جلے رہیں، جو لوگ ایماندار ہیں اور اپنی فکر ذہن اور عمل کے لحاظ سے پاک ہیں، وہ فکری، ذہنی اور عملی لحاظ سے ناپاک لوگوں کیساتھ اکٹھے نہیں رہ سکتے ہیں، ان دونوں کے درمیان فرق ہونا چاہیے۔

کنجوسی کا انجام

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ

اور نہ خیال کریں وہ لوگ جو کنجوسی کرتے ہیں پر اس جو دیا انہیں اللہ سے فضل اپنے کہ یہ

خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ

بہتر ہے ان کے بلکہ یہ برا ہے لئے ان کے طوق بنا کر ڈالا جائیگا وہ کنجوسی کی میں جس دن

الْقِيٰمَةِ ؕ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا

قیامت کے اور لئے اللہ کے ہے میراث آسمانوں اور زمین اور اللہ جو کچھ

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع ۱۸ ۹

تم کرتے ہو جانتا ہے (۱۸۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور جو لوگ اس چیز میں کنجوسی کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دی ہے یہ خیال نہ کریں کہ یہ ان کے حق میں بہتر ہے بلکہ یہ ان کیلئے بہت برا ہی ہے کہ ان کی گردنوں میں وہ مال طوق بنا کر ڈالا جائیگا جس میں وہ کنجوسی کیا کرتے تھے قیامت کے دن، اور اللہ آسمانوں اور زمین کا وارث اور جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔(۱۸۰)

تفسیر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہودیوں میں سے جو منافق جہاد کے موقعہ سے بھاگتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے بھی جی چراتے ہیں لیکن جس طرح جہاد سے جان بچا کر دنیا میں چند دن کی مہلت حاصل کر لینا ان کے حق میں کچھ بہتر نہیں، ایسے ہی کنجوسی کر کے مال بچا لینا بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، قیامت کے دن ان کا یہ جمع کیا ہوا مال عذاب کی صورت میں ان کی گردنوں کا طوق بن کر رہے گا۔

اس سے مسلمانوں کو بھی تنبیہ کر دی گئی کہ زکوٰۃ دینے اور دین کے ضروری کاموں میں خرچ کرنے سے جی نہ چرائیں، ورنہ جو شخص کنجوسی کر کے منافقوں والا طریقہ اختیار کریگا اسے بھی ایسی ہی سزا ملے گی، حدیث شریف میں آتا ہے کہ: جو لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے ان کا مال خوفناک سانپ کی صورت میں بنا کر ان کی گردنوں میں ڈالا جائیگا۔

کنجوسی کرنے والوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہ ایک حقیقت بیان فرما دی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمان کا

مالک ہے، تم تو سب مال یہیں چھوڑ جاؤ گے آخر اللہ کے قبضے میں ہی رہے گا، اگر انسان اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کردے تو اسے ثواب ملے گا، سب لوگوں کی نیتیں اور عمل اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتے ہیں وہ جانتا ہے کہ کون کنجوسی کرتا ہے اور کون سخاوت وہ ان کے عملوں کے موافق ہی بدلہ دے گا، لہٰذا دل کھول کر اسکی راہ میں خرچ کرنا چاہئے۔

کنجوسی اور اس کے شرعی احکام

کنجوسی کے شرعی معنی یہ ہیں کہ جو چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرنا کسی پر واجب ہو اس کو خرچ نہ کرے، اسی لئے کنجوسی حرام ہے اور اس پر دوزخ کی سخت سزا ہے، اور جن موقعوں میں خرچ کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے، وہ اس میں داخل نہیں، البتہ معنیٰ عام کے اعتبار سے اس کو بھی کنجوسی کہہ دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے دین کی قوت کے لیے جہاد بہت بڑا عمل ہے، جس کی دو صورتیں ہیں یا تو انسان خود جہاد میں شریک ہوکر جسم و جان کی بازی لگا دیتا ہے یا پھر مال خرچ کر کے مجاہدوں کیلئے سامان مہیا کرتا ہے پیچھے ان منافقوں کا ذکر آچکا ہے جنہوں نے اپنی جان بچانے کی خاطر مختلف بہانوں سے جہاد میں حصہ لینے سے انکار کیا۔

اس آیت کریمہ میں "بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ" کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ انسان کو یہ جتلانا چاہتے ہیں کہ جس مال کے خرچ کا اس سے تقاضا کیا جارہا ہے وہ اس کا ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کا دیا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ مختلف لوگوں کو مختلف ذریعوں سے مال مہیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اسباب پیدا کر کے مال دیا ہے اور پھر اس میں سے اپنے راستے میں خرچ کرنے کی رغبت دلائی، مگر کنجوس آدمی سمجھتا ہے کہ کنجوسی اس کے حق میں بہتر ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایسا ہرگز نہیں بلکہ کنجوسی ان کے حق میں بہت بری چیز ہے۔

کنجوسی کی بیماری ایسی بیماری ہے جس کی وجہ سے انسان نہ صرف نیکیوں سے محروم ہو جاتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کا انکار کر کے ہلاکت میں پڑ جاتا ہے، بخل کی وجہ سے انسان اپنے فرض بھی ادا نہیں کر سکتا، مثال کے طور پر جو شخص اپنے مال سے زکوٰۃ ادا نہیں کرتا وہ صدقہ وخیرات کب کریگا، اسی لیے کنجوسی کو بدترین اخلاقی بیماری کہا گیا ہے۔

"نسائی شریف" کی روایت میں آتا ہے: کسی مؤمن بندے کے دل میں کنجوسی اور ایمان جمع نہیں ہوسکتے، جو سچا مؤمن ہوگا وہ کنجوس نہیں ہوسکتا اگر کنجوس ہے تو اس کا ایمان نامکمل ہے اسے اپنا ایمان درست کرنا ہوگا۔

"بخاری شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے سونے چاندی کی دولت عطاء کی اور اس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی، قیامت کے دن یہ مال سانپ بن جائیگا اور اس کی گردن میں پڑ کر اس کو کاٹے گا اور کہے گا میں تیرا وہ خزانہ ہوں جسے تو سمیٹ سمیٹ کر رکھتا تھا، جسے تو عیاشی اور فحاشی میں صرف کرتا تھا اور جس کیساتھ تو غریب و مسکین کی پرورش نہیں کرتا تھا، فرمایا: اسی طرح اگر کسی کے پاس جانور تھے اور اس نے ان کا حق ادا نہیں کیا تو قیامت کے دن وہ اس شخص کو لٹا کر اسکے اوپر سے گزریں گے اس کو روندیں گے، اس کو سینگ ماریں گے اور اس کو کاٹیں گے۔

نہ سمجھو کہ اگر دنیا میں کسی کو مال مل گیا تو وہ اس کی ذاتی میراث بن گیا ہے بلکہ زمین و آسمان کی تمام وراثت اللہ تعالیٰ کی ہے، ہر چیز کا خالق بھی وہی ہے اور مالک بھی وہی ہے، اس نے تم پر احسان فرمایا کہ تمہیں عارضی طور پر اس کا مالک بنایا، پھر اپنے حکم بھیجے تا کہ ان کے مطابق عمل کر کے اس مال سے نیکی کما لو، اسکے مال کو اسی کے راستے میں خرچ کرو، کنجوسی نہ کرو اور یاد رکھو! تمہارے ہر کام کی اللہ تعالیٰ کو خبر ہے، تم جو کچھ دنیا میں کر رہے ہو وہ سب کچھ تمہارے سامنے آجائیگا اور پھر تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا۔

یہودیوں کی گستاخی

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ

بیشک سنی اللہ نے بات انکی جنہوں نے کہا کہ بیشک اللہ فقیر ہے اور ہم

اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ

مالدار اب لکھ رکھیں گے وہ جو کہا انہوں نے اور جو قتل کئے ہیں پیغمبر ناحق اور

وقف لازم

نَقُوۡلُ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِيۡقِ ۝۱۸۱ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَ

ہم کہیں گے چکھو عذاب جلتی آگ کا (۱۸۱) یہ جو آگے بھیجا انکے ہاتھ اور

اَنَّ اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ۝۱۸۲

بیشک اللہ نہیں ظلم کرنے والا بندوں اپنے پر (۱۸۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے ان کی بات سنی جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں اب ہم ان کی بات لکھ رکھیں گے، اور جو انہوں نے پیغمبروں کے ناحق قتل کیے (وہ بھی لکھ رکھیں گے) اور کہیں گے کہ اب جلتی آگ کا عذاب چکھو۔ (۱۸۱) یہ اس کا بدلہ ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجا اور اللہ تعالیٰ یقیناً بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ (۱۸۲)

تفسیر

ان آیتوں میں یہودیوں کی ایک اور بری حرکت کا بیان ہے، ایک تو وہ کنجوسی کی وجہ سے اللہ کی راہ میں پیسہ خرچ نہیں کرتے دوسرے جب وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم سنتے تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں جب یہ آیت اتری کہ: "کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے گا"، وہ کہنے لگے کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگتا ہے، اگر یوں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ فقیر اور محتاج ٹھہرا اور ہم مالدار۔

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیکی کے کاموں میں خرچ کرنے کو قرض کا نام دیا، وہ اپنا دیا ہوا مال ہم سے ہماری بہتری کے لیئے خرچ کراتا ہے، ہمارے اس خرچ سے اسے کوئی فائدہ بھی نہیں پھر اسے قرض کیسے کہا جاسکتا ہے؟ یہ تو اس کا احسان ہے کہ وہ ہمیں روپیہ خرچ کرنے کا بہترین بدلہ دینے کا وعدہ فرماتا ہے اور اس چیز کو قرض کا نام دیتا ہے، لیکن یہودی اپنی خباثت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا احسان ماننے کی بجائے ہنسی اڑانے لگے اور اللہ تعالیٰ کی شان میں ایسی بکواس کرنے لگے، خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس نے یہ باتیں سن لی ہیں وہ انہیں اس کی ضرور سزا دے گا۔

پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں، جس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی باتیں کہی ہیں، اسی طرح پیغمبروں کی شان میں بھی گستاخی کی اور اس طرح دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ کے عذاب کے حقدار بنے۔

جہاں تک اللہ کو قرض حسن دینے کی بات ہے، اسے یہودی اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے نہ سمجھ سکے، اللہ تعالیٰ نہ تو فقیر ہے (نعوذ باللہ) اور نہ اسے اپنی مخلوق سے قرض کی ضرورت ہے، اس نے جس قرض حسن کا ذکر کیا ہے اس سے مراد یتیموں، مسکینوں، بیواؤں دوسرے محتاجوں پر خرچ کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ تم اپنے مال میں سے محتاجوں پر خرچ کرو اور اس کا اجر مجھ سے لو۔

یہودیوں کی بیکار بحث

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى

وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ بیشک اللہ نے عہد کر رکھا ہے سے ہم کہ نہ یقین کریں کسی پیغمبر کا یہاں تک کہ

يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِىْ

لائے پاس ہمارے قربانی کھائے اسے آگ تو آپ کہدیں بیشک آچکے پاس تمہارے پیغمبر سے پہلے مجھ

بِالْبَيِّنٰتِ وَ بِالَّذِىْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ

نشانیوں کے اور یہ بھی جو تم نے کہا پھر کیوں تم قتل کیوں کیا انہیں اگر ہو تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ

سچے (۱۸۳) پھر اگر جھٹلائیں آپ کو تو جھٹلائے گئے پیغمبر سے پہلے آپ لائے

بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ الْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾

نشانیاں کھلی اور صحیفے اور کتاب روشن (۱۸۴)

بامحاورہ ترجمہ: وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد کر رکھا ہے کہ کسی پیغمبر کا یقین نہ کریں جب تک کہ ہمارے پاس قربانی نہ لائے کہ آگ اسے کھا جائے آپ کہدیں کہ تم میں مجھ سے پہلے تمہارے پاس

کتنے پیغمبر نشانیاں لیکر آ چکے ہیں اور یہ بھی جو تم نے کہا، پھر تم نے انہیں کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو۔ (۱۸۳) پھر اگر یہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر جھٹلائے گئے جو نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے۔ (۱۸۴)

تفسیر

قدیم زمانہ میں بعض پیغمبروں کو یہ معجزہ دیا گیا تھا کہ جب کبھی وہ قربانی یا کوئی اور چیز اللہ تعالیٰ کے نام پر دیتے تو آسمان سے آگ آتی اور اسے کھالیتی آگ کا کھا جانا اس قربانی کے قبول ہونے کی علامت سمجھی جاتی تھی، اس سے یہودیوں نے ایک بہانہ پکڑ لیا اور رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کہہ رکھا ہے کہ جس پیغمبر کے پاس یہ معجزہ نہ ہو اُس پر ایمان نہ لائیں۔

یہ یہودیوں کا جھوٹا بہانہ تھا، کسی کتاب میں اس قسم کا کوئی حکم موجود نہ تھا، نہ آج موجود ہے اور نہ ہر ایک پیغمبر کے بارے میں یہ ثابت کیا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کو اس کے حالات کے مناسب معجزے عطاء کئے ہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں سے فرمایا کہ: اگر تم اپنے وعدہ میں سچے ہو اور تم کسی پیغمبر پر اس وقت تک ایمان نہیں لاتے جب تک کہ اس میں یہ معجزہ نہ دیکھ لو تو پھر بتاؤ تم نے ان پہلے پیغمبروں کو کیوں قتل کیا جو اپنی سچائی کی نشانیاں لیکر آئے تھے اور ان کے پاس یہ خاص معجزہ (یعنی: قربانی والا معجزہ) بھی موجود تھا، تم یہ جو شرط لگا رہے ہو محض حیلے بہانے ہی ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو یہ تسلی دی کہ آپ ان لوگوں کی بیکار بحث اور ہٹ دھرمی سے غمگین نہ ہو، آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر آئے جن کو یہ لوگ جھٹلاتے رہے۔

بنی اسرائیل کے بارے میں یہ بات کئی مرتبہ آچکی ہے کہ وہ پیغمبروں کو قتل کرتے تھے، خود حضور ﷺ کے زمانہ مبارک میں بھی یہودیوں نے حضور ﷺ کو شہید کرنے کی کئی کوششیں کیں۔ خیبر میں آپ کو زہر دیا گیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا، پھر بنی نضیر کے علاقے میں دیوار کے اوپر سے آپ ﷺ پر پتھر گرانے کی ناپاک کوشش کی گئی، یہ لوگ اپنے باپ داداوں کی ان حرکتوں کو اچھا سمجھتے تھے اور ان پر فخر کرتے تھے، اگر چہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہودی پیغمبروں کو قتل کرنے والے اپنے باپ دادوں کے صدیوں بعد آئے مگر انکی حمایت کرنے کی وجہ سے یہ اس ناحق قتل میں شریک سمجھے گئے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی قربانی کا ذکر

"سورۂ مائدہ" میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کی قربانی کا ذکر ہے کہ ان میں سے ہابیل کی قربانی قبول ہوگئی اور قابیل کی نہ ہوئی، ان کی قربانی کے قبول ہونے کی علامت بھی یہی تھی کہ قربانی قبول ہوئی اسے آگ جلا دیتی، دوسری قربانی صحیح سلامت، الغرض! اہل کتاب نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی ہی معجزانہ قربانی کی فرمائش کی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد کر رکھا ہے کہ جب تک ایسی قربانی نہ دیکھ لیں ہم کسی پیغمبر پر ایمان نہیں لائیں گے۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی قربانی

بعل نامی بت کے پجاری یہی یہودی تھے، ان کو حضرت الیاس علیہ السلام نے کہا کہ آؤ میدان میں نکلو، ایک بیل میں اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان کرتا ہوں، ایک بیل تم اپنے بت بعل کے نام پر قربان کرو، پھر دیکھتے ہیں کہ کس کی قربانی قبول ہوتی ہے اور اسے آسمانی آگ جلاتی ہے، چنانچہ دونوں قربانیاں کی گئیں حضرت الیاس علیہ السلام کی قربانی کو آگ نے جلا دیا اور یہودیوں کی قربانی ویسی کی ویسی پڑی رہی، چاہئے تو یہ تھا کہ اب یہودی حضرت الیاس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر مان لیتے، مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے، بلکہ آپ کے اور زیادہ دشمن ہو گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے پیغمبر کو پہاڑوں میں پناہ لے کر جان بچانا پڑی، حتیٰ کہ وہ اپنے ملک سے ہجرت کر گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے باپ دادا نے منہ مانگا معجزہ دیکھنے کے باوجود ان کو کیوں قتل کیا، کیوں اُن کی جان کے دشمن بنے، اس بات کا جواب دو، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو، مقصد یہ کہ آج تم مجھ سے پرانی قربانی والا معجزہ طلب کر رہے ہو اگر اللہ تعالیٰ تمہاری فرمائش پوری بھی کر دے پھر بھی تم ماننے پر تیار نہ

ہو گے بلکہ کسی اور بہانے سے انکار کر دو گے۔

وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ: "زُبُرِ" صحیفے کو کہتے ہیں جس میں وعظ ونصیحت کی باتیں ہوں، فرمایا: اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر روشن کتاب بھی لیکر آئے مگر پھر بھی تمہاری قوم نے انہیں نہ مانا، روشن کتاب سے مراد ایسی کتاب ہے جس میں وعظ ونصیحت کے علاوہ ہر قسم کے حکم حلال وحرام، سیاسی اور معاشی حکم، جہاد، عبادات اور دوسرے معاشرتی حکم موجود ہوں۔

موت کا مزہ

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ

ہر جی چکھنے والا ہے موت کو اور بیشک پورے ملیں گے بدلے تمہارے دن

الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ

قیامت کے پھر جو کوئی بچا لیا گیا سے دوزخ اور داخل کر دیا گیا جنت پس تحقیق وہ کامیاب ہوا

وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾

اور نہیں زندگانی دنیا مگر سامان دھوکہ (۱۸۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ہر جی کو موت کا مزا چکھنا ہے اور تمہیں پورے بدلے قیامت کے دن ملیں گے پھر جو کوئی بچا لیا گیا دوزخ سے اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔ (۱۸۵)

تفسیر

اس آیت میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ ہر جاندار کو ایک نہ ایک دن موت کا مزہ چکھنا ہے جو مخلوق ایک مرتبہ دنیا میں پیدا ہوئی ہے، اس نے مرنا ضرور ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی باقی نہیں رہے گا اگرچہ یہ حقیقت پہلے بھی

واضح کی جا چکی ہے، لیکن یہاں خاص طور پر ان کیلئے بیان کی گئی ہے جو اپنے مالوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے بجائے سینے سے لگاتے ہیں اور ڈھیر کے ڈھیر اکھٹے کرتے چلے جاتے ہیں جب موت آئے گی تو ان کا سب مال ودولت یہیں پڑا رہ جائے گا، اور وہ خالی ہاتھ اس دنیا سے چلے جائیں گے وہ مال نہ ان کی موت کو ٹال سکتا ہے، نہ ان کے عذاب کو اُن سے دور رکھ سکتا ہے، اس لئے ان لوگوں کو چاہئے کہ مال کی محبت چھوڑ دیں۔

دنیا کی عیش وعشرت بہت دھوکہ میں ڈالنے والی چیز ہے، بہت سے جاہل انسان اسکی ظاہری ٹیپ ٹاپ میں لگ کر دنیا کو ہی اپنا مقصد بنالیتے ہیں وہ لوگ دنیا میں ہر جائز اور ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنا چاہتے ہیں، لالچ، خودغرضی ان کی عادت بن جاتی ہے، وہ سمجھتے ہیں۔

جان ومال کی آزمائش

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ

ضرور بضرور تمہاری آزمائش ہوگی میں مالوں تمہارے پر اور جانوں تمہاری کے اور ضرور بضرور سنو گے تم سے ان لوگوں جو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ

دیئے گئے کتاب سے پہلے تم اور سے ان لوگوں جنہوں نے شرک کیں بدگوئی بہت

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

اور اگر تم صبر کرو اور کفر سے بچو تو یہ سے ہمت والے کاموں (۱۸۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ضرور بضرور تمہاری آزمائش ہوگی تمہاری مالوں اور جانوں میں اور تم ضرور بضرور سنو گے ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا بہت بدگوئی اور اگر تم صبر کرو اور کفر سے بچتے رہو تو یہ بہت ہمت کے کاموں میں سے ہے۔(۱۸۶)

تفسیر

اس آیت میں مسلمانوں سے کو کہا گیا ہے، کہ جس طرح اب تک تمہیں جانی اور مالی قربانیاں کرنی پڑی ہیں اور تمہاری آزمائش ہوتی رہی ہے اس طرح آئندہ بھی جان و مال میں تمہاری آزمائش ہوگی اور ہر قسم کی قربانیاں کرنی پڑیں گی، ہوسکتا ہے جان پر بن جائے، زخم کھانے پڑیں، قید و بند کی تکلیفیں اٹھانی پڑیں، تمہارے مال ضائع ہوں، طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں، اہل کتاب اور مشرکوں کی جانب سے تمہیں بہت سی دل دکھانے والی باتیں بھی سننی پڑیں گی، یادرکھو! ان تمام آزمائشوں میں سے گزرنے کیلئے تمہیں صبر و تقویٰ سے کام لینا ضروری ہے اگر صبر اور پرہیزگاری سے ان سختیوں کا مقابلہ کروگے، تو واقع میں یہ بڑی ہمت والے کام ہوگی۔

ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آیت بدر کی جنگ سے پہلے اُتری تھی، جنگ و قتال کا حکم اس کے بعد نازل ہوا، تاہم جنگ ہو یا نہ ہو صبر و تقویٰ اختیار کرنا ہر حالت میں ضروری ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ: دنیا کافر کے لیئے جنت ہے اور مومن کے لیے قید خانہ، اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو تقویٰ پرہیزگاری کی زندگی سکھانے کیلئے اللہ تعالیٰ انہیں مختلف آزمائشوں میں ڈالتا ہے، مسلمان خدا سے ڈرتے ہیں، بدی سے دور بھاگتے ہیں نیکی کی طرف لپکتے ہیں اس کے برعکس کافر اور منافق کے لیے جھوٹ بولنا غیبت کرنا، سود کھانا، حرام نفع کمانا اور چور بازی کرکے روپیہ کمانا بظاہر آسان نظر آتا ہے اس لئے اس کو دنیا جنت نظر آتی ہے اور حلال کی کمائی کرنے کیلئے ایک مسلمان کو بہت سی دشوار گزار راہوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

اہل کتاب کا عہد

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ

اور جب لیا اللہ تعالیٰ نے عہد ان لوگوں سے دیئے گئے کتاب کہ ضرور بضرور تم بیان کردگے اسے لئے لوگوں

وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا

اور نہ چھپاؤ گے اسے پھر انہوں نے پھینک دیا اسے پیچھے پیٹھوں اپنی کے اور خریدا بدلے اس قیمت

قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

تھوڑی سو برا ہے جو وہ خریدتے ہیں (۱۸۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد لیا کہ اسے لوگوں سے ضرور بضرور بیان کروگے اور اسے نہ چھپاؤ گے، پھر انہوں نے عہد اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے دنیا کا تھوڑا مال لیا برا ہے جو انہوں نے ہماری آیتوں کے بدلے خریدا۔ (۱۸۷)

لفظی تحقیق: مِيْثَاقَ: عہد۔ "وثق" اس کا مادہ ہے، وثاق، وثوق، وثیقہ وغیرہ الفاظ اسی سے مشتق ہیں، اس کے لفظی معنی: باندھنے اور پختہ کرنے کے ہیں، اسی مناسبت سے "مِيْثَاق": کے معنی پختہ عہدو پیمان کے ہیں۔

تفسیر

یہاں ذکر ہے کہ اہل کتاب سے اللہ تعالیٰ نے دو عہد لئے ایک تو یہ کہ وہ تمام حقیقتوں اور حکموں کو لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کردیں گے دوسرے یہ کہ کتاب میں سے کچھ نہ چھپا ئینگے اور غلط بیانی نہیں کریں گے۔

اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے، کہ اہل کتاب کے علماء سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ جو حکم اور خوشخبری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے، میں ان کی کتاب میں موجود ہیں لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کریں گے اور کوئی بات چھپا نہ رکھیں گے نہ ان کے معنوں میں کوئی تبدیلی کریں گے۔

ان لوگوں نے اس عہد کی کوئی پرواہ نہ کی انہوں نے دنیا کے نہایت حقیر اور ذلیل نفع کی خاطر اپنا عہد توڑ کر اللہ تعالیٰ کے حکم بدل ڈالے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری کو انہوں نے چھپایا جس طرح مال خرچ کرنے میں کنجوسی کرتے تھے، اسی طرح علم خرچ کرنے میں بھی کنجوسی کی اُن کی غرض صرف یہ تھی کہ دنیا کا مال حاصل

کریں، اس آیت سے مسلمانوں کے عالموں کو بھی تنبیہ فرمادی کہ تم مال کے لئے ایسا ہرگز نہ کرنا۔

جھوٹی خوش فہمیاں

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا
نہ آپ گمان کریں ان لوگوں کو جو خوش ہوتے ہیں پر اس کیا انہوں نے اور چاہتے ہیں کہ تعریف ہو انکی

بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَ
بدلے اس کے نہ کیا انہوں نے سو نہ گمان کریں آپ انہیں کہ بچ جائیں سے عذاب اور

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ
لئے انکے عذاب دردناک (۱۸۸) اور لئے اللہ کے بادشاہت آسمانوں اور زمین کی اور اللہ

۱۹ ع ۹ ۱۰ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾
پر ہر چیز کے قادر (۱۸۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ آپ گمان نہ کریں ان لوگوں کے بارے میں جو اپنے کئے پر خوش ہوتے اور تعریف چاہتے ہیں اس چیز پر جو انہوں نے نہیں کیا، آپ ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (۱۸۸) اور اللہ ہی کیلئے ہے آسمان اور زمین کی بادشاہت اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱۸۹)

تفسیر

منافقوں کا بھی یہی حال تھا وہ جہاد کے موقع پر چھپ کر گھر بیٹھے رہتے اور اپنی اس چالاکی پر خوش ہوتے کہ ہم نے کیسے جان بچائی جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاد سے واپس تشریف لاتے تو یہ لوگ غیر حاضری کے جھوٹے بہانے کر کے چاہتے کہ جہاد میں شریک نہ ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی تعریف کرائیں ان آیات میں بتایا گیا

کہ یہ باتیں تمہیں خدا کے اس عذاب سے نہیں بچا سکتیں، جو تم پر دنیا و آخرت میں ہونے والا ہے۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں سے ایک بات پوچھی کہ یہ "تورات" میں ہے، انہوں نے جو "تورات" میں چھپا یا لیا اور غلط جواب دیا اور باہر نکل کر گمان کرنے لگے کہ ہم آپ کے سوال کا جواب دے دیا، اور ساتھ ہی ان کی یہ بھی چاہت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہماری تعریف ہوگی اور اصلی سوال کا جواب چھپا لینے پر اور یہ فریب چل جانے پر بھی وہ خوش تھے۔

اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں غور وفکر

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ

بیشک میں بنانے آسمانوں اور زمین اور بدلنے رات اور دن البتہ نشانیاں

لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی

لئے والوں عقلوں (۱۹۰) وہ لوگ جو ذکر کرتے ہیں اللہ کا کھڑے اور بیٹھے اور پر

جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا

کروٹوں اپنی اور غور کرتے ہیں میں بناوٹ آسمانوں اور زمین رب ہمارے نہیں

خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

بنایا آپ نے یہ بے مقصد پاک ہیں آپ پس بچا ہمیں عذاب دوزخ (۱۹۱)

بامحاورہ ترجمہ:- بیشک آسمانوں اور زمین کے بنانے اور دن رات کے بدلنے میں عقل والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔(۱۹۰) وہ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے رب! آپ نے یہ بے مقصد نہیں بنایا آپ پاک ہیں ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔(۱۹۱)

تفسیر

ایک سمجھدار انسان جب آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور دن رات کے نظام پر غور کرتا ہے تو اسے یقین کرنا پڑتا ہے کہ اس کل کائنات کو بنانے والے ایک اللہ ہیں، جس کے سامنے کائنات کی کسی چیز کی جرأت نہیں کہ اپنے دائرہ سے باہر نکل سکے، ایسے غور کرنیوالے لوگ صبح وشام ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور اس کے ذکر سے غافل نہیں ہوتے۔

غور کرنے والے لوگ ذکر وفکر کے بعد یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ آپ نے یہ سب کچھ بے مقصد نہیں بنایا۔

ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنی چیزوں میں غور وفکر کرنا صرف اس صورت میں فائدہ مند ہوسکتا ہے، جب اس کے نتیجہ میں انسان خدا کی یاد اور آخرت کی طرف متوجہ ہو، جو لوگ ان چیزوں میں غور وفکر کرکے جب اسی میں لگ کر رہ جاتے ہیں اور ان کی نظر اس سے آگے نہیں بڑھتی ہیں تو انہیں دنیا خواہ کتنا ہی عالم سمجھے وہ "اُولِي الْاَلْبَابِ" (عقلمند) نہیں کہلا سکتے، روزانہ کی زندگی میں ہمارے سامنے بے شمار عجیب عجیب چیزیں ظاہر ہوتی ہیں، جنہیں دیکھ کر انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے، ان تمام باتوں سے انسان کو یہ سمجھنا چاہئے کہ آخر اسے ان سب کے بنانے والے کے سامنے پیش ہونا ہوگا، اس وقت کیلئے اسے ابھی سے تیاری کرلینی چاہئے۔

وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر عبادت ہے اسی طرح غور وفکر بھی ایک عبادت ہے، فرق یہ ہے کہ ذکر تو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں ہوتا ہے اور غور وفکر اسکی مخلوقات میں ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی حقیقت تک پہنچنا کسی کے بس میں نہیں ہے۔

البتہ غور وفکر اور عقل کی دوڑ دھوپ کا میدان اللہ تعالیٰ کی مخلوقات ہیں جن میں صحیح غور وفکر کا لازمی نتیجہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے، اتنا لمبا چوڑا آسمان اور اس میں چاند وسورج اور دوسرے ستارے جن میں کچھ ثوابت ہیں جو دیکھنے والوں ہمیشہ ایک جگہ ٹھہرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، کوئی بہت آہستہ حرکت کرتا ہے یا تیز حرکت کرتا ہے اس کا علم پیدا کرنے والے ہی کو ہے اور انہی ستاروں میں کچھ سیارات ہیں، جو حرکت کرنے والے اور

چلنے والے ہیں، نہ ایک سیکنڈ ادھر ہوتے ہیں، نہ ان کی مشینری کا کوئی پرزہ گھستا ہے، نہ ٹوٹتا ہے، نہ کبھی ان کو کسی ورکشاپ میں بھیجنے کی ضرورت ہوتی ہے، نہ اس کی مشینری کبھی رنگ وروغن چاہتی ہے، ہزاروں سال سے یہ ستارے ایک ہی مضبوط نظام کے تحت چل رہے ہیں، اسی طرح پوری پوری کی زمین اور اس کے دریا اور پہاڑ اور دونوں میں طرح طرح کی مخلوقات درخت اور جانور اور زمین کی تہ میں چھپی ہوئی معدنیات اور زمین وآسمان کے درمیان چلنے والی ہوا اور اس میں پیدا ہونے اور برسنے والی برف وبارش اور اس کے مخصوص نظام یہ سب کے سب سوچنے، سمجھنے والے لئے کسی ایسی ہستی کا پتہ دیتے ہیں، جو علم وحکمت اور قوت وقدرت میں سب سے بڑھ کر ہے اور انہی چیزوں کا جاننا معرفت یعنی پہنچان ہے، تو یہ غور وفکر اللہ تعالیٰ کی معرفت کا سبب ہونے کی وجہ سے بہت بڑی عبادت ہے، اسی لئے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ایک گھڑی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں غور وفکر کرنا پوری رات کی عبادت سے بہتر ہے۔

حسن بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں نے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سنا ہے، سب فرماتے تھے کہ ایمان کا نور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں غور وفکر کرنے سے پیدا ہوتا ہے، حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس غور وفکر کو افضل عبادت فرمایا ہے۔

حضرت ابوسلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: میں گھر سے نکلتا ہوں تو جس چیز پر میری نگاہ پڑتی ہے تو میں اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں دیکھتا ہوں۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: جب کوئی شخص کثرت سے غور وفکر کرے گا تو حقیقت سمجھ لے گا، اور جو سمجھ لے گا اس کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا صحیح علم حاصل ہو جائے گا، اور جس کو صحیح علم حاصل ہو گا وہ ہدایت پر بھی ہو گا۔

اس آیت کے آخری جملے "رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا" بتلایا کہ ان تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے بیکار پیدا نہیں کیا ہے بلکہ ان کے پیدا کرنے میں ہزاروں حکمتیں چھپی ہوئی ہیں، یہ سب چیزیں انسان کی خدمت یعنی اس کے کام میں آنے کیلئے پیدا کیا ہے، اور انسان کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے، یہی اسکی زندگی کا مقصد ہے۔

مؤمنوں کی مدح بیان ہورہی ہے کہ یہ لوگ اٹھتے بیٹھے لیٹتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کے بنانے میں غور وفکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اگر ہم سے اس غور وفکر کرنے میں کوئی غلطی ہوجائے تو ہمیں فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

سچا دین قبول کرنے والوں کی پکار صحیح ہے

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ
رب ہمارے بیشک آپ جسے آپ نے داخل کیا دوزخ میں پس تحقیق رسوا کیا آپ نے اسے اور نہیں لئے ظالموں کے کوئی

اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ
مددگار (۱۹۲) رب ہمارے بیشک ہم نے سنا پکارنے والے کو پکار رہا تھا ایمان کیلئے کہ

اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ
ایمان لاؤ ساتھ رب اپنے کے ایمان لے آئے رب ہمارے بخش دے ہمارے لئے ہمارے گناہ ہمارے اور گرادے

عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾
ہم سے برائیاں ہماری اور موت دے ہمیں ساتھ نیک لوگوں کے (۱۹۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے ہمارے رب! جسے آپ نے دوزخ میں ڈالا آپ نے اس کو رسوا کردیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ (۱۹۲) اے ہمارے رب! بیشک ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو پکار رہا تھا ایمان لانے کیلئے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، سو ہم ایمان لے آئے، اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے اور ہم سے ہماری برائیاں دور کردے اور ہمیں نیک لوگوں کیساتھ موت دے۔ (۱۹۳)

تفسیر

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور نہ کریں یا غور وفکر کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان نہ کریں یا دنیا

میں پڑ جائیں وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے اور جو شخص جتنے دن بھی دوزخ میں رہے گا وہ اتنا ہی رسوا ہوگا، جسے اللہ تعالیٰ دوزخ میں ڈالنا چاہے کوئی اس کی مدد کر کے اسے بچا نہیں سکتا۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر غور و فکر کر کے صحیح نتیجوں پر پہنچتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں صبح و شام اس کی یاد تازہ رکھتے ہیں، وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ انہیں اللہ کی طرف پکارنے والے پیغمبر یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نیکی اور ہدایت کا راستہ دکھانے کے لئے پکارا توحید و عبادت کی طرف بلایا تو ہم نے اس کی پکار سنی اور ہم ایمان لے آئے۔

یہ لوگ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہمارے بڑے بڑے گناہ بخش دے چھوٹی موٹی برائیوں پر پردہ ڈال دے جب ہمیں موت آئے، تو نیک بندوں کیساتھ آئے ہمیں انہی کیساتھ اٹھا اور انہی میں شامل فرما۔

ان آیات سے سبق سیکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں کی حکمت کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے، پھر اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے (اللہ تعالیٰ کی) یاد زبان سے جاری رکھنی چاہئے اور اسی سے دعا کرنی چاہئے کہ اے اللہ! ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا، ہمارے گناہ بخش دے برائیوں کو دور کر دے، دنیا سے نیک لوگوں کیساتھ اٹھا جو لوگ ہدایت اور نیکی کی طرف دعوت دیتے ہوں، خواہ اُن کی پکار کی طرف کوئی دھیان نہ دیتا ہو، انہیں اللہ تعالیٰ ان کی نیکی کا اجر ضرور دیگا۔

نیک لوگ کا بدلہ

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

رب ہمارے اور دے ہمیں جو وعدہ کیا آپ نے ہم سے واسطہ پیغمبروں اپنے کے اور نہ رسوا کر ہمیں دن قیامت کے

اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿١٩٤﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ

بیشک آپ نہیں خلاف کرتے وعدہ کے (۱۹۴) پھر قبول کیا لئے انکے رب ان کے نے میں نہیں ضائع کرتا

عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ

محنت محنت کرنیوالے کی میں سے تم سے مرد یا عورت میں سے بعض سے بعض ہیں

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ

پھر وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور نکالے گئے سے گھروں اپنے اور ستائے گئے میں راستے میرے

وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ

اور لڑے اور مارے گئے البتہ ضرور بضرور معاف کرونگا سے ان برائیاں ان کی اور البتہ ضرور بضرور داخل کرونگا میں انہیں

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَ

ایسی جنتوں میں بہتی ہونگی سے نیچے جنکے نہریں بدلہ سے نزدیک اللہ کے اور

اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

اللہ نزدیک ہے اچھا ہے بدلہ (۱۹۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے ہمارے رب! اب ہمیں دے جو آپ نے ہم سے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ وعدہ کیا اور ہمیں قیامت کے دن رسوانہ کرنا بیشک آپ وعدہ کے خلاف نہیں کرتے۔ (۱۹۴) پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول کرلی کہ میں ضائع نہیں کرتا تم میں سے کسی محنت کرنے والے کی محنت مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک ہو پھر وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میرے راستے میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے البتہ میں ان سے ان کی برائیاں دور کروں گا اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں یہ اللہ کے پاس سے بدلہ ہے اور اللہ کے پاس اچھا بدلہ ہے۔ (۱۹۵)

تفسیر

غور وفکر کرنے والے لوگ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! پیغمبروں کی زبانی آپ نے جو ہم

سے دنیا میں کافروں پر غلبے اور آخرت میں جنت کے ٹھکانے کے وعدے کئے وہ پورے فرما، یقیناً آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: وہ کسی شخص کی محنت ضائع نہیں کرتے، جو شخص جو کام کرے گا اسے اسکا پھل مل کر رہے گا، عورت ہو یا مرد تم میں سے ہر ایک کو تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا، جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنا وطن چھوڑا، دوستوں اور رشتہ داروں کو چھوڑا، مال و متاع لٹایا، دشمنوں نے انہیں طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں، وہ میرے راستہ میں لڑے اور لڑ کر جان دیدی، یہ وہ لوگ ہیں جن کے تمام گناہ معاف کر دونگا، عملوں اور محنت کا اچھے سے اچھا بدلہ اللہ ہی کے پاس ہے، اسلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہر حالت میں متوجہ رہے جو مانگنا ہو اسی سے مانگے اور جو ہدایت اس نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ انسانوں کے لئے بھیجی ہے اس پر عمل کرے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ دعاؤں کی قبولیت کی خوشخبری دی، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے ان کی دعاؤں کو قبول کر لیا جب ان لوگوں نے غور و فکر کے نتیجہ میں ایمان کی دعوت پر لبیک کہا، اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور اس کے سامنے گڑگڑا کر دعائیں کیں تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعائیں قبول فرمالیں ''بیشک میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا، خواہ مرد ہو یا عورت''، عمل سے مراد یہاں پر نیک عمل ہیں، اللہ تعالیٰ کسی نیک عمل کو ضائع نہیں کرتے اور پھر نیک عمل میں سرفہرست اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا حضور! یہ ارشاد فرمائیں کونسا عمل زیادہ افضل ہے؟ ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا سب سے افضل عمل ہے، اس کے بعد دوسرے عمل نماز، جہاد، والدین کی خدمت وغیرہ ہیں، نیک عملوں کے بنیاد ایمان ہی ہے، بہر حال فرمایا: جو بھی نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت میں اس کا عمل ضائع نہیں کرتے۔

نیک عملوں اور ان کے ثواب میں مرد و عورت میں کچھ فرق نہیں

اس آیات کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو نیک عملوں کے ثواب کا ذکر تو کیا ہے مگر کہیں عورتوں کے نیک عملوں کے ثواب کا ذکر نہیں کیا اس

پر یہ آیت اتری۔

مردوں کو اپنے نیک عملوں کا ثواب اور عورتوں کو اپنے نیک عملوں کا ثواب دیا جائیگا۔

فَالَّذِیۡنَ ھَاجَرُوۡا: وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی، درحقیقت انہوں نے بڑی مشقت برداشت کی اور ہجرت مشکل ترین کام ہے، ہجرت کی وجہ سے ایمان والے اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کیونکہ وہاں رہ کر اللہ تعالیٰ کے دین پر عمل نہیں کر سکتے اور اس سلسلے میں جان و مال کی قربانی بھی دینی پڑتی ہے، نئی جگہ پر ماحول مختلف ہوتا ہے، آب وہوا کی تبدیلی کی وجہ سے انسان طرح طرح کی بیماریوں کا شکار بھی ہو جاتا ہے، زبان جاننے نہ جاننے کا مسئلہ بھی پیدا ہو سکتا ہے، حسبِ خواہش خوراک میسر نہیں آتی، للہذا ہجرت کرنا بڑا اذیت ناک کام ہے مگر مجبوراً کرنا پڑتا ہے، فرمایا: وہ لوگ جنہوں نے خود ہجرت کی اور وہ بھی جو اپنے گھروں سے زبردستی نکالے گئے، ان کے مال واسباب پر قبضہ کر لیا گیا، بیوی بچوں کو روک لیا گیا، یہ سب چیزیں بہت بڑی تکلیف کی باتیں ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ہجرت کا معاملہ بڑا مشکل ہے اور جو شخص اس میں ثابت قدم ہو کر نکلے اس کیلئے اجر بھی بہت بڑا ہے۔

یہاں پر یہ بات واضح ہو جانی چاہئے کہ ہجرت وہی مقبول ہے جو اللہ کے دین کو بلند کرنے کیلئے کی جائے محض دنیا کے حاصل کرنے کے لیے ہجرت شرعی ہجرت نہیں ہوگی جس کی قرآن کریم میں فضیلت بیان کی گئی ہے، "صحیح بخاری اور صحیح مسلم" میں امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے " کہ عملوں کی جزا اور سزا نیتوں کے مطابق ہوگی پس جس شخص کی ہجرت اللہ اور پیغمبر کی طرف ہے تو اس کی ہجرت درحقیقت اللہ اور اس کے پیغمبر کی طرف ہوئی" یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی خاطر مہاجر بنا تو اس کی ہجرت اسی کام کیلئے سمجھی جائے گی، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کو اس پر کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔

وَ اُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ: اور جنہیں میرے راستے میں تکلیف دی گئی، وہ تکلیف وہ ہے جو کافروں اور مشرکوں نے مسلمانوں کو پہنچائی، مکہ میں رہتے ہوئے کافروں نے ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی، تپتی ہوئی ریت پر لٹایا گیا، جانی اور مالی یعنی ہر طرح کا نقصان پہنچایا گیا۔

لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ: میں ان کی خطاؤں کو ضرور معاف کر دوں گا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: شہید کے خون کا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ اُس کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے،" صحیح مسلم" میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اسلام، ہجرت اور حج تین عمل ایسے ہیں کہ ان کے انجام دینے پر اللہ تعالیٰ پہلے کے سارے گناہ معاف فرد یتا ہے، البتہ ایک چیز پھر بھی اس کے ذمہ رہتی ہے وہ دَین یعنی قرضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق تو معاف فرما دیتا ہے مگر بندوں کے حقوق اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک بندہ خود نہ معاف کرے، ایک شخص نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس طرح قتل ہو جاؤں کے سینہ تان کر لڑوں اور پیٹھ نہ پھیروں تو میرے سارے گناہ معاف ہو جائینگے۔ تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: باقی گناہ تو سارے ہی معاف ہو جائیں گے سوائے قرضہ کے۔

کافروں کی خوش حالی

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِى الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ

نہ دھوکہ ڈالے آپکو چلنا پھرنا ان لوگوں کا جنہوں نے کفر کیا میں شہروں (۱۹۶) یہ تو فائدہ ہے تھوڑا سا پھر

مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ

ٹھکانہ ان کا دوزخ ہے اور برا ٹھکانہ ہے (۱۹۷) لیکن جو لوگ ڈرتے رہے رب اپنے سے

لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا

لئے ان کے باغات ہیں بہتی ہونگی سے نیچے انکے نہریں ہمیشہ رہینگے میں اس مہمانی

مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ المنزلۃ

سے سے پاس اللہ کے اور جو پاس اللہ کے ہے بہتر واسطے نیکوں کے (۱۹۸)

با محاورہ ترجمہ: آپ کو کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا دھوکہ میں نہ ڈالے۔ (۱۹۶) یہ تھوڑا سا فائدہ ہے پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ (۱۹۷) لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان

کیلئے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی ان میں ہمیشہ رہیں گے اللہ کے ہاں سے مہمانی ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ زیادہ بہتر ہے نیکوں کیلئے۔ (۱۹۸)

تفسیر

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کافر اور مومن کے انجام کا موازنہ فرمایا ہے، کافر جائز اور ناجائز طریقوں سے مال اکٹھا کرتے ہیں اور اکڑتے پھرتے ہیں مسلمانوں کو یہ دیکھ کر دھوکہ نہ کھانا چاہئے، یہ چند روز کی بہار ہے اگر کسی شخص کو صرف دو چار دن کے عیش و عشرت کے بعد پھانسی کی سزا سنادی جائے تو ایسا عیش کس کام کا؟ حقیقی عیش تو وہ ہے کہ تھوڑی سی محنت اور تکلیف اٹھا کر ہمیشہ کے لئے آرام حاصل کیا جائے، اس عیش و کامیابی کا اس چند روزہ بہار سے مقابلہ کرو تو خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ یہ بہتر ہے یا وہ۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے، انہیں اُن کے عمل کے بدلے جنت میں باغات ملیں گے، جس کے نیچے نہریں بہتی ہونگی، اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، وہاں اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے یعنی انہیں اپنے کھانے پینے کی کچھ فکر نہیں کرنی پڑے گی بلکہ عزت و احترام سے بیٹھے بٹھائے انہیں ہر چیز تیار ملے گی ایسے نیک لوگوں کا اجر و ثواب جو اللہ کے پاس ہے وہ بہت بہتر ہے۔

لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ: آپ کو کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا دھوکہ میں نہ ڈالے، آپ دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ جو اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اور گناہوں میں پڑے ہوئے ہیں، وہ اس دنیا میں خوش حالی کی زندگی گزار رہے ہیں، بہترین مکانوں میں رہتے ہیں، عمدہ سواریاں حاصل ہیں، مال و دولت کی کثرت ہے مگر ایمان سے خالی ہیں، نیکی سے محروم ہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے، نہ آخرت کی انہیں کوئی فکر ہے، فرمایا: ان کی خوشحالی کو دیکھ کر نہ سمجھ بیٹھنا کہ یہ لوگ اچھے ہیں۔

فرمایا: دنیا کا سارا ساز و سامان جو اس زمین پر بسنے والوں کے پاس موجود ہے اور وہ ہیرے موتی جو

پہاڑوں کی کانوں میں موجود ہیں اور وہ قیمتی موتی جو سمندروں میں پائے جاتے ہیں، غرضیکہ دنیا کی ہر چیز ایک جگہ پر اکٹھی کردی جائے تو پھر بھی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تھوڑا ہی عرصہ فائدہ اٹھانے کی چیز ہے، یہ معمولی سامان ہے جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے استعمال کیلئے دے رکھا ہے پیغمبر ﷺ کے فرمان کے مطابق پوری دنیا کے مال و دولت کی مثال آخرت کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے کوئی شخص سمندر میں انگلی ڈبو کر نکال لے یعنی جتنا پانی انگلی کو لگا ہے تو دنیا کا سارا مال و دولت بھی آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں اس انگلی پر لگے ہوئے پانی کے برابر بھی نہیں۔

لہٰذا آپ کافروں کی طرف دیکھ کر کسی مغالطے میں نہ پڑ جائیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہیں جو کچھ بھی ان کے پاس ہے بالکل حقیر ہے جو اس دنیا میں ختم ہو جائے گا اور پھر جب وہ آخرت کی منزل میں قدم رکھیں گے تو ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے جس کی طرف جا رہے ہیں۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ: مگر وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے رہے، یعنی جو لوگ کفر، شرک اور گناہوں سے بچتے رہے ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف تھا اور اسی خوف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود سے آگے نہیں بڑھتے، دنیا میں حلال و حرام میں فرق کیا، نیکی اور بدی کو پہچانا، اپنے ایمان کی حفاظت کی، اسی چیز کا نام تقویٰ ہے چنانچہ جن لوگوں نے تقویٰ کا راستہ اختیار کیا، اُن کیلئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی۔

"ترمذی شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ جنت کی حور کی اوڑھنی اس پوری دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے زیادہ قیمتی ہوگی، آخرت کی چیزیں اور آرام اس دنیا کے مقابلے میں لامحدود ہوگا یعنی اس کی کوئی حد نہیں ہوگی، قرآن مجید میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ جنت میں بکثرت طہور یعنی پاکیزہ شراب، شہد، دودھ اور تازہ پانی کے نہریں ہونگے، یہ سب چیزیں ایمان والوں کو جنت میں حاصل ہوں گی جن کا صحیح انداز اس وقت ہم کو نہیں ہوسکتا۔

نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ: اللہ کی طرف سے مہمانی ہوگی، "نُزُل" اُس اچھی سے اچھی چیز کیلئے استعمال ہوتا ہے جو مہمان کی آنے پر سب سے پہلے پیش کی جاتی ہے، بہر حال اللہ تعالیٰ کی مہمانی میں اعلیٰ قسم کی نعمتیں پیش کی جائیگی ان نعمتوں میں سے سب بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔ یہ نعمت جنت کی نعمتوں سب سے بڑھ کر ہوگی۔

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ: اور جو اللہ کے پاس ہے سو وہ نیک لوگوں کیلئے بہتر ہے، "اَبْرَارِ" کا لفظ پہلے بھی گزر چکا ہے یہ بر کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ نیک لوگ ہیں جن کی نگاہ ہمیشہ انجام پر رہتی ہے اور نیکی کرنا ان کی عادت ہوتی ہے اور وہ ہر چھوٹے بڑے، اعلیٰ ادنیٰ کیساتھ نیکی کرتے ہیں، بڑوں کا حق ادا کرتے ہیں، بیوی بچوں اور رشتہ داروں کے ساتھ شفقت سے پیش آتے ہیں، والدین کی خدمت کرتے ہیں، برابر والوں سے اچھا برتاؤ کرتے ہیں، دوستوں اور پڑوسیوں سے میل ملاپ رکھتے ہیں، غریبوں اور مسکینوں کیساتھ اچھائی سے پیش آتے ہیں، غرض وہ لوگ ہر وقت اور ہر ایک کیساتھ اچھا رویہ کرتے ہیں، فرمایا: اللہ کے پاس جو کچھ انعامات ہیں وہ ان نیک لوگوں کے لیے بہتر اجر ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے گروہ میں شامل ہونے کا مستحق بنائے۔ آمین

کامیابی کے اُصول

وَ اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ

اور بیشک سے اہل کتاب البتہ وہ ہیں جو ایمان لاتے ہیں پر اللہ کے اور جو اتارا گیا طرف تمہاری

وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

اور جو اتارا گیا طرف انکے عاجزی کرتے ہیں کیلئے اللہ نہیں خریدتے ہیں بدلے آیتوں اللہ کی

ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

مال تھوڑا یہی لوگ ہیں لئے جنکے بدلہ ان کا پاس رب انکے بیشک اللہ

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ

جلد لینے والے حساب (۱۹۹) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو صبر کرو اور صبر کرنے کیلئے کہو اور

۲۰ ع ۱۱ ۱۱ رَابِطُوْا ۫ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

لگے رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ (۲۰۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اہل کتاب میں بعض وہ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور (اس پر بھی

ایمان لاتے ہیں) جو تمہاری طرف اترا اور (اس پر بھی ایمان لاتے ہیں) جو ان کی طرف اترا اللہ تعالیٰ کے آگے عاجزی کرتے ہیں، اللہ کی آیتوں پر دنیا کا تھوڑا مال نہیں خریدتے یہی وہ لوگ ہیں جن کیلئے ان کے رب کے پاس اجر ہے بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔(۱۹۹) اے ایمان والو! صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور لگے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔(۲۰۰)

تفسیر

خٰشِعِیْنَ لِلّٰہِ: اللہ کے آگے عاجزی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اس کی طرف رجوع کرنا اسلام کے اصولوں میں سے ایک ہے، اور ہر ایمان والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرے۔

ان آیتوں میں ایسے اہل کتاب کا جو پرہیزگار ہیں ذکر فرمایا گیا ہے، جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے جنہوں نے قرآن کو مانا، اللہ تعالیٰ کے آگے عاجزی اور اخلاص سے سجدہ کرتے رہے، جنہوں نے بشارتوں کو نہ چھپایا اور نہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بدلا، ان لوگوں کے لیئے اللہ کے پاس بہت بڑا اجر ہے، حساب کا دن دُور نہیں بلکہ جلد آنے والا ہے، اس روز انہیں پورا بدلہ دیا جائیگا۔

اس سورت کے آخر میں مسلمانوں کو ایک بہت بڑی نصیحت کردی گئی ہے، یعنی اگر تم کامیاب ہونا چاہتے ہو تو سختیاں سہہ کر بھی فرمانبرداری پر جمے رہو، گناہوں کے قریب بھی نہ پھٹکو، دشمن کے مقابلے میں مضبوطی دکھاؤ، اسلام کی حفاظت میں لگے رہو، دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرو اور ہر وقت ہر کام میں خدا سے ڈرتے رہو اگر تم نے یہ کرلیا تو سمجھو کہ تم نے تمام برکتیں اور کامیابیاں حاصل کرلیں، سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے چار نصیحتیں فرمائی ہیں اور انہیں کامیابی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

اِصْبِرُوْا: صبر کرو، یعنی: کامیابی کا پہلا اصول ثابت قدمی ہے۔

وَصَابِرُوْا: اور مضبوط رہو، یعنی: دوسروں کو صبر کی تلقین کرو۔

وَرَابِطُوْا: اور لگے رہو، رابطہ دراصل دشمن کی سرحد پر دفاع کیلئے گھوڑے باندھنے کو کہتے ہیں، جہاں دوملکوں کی سرحد ملتی ہیں وہاں سرحدوں کی حفاظت کرنے اور وہاں پر پہرہ دینے کی بڑی فضیلت آئی ہے، یہ اس لیے ضروری ہے کہ کہیں دشمن حملہ کرکے مسلمانوں کے ملک پر نہ چڑھ دوڑے، لہذا سرحدوں کی حفاظت مسلمانوں کے لیے فرض ہو جاتی ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرحد پر ایک رات پہرہ دینا مہینہ بھر کی نفلی عبادت سے افضل ہے۔ (مسند احمد)

اور جو شخص سرحدوں کی حفاظت کے دوران فوت ہو گیا تو اس کا یہ عمل قیامت تک کیلئے لکھا جائیگا، حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے مرجائے تو وہ جو کچھ نیک عمل دنیا میں کیا کرتا تھا ان سب عملوں کا ثواب برابر جاری رہے گا اور اس کا رزق بھی جاری رہے گا اور شیطان سے محفوظ رہے گا اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو ایسا مطمئن اٹھائیں گے کہ محشر کا کوئی خوف اس پر نہ ہوگا۔

اس روایت میں جو فضیلتیں ذکر کی گئی ہیں ان میں شرط یہ ہے کہ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے اس کی موت آجائے، مگر بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ زندہ بھی اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹ گیا تو یہ ثواب پھر بھی جاری رہے گا۔

حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مسلمانوں کی کمزور سرحد کی حفاظت اخلاص کیساتھ ایک دن کرنا بھی سو سال کی عبادت کے برابر ہے، اور رمضان میں ایک دن اسلامی سرحد کی حفاظت کرنا ایک ہزار سال کے روزوں اور نفلوں سے بڑھ کر ہے، پھر فرمایا: اور اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو صحیح سالم اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹا دیا تو ایک ہزار سال تک اس پر کوئی گناہ نہ لکھا جائیگا، اور نیکیاں لکھی جاتی رہیں گی، اور اس کے اس عمل کا اجر قیامت تک جاری رہے گا۔

"رباط" کی دو صورتیں ہیں، ایک ظاہری اور ایک باطنی، ظاہری "رباط" کا بیان تو ہو چکا، باطنی "رباط" یہ ہے کہ انسان شیطان کے مقابلے میں تیار ہو جائے اور اُسے دخل اندازی نہ کرنے دے، جس طرح ظاہری دشمن کے مقابلے میں سرحدوں کی حفاظت ضروری ہے اسی طرح باطنی دشمن یعنی شیطان کا مقابلہ کرنا بھی ضروری ہے تاکہ وہ وسوسہ نہ ڈال سکے، انسان جب تک نیکی میں لگا رہے گا، شیطان دخل نہیں دے سکے گا، جب آدمی غافل ہو جاتا ہے تو شیطان کو وسوسہ ڈالنے کا موقع مل جاتا ہے، لہٰذا شیطان کے مقابلے میں باطنی "رباط" بھی ضروری ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک ہے: آپ نے صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا: کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ خطاؤں کو مٹاتا ہے اور درجات کو بلند کرتا ہے، لوگوں نے عرض کیا حضور! کیوں نہیں، فرمایا: تکلیف برداشت کر کے کامل وضو بنانا، مسجد کی طرف کثرت سے قدم اٹھانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہ تمہارا "رباط" ہے، یہ بات آپ نے تین دفعہ فرمائی۔

مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ "لَيْسُوْا سَوَآءً" والی آیت میں یہودیوں کی طرف اشارہ ہے کہ وہ سب برابر نہیں ہیں، ان میں کچھ اچھے لوگ بھی ہیں اور اس آیت "اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ" سے عیسائی مراد ہیں، یہودیوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (جنہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا) کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: وہ "عشرہ مبشرہ" کی طرح ہیں، یعنی: وہ ان دس (۱۰) صحابہ کی طرح ہیں جنہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیک وقت جنت کی بشارت دی، ان میں حضرات ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر فاروق، عثمان غنی رضی اللہ عنہ، علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ، سعد رضی اللہ عنہ، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، شامل ہیں یعنی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ان دس صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح جنتی ہیں، "صحیح مسلم اور ترمذی" کی روایت میں آتا ہے کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیان کیا تو آپ نے فرمایا: تمہارا خاتمہ ایمان پر ہوگا، آپ نے یہ بشارت اُسی وقت سنا دی تھی۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے اور امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نجران کے چالیس (۴۰) عیسائی ایمان قبول کر چکے تھے، حبشہ

میں بھی بتیس (۳۲) خوش نصیب ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے، مدینے کے یہودیوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سرفہرست تھے اور حبشہ کے بادشاہ نجاشی خود ایمان لے آئے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مکہ سے ہجرت کر کے دو قافلے حبشہ پہنچے، پہلے قافلے میں تو مہاجرین کی تعداد کم تھی تاہم دوسرا اسی (۸۰) افراد پر مشتمل تھا جس میں حضرت عثمان ساتھ اپنی زوجہ کے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا شامل تھے، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ اپنی زوجہ اسماء رضی اللہ عنہا کیساتھ اسی قافلے کے ساتھ گئے، فرماتے ہیں کہ: نجاشی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا، اسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کا عمر بھر شوق رہا مگر اُس کی یہ حسرت پوری نہ ہوسکی۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ نجاشی کی وفات کے وقت وہاں پر ایک بھی مسلمان موجود نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی کہ آج نجاشی فوت ہوگیا ہے وہ ایمان والا تھا، لہٰذا آپ اس کی نماز جنازہ ادا کریں، چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کا عام اعلان فرمایا لوگ باہر عیدگاہ میں نکلے، دو بڑی صفیں بنیں اور نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ یہ نجاشی کی خصوصیت تھی اس سے پہلے اور اس کے بعد آپ نے کسی غائبانہ نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجاشی کا جنازہ ادا کرنیکا اعلان فرمایا تو منافقوں نے کہا حضور! وہ حبشی غلام ہیں کیا ہم ان کی نماز جنازہ پڑھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ مومن تھا اور ایمان لاکر اعلیٰ مقام حاصل کر چکا تھا، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں آتا ہے کہ صحابہ کرام بیان کرتے تھے کہ کافی عرصہ تک نجاشی کی قبر پر نور برستا دکھائی دیتا رہا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ: اور اللہ سے ڈرتے رہو، یعنی: تقویٰ اختیار کرو اور یہ بھی اہم اصول ہے، تقویٰ کا معنی اللہ تعالیٰ سے ڈرجانا، برائیوں سے بچ جانا اور اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کرنا ہے، یعنی شریعت حکموں کی حفاظت کرنا تقویٰ کہلاتا ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس کی نافرمانی سے بچ جاتا ہے وہ تقویٰ کو پالیتا ہے، اس سورۃ میں جگہ جگہ تقویٰ کی تعلیم دی گئی ہے۔

فرمایا: خود صبر کرو، دوسروں کو صبر کی تلقین کرو، نیکی اور فرمانبرادری کے کاموں میں لگے رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "سورۃ بقرہ" اور "سورۃ آل عمران" کی بڑی فضیلت بیان کی ہے، فرمایا: قیامت کے دن یہ دونوں سورتیں بادلوں کی صورت میں آئیں گی، ان کے درمیان چمک ہوگی اور وہ اپنے پڑھنے والوں، عمل کرنے والوں اور ایمان رکھنے والوں پر سایہ ڈالیں گی اور بندے کے حق میں سفارش کریں گی، ان سورتوں کو "زہراوین" یعنی دو روشن سورتیں کہا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان لمبی سورتوں میں بہت سے دین کے بنیادی اصول اور مسئلے بیان فرمائے ہیں، "دارمی شریف" کی حدیث میں آتا ہے کہ: جو شخص جمعہ کے دن سورۃ آل عمران کی تلاوت کرے گا اس کیلئے فرشتے سارا دن دعائیں کرتے رہیں گے، حتیٰ کہ سورج غروب ہو جائے۔

سورہٴ آلِ عمران پر ایک نظر

"سورہٴ آل عمران" کی ابتدا ان الفاظ سے ہوئی کہ اللہ ایک ہے، وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ رہیگا اور سب کی زندگی اسی سے قائم ہے، اس نے انسانوں کی ہدایت کیلئے اپنی کتابیں نازل فرمائیں، آخر میں "قرآن مجید" اتارا، اس نے سچ اور جھوٹ کو جانچنے کیلئے کسوٹی مقرر کی، "قرآن مجید" کی کچھ آیتیں اس قدر واضح اور روشن ہیں کہ ان کو سمجھنا ہر ایک کیلئے آسان ہے، بعض آیتوں کے معنیٰ ہر ایک کی سمجھ میں نہیں آتے ہیں ان سب پر ایمان لانا چاہئے اور یقین کرنا چاہئے کہ ان کے معنیٰ بالکل ٹھیک ہیں اور یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔

پھر بتایا ہے کہ انسان کا دل بیوی بچوں، سونے چاندی کے ڈھیر اور اپنے مطلب کی چیزوں کو سنبھال کر رکھنے کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے حالانکہ یہ سب آنی جانی چیزیں ہیں، دل صرف اللہ کی رضامندی حاصل کرنے اور آخرت کے حاصل کرنے میں لگانا چاہئے جنت کا طلبگار رہنا سب سے اچھا مقصد ہے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عالمِ انسانی کیلئے دین مقرر کیا ہے، افسوس ہے کہ کچھ لوگ اسکے ماننے سے جی چراتے ہیں اس کے بعد حضرت

مریم علیہا السلام کی پیدائش اور ان کی پرورش، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور ان کے ذریعے قوم کی اصلاح کی کوشش اور ان کے معجزات وغیرہ کا ذکر ہوا، پھر عیسائیوں سے کہا گیا کہ ان کی تعلیم سے فائدہ اٹھائیں اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی لائی ہوئی کتاب "قرآن مجید" کی اتباع کریں، کیونکہ خود تمہاری کتاب ان کی سچائی پر گواہ ہے، ساتھ ہی فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی یا نصرانی نہ تھے بلکہ مسلم تھے۔

پھر مسلمانوں کو بدر کی جنگ کی طرف توجہ دلائی کہ اس میں ان کی کامیابی اللہ تعالیٰ کی شان کا ایک زبردست نمونہ تھی، اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر اس میں کامیابی ناممکن تھی، اس کے بعد سود کی ممانعت اور اس سے بچنے کا حکم دیا ہے، سود سے بچنے کا حکم غالباً اس وجہ سے آیا ہے کہ جیسے اس جنگ میں کامیابی سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچا اسی طرح سود کے چھوڑ دینے سے فائدہ پہنچے گا اور تمام انسان تباہی سے بچ جائیں گے۔

اس کے بعد اُحد کی جنگ کا ذکر ہے، اس میں جو کچھ نقصان ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو پورے طور پر نہیں مانا گیا، منافقوں کے طرزِ عمل کی برائی کی گئی، جو انہوں نے اس جنگ میں اختیار کیا اور یوں اسلام اور مسلمانوں کے نقصان کا سبب بنا۔

اس کے بعد مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے زندگی گزارنے کا طریقہ غلط ہے، وہ اس کی پیروی نہ کریں، ان کی طرف سے اذیتیں اور تکلیفیں پہنچیں گی، ان کو صبر سے برداشت کر کے اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے، اور اپنی التجا اور دعا اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر کے اس سے مدد مانگنی چاہئے، اس کے بعد دعا مانگنے کا طریقہ بتایا اور سمجھایا کہ کافروں کی ظاہری خوشحالی سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے، آخر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے، ہاں جو اہل کتاب ایمان لائیں گے اور نیک کام کریں گے ان کو دگنا اجر ملے گا، آخر میں مسلمانوں کو نصیحت ہے کہ صبر کرو اور دشمنوں کے مقابلہ میں ڈٹے رہو اور ان کے مقابلہ کی تیاری میں لگے رہو، اللہ سے ڈرو اسی میں تمہاری کامیابی ہے۔

رُكُوعَاتُهَا ــ ۲۴ سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ اٰيَاتُهَا ــ ۱۷۶

سورۃ النساء مدنی ہے، اس میں ایک سو چھتر آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں۔

انسانوں کی پیدائش

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ

اے لوگو ڈرو سے رب اپنے جس نے پیدا کیا تم کو سے جان ایک

وَّ خَلَقَ مِنۡہَا زَوۡجَہَا وَ بَثَّ مِنۡہُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ

اور پیدا کیا سے اسی جوڑا اسکا اور پھیلایا سے ان دونوں مرد بہت اور عورتیں اور

اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِہٖ وَ الۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ

ڈرو اللہ سے وہ تم سوال کرتے ہو واسطے سے اور قرابتوں سے بیشک اللہ ہے

عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا ﴿۱﴾

پر تم نگہبان (۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا پھر اسی سے اسکا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے پھیلائے بہت مرد اور عورتیں اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے واسطہ سے آپس میں سوال کرتے ہو اور قرابت والوں کا خیال رکھو بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے۔ (۱)

لفظی تحقیق: نَفۡسٍ: جان۔ یعنی: جس سے کوئی اور چیز بنائی جائے، یہاں اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں جن کی بائیں پسلی سے حضرت حوّا کو نکالا اور اس جوڑے سے باقی تمام انسان پیدا کیے گئے۔ زَوۡجٌ: (جوڑا)

جب کوئی چیز کسی اور چیز سے مل کر پوری ہو اور اس کے بغیر ادھوری رہے تو ان دونوں چیزوں کو ایک دوسرے کا جوڑا کہتے ہیں۔

تفسیر

اس آیت میں انسان کی پیدائش کا ذکر ہے کہ تمام انسان ایک ہی جی یعنی آدم علیہ السلام سے بنائے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، پھر حضرت حوّا کو ان کی بائیں پسلی سے پیدا کیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت مرد سے کسی قدر کمزور ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے دونوں سے بیشمار جوڑے دنیا میں پھیلائے اور وہی ان کا پالنے والا اور ضرورت کی چیزیں دینے والا ہے، اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ہر بات میں ہر وقت اس کی مرضی اور اس کے حکموں کا خیال رکھیں اور اسکی ناراضگی سے بچیں، یوں تو کوئی آپس میں معاملہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ ہی کا واسطہ دیتا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ دل میں اس کی ناراضگی کا ڈر بیٹھ جائے، اور نافرمانی نہ ہونے پائے، دوسری بات یہ ہے کہ جب سب انسان ایک ہی مرد عورت کی اولاد ہیں تو ان کا آپس میں رشتہ بہت گہرا ہے اس کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے کہ ایک سے دُوسرے کو کوئی نقصان نہ پہنچے بلکہ آپس میں ہمدردی اور ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہئے، برے کاموں سے بچنے کی ہدایت، آڑے وقت پر کام آنا چاہئے، جان و مال سے ضرورت کے وقت خبر گیری کرنا آپس میں تسلی دیتے رہنا، یہ سب کام کرنے لازم ہیں، قریب کے رشتہ داروں کا بھی زیادہ خیال رکھنا چاہئے اس کو بھی نہ بھولنا چاہئے کہ رشتہ داروں کے علاوہ ہمارا انسانی رشتہ زمین کے اوپر تمام انسانوں سے بھی ہے جب بھی موقع آئے ہر ایک کیساتھ اچھا برتاؤ لازم ہے۔

انسان کی تخلیق کی ابتداء

حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ مختلف جگہوں کی مٹیوں کو مختلف پانیوں سے گوندھا گیا اور اس سے آدم علیہ السلام کا ڈھانچا تیار کیا گیا، پھر اس میں اللہ تعالیٰ نے روح پھونکی جس

کی تفصیل قرآن پاک میں موجود ہے، جس طرح زمین کی مختلف حصوں کی مٹی مختلف ہے، کوئی سخت، کوئی نرم، کوئی سرخ، کوئی سفید، کوئی ریتلی، کوئی سخت مزاج، کوئی پاکیزہ اور کوئی خبیث، غرضیکہ مٹی کا اثر کسی نہ کسی صورت میں ہر انسان میں ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا: اور اُسی سے اُس کا جوڑا پیدا کیا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے جوڑے یعنی حضرت حوا علیہا السلام کو اُن کی پسلی سے پیدا کیا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: انسان کی پسلیاں ٹیڑھی ہوتی ہیں اور خصوصاً اوپر والے حصے کی پسلیاں زیادہ ٹیڑھی ہوتی ہیں چونکہ حضرت حوا علیہا السلام پسلی سے نکالی گئیں اس لئے ہر عورت میں ایک قسم کا فطری ٹیڑھا پن پایا جاتا ہے، آپ نے فرمایا: اس ٹیڑھے پن کو ذہن میں رکھتے ہوئے عورت کیساتھ زندگی گزارو، تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ عورت کے اس ٹیڑھے پن کو کسی حد تک برداشت کرو، فرمایا: اگر تم اس ٹیڑھے پن کو سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو وہ ٹوٹ جائیگی، یعنی: تم اسے طلاق دے کر علیحدہ کر دوگے، لہٰذا اس کے ٹیڑھے پن کو برداشت کرتے ہوئے اسکے ساتھ زندگی گزارو۔

وَالْاَرْحَامَ: اور قرابت والوں کا خیال رکھو، لفظ "اَرْحَامَ" رحم کی جمع ہے، رحم بچہ دانی کو کہتے ہیں، جس میں پیدائش سے پہلے ماں کے پیٹ میں بچہ رہتا ہے، چونکہ قرابت کا ذریعہ یہ رحم ہی ہے، ان کی طرف سے بے توجہی کو قطع رحمی کہا جاتا ہے۔

صلہ رحمی کی برکتیں

حدیثوں میں صلہ رحمی پر بہت زور دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ جس کو یہ بات پسند ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی پیدا ہو اور اس کی عمر لمبی ہو تو اسے چاہئے کہ صلہ رحمی کرے۔ (مشکوٰۃ)

اس حدیث سے صلہ رحمی کے دو بڑے اہم فائدے معلوم ہو گئے کہ آخرت کا ثواب تو ہے ہی دنیا میں بھی صلہ رحمی کا فائدہ یہ ہے کہ رزق میں تنگی دور ہوتی ہے اور عمر میں برکت ہوتی ہے۔

صلہ رحمی کا صلہ جنت

عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے اور میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ باتیں جو سب سے پہلے میرے کانوں میں پڑیں وہ یہ تھی، آپ نے فرمایا: لوگو! ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کیا کرو، اللہ کی رضا حاصل کرنے کیلئے لوگوں کو کھانا کھلایا کرو، صلہ رحمی کیا کرو اور ایسے وقت میں تہجد کی نماز پڑھو جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں، یاد رکھو! ان امور پر عمل کرکے تم حفاظت اور سلامتی کیساتھ بغیر کسی رکاوٹ کے جنت میں پہنچ جاؤ گے۔ (مشکوٰۃ)

صدقہ اور صلہ رحمی

اور ایک حدیث میں ذکر ہے کہ اُم المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک باندی کو آزاد کر دیا تھا جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اپنے ماموں کو دے دیتیں تو زیادہ ثواب ہوتا۔ (مشکوٰۃ)

اسلام میں غلاموں کو آزاد کرنے کی بہت ترغیب آئی ہے اور اسے بہترین ثواب کا کام قرار دیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود صلہ رحمی کا مرتبہ اس سے بڑھ کر ہے، اسی مضمون کی ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی محتاج کی مدد کرنا صرف صدقہ ہی ہے اور اپنے کسی رشتہ دار کی مدد کرنا دو ثوابوں پر مشتمل ہے، ایک صدقہ اور دوسرا صلہ رحمی۔ (مشکوٰۃ)

قطع رحمی پر جنت سے محرومی

اس کے مقابلہ میں قطع رحمی کے حق میں جو سخت وعیدیں حدیثوں میں مذکور ہیں اس کا اندازہ دو حدیثوں

سے بخوبی ہوسکتا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: جو آدمی قرابت کے حقوق کی رعایت نہیں کرتا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ (مشکوٰۃ) اس قوم پر اللہ کی رحمت نہیں اترے گی جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والا موجود ہو۔ (مشکوٰۃ)

آخر میں پھر دلوں میں حقوق ادا کرنے کا جذبہ پیدا کرنے کیلئے فرمایا: "اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ رَقِيۡبًا" یعنی: اللہ تعالیٰ تم پر نگراں ہے جو تمہارے دلوں اور ارادوں سے باخبر ہے، اگر رسمی طور پر شرما شرمی، بے دلی سے کوئی کام بھی کر دیا مگر دل میں خلوص نہ ہو تو قابل قبول نہیں ہے، اس سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وجہ بھی معلوم ہو گئی کہ وہ سب پر ہمیشہ نگراں ہے۔

یتیموں کا مال

وَ اٰتُوا الۡيَتٰمٰۤى اَمۡوَالَهُمۡ وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الۡخَبِيۡثَ بِالطَّيِّبِ‌ ۖ وَ

اور دو یتیموں کو مال انکے اور نہ بدلو بُرے کو ساتھ اچھے کے اور

لَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَهُمۡ اِلٰٓى اَمۡوَالِكُمۡ‌ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوۡبًا كَبِيۡرًا ۝۲

نہ کھاؤ مال ان کے ساتھ مال اپنے کے بیشک یہ ہے گناہ بڑا (۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور یتیموں کو ان کا مال دے دو اور مت بدلو اپنے برے مال کو ان کے اچھے مال سے اور نہ کھاؤ ان کا مال اپنے مال کیساتھ گڈمڈ کر کے بیشک یہ بڑا گناہ ہے۔ (۲)

تفسیر

پہلی آیت میں قرابت کی حفاظت اور اس کے حقوق ادا کرنے کی تاکید عام انداز میں بیان فرمانے کے بعد اس آیت میں یتیموں کے مال کی حفاظت کا حکم اور ان میں کسی قسم کی گڈمڈ کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یتیم بچے کا نگراں اس کا کوئی رشتہ دار ہوتا ہے، اس لئے اس کا تعلق بھی قرابت کے حق کی ادائیگی سے ہے۔

وَ اٰتُوا الۡيَتٰمٰۤى اَمۡوَالَهُمۡ: یتیموں کے مال انہی کو پہنچاؤ، شریعت میں اس نابالغ بچہ اور بچی کو یتیم کہا

جاتا ہے جس کا باپ مر گیا ہو اور جانوروں میں اس کو یتیم کہا جاتا ہے جس کی ماں مر گئی ہو۔ (قاموس)، بالغ ہونے کے بعد کسی کو یتیم نہیں کہا جائے گا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔"لا یتم بعد احتلام" یعنی بلوغ کے بعد یتیمی باقی نہیں رہتی۔ (مشکوٰۃ شریف)

یتیم بچّوں کی ملکیت میں اگر کچھ مال ہے جو ان کو کسی نے بخشش کے طور پر دیا ہو یا کسی کی میراث میں ان کو پہنچ گیا ہو تو یتیم کیساتھ اس کے مال کی حفاظت بھی اس شخص کے ذمہ ہے جو یتیم کا سرپرست ہے، خواہ اس سرپرست کا تقرر اس کے مرنے والے باپ نے خود کر دیا ہو یا حکومت کی جانب سے مقرر کیا گیا ہو، ساتھ ہی سرپرست کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ یتیم کے ضروری اخراجات تو اس کے مال سے پورے کرلے لیکن اس کا مال بالغ ہونے سے پہلے اس کے قبضہ میں نہ دے، کیونکہ وہ ناسمجھ ہے کہیں ضائع کر دے گا، آیت کے اس جملے میں جو ارشاد فرمایا گیا کہ: یتیموں کے مال ان کو پہنچادو اس کی وضاحت آگے پانچویں آیت میں آتی ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ ان کے مال ان کو اس وقت پہنچاؤ جب دیکھ لو کہ وہ بالغ ہو گئے اور اپنے نفع ونقصان اور بھلے بُرے کی تمیز پیدا ہو گئی۔

اس لئے اس آیت میں یتیموں کے اموال ان کو پہنچانے کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے مال کی حفاظت کرو تا کہ وقت آنے پر یہ مال ان کو پہنچائے جاسکیں، اس کے علاوہ اس جملے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یتیم کے سرپرست کی ذمہ داری صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ یتیم کے مال کو خود نہ کھائے یا خود ضائع نہ کرے بلکہ یہ بھی اس کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اس کی حفاظت کر کے اس قابل بنائے کہ بالغ ہونے کے بعد اس کو مل سکے۔

وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ: اچھی چیز کا بری چیز سے تبادلہ مت کرو، بعض لوگ ایسا کرتے تھے کہ یتیم کے مال کی تعداد تو محفوظ رکھتے تھے مگر اس میں جو اچھی چیز نظر آتی وہ خود لے لی اور اس کی جگہ اپنی خراب چیز رکھ دی، عمدہ بکری کے بدلے میں کمزور بیمار بکری اس کے مال میں لگادی یا کھرے کے بدلے میں کھوٹا رکھ دیا یہ بھی چونکہ یتیم کے مال میں بددیانتی ہے اور ممکن ہے کہ کسی آدمی کے دل میں یہ بات آئے کہ ہم نے تو یتیم کا

مال لیا نہیں بلکہ بدلا ہے، اس لئے قرآن کریم نے اس کی ممانعت فرمادی، اس ممانعت میں جس طرح یہ داخل ہے کہ خود اپنی خراب چیز دے کر اچھی چیز لے لیں، اسی طرح یہ بھی داخل ہے کہ کسی دوسرے شخص سے تبادلہ کا ایسا معاملہ کرلیں جس میں یتیم کا نقصان ہو۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ: یتیموں کے مال کو اپنے مال میں ملا کر نہ کھاؤ، ظاہر ہے کہ اس کا مقصد تو یتیم کے مال کو ناجائز طور پر کھا جانے کی ممانعت ہے خواہ اپنے مال میں ملا کر کھا جائے یا علیحدہ رکھ کر کھائے، لیکن عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ یتیموں کا مال اپنے مال میں شامل رکھا، اس میں سے خود بھی کھایا یتیم کے مال کو بالکل علیحدہ رکھو اور علیحدہ خرچ کرو، جس میں کسی زیادتی کا خطرہ ہی نہ رہے یا پھر ملا کر رکھو تو ایسا حساب رکھو جس میں یقین ہو کہ یتیم کا مال تمہارے ذاتی خرچ میں نہیں آیا۔

اس طرز بیان میں اس طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ یتیموں کے مال میں گڈمڈ کرنے والے عموماً وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے پاس اپنے مال بھی موجود ہوتے ہیں، اس عنوان سے ان کو شرم دلائی گئی کہ اپنا حلال مال موجود ہوتے ہوئے یتیموں کا مال حرام طور پر کھا جانا بڑی شرم کی بات ہے۔

آیت میں یتیم کے مال کو کھانے کی ممانعت کا ذکر ہے، اس لئے کہ مال کا سب سے بڑا اہم فائدہ کھانا ہے، لیکن محاورہ میں مال کے ہر استعمال کو کھانا بولا جاتا ہے خواہ کھا کر ہو یا کسی اور طرح استعمال کیا ہو، قرآن کریم نے بھی اسی محاورے پر "لَا تَاْكُلُوْٓا" فرمایا ہے، اس میں ہر ناجائز استعمال داخل ہے، لہٰذا یتیم کے مال کو کسی بھی طریقہ سے ناجائز طور پر خرچ کرنا حرام ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا: یتیم کا مال کھانا بڑا گناہ ہے، معنٰی یہ ہوئے کہ یتیم کے مال میں کسی قسم کا ناجائز استعمال خواہ حفاظت کی کمی سے ہو یا خراب چیز کے بدلہ میں اچھی چیز لے کر ہو یا اپنے مال کیساتھ ملا کر اس کا مال کھانے سے ہو بہر حال یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

کئی شادیاں

وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ
اور اگر ڈروتم نہ انصاف کرسکو گے بارے میں یتیموں کے تو نکاح کرلو جو اچھی لگیں تمہیں

مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا
سے عورتوں دو،دو اور تین،تین اور چار،چار پھر اگر ڈروتم کہ نہ انصاف کرسکو گے

فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ؃
تو ایک سے شادی کرو یا جو قبضہ میں ہو دائیں ہاتھوں کے تمہارے یہ قریب ہے اسکے کہ نہ ظلم کرو گے (۳)

با محاورہ ترجمہ: ۔اور اگر تم ڈرو کہ انصاف نہ کرسکو گے یتیموں کے حق میں تو نکاح کرلو ان سے جو عورتیں تمہیں پسند آئیں دو دو اور تین تین یا چار چار، پس اگر ڈرو تم کہ انصاف نہکر سکو گے تو ایک سے شادی کرو یا جن پر قبضہ ہو تمہارے دائیں ہاتھ کا یعنی جو تمہاری باندیاں ہوں اس طریقے میں امید ہے کہ تم ظلم نہ کرو گے۔(۳)

شانِ نزول

جاہلیت کے زمانے میں جن لوگوں کی سرپرستی میں خوبصورت یتیم لڑکیاں ہوتیں یا ان کی ملکیت میں کوئی مال، جائیداد ہوتی تو لڑکیوں کے سرپرست ایسا کرتے تھے کہ خود ان سے نکاح کرتے یا اپنے بیٹو یا بھائی بھتیجوں میں سے کسی کا نکاح ان کے ساتھ کرادیتے تھے،، جو چاہا کم سے کم مہر مقرر کر دیتے تھے اور جس طرح چاہا ان کو رکھتے تھے، کیونکہ وہی ان کے سرپرست اور نگراں ہوتے تھے۔

"صحیح بخاری" میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبوت کے زمانے میں ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص کی سرپرستی میں ایک یتیم لڑکی تھی اور اس کا ایک کھجوروں کا باغ تھا جس میں یہ لڑکی بھی شریک تھی اس شخص نے یتیم لڑکی سے خود اپنا نکاح کرلیا اور بجائے اس کے کہ اپنے پاس سے مہر وغیرہ دیتا اس کے باغ کا

حصہ بھی اپنے قبضہ میں لے لیا،اس پر یہ آیت نازل ہوئی "وَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَاءِ "یعنی اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ یتیم لڑکیوں سے خود اپنا نکاح کرنے میں تم انصاف پر قائم نہ رہو گے بلکہ ان کی حق تلفی ہو جائے گی تو تمہارے لئے دوسری عورتیں بہت ہیں، ان میں جو تمہارے لئے حلال اور پسند ہیں ان سے نکاح کر لو۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کے بھانجے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس آیت "وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی " کے بارے میں پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے میرے بھانجے! اللہ تعالیٰ نے یہ آیت یتیم لڑکیوں کے بارے میں نازل فرمائی ہے اور اس کے ذریعے انکے حقوق کی حفاظت فرمائی ہے، قرآن کے اترنے کے زمانے میں بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ کوئی لڑکی یتیم ہوگئی ہے، وہ خوبصورت بھی ہے اور ترکے میں مال بھی ملا ہے اس پر مزید یہ ہے کہ اس لڑکی کا سرپرست اُس کا قریبی رشتہ دار چچازاد یا تایازاد وغیرہ بن گیا ہے تو ایسی صورت میں سرپرست کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ وہ یتیم لڑکی سے خود ہی نکاح کر لے تا کہ خوبصورت لڑکی بھی حاصل ہو جائے اور اس کا مال بھی اپنے قبضے میں رہے اور مہر بھی نہ دینے کے برابر کم سے کم دینا پڑے، وہ لوگ ان چیزوں کا لالچ تو کر لیتے تھے مگر نہ تو وہ ان کی حیثیت کے مطابق مہر دیتے تھے اور نہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے تھے، اس برائی کو روکنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا کہ اگر تم ایسی لڑکیوں کو پورا مہر ادا نہیں کر سکتے اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ بھی کر سکتے تو پھر ان سے نکاح بھی نہ کرو یہ ناجائز ہے، بلکہ ان کو چھوڑ کر دوسری عورتوں سے کر لو جو تمہارے لئے حلال ہو۔

اس زمانے میں یتیم لڑکیوں سے ایک دوسری زیادتی بھی بسا اوقات کی جاتی تھی، لڑکی اگرچہ مالدار ہے مگر خوبصورت نہیں، سرپرست خود تو اس سے نکاح کی خواہش نہیں رکھتا مگر دوسری جگہ بھی نکاح کرنے میں رکاوٹ بنتا تھا کیونکہ اس کو یہ خدشہ ہوتا تھا کہ لڑکی سے محروم ہونے کے ساتھ ساتھ اس کو اس کے مال سے بھی محروم ہونا پڑیگا، اللہ تعالیٰ نے ایسی بری حرکت سے بھی منع فرمایا کیونکہ اس سے یتیم لڑکیوں کی حق تلفی ہوتی تھی۔

تفسیر

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی: اگر تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف کے تقاضے پورے نہیں کر سکو گے یعنی تم ان کو پورا مہر ادا نہیں کر سکو گے یا ان کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کر سکو گے تو پھر ان سے خود نکاح مت کرو بلکہ دستور کے مطابق ان کے نکاح دوسری جگہ کر دو اور ان کا مال بھی انکے حوالے کر دو اور ان کے مہر بھی ان کو دے دو، اس میں کسی قسم کی خیانت نہ کرو اور اگر تم خود نکاح کرنا ہی چاہتے ہو تو ان یتیم لڑکیوں کی بجائے ایسی عورتوں سے نکاح کر لو جو تمہارے لئے حلال بھی ہوں اور وہ تمہیں پسند بھی ہو اور پھر یہ بھی کہ تمہیں صرف ایک عورت کیلئے پابند نہیں کیا گیا بلکہ تمہیں توفیق ہے تو دو دو، تین تین اور چار چار عورتوں سے بھی بیک وقت نکاح کر سکتے ہو، مقصد یہ کہ یتیم لڑکیوں سے زیادتی نہ کرو بلکہ اس کے بجائے اگر تم مالی اور جسمانی لحاظ سے مضبوط ہو تو چار عورتوں کو نکاح میں رکھ سکتے ہو، اللہ تعالیٰ نے اجازت فرمادی ہے۔

فطرت کے اعتبار سے انسان تین قسم کے ہوتے ہیں، ادنی درجے کے لوگ جن کی مردانہ قوت معمولی قسم کی ہوتی ہے، وہ ہمیشہ ایک بیوی پر اکتفا کرتے ہیں، درمیانی قوت کے مالک لوگ دوسری بیوی کے خواہش مند ہوتے ہیں اگر وہ دوسرا نکاح نہ کریں گے تو گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، لہٰذا ایسے لوگوں کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت ہے اور اگر کوئی شخص جسمانی اور مالی اعلیٰ درجے کی طاقت رکھتا ہے، حق و انصاف کے تقاضے پورے کر سکتا ہے تو پھر اسے چار عورتوں تک سے نکاح کی اجازت ہے تاکہ وہ اپنی فطری خواہش اچھے طریقے سے پوری کر سکے۔

بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کی اجازت ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ساتھ میں یہ بات بھی بیان فرمادی کہ "فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا" اگر تمہیں اس بات کا ڈر ہو کہ ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی صورت میں تم تمام بیویوں سے انصاف نہ کر سکو گے تو پھر تمہارے لیے ایک بیوی ہی کافی ہے۔

فَوَاحِدَةً: ف، جزائیہ ہے اور یہ لفظ "فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا" کی جزا ہے، اس میں دو قرأتیں ہیں۔ایک قرأت "نصب" کی ہے اور دوسری "رفع" کی ہے، یعنی ایک قرأت: "فَوَاحِدَةً" اور دوسری قرأت "فَوَاحِدَةٌ" پڑھا جاتا ہے، پہلی صورت میں "وَاحِدَةً" "مَا طَابَ لَكُمْ" پر معطوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ "مَا طَابَ لَكُمْ" "فَانْكِحُوْا" کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے اور علم نحو کا اصول یہ ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف کا اعراب ایک ہوتا ہے، پس تقدیر عبارت یوں جائے گی، "فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَانْكِحُوْا وَاحِدَةً" اور معنی یہ ہونگے کہ پس تم نکاح کرلو ان سے جو حلال ہوں تمہارے لئے عورتوں میں سے دو دو سے اور تین تین سے اور چار چار سے، پھر اگر خوف ہو تم کو کہ تم انصاف نہ کرسکو گے تو پھر نکاح کرو ایک سے۔یہ یاد رہے کہ یہاں آیت میں لفظ "النِّسَاءِ" سے مراد "حرائر" ہیں جو تمہاری باندیاں نہ ہوں، اور یہ بھی یاد رہے کہ نکاح کے دو معنی ہیں (۱)....عقد (۲)....جماع۔اس آیت میں لفظ "فَانْكِحُوْا" سے عقد نکاح مراد ہے۔

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ: "اَوْ" حرف عطف ہے۔"مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ" اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر "فَوَاحِدَةً" منصوب کا معطوف ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، اور تقدیر عبارت یوں ہوجائے گی، "فَانْكِحُوْا وَاحِدَةً وَانْكِحُوْا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ" یہاں یہ بات یاد رہے کہ "مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ" سے "إماء" سے مراد ہیں یعنی وہ عورتیں جو تمہاری باندیاں ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ "فَانْكِحُوْا وَاحِدَةً" میں نکاح سے عقد نکاح مراد ہے اور "وَانْكِحُوْا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ" میں نکاح سے جماع مراد ہے اور آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اگر تم کو خوف ہو کہ تم انصاف نہیں کرسکو گے تو حرائر میں سے کسی ایک عورت سے نکاح کرلو یا پھر جو تمہاری باندیاں ہیں ان سے خواہش پوری کرنے کیلئے جماع کرلو۔

اور دوسری قرأت میں "فَوَاحِدَةٌ" مبتدا ہونے کے وجہ سے مرفوع ہے۔یہ یاد رہے کہ "وَاحِدَةٌ" نکرہ محضہ نہیں بلکہ نکرہ موصوفہ ہے جس کا مبتداء ہونا نحوی اعتبار سے درست ہے، کیونکہ "فَوَاحِدَةٌ" کی تقدیر عبارت

یوں ہوگی "فَوَاحِدَةً مِّنَ النِّسَآءِ " اب آیت کا معنی یہ ہوگا کہ حرائر میں سے کسی ایک عورت کے ساتھ نکاح کرلو، اور "فَوَاحِدَةً " کی خبر "کَافِیَة" مقدر ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر تمہیں خوف ہو کہ انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر ایک عورت ہی کافی ہے اسی پر کفایت کرلو۔

"اَوْ": صرف عطف ہے" مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ " میں "مَا " موصول اپنے صلہ سے مل کر "فَوَاحِدَةً" مرفوع پر معطوف ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے، پس تقدیر عبارت یوں ہوگی، "فَوَاحِدَةٌ کَافِیَة اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اَیضاً کَافِیَة" معنی یہ ہے کہ اگر تمہیں خوف ہو کہ انصاف نہیں کو سکو گے تو ایک عورت کافی ہے (اسی کے ساتھ نکاح کرنے پر کفایت کرلو) یا تمہاری باندیاں کافی ہیں (ان سے خواہش پوری کرنے کیلئے جماع کرلو)۔

اپنی لونڈیوں سے نکاح کی بھی ضرورت نہیں ہے، تمہاری ملکیت ہونا ضروری ہے، اگر ایسا ہے تو تم ان سے نکاح کے بغیر ہمبستری کر سکتے ہو اور اگر اس کا نکاح دوسری جگہ کردو تو خود ہمبستری نہیں کر سکتے۔

اَیْمَانٌ: یمین کی جمع ہے، یہاں اس سے مراد دایاں ہاتھ ہے، آدمی جس چیز کو پکڑتا ہے اکثر دائیں ہاتھ سے پکڑتا ہے، اس لئے کسی چیز پر پورا قبضہ ظاہر کرنے کیلئے عربی محاورہ میں کہتے ہیں کہ اس کا دایاں ہاتھ اس چیز کا مالک ہے یعنی وہ اس کی پوری اور مضبوط گرفت میں ہے مثلاً: باندی اور غلام وغیرہ، یہاں پر اس لفظ سے باندی مراد ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان امتی کیلئے بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کی اجازت فرمادی بشرطیکہ ایسا شخص بیویوں کے درمیان انصاف کر سکے، انصاف کی تفصیل آگے آئے گی اور اس سے مراد مکان، لباس، خوراک، مہر، لین دین، رات گزارنا وغیرہ اختیاری چیز ہے اور مباح ہے اور اگر کوئی شخص ایک سے زیادہ بیویاں رکھ کر ان کیساتھ انصاف نہیں کریگا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ایسے شخص کا آدھا جسم فالج زدہ ہوگا اور وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوگا۔

ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا: اس طریقے میں ایک عورت سے نکاح کرنے میں یا اپنے باندیوں پر اکتفاء

کرنے میں اس بات سے زیادہ امید ہے کہ تم بے انصافی میں مبتلا نہیں ہو گے کیونکہ جب ایک ہی بیوی ہوگی تو اس کو کھلانے پلانے اور رات گزارنے وغیرہ میں کسی دوسری سے مقابلہ نہیں ہوگا، اس لئے کئی بیویاں ہونے کی صورت میں جس بے انصافی کا خطرہ ہے تو ایک بیوی ہونے کی صورت میں نہیں ہوگا، اور اگر کوئی آدمی اپنی باندیوں پر ہی گزارا کرلے تو اس میں بھی وہ خطرہ نہیں ہوگا جو کئی بیویاں ہونے کی صورت میں ہوتا ہے، کیونکہ باندیوں کے درمیان رات گزارنے اور دوسری چیزوں یعنی کھلانے، پلانے اور سفر میں ساتھ لے جانے وغیرہ میں برابری ضروری نہیں اگر کرلے تو اچھا ہے اگر نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں۔

چار بیویوں سے زیادہ کی ممانعت

اسلام میں ایک وقت میں چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے اس سے زیادہ کی اجازت نہیں، ہاں! اگر کوئی بیوی فوت ہوگئی یا طلاق واقع ہوگئی تو اس کی بجائے اور نکاح کرسکتا ہے مگر ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں نہیں رکھ سکتا، یہ حرام ہے، جاہلیت کے زمانے میں تو بیویوں کی کوئی حد مقرر نہ تھی، ہر شخص جتنی شادیاں کرنا چاہتا کرسکتا ہے، مگر اسلام میں صرف چار بیویوں کی اجازت دی گئی ہے اس سے زیادہ کی نہیں، قبیلہ ثقیف کے غیلان ثقفی رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو ان کے نکاح میں دس عورتیں تھیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان میں سے اپنی پسند کی چار عورتیں رکھ لو اور باقیوں کو آزاد کردو، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، اسی طرح قبیلہ اسد کے عمیر اسدی رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو ان کی آٹھ بیویاں تھیں، انہوں نے بھی چار کو فارغ کردیا اور چار اپنے پاس رکھ لیں، اسی طرح ایک اور صحابی کے متعلق آتا ہے کہ ان کے نکاح میں پانچ عورتیں تھیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اِخْتَرْ أَرْبَعاً مِنْهُن" ان میں سے چار کا چناؤ کرلو اور ایک کو چھوڑ دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ چار تک کی حد بندی صرف امتی کیلئے ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے نہیں، یہ پیغمبر کی خصوصیت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے "سورۃ احزاب" میں واضح فرمادیا ہے کہ پیغمبر ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں رکھ سکتا ہے، اور ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت ہر پیغمبر کی شریعت میں موجود رہی ہے،

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داوٗد علیہ السلام وغیرہم کی کئی کئی بیویاں تھیں اوراسی طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت نو (۹) بیویاں تھیں۔

چون (۵۴) سال کی عمر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک بیوی کیساتھ گزارہ کیا یعنی پچیس (۲۵) سال حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کیساتھ زندگی گزار دی، اور چار (۴) سال حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کیساتھ گزرے، پھر اٹھاون (۵۸) سال کی عمر میں چار بیویاں جمع ہوئیں، اور باقی بیویاں دو تین سال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔

یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ ان سب بیویوں میں صرف ایک ہی ایسی تھیں جن سے کنوارے پن میں نکاح ہوا، یعنی: اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان کے سوا باقی سب بیویاں یا طلاق یافتہ تھیں بیوہ تھیں جن میں بعض کے دو شوہر پہلے گزر چکے تھے اور یہ تعداد بھی آخری عمر میں آکر جمع ہوئی ہے۔

حضرات صحابہ مرد اور عورت سب آپ پر دل سے فدا تھے اگر آپ چاہتے تو سب بیویاں کنواریں جمع کر لیتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا۔

نیز: یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برحق نبی تھے، نبی ہوس پرست نہیں ہوتے جو کچھ کرتے ہیں اپنے رب کی مرضی سے کرتا ہے، نبی ماننے کے بعد ہر اعتراض ختم ہو جاتا ہے اور اگر کوئی شخص آپ کو نبی ہی نہ مانے اور یہ الزام لگائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض شہوت پرستی کی وجہ سے اپنے لئے زیادہ بیویوں کو جائز رکھا تھا تو اس شخص سے کہا جائے گا کہ اگر ایسا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے زیادہ بیویاں رکھنے کے معاملہ میں اُس پابندی کا اعلان کیوں فرماتے جس کا ذکر قرآن کریم کی آیت "لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۢ بَعۡدُ" (سورۃ الاحزاب: آیت نمبر: ۵۲، پارہ: ۲۲) میں کیا گیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: اس کے بعد دوسری عورتیں آپ کیلئے حلال نہیں موجود ہے اپنے لئے اس پابندی کا اعلان اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کیا اپنے رب کی مرضی سے کیا۔

زیادہ شادیوں کی وجہ امت کو بیشمار تعلیمی اور تبلیغی فائدہ اور حکم پہنچنے ہیں۔ مغربی قوموں نے مسلمانوں

اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کے ہتھیار کو بہت زیادہ استعمال کیا ہے، جب انہوں نے دیکھا کہ اسلام کی ترقی کو روکنے کیلئے اور کوئی ہتھیار مفید ثابت نہیں ہو رہا ہے تو انہوں نے اسلام کے مختلف مسئلوں کی آڑ میں اسلام کی مخالفت کی ہے جو آج تک جاری ہے، اس سلسلہ میں انہوں نے اسلام کے زیادہ شادیوں کے مسئلے کو سب سے زیادہ اچھالا اور یہ پروپیگنڈہ کیا کہ مسلمان عیاش ہیں، شہوت پرست ہیں ان کا اسلام ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت دیتا ہے، حالانکہ بات سیدھی سادھی ہے، اسلام نے ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کو کوئی فرض واجب قرار نہیں دیا بلکہ محض اجازت دی ہے اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ اگر کوئی شخص جسمانی اور مالی لحاظ سے اس قدر مضبوط ہے کہ وہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھ سکتا ہے اور پھر ان کے درمیان انصاف بھی کر سکتا ہے تو اسے اجازت ہے لازم نہیں ہے۔ اور یہ اجازت بھی صرف چار بیویوں رکھنے تک ہے۔

ایک مرد کیلئے زیادہ بیویاں رکھنا اسلام سے پہلے بھی تقریباً دنیا کے تمام مذہبوں میں جائز سمجھا جاتا تھا، عرب، ہندوستان، ایران، مصر، بابل وغیرہ ملکوں کی ہر قوم میں کئی کئی شادیاں کی رسم جاری تھی اور اس کی فطری ضرورتوں سے آج بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا، آج کے دور میں یورپ نے اپنے گذرے ہوئے لوگوں کے خلاف ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کو ناجائز کرنے کی کوشش کی تو اس کا نتیجہ بے نکاحی عورتوں یعنی گرل فرینڈز کی صورت میں ظاہر ہوا۔ بالآخر فطری قانون غالب آیا اور اب وہاں کے دانشور خود اس کو رواج دینے کے حق میں ہیں، مسٹر ڈیون پورٹ جو ایک مشہور عیسائی فاضل ہے، زیادہ شادیوں کی حمایت میں "انجیل" کی بہت سی آیتیں نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے: ان آیتوں سے یہ پایا جاتا ہے کہ زیادہ شادیاں کرنا صرف پسندیدہ ہی نہیں بلکہ خدا نے اس میں خاص برکت دی ہے، اسی طرح پادری نکسن اور جان ملٹن اور اپزک ٹیلر نے پرزور الفاظ میں اس کی تائید کی ہے، اسی طرح ویدک تعلیم میں زیادہ شادیاں کرنے کو کسی حد بندی کے بغیر جائز رکھا گیا ہے۔

کرشن جو ہندوؤں میں اوتار مانے جاتے ہیں ان کی سینکڑوں بیویاں تھیں جو مذہب اور قانون عفت و عصمت کو قائم رکھنا چاہتا ہو اور زنا کاری کا خاتمہ چاہتا ہو اس کیلئے کوئی چارہ نہیں کہ زیادہ شادیاں کرنے کی اجازت دے، اس میں زنا کاری کا بھی خاتمہ ہے اور بعض علاقوں میں مردوں کے مقابلے میں عورتیں بہت زیادہ

ہیں تو زیادہ شادیاں کرنے میں اس کا بھی حل ہے، اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو زیادہ عورتیں بدکاری پیشہ اختیار کرلیں گے، یہی وجہ ہے کہ جن قوموں میں زیادہ شادیوں کی اجازت نہیں ان میں بدکاری کی کثرت ہوتی ہے، یورپین قوموں کو دیکھ لیجئے ان کے یہاں ایک سے زیادہ شادیوں پر تو پابندی ہے مگر بطور دوستانہ جتنی بھی عورتوں سے مرد زِنا کرتا ہے اس کی پوری اجازت ہے، کیا تماشہ ہے کہ نکاح منع اور زِنا جائز ہے!!!

لونڈی غلام کا مسئلہ

اسلام میں لونڈی غلام کا مسئلہ بھی ہمیشہ سے کافر قوموں کے اعتراض کا نشانہ بنا رہا ہے اور پروپیگنڈہ یہ کیا جاتا ہے کہ اس کو اسلام نے جائز قرار دیا ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کے اترنے کے زمانے میں لونڈی غلام پوری دنیا میں موجود تھے، یہ ایک بین الاقوامی رواج تھا جو ساری دنیا میں پایا جاتا تھا، مسلمانوں نے تو اسے ایجاد نہیں کیا، جنگ ہوتی تو دشمن کے گرفتار ہونے والے مردوں اور عورتوں کو قیدی بنالیا جاتا ہے، پھر یا تو انہیں قتل کردیا جاتا ہے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جاتا یا پھر غلام اور لونڈی بنالئے جاتے، ان سے مشقت لی جاتی اور ان کی خرید و فروخت بھی ہوتی، اسلام نے لونڈی غلام بنانے کو ضروری قرار نہیں دیا بلکہ اس کی اجازت جاری رکھی، اگر دنیا بھر کے لوگ اس کاروبار کو ترک کردیں تو اسلام کو اس ترک کرنے پر کوئی اعتراض نہیں، چنانچہ آج کل لونڈی غلام بنانے کا رواج نہیں پایا جاتا تو اب مسلمان بھی اسے ترک کرچکے ہیں۔

روم ایران میں ہزاروں سال تک لونڈی غلام کی خرید و فروخت ہوتی رہی تاہم اسلام نے اس رواج کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی، لونڈی غلام کو آزاد کرنے والے کو بہت بڑے اجر و ثواب کا حقدار ٹھہرایا گیا، چنانچہ اسلام کی تاریخ شاہد ہے کہ کتنے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کتنی بڑی تعداد میں غلام خرید خرید کر آزاد کئے۔

یتیم لڑکیوں کے نکاح کا مسئلہ

اس آیت میں ”یَتٰمٰی“ سے مراد یتیم لڑکیاں ہیں اور شریعت کی زبان میں یتیم اسی لڑکی یا لڑکے کو کہا

جاتا ہے جو ابھی بالغ نہ ہو اور اس کا باپ مر گیا ہو، اس لئے اس آیت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یتیم لڑکی کے سرپرست کو یہ بھی اختیار ہے کہ بالغ ہونے سے پہلے ہی اس کا نکاح کرادے، البتہ لڑکی کے فائدے پر نظر رہنی چاہئے، ایسا نہ ہو جیسے بہت سی برادریوں میں رواج ہے کہ بڑی لڑکی کا نکاح چھوٹے بچے سے کر دیا، عمر کا لحاظ نہ کیا یا لڑکے کے حالات و عادات کا جائزہ نہ لیا ویسے ہی نکاح کر دیا اور وہ بالغ لڑکیاں جن کے باپ مر چکے ہیں، اگر چہ بالغ ہو جانے کی بناء پر خود مختار ہیں لیکن لڑکیاں شرم وحیاء کی بناء پر عادۃً بالغ ہونے کے بعد بھی اپنے نکاح کے معاملے میں خود کچھ نہیں بولتیں، سرپرست جو کچھ کر دیں اسی کو قبول کر لیتی ہیں، اس لئے ان کے سرپرستوں پر بھی لازم ہے کہ ان کی حق تلفی سے پرہیز کریں۔

بہر حال اس آیت میں یتیم لڑکیوں کے حقوق کا خیال رکھنے کی تاکید کی گئی ہے مگر عام حکومتوں کے قانون کی طرح اس کے نافذ کرنے کی ذمہ داری براہ راست حکومت پر ڈالنے کی بجائے خود عوام کو خدا تعالیٰ کا خوف کا حوالہ دے کر حکم دیا گیا کہ اگر تمہیں اس میں بے انصافی کا خطرہ ہو تو پھر اپنے سرپرست لڑکیوں سے شادی کے خیال کو چھوڑ دو، دوسری عورتیں تمہارے لئے بہت ہیں اگر چاہو تو دوسری دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر لو۔

ساتھ ہی ذمہ حکومت کا ذمہ داروں کا بھی یہ فریض ہے کہ اس کی نگرانی کریں، کسی جگہ حق تلفی ہوتی نظر آئے تو اس کا ازالہ کریں۔

حق مہر

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ

اور دیدو عورتیں کو مہر انکے خوشی سے پھر اگر وہ چھوڑ دیں لئے تمہارے سے کچھ

مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ۝۴ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ

میں سے اس اپنی خوشی سے تو کھاؤ اسے رچتا پچتا (۴) اور مت دے دو بے عقلوں کو مال اپنے

الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّ ارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَ اكْسُوْهُمْ

جو بنایا اللہ نے لئے تمہارے گزران اور کھلاتے رہوان کو میں سے اس اور پہناتے رہوان کو

وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۝۵

اور کہو سے ان بات اچھی (۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیدو پھر اگر وہ اس میں سے تمہیں اپنی خوشی سے کچھ چھوڑ دیں تو اسے ذوق وشوق سے کھاؤ۔(۴) اور بے وقوفوں کو مت پکڑا دو اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہارے گزران کا سبب بنایا ہے اور انہیں اس میں کھلاتے اور پہناتے رہو اور ان سے اچھی بات کہتے رہو۔(۵)

تفسیر

صَدُقٰتِهِنَّ: اس سے مراد بیویوں کے حق مہر ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: جن عورتوں سے نکاح کرو، ان کے مہر خوشی سے خود ہی ادا کر دو، وہ تقاضا کریں یا نہ کریں، تم ایسا کرو تو پھر یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، حرج تو اسی صورت میں ہے جب ان کے مہر دینے یا ان کے کسی حق کے ادا کرنے میں کوتاہی کا اندیشہ ہو۔ اور اس آیت کی دوسری تفسیر میں بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں خطاب عورتوں کے سرپرستوں کو ہے۔ ابن ابی حاتم نے ابوصالح کا قول نقل کیا ہے کہ بعض لوگ اپنی لڑکی کا نکاح کرانے کے بعد مہر خود لے لیتے تھے لڑکی کو نہیں دیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت میں یہ آیت نازل فرمادیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ عورت کا سرپرست جب اس کا نکاح کرا دیتا اور نکاح کے بعد عورت خاندان ہی میں رہتی تو سرپرست مہر خود لے لیتا تھا اس کو کچھ بھی نہیں دیتا تھا اور اگر کوئی اجنبی آدمی عورت سے نکاح کر کے خاندان سے باہر لے جاتا تو سرپرست مہر پر خود قبضہ کرنے کے بعد عورت کو ایک اونٹ پر سوار کر کے روانہ کر دیتا، بس یہ اونٹ اس کو مہر میں ملتا اور کچھ نہ ملتا، اور باقی مال وجائیداد لڑکی کا سرپرست ہڑپ کر جاتا۔

اگر عورت اپنی خوشی سے مہر میں سے کچھ مقدار خاوند کو معاف کر دے یا وصول کر کے پھر خاوند کو ہی

واپس کردے تو اس میں کچھ حرج نہیں، خاوند اسے خوشی سے لے سکتا ہے، بیوی اپنے خاوند کو پورا مہر بھی معاف کر سکتی ہے۔

هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا: رچتا پچتا، جو کھانا لذیذ ہو اور طبیعت خوشی کیساتھ اسے قبول کر لے، اسے "هَنِيْٓـًٔا" کہتے ہیں اور "مَرِيْٓـًٔا" اس کھانا کو کہتے ہیں جو ہضم ہو کر بدن کا جزو اور صحت وقوت کا سبب بن جائے۔

چھوٹے بچوں کے بارے میں جس میں یتیم سب سے پہلے آتے ہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تک وہ ناسمجھ ہیں ان کا مال ان کے حوالے نہ کرو، جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کیلئے گزران کا ذریعہ بنایا ہے بلکہ ان کے مال کی پوری طرح حفاظت کرو اور گڈمڈ ہونے سے بچاؤ، جب تک ان بچوں کو نفع نقصان کی تمیز نہ آجائے اور وہ اپنا برا بھلا نہ سمجھ سکیں اس وقت تک انہیں اس مال میں سے کھلاؤ پہناؤ اور انہیں تسلی دیتے رہو کہ یہ سب مال تمہارا ہی ہے اور ہم صرف تمہاری خیر خواہی کیلئے اس کی حفاظت کرتے ہیں جب سمجھدار ہو جاؤ گے تو یہ مال تمہارے حوالے کر دیں گے۔

مہر کے شرعی حکم

نکاح میں مہر اگرچہ ضروری ہے مگر نکاح کے وقت اس کا ذکر ضروری نہیں، نکاح ایجاب وقبول کا نام ہے، لہٰذا دونوں طرف کی رضامندی سے مہر کے بغیر بھی نکاح ہو جاتا ہے، مگر بعد میں مہر مثل (خاندانی مہر) دینا لازم ہوگا، بشرطیکہ وہ دس درہم سے کم نہ ہو، اگر دس درہم سے کم ہوا تو دس درہم پورے کئے جائینگے۔ایجاب وقبول کے وقت مقرر کئے ہوئے مہر میں بعد میں بھی کمی زیادتی کی جاسکتی ہے، اگر زیادہ مقرر کیا ہے تو باہمی رضامندی سے کم بھی کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ دس درہم سے کم نہ ہو جائے، یا کم ہے تو اسے زیادہ بھی کیا جاسکتا ہے، یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ وزن کے حساب سے ایک درہم تین ماشے ایک رتی اور ایک رتی کے پانچویں حصے کے برابر ہوتا ہے، اس لحاظ سے دس درہم ساڑھے اکتیس ماشے بنتے ہیں، ایک تولہ بارہ ماشے کا ہوتا ہے، لہٰذا مہر کی کم از کم

مقدار دو تولے ساڑھے سات ماشے چاندی کے برابر ہوئی، لہٰذا فقہ حنفی کے مطابق مہر کم از کم مقدار دو تولے ساڑھے سات ماشے چاندی ہے، البتہ زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں، اس زمانے میں بتیس روپے کو شرعی حق مہر سمجھا جاتا ہے جو کہ درست نہیں، ہر زمانے میں چاندی کے نرخ میں کمی زیادتی سے مہر کا تعین سکہ رائج الوقت کے مطابق کیا جاسکتا ہے جو کہ کم از کم ساڑھے اکتیس ماشے چاندی کی قیمت کے برابر ہونا چاہئے، جیسا کہ ابھی گزرا۔

زیادہ مہر مقرر کرنے کو ناپسندیدہ کہا گیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے اے لوگو! بڑے بڑے مہر نہ رکھا کرو، اگر مہر کی زیادتی عزت کا باعث ہوتی تو اللہ تعالیٰ یقیناً پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتے کہ وہ زیادہ سے زیادہ مہر مقرر کریں، مگر صورتحال یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں اور بیٹیوں کا حق مہر پانچ سو درہم (جو ایک سو سوا اکتالیس تولہ چاندی) سے زیادہ مقرر نہیں کیا، سوائے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے کہ ان کا نکاح حبشہ میں نجاشی نے کرایا تھا اور چار ہزار درہم مہر اپنی طرف سے ادا کیا تھا، بہر حال اگر چہ شریعت میں اس کی حد بندی نہیں کی گئی مگر حد سے زیادہ مہر مقرر نہیں کرنا چاہئے بلکہ یہ دونوں فریقوں کی حیثیت کے مطابق ہونا چاہئے، مہر زیادہ مقرر کر کے ادا نہ کرنا قیامت کے دن عذاب کا سبب ہے، مہر بھی ایک طرح کا قرض ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص بغیر ادا کئے مر گیا تو اس کے ترکہ میں سے دوسرے قرضوں کی طرح ادا کیا جائیگا، وصیت پوری کی جائیگی اور پھر باقی مال حصہ داروں میں تقسیم ہوگا، مہر عورت کا مالی حق ہے اسی لئے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر عورت مہر کی وصولی سے پہلے شوہر کیساتھ ملاپ کرنے سے انکار کردے تو اس کو اختیار ہے، بہر حال مہر حیثیت کے مطابق ہونا چاہئے، دس، بیس یا پچاس ہزار روپے مہر مقرر کرنا جب کہ خاوند کی حیثیت دو ہزار روپے کی بھی نہ ہو، مناسب نہیں اور مرد پر خواہ مخواہ بوجھ ڈالنے والی بات ہے اس سے اعراض کرنا چاہئے۔

ہاں! اگر عورت خود اپنی خوشی سے معاف کردے تو اس کو اجازت ہے، فرمایا: "فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا" یعنی: اگر عورتیں اپنی خوشی سے مقرر مہر میں سے آدھا، چوتھائی، دوتھائی یا کم زیادہ جتنا چاہے معاف کردیں تو یہ تمہارے لئے جائز ہے، عورت کو حق حاصل ہے کہ چاہے تو سارے کا سارا مہر بھی خاوند کو معاف

کر دے، مگر عورت کو معاف کرنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا، اس طرح آپ دنیوی قانون سے تو بچ سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں معاف نہیں ہوگا، اس معاملہ میں عورت پر نہ دباؤ ڈالنا چاہئے اور نہ اسے الجھانا چاہئے، وہ خود سارا یا کچھ حصہ معاف کر دے تو اس صورت میں فرمایا: "فَكُلُوْهُ" پس اس کو کھاؤ، کھانے سے مراد محض کھانا ہی نہیں بلکہ استعمال کرنا ہے، کیونکہ عورت نے جو چیز معاف کی ہے وہ ضروری نہیں کہ کھانیوالی چیز ہی ہو، مثلاً زیور، مکان، زمین یا کارخانہ ہے تو وہ استعمال میں ہی آئیگا۔

عورتوں پر ایک ظلم یہ بھی ہوتا تھا کہ اگر کبھی کسی کو مہر دینا بھی پڑ گیا تو بہت ناک منہ چڑھا کر تاوان سمجھ کر دیتے تھے، اس ظلم کو روکنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً "، کیونکہ "نِحْلَةً "لغت میں اس دینے کو کہتے ہیں جو خوش دلی کیساتھ دیا جائے۔

غرض اس آیت میں یہ تعلیم فرمائی گئی کہ عورتوں کا حق مہر واجب ہے، اس کی ادائیگی ضروری ہے اور جس طرح تمام واجب حقوق کو خوش دلی کیساتھ ادا کرنا ضروری ہے اسی طرح مہر خوش دلی کیساتھ ادا کرنا ضروری ہے۔

یہ ظلم جن کا ذکر کیا گیا جاہلیت کے زمانے میں بہت زیادہ تھے، جن کو روکنے کیلئے قرآن حکیم نے اس آیت میں فرمایا، افسوس ہے کہ! جاہلیت کے زمانہ کی یہ باتیں مسلمانوں میں اب بھی موجود ہیں، مختلف قبیلوں اور علاقوں میں ان ظلموں میں سے کوئی نہ کوئی ظلم ضرور پایا جاتا ہے، ان سب ظلموں سے بچنا لازم ہے۔

آیت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ خوشی سے تمہاری بیویاں اگر مہر کا کچھ حصہ تم کو دیدیں یا تم سے وصول ہی نہ کریں تو تم اس کو کھا سکتے ہو، اس میں ایک بہت بڑا راز ہے، بات یہ ہے کہ شریعت کا یہ اصول ہے کہ کسی کا ذرا سا مال بھی اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں ہے، ایک اصول کے طور پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار ظلم نہ کرو اور اچھی طرح سمجھ لو کہ کسی شخص کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں۔ (مشکوۃ شریف)

یہ ایک بہت بڑا اصول ہے آج کے دور میں چونکہ عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ مہر ملنے والا نہیں ہے، اگر سوال کروں یا معاف نہ کروں تو بدلی یا بدمزگی پیدا ہوگی، اس لئے ناچاہتے ہوئے معاف کر دیتی ہیں، شرعاً اس معافی کا

کوئی اعتبار نہیں، صحیح معنیٰ میں خوش دلی سے معاف کرنے کا پتہ اس صورت میں چل سکتا ہے کہ مہر کی رقم بیوی کے حوالہ کردی جائے اس کے بعد کسی دوسرے وقت وہ اپنی خوشی سے بغیر کسی دباؤ کے دیدے، یہی خوش دلی بہنوں اور بیویوں کی میراث میں بھی سمجھ لینا چاہئے، اکثر یہ ہوتا ہے کہ ماں یا باپ کے فوت ہوجانے پر لڑکے ہی پورے مال پر قبضہ جما لیتے ہیں اور لڑکیوں کو حصہ نہیں دیتے، اگر کسی کو بہت دین داری کا خیال ہوا تو بہنوں سے معافی مانگ لیتا ہے، وہ چونکہ یہ سمجھتی ہیں کہ حصہ کسی حال میں ملنے والا نہیں اس لئے اپنی مرضی کے خلاف معاف کرنے کو کہہ دیتی ہیں، پھر باپ کی وفات پر اس کی بیوی کا حصہ بھی نہیں دیا جاتا، خصوصاً سوتیلی ماں کو تو دیتے ہی نہیں، یہ سب حقوق دبالینا ہے، اگر کوئی خوش دلی سے معاف کردے تو معاف تو ہوسکتا ہے جس کی علامت اوپر گزر چکی۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ اپنے مال بے عقلوں یا بے وقوفوں کے حوالے نہ کرو، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جو کہ قرآن کے مفسر ہیں فرماتے ہیں کہ: یہاں پر بیوقوفوں سے مراد عورتیں اور بچے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ لوگو! اپنی موجودگی میں اپنا مال اپنے بیوی بچوں کے حوالے نہ کردو، عورتیں فطرتاً کم عقل ہوتی ہیں اور بچے نادان ہوتے ہیں اگر تم اپنی زندگی میں مال تقسیم کرکے خود فارغ ہوکر بیٹھ جاؤ گے تو یہ تمہارے لئے نقصان کا سبب ہوگا، تم خود مالک تھے، عورتوں اور بچوں کی سرپرستی کرنے والے تھے مگر اب مال تقسیم کرکے خود ان پر بوجھ بن جاؤ گے، اسی لئے وراثت یا مال کی تقسیم زندگی میں کردینا پسندیدہ فعل نہیں ہے، فقہائے کرام، محدثین اور علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس قسم کی تقسیم انسان کے مرنے کے بعد ہی ہونی چاہئے اور اس کا تفصیلی ذکر آگے اسی سورۃ میں آرہا ہے۔

یتیموں کی تربیّت

وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ

اور نگرانی کرتے رہو یتیموں کی یہاں تک کہ جب پہنچیں نکاح کو پھر اگر دیکھو تم میں سے ان

رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَ لَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا

ہوشیاری / تو حوالہ کردو / طرف ان کے / مال انکے / اور نہ / کھاجاؤ مال / ضرورت سے زیادہ / اور جلد بازی سے

اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَ مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَ مَنْ كَانَ

اس خوف سے کہ یہ بڑے ہوجائیں / اور / جو / ہو / غنی / تو بچتا رہے / اور / جو / ہو

فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ

محتاج / تو کھائے / دستور کے موافق / پھر جب / تم حوالہ کردو / طرف انکے / مال انکے

فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝

تو گواہ کرلو / پر ان / اور / کافی ہے / اللہ / حساب لینے والا (۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور یتیموں کی نگرانی کرتے رہو یہانتک کہ نکاح کی عمر کو پہنچیں پھر اگر ان میں ہوشیاری دیکھو تو ان کا مال ان کے حوالہ کردو اور یتیموں کا مال ضرورت سے زیادہ نہ کھاؤ اور جلد بازی سے اس خوف سے کہ یہ بڑے ہوجائیں اور جسے حاجت نہ ہو تو یتیم کے مال سے بچتا رہے اور جو کوئی محتاج ہو تو دستور کے موافق کھائے پھر جب ان کو ان کے مال حوالے کرو تو اس پر گواہ کرلو اور اللہ حساب لینے کو کافی ہے۔ (۶)

تفسیر

اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ یتیموں کی پرورش اور تربیت کرتے رہو اور بلوغ تک پہنچنے سے پہلے وقتاً فوقتاً ان کی عقل اور سمجھ آزماتے رہو، پھر جب وہ بالغ ہوجائیں اور اپنے نفع ونقصان کو سمجھ سکیں تو ان کا مال ان کے حوالے کردو۔

یتیم کا مال ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا منع ہے اور اس بات سے ڈر کر کہ یتیم بالغ ہو کر اپنا مال ہم سے لے لے گا، جلد جلد خرچ کر کے ختم نہ کرڈالو، سرپرست کو چاہئے کہ یتیم کا مال اپنے خرچ میں نہ لائے اور اگر یتیم کی پرورش کرنیوالا خود محتاج ہو تو اپنی خدمات کے موافق یتیم کے مال سے خرچ لے سکتا ہے۔

جب کسی بچہ کا باپ مرجائے تو ضروری ہے کہ چند مسلمانوں کے سامنے یتیم کے مال کی تفصیل لکھ کر امانتدار کے حوالے کردی جائے اور جب یتیم بالغ ہو جائے تو اسی تحریر کے مطابق اس کا مال اسے واپس دلایا جائے اور جو کچھ خرچ ہوا ہو اس کی تفصیل یتیم کو سمجھا دی جائے، نیز مال کی واپسی بھی گواہوں کے سامنے ہی ہونی چاہئے تاکہ آئندہ اگر اختلاف اٹھ کھڑا ہو تو گواہ اس کے معاملے میں مدد دے سکیں، اللہ تعالیٰ ہر چیز کی حفاظت کرنیوالا ہے اور حساب خوب سمجھتا ہے، خود اسے حساب یا گواہی کی ضرورت نہیں یہ صرف لوگوں کی سہولت کیلئے مقرر فرمائی گئی ہیں۔

اس آیت میں نکاح سے مراد بلوغت کی عمر ہی ہے، اس ضمن میں اکثر فقہاء کرام جن میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں، نیز: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں شاگرد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ان سب کا قول ہے کہ نکاح کی عمر یا سن بلوغ پندرہ سال ہے، تاہم حقیقی بلوغ لڑکے کیلئے جب احتلام آجائے اور لڑکی کیلئے جب حیض آجائے، بلوغت کیلئے یہ قطعی علامات ہیں مگر ان میں کمی بیشی ہوسکتی ہے بعض اوقات لڑکے کو عرصہ دراز تک احتلام نہیں آتا یا لڑکی کو حیض نہیں آتا تو اس صورت میں بلوغ پندرہ سال سے شمار ہوگا، اس ضمن میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دو (۲) روایات ہیں، ایک روایت کے مطابق سن بلوغت میں آپ بھی باقی آئمہ کیساتھ متفق ہیں اور دوسری مشہور روایت کے مطابق آپ لڑکے کا بلوغ اٹھارہ سال سے اور لڑکی کا سترہ سال سے شمار کرتے ہیں، بہر حال فرمایا کہ جب وہ سن بلوغت کو پہنچ جائیں اور ان میں مناسب سوجھ بوجھ پیدا ہو جائے تو انہیں ان کے مال ان کے حوالے دیدو، اب انہیں شرعی بالغ سمجھا جائے گا۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ: یعنی بالغ ہونے سے پہلے ہی چھوٹے چھوٹے معمولی معاملات خرید و فروخت ان کے حوالے کر کے ان کی ہوشیاری کا امتحان کرتے رہو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کے قابل یعنی بالغ ہو جائیں، تو اب خاص طور سے اس کا اندازہ لگاؤ کہ وہ اپنے معاملات میں ہوشیار ہو گئے یا نہیں، جب ہوشیاری محسوس کرلو تب ان کے مال ان کے حوالے کردو۔

ہوشیاری کی مدّت

اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا: قرآن کا حکم یہ ہے کہ جب تم ان میں ہوشیاری محسوس کرو اس وقت ان کے مال ان کے حوالے کردو، اور ہوشیاری کی عمر کا کوئی ذکر نہیں فرمایا، اس لئے بعض فقہاء اس طرف گئے کہ جب تک پوری ہوشیاری محسوس نہ کی جائے اس وقت تک ان کے مال ان کے حوالے نہ کئے جائیں گے بلکہ سرپرست کی حفاظت وامانت میں رہیں گے، خواہ ساری عمر اسی حالت میں گزر جائے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہوشیاری کی عمر پچیس (۲۵) سال ہے، اس لئے پچیس (۲۵) سال تک انتظار کر کے اگر مکمل ہوشیاری نہ بھی آئے تب بھی ان کے مال ان کو دیدیئے جائیں گے، رہی مکمل ہوشیاری اور دانشمندی سو یہ بعض لوگوں میں عمر بھر نہیں آتی، وہ ہمیشہ سیدھے اور بھولے بھالے رہتے ہیں، اس کی وجہ سے ان کو اپنے مال سے محروم نہ کیا جائے گا، ہاں! اگر کوئی بالکل پاگل اور مجنون ہی ہو سو اس کا حکم علیحدہ ہے کہ وہ ہمیشہ نابالغ بچوں کے حکم میں رہتا ہے اور اس کے مال کبھی اس کے حوالہ نہ کئے جائیں گے جب تک اس کا جنون ختم نہ ہو جائے، اگرچہ ساری عمر اس جنون میں گزر جائے۔

اس آیت میں اس بات کی ہدایت دی گئی ہے کہ یتیموں کا مال ان کو اس وقت تک حوالہ نہ کرو جب تک ان میں کسی قدر ہوشیاری اور تجربہ نہ آجائے اور اس کیلئے ظاہر ہے کہ مزید کچھ عرصہ انتظار کرنا ہوگا اس حالت میں یہ امکان تھا کہ یتیم کے سرپرستوں کی طرف سے کوئی ایسی زیادتی ہو جس سے یتیم کا نقصان ہو اس لئے آگے اس آیت میں ارشاد فرمایا:

وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا: یعنی: ان کے مال کو ضرورت سے زائد اٹھا کر اور اس خیال سے کہ یہ بالغ ہو جائیں گے تو ان کو دینا پڑے گا، جلدی جلدی اڑا کر مت کھا ڈالو، اس میں یتیم کے سرپرستوں کو دو چیزوں سے روکا گیا، ایک ان کے مال میں اسراف، یعنی: ضرورت سے زائد خرچ کرنے سے، دوسرے اس بات سے کہ ان کا مال ضرورت پیش آنے سے پہلے جلد خرچ کرنے لگیں، اس خیال سے کہ عنقریب

یہ بڑے ہو جائیں گے تو ان کا مال ان کو دینا پڑے گا، ہمارا اختیار ختم ہو جائے گا۔

یتیم کا سرپرست اس کے مال میں سے کھانے، پینے اور پہننے کی حد تک ضرورت کے مطابق کچھ لے سکتا ہے۔

آخری آیت میں اس کا ضابطہ ارشاد فرمایا کہ: جو شخص کسی یتیم بچے کی تربیت اور اس کے مال کی حفاظت میں اپنا وقت اور محنت خرچ کرتا ہے کیا اس کو اپنی ضرورت کے مطابق کچھ لینے کا حق ہے؟ چنانچہ فرمایا: "وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ" یعنی: جو شخص حاجت مند نہ ہو اپنی ضرورت کسی دوسرے ذریعہ سے پوری کر سکتا ہو، اس کو چاہئے کہ یتیم کے مال میں سے لینے سے بچے، کیونکہ یہ خدمت اس کے ذمہ فرض ہے، اس کا معاوضہ لینا جائز نہیں، پھر فرمایا: "وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ" یعنی: جو یتیم کا جو سرپرست فقیر، محتاج ہو اور دوسرا کوئی ذریعہ معاش نہ رکھتا ہو وہ یتیم کے مال میں سے ایک مناسب مقدار کھا سکتا ہے جس سے اس کی کھانے، پینے کی ضرورتیں پوری ہو جائیں۔

اوقاف اور دوسری ملکی اور ملی خدمات کا معاوضہ

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو لوگ اوقاف کے نگراں ہیں یا مسجدوں و مدرسوں کے کام چلاتے ہیں یا مسلمان حکومتوں کے اداروں کے ذمہ دار ہیں یا ایسی ہی دوسری ملکی اور قومی خدمات جن کا کرنا فرض کفایہ ہے ان پر مقرر ہیں، ان حضرات کیلئے بھی اعلیٰ اور افضل یہ ہے کہ اگر اپنے پاس اتنا مال ہو کہ وہ اپنے بیوی بچوں کے ضروری اخراجات پورے کر سکتے ہوں تو ان اداروں سے اور حکومت کے بیت المال سے کچھ بھی نہ لیں، لیکن اگر اپنے پاس گزارہ کیلئے مال موجود نہ ہو اور روزی کمانے کے اوقات ان کاموں میں لگ جاتے ہوں تو ضرورت کے مطابق ان اداروں سے مال لے لینے کا اختیار ہے، بہت سے لوگ ضابطہ کے طور پر کاغذی خانہ پری کیلئے اپنا ماہانہ کچھ حصہ مقرر کر لیتے ہیں، لیکن مختلف طریقوں سے اس سے کہیں زیادہ بے احتیاطی کیساتھ اپنی ذات اور اپنے

بال بچوں پر خرچ کرتے چلے جاتے ہیں، اس بے احتیاطی کا علاج اللہ تعالیٰ کے خوف کے سوا کچھ نہیں، جس کی طرف آیت کے اخیر ٹکڑے میں" وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا "اور حساب لینے کیلئے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے، کہہ کر تمام لوگوں کو توجہ دلادی گئی ہے جسے اللہ تعالیٰ کے حساب لینے کا خیال ہو وہی مال کے ناجائز استعمل سے بچ سکتا ہے۔

میراث اور ترکہ کے حصّہ دار

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَ لِلنِّسَآءِ

لئے مردوں کے حصہ ہے اس میں جو چھوڑ دیں ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اور لئے عورتوں کے

نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ

حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ دیں ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اس میں سے جو کم ہو اس میں سے یا

كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝۷

زیادہ ہو حصہ مقرر کیا ہوا (۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ مردوں کا بھی حصہ ہے اس میں سے جو ماں باپ چھوڑ دیں اور قریبی رشتہ دار اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اس میں سے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑ دیں کم ہو یا زیادہ ہو حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔ (۷)

تفسیر

پیغمبر ﷺ کے آنے سے پہلے یہ رواج تھا کہ بیٹیاں خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی میراث میں سے حصہ نہیں پاسکتی تھیں اور نابالغ بیٹوں کو بھی میراث نہیں ملتی تھی، صرف وہی بیٹے جو بڑے ہو کر گھوڑے پر سوار ہو کر دشمنوں کے ساتھ لڑنے کے کام آتے تھے وارث سمجھے جاتے تھے، اس وجہ سے یتیم بچوں کو میراث سے کچھ حصہ نہ ملتا تھا، یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی، ارشاد ہوا کہ: والدین اور قریبی رشتہ داروں کے ترکہ میں سے

بیٹوں کو خواہ وہ بچے ہو یا جوان حصہ ملے گا اور بیٹیوں کو بھی خواہ بالغ ہوں یا نابالغ حصہ دیا جائے گا، اس آیت سے جاہلیت کی رسموں کا خاتمہ ہو گیا اور یتیموں کے حقوق کی حفاظت کر کے ان کی حق تلفی کو روک دیا گیا، ترکہ میں مختلف وارثوں کے حصوں کی تفصیل اگلے رکوع میں آئے گی۔

اسلام کا وراثت کا قانون دنیا کے اندر ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے، دنیا کے اکثر ملکوں میں ورثے اور ترکے کے حقدار لڑکے سمجھے جاتے ہیں، لڑکیوں کو کوئی حصہ نہیں دیا جاتا، بعض جگہ لڑکوں میں بھی صرف بڑے اور بالغ کو وارث، جانشین اور حق دار تصور کیا جاتا ہے، اسلام نے عدل وانصاف کا مکمل نمونہ پیش کرتے ہوئے لڑکوں کی طرح لڑکیوں کو بھی اور دوسرے وارث مردوں کی طرح عورتوں کو بھی جائز حصہ دار قرار دیا، انصاف کے اس دور میں کافر بھی اسلام کے اس قانون کو ماننے پر مجبور ہو رہے ہیں۔

جہالت کے قانون کے تحت عورتوں کو محروم رکھنا ہرگز انصاف نہیں بلکہ ان کیساتھ ظلم ہے اور پھر اس میں چھوٹے بڑے کا بھی کوئی فرق نہیں، بیوی کا حصہ موجود ہے، بیٹا خواہ بڑا ہو یا چھوٹا برابر کا حصہ دار ہے، اسی طرح ہر عمر کی بیٹیاں بھی اپنا حصہ وصول کرنے کی حقدار ہیں، عمر میں چھوٹا بڑا ہونے کی وجہ سے وارث کے حصہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا، باپ کی وفات کے وقت ایک دن کے بچے کو بھی برابر کا حصہ ملے گا بلکہ جو بچہ ابھی ماں کے پیٹ میں ہے وہ بھی میراث پانے کا حقدار ہے، شریعت نے عورت مرد یا چھوٹے بڑے کی تمام تفریق ختم کر دی ہے، ہر وارث اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ حصہ وصول کرنے کا حقدار ہے۔

البتہ وراثت میں ایک استثنا یہ ہے کہ مسلمان اور کافر کے درمیان وراثت تقسیم نہیں ہوتی "لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ، وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ" (الحدیث)، یعنی: نہ مسلمان کافر کا وارث بن سکتا ہے اور نہ کافر مسلمان کی وراثت میں سے حصہ لے سکتا ہے، اگر باپ مسلمان ہے اور بیٹا عیسائی، مرزائی یا کسی طرح مرتد ہو گیا تو وہ باپ کی وراثت سے محروم ہوگا، اسی طرح بیٹا مسلمان ہے اور باپ کافر ہے تو پھر بھی مسلمان بیٹا کافر باپ کی وراثت نہیں لے سکتا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ مسلمان تھے مگر ان کے دو دوسرے بھائی کافر تھے، باپ کی وفات پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ہم کافر باپ کی جائیداد سے حصہ لینے کے حقدار نہیں، لہٰذا باپ

کا مکان کافر بھائیوں طالب اور عقیل نے لے لیا، اگرچہ بعد میں فتح مکہ کے موقع پر عقیل بھی مسلمان ہو گئے تھے تاہم یہ طے شدہ شریعت کا قانون ہے کہ مومن اور کافر کے درمیان وراثت نہیں چلتی۔

دوسرا استثنا یہ ہے کہ قاتل مقتول کا وارث نہیں بن سکتا، بیٹا باپ کو قتل کر دے یا بھتیجا ایسے چچا کو قتل کر دے جس کی وراثت اس کو پہنچ سکتی تھی تو اس قتل کی وجہ سے وہ مقتول کی وراثت سے محروم ہو جائے گا۔

تیسرا استثناء یہ ہے کہ آزاد اور غلام کے درمیان بھی وراثت نہیں چلتی، باپ بیٹے میں سے کوئی بھی غلام ہے تو اس کی وراثت آزاد بیٹے یا آزاد باپ کو نہیں ملے گی، آزاد آدمی کی وراثت کا حقدار اسکا آزاد وارث ہی ہو سکتا ہے۔

اس آیت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ترکہ کا مال بہر حال تقسیم ہو جانا چاہئے "مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ" تھوڑا ہو یا زیادہ سب کا سب تقسیم ہو جانا چاہئے، ترکہ میں نقدی ہو یا سامان، مکان ہو یا زمین، برتن ہوں یا کپڑے، کسی کمپنی کے حصے ہوں یا کارخانہ ہر چیز ورثا میں بانٹ دینی چاہئے۔

یہاں یہ چیز بھی یادر ہے کہ وراثت کی تقسیم صرف والدین اور اولاد کے درمیان ہی ضروری نہیں بلکہ شریعت کے مطابق جسے بھی حصہ پہنچتا ہے خواہ وہ چچا ہو یا تایا یا اس کے بیٹے یا بھائی یا دادا یا پوتا ترکہ کا مال لازماً تقسیم ہونا چاہئے، کسی حصے دار کا حصہ ضائع نہیں ہونا چاہئے۔

نَصِيبًا مَّفْرُوضًا: اللہ تعالیٰ نے یہ حصے اپنی حکمت سے مقرر فرما دیئے ہیں، ان میں نہ تو کوئی کمی زیادتی ہو سکتی ہے اور نہ کسی کو بالکل محروم کیا جا سکتا ہے، آگے یہ بیان آتا ہے کہ وراثت کا قانون کسی انسان کا بنایا ہوا بلکہ یہ قانون اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت سے مقرر فرمایا ہے اس میں تبدیلی کرنے کا کسی کو حق نہیں پہنچتا، یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس وارث کو کتنا حصہ ملنا چاہئے، نیز یہ کہ تمہارے حق میں کون سی چیز بہتر ہے، بہر حال اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وراثت کا قانون بیان فرما دیا ہے، آگے تفصیلات آ رہی ہیں۔

یتیموں مسکینوں کی آؤ بھگت

وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنُ

اور جب حاضر ہوں ترکہ کی تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور محتاج

فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑧

کچھ کھلا پلا دو انہیں اس میں سے اور کہہ دو سے ان بات اچھی (۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور محتاج تو انہیں اس میں سے کچھ کھلا پلا دو اور انہیں اچھی بات کہو۔(۸)

تفسیر

ترکہ تقسیم کرتے وقت اگر برادری اور کنبہ کے دوسرے لوگ بھی جمع ہوں تو ان میں سے ان رشتہ داروں جنہیں میراث میں سے کوئی حصہ نہیں پہنچتا یا جو یتیم اور حاجت مند وہاں حاضر ہوں انہیں کچھ کھلا پلا کر رخصت کرنا چاہیے۔البتہ اگر میراث کے مال میں سے ایسے لوگوں کو کچھ کھلانے یا دینے کا موقع نہ ہو،مثال کے طور پر اگر وہ یتیموں کا مال ہو اور میت نے ان لوگوں کو کچھ دینے کی وصیت نہ کی ہو تو انہیں اچھی بات کہہ کر رخصت کر دینا چاہیے، یعنی بڑی نرمی سے یہ کہہ دینا چاہیے کہ یہ مال یتیموں کا ہے اور میت نے بھی کوئی وصیت نہیں کی اس لئے اس میں سے تمہیں نہیں دیا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ حکم مشترک مال میں سے کھلانے پلانے کا نہیں بلکہ یہ خطاب ان بالغ اور حاضر وارثوں سے ہے جو وراثت کا مال حاصل کریں اپنا حصہ وصول کرنے کے بعد ان کیلئے حکم ہے کہ وہ اپنے حصہ میں سے ان رشتہ داروں جن کا کوئی حصہ نہیں یا غریب غربا کو بھی کچھ دے دیں، یہ حکم نابالغ وارثوں کیلئے نہیں ہے، لہٰذا یہ حکم حاضر اور بالغ وارثان کیلئے ہے، بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ حکم ابتدا میں اس وقت تک کیلئے تھا جب

تک وراثت کے تفصیلی حکم نازل نہیں ہوئے تھے، جب یہ حکم نازل ہوگئے وراثت کے حصے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیئے تو پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا تاہم امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم استحباب کے طور پر اب بھی موجود ہے اگرچہ فرض واجب نہیں، لہٰذا اگر وراثت کے تقسیم کے وقت ایسے لوگ آجائیں تو انہیں دے دلا دینا مستحب ہوگا۔

نیز: فرمایا: ان سے اچھی بات کرو تاکہ ان کا دل نہ ٹوٹے، مقصد یہ کہ کچھ تھوڑا بہت دے کر انہیں نرمی سے بات سمجھاؤ کہ بھئی اس میں دوسروں کا بھی حق ہے، اس لئے ہم زیادہ تو نہیں دے سکتے، جو خدمت کر سکتے ہیں اس کو خوش دلی سے قبول کرلو، اس قسم کے امیدواروں کیساتھ سخت کلامی سے پیش آنا ہرگز درست نہیں، وہ کچھ وراثت میں حصے دار نہیں مگر مدد کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمہیں کچھ مال بغیر محنت کے دیا ہے تو اس میں سے غریب مسکین کی مدد بھی کردو تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہوجائے۔

یتیم بچے بچیوں کو اپنی اولاد کی طرح قیاس کرو

وَ لْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا

اور چاہیے کہ ڈریں وہ | وہ لوگ | اگر | چھوڑیں | سے | پیچھے اپنے | اولاد | چھوٹی | اندیشہ کریں

عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

پر ان | چاہیے کہ ڈریں | اللہ سے | اور | چاہیے کہ کہیں | بات | سیدھی | (۹) | بیشک | جو لوگ

يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ

کھاتے ہیں | مال | یتیموں کے | ناحق | بیشک | بھر رہے ہیں | میں | پیٹوں اپنے | آگ

ع ۱ / ۱۰ / ۱۲ وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۰﴾

اور | عنقریب داخل ہونگے | آگ میں | (۱۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور چاہئے کہ وہ لوگ ڈریں کہ اگر اپنے پیچھے چھوٹی اولاد چھوڑی ہے تو ان پر اندیشہ کریں چاہئے کہ اللہ سے ڈریں اور سیدھی بات کہیں۔(۹) جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب آگ میں داخل ہوں گے۔(۱۰)

تفسیر

بظاہر یہ حکم یتیموں کے سرپرستوں کیلئے معلوم ہوتا ہے، لیکن غور سے دیکھا جائے تو ان کے علاوہ دوسروں کیلئے بھی یہی حکم ہے۔

جس طرح ہر شخص اس بات سے ڈرتا ہے کہ مرنے کے بعد کہیں اس کی چھوٹی اولاد کیساتھ سختی اور برائی سے معاملہ نہ کیا جائے ایسے ہی تمہیں دوسروں کی یتیم اولاد کیساتھ سختی برتنے سے بچنا چاہیے، جس طرح تم چاہتے ہو کہ تمہارے مرنے کے بعد تمہاری اولاد کیساتھ لوگ شفقت ومہربانی سے پیش آئیں، اسی طرح تم یتیموں کیساتھ اچھا برتاؤ، مہربانی اور شفقت سے پیش آؤ، ایسا کرو گے تو تمہیں اپنی اولاد کے بارے میں اطمینان رہے گا اور واقعی دوسرے لوگ تمہارے بچوں کیساتھ اسی طرح نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آئیں گے۔

تمہیں چاہئے کہ اللہ سے ڈرو، یتیموں سے سیدھی اور اچھی بات کہو، جس سے ان کا دل نہ ٹوٹے اور ان کا نقصان نہ ہو بلکہ ان کی اصلاح ہو۔

پچھلی آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ یتیموں کے مال کو خرچ کرنے کے سلسلے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے، کیونکہ ان کے مال میں خیانت کرنا بہت بڑا گناہ ہے، اب یہاں یتیم کے مال میں خیانت کرنے پر بڑی سخت سزا سنائی گئی ہے کہ جو شخص یتیم کا مال ناحق کھاتا ہے وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھر رہا ہے، یعنی یتیم کا مال کھانے کا انجام یہ ہوگا اسے دوزخ میں جھونکا جائیگا۔

یتیم کی بے بسی اور مجبوری کی کوئی انتہاء نہیں ہوتی وہ دوسروں کا محتاج ہوتا ہے، دوسروں کا سہارا ڈھونڈتا ہے، اگر اسے اس نازک حالت میں کوئی ایماندار اور مہربان سرپرست نہ ملے تو اس کا آوارہ اور گمراہ

ہوجانا کچھ بعید نہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: یتیم کیساتھ ایمانداری برتو اور مہربانی سے پیش آو، جو شخص اس بے کس مخلوق کا مال ناحق کھائے گا اسے بڑی سزا مل کر رہے گی۔

یتیم بچوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کیساتھ خیر خواہی کے سلسلہ میں ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ذرا غور کرو! اگر تمہارے بچے یتیم ہوجائیں تو تم ان کی خاطر جس قدر فکرمند ہوگے اسی قدر دوسروں کے یتیم بچوں کیساتھ اچھا برتاؤ کرو، وہ بھی تمہاری ہمدردی کے مستحق ہیں، ارشاد ہوتا ہے: اور چاہئے کہ وہ لوگ اس بات سے ڈر جائیں کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے چھوٹی اولاد چھوڑ جاتے تو انہیں کتنا خوف ہوتا ہے، وہ فکرمند ہوجاتے کہ ان کے بعد ان کے بچوں کیساتھ لوگ کیسا برتاؤ کریں گے، اللہ تعالیٰ یہ بات سمجھا رہے ہیں کہ جو چیز تم اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کیلئے پسند کرو، اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے بعد تمہارے چھوٹے بچوں کیساتھ اچھا برتاؤ ہو تو تم خود بھی یتیموں اور ضعیفوں کیساتھ ہمدردانہ اور خیر خواہانہ برتاؤ کرو، یہ مسلمانوں کا اخلاق ہے جس کی تعلیم دی جارہی ہے۔

پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے: "أن تحب لأخيك ما تحب لنفسك" (الحدیث) یعنی: تم اس وقت تک مکمل ایمان والے نہیں ہوسکتے جب تک تم اپنے بھائی کیلئے بھی وہی چیز پسند نہ کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو، اگر تم اپنے لئے آرام وراحت کے خواہشمند ہو، اپنے بچوں کیساتھ ہمدردی چاہتے ہو تو دوسروں کیساتھ بھی تم ایسا ہی کرو۔

ترکہ میں مردوں اور عورتوں کے حصّے

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۚ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ

حکم کرتے ہیں تمہیں　اللہ　میں　اولاد تمہارے　لئے مرد کے　برابر　حصہ　دو عورتوں کے

فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ

پھر اگر　ہوں　عورتیں　زیادہ　دو سے　تو لئے ان کے دو تہائی ہے اس سے جو چھوڑا　اور اگر

كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ

ہو ایک لئے اس آدھا ہے

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ تمہاری اولاد کے حق میں تمہیں حکم کرتا ہے کہ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے پھر اگر عورتیں دو سے زیادہ ہوں تو ان کیلئے ترکہ کا دو تہائی ہے اور اگر ایک ہو تو اس کیلئے آدھا ہے۔

تفسیر

حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور اپنے پیچھے دو لڑکیاں چھوڑ گئے، ان کی بیوی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا حضور! میرا خاوند آپ کیساتھ جہاد میں شریک ہو کر شہید ہو گیا ہے اور پرانے دستور کے مطابق اس کے مال پر اس کے بھائی نے قبضہ کر لیا ہے اب یہ دو بچیاں ہیں، مال کے بغیر تو ان کے نکاح بھی نہیں ہو سکتے، اب کیا صورت ہو، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم صبر کرو، اللہ تعالیٰ اس بارے میں ضرور کوئی فیصلہ فرمائے گا، روایت میں آتا ہے کہ جب وہ عورت دوبارہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو وراثت کی یہ آیتیں نازل ہوئیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو اور سعد رضی اللہ عنہ کے بھائیوں کو بلایا اور ان کو سمجھایا کہ دیکھو بھائی! سعد رضی اللہ عنہ کے جس مال پر تم نے قبضہ کر لیا ہے، اس میں سے آٹھواں حصہ اس کی بیوہ کا ہے اور دو تہائی ان بچیوں کو دے دو، باقی جو بچ جائے وہ عصبہ کی حیثیت سے تم لے لو۔

والدین کا حصہ

وَ لِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ

اور لئے ماں باپ اسکے کے لئے ہر ایک کے ان دونوں میں سے چھٹا ہے جو چھوڑا اگر ہو

لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ

لئے اسکے اولاد اور اگر نہیں ہے لئے اسکی اولاد اور وارث ہوں اسکے ماں باپ اسکے تو لئے اسکی ماں کے تہائی ہے

فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ

پھر اگر ہیں لئے اسکے بھائی تو لئے اس کی ماں کے چھٹا سے بعد وصیت کے جو وصیت کر جائے

بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ

بارے میں اسکے یا قرض کے باپ تمہارے اور بیٹے تمہارے نہیں تمہیں معلوم کون زیادہ قریب ہے

لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۱

لئے تمہارے نفع کے حصہ مقرر ہے سے اللہ کی طرف بیشک اللہ ہیں خبردار حکمت والے(۱۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اس کے ماں باپ کیلئے دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ اس مال سے ہے جو کہ وہ چھوڑ مرا اگر کی اولاد ہیں اور اگر اس کی اولاد نہیں اور اس کے وارث ماں باپ ہیں تو اس کی ماں کا تہائی ہے پھر اگر اس کے کئی بھائی ہیں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے وصیت کے بعد جو وہ کر مرا یا ادائیگی قرض کے بعد تمہارے باپ اور بیٹے تمہیں معلوم نہیں کہ کون تمہیں زیادہ نفع پہنچائے حصہ اللہ کا مقرر کیا ہوا ہے بیشک اللہ تعالیٰ خبردار حکمت والے ہیں۔(۱۱)

تفسیر

اس آیت میں ماں باپ کی میراث کی تین صورتیں بیان فرمائی گئی ہیں:

(۱)....اگر میت کی اولاد ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

(۲)....اگر میت کی اولاد کچھ نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو ماں کو ایک تہائی دیکر باقی دو تہائی باپ کو ملے گا۔

(۳)....اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں، خواہ وہ حقیقی ہوں یا صرف ماں کی طرف سے ہوں اور اولاد کچھ بھی نہ ہو تو ماں کو چھٹا حصہ اور باقی پانچ حصے باپ کو ملیں گے۔

یہ بات ضروری ہے کہ وارثوں کو ان کے حصے میت کی وصیت اور اس کے قرض کو ادا کرنے کے بعد تقسیم

کئے جائیں، میت کا مال پہلے اس کے کفن اور دفن کیلئے استعمال کیا جائے، پھر اس میں سے قرضہ ادا کیا جائے، پھر جو باقی رہے اس کو میت کی وصیت میں ایک تہائی تک استعمال کیا جائے، بقیہ وارثوں میں تقسیم کیا جائے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا: تمہیں معلوم نہیں کہ کس سے تمہیں نفع پہنچے گا اور کتنا نفع پہنچے گا، اس لئے مقررہ حصوں میں ردوبدل نہ کرنا چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو جو حصہ مقرر کیا ہے اس کی پابندی کرنی چاہئے۔

وراثت کا قانون یہ ہے کہ جو رشتہ دار میت کے زیادہ قریب ہوگا وراثت پر اس کا حق سب سے پہلے ہوگا، قریبی رشتہ دار کی موجودگی میں دور کے رشتہ دار کو حصہ نہیں ملتا، مثلاً: اگر مرنے والے کا بیٹا اور پوتا موجود ہے تو وراثت کا حق دار بیٹا ہوگا پوتا نہیں ہوگا، البتہ بیٹا نہ ہو تو پوتا وارث ہوگا۔

وراثت کا دوسرا سبب نکاح ہے، جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کی وراثت کے حقدار بن جاتے ہیں، اگر خاوند فوت ہو جائے تو بیوی کو حصہ ملتا ہے اور اگر بیوی فوت ہو جائے تو خاوند کو حصہ ملتا ہے۔

وراثت کی تقسیم کی ترتیب یہ ہے کہ سب سے پہلے مرنے والے کے مال میں سے اس کے کفن دفن کا انتظام کیا جائے، اس کام پر اخراجات اعتدال کیساتھ ہونے چاہئیں، میت کا مال سمجھ کر فضول خرچی نہیں کرنی چاہئے، کفن کیلئے مناسب کپڑا اور دوسری اشیائے ضرورت خریدی جائیں، قبر کھودنے کا انتظام ہو جسکی مزدوری میت کے مال سے ادا کی جاسکتی ہے، اس کے بعد دیکھا جائے گا کہ اگر مرنے والے کے ذمے کوئی قرض ہے تو ادا کیا جائے، تیسرے نمبر پر اگر میت نے ایسے آدمی کیلئے وصیت کی جو شرعاً وارث نہیں تو اس وصیت کو بھی پورا کیا جائے، اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ہر مسلمان کو اپنے کُل مال کے ایک تہائی کے برابر وصیت کرنیکی اجازت دی ہے، اس سے زیادہ نہیں کرسکتا، اور اس کے بعد باقی مال وراثت تقسیم کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے تمہاری اولادوں کے کے بارے میں کہ ایک لڑکے کیلئے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہوگا، اگر کسی مرنے والے کا ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہیں تو کُل مال آدھا آدھا کر کے ایک حصہ لڑکے کو مل جائے گا اور باقی آدھا دو لڑکیوں میں برابر بانٹ دیا جائیگا، بعض لوگ اس تقسیم پر اعتراض کرتے ہیں ان کا مقولہ

یہ ہے کہ عورت چونکہ مرد کی نسبت کمزور واقع ہوئی ہے لہٰذا عورت کو زیادہ حصہ ملنا چاہئے تھا جب کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو دگنا حصہ دلایا ہے، اس سلسلہ میں یاد رکھنا چاہئے کہ انسان ناقص العقل ہے اس کی سوچ غلط بھی ہوسکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ حکیم ہے، اس کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں، اللہ تعالیٰ کا وراثت کا قانون بھی فطرت کے عین مطابق ہے، اس میں کسی فریق کیساتھ زیادتی نہیں، غور فرمائیں! کہ لڑکی کی بالآخر شادی ہوجائیگی اور اس کا نان نفقہ اور رہائش وغیرہ اس کے خاوند کے ذمہ ہوگا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد بھی موجود ہے کہ بیوی کا مکان، خوراک، لباس اور دوسری ضروریاتِ زندگی مرد کے ذمہ ہیں وہ اپنی حیثیت کے مطابق عورت کی ضروریات پوری کرنے کا ذمہ دار ہے، چناچہ اسی وجہ سے عورت کی ذمہ داریاں کم ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ رکھا ہے اور عورت کا کم۔

آگے فرمایا: اگر کسی مرنے والے نے کوئی بیٹا نہ چھوڑا ہو بلکہ صرف دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں چھوڑی ہوں تو ان سب کو کُل ترکہ کا دوتہائی ملے گا، باقی ایک تہائی دوسرے رشتہ داروں میں تقسیم ہوجائے گا اور اگر کوئی دوسرا رشتہ دار موجود نہ ہو تو پھر بقیہ ایک تہائی بھی ان لڑکیوں کو ان کے حصوں کے مطابق دے دیا جائیگا، فرمایا: اگر مرنے والے کی صرف ایک لڑکی ہو، یعنی: نہ کوئی لڑکا ہو اور نہ دوسری لڑکی تو ایسی صورت میں اس لڑکی کو کُل مال میں سے نصف مل جائے گا اور باقی نصف باپ، بھائی، چچا، چچازاد، اگر کوئی ہوں تو ان کو ملے گا، اگر بالکل رشتہ دار نہیں ہے تو بقیہ نصف مال بھی لڑکی ہی کو مل جائیگا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نسب کی بنیاد پر سب سے پہلے اولاد کے حق کا ذکر فرمایا ہے، اب آگے دوسرے نمبر پر ماں باپ کے حقوق کا ذکر آرہا ہے۔

مرنے والے کی اولاد بھی موجود ہو، اولاد میں خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں ایک ہو یا زیادہ، اگر والدین زندہ ہیں تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا، اسکے برخلاف اگر دوسری صورت ہو، یعنی: مرنے والے کی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث صرف والدین ہوں تو فرمایا: ماں کو تیسرا حصہ ملے گا، گویا اولاد کی غیر موجودگی میں میت کی ماں کا حصہ چھٹے سے بڑھ کر تیسرا، یعنی: دگنا ہوگیا، اس صورت میں وراثت کا باقی دوتہائی حصہ مرنے والے کے

باپ کو مل جائے گا، اس آیت میں بھی "مِمَّا تَرَكَ" کا لفظ آیا جس کا مطلب یہ ہے کہ مرنے والے نے جو کچھ بھی چھوڑا ہے نقدی، سونا، چاندی، مکان، زمین، اوزار غرضیکہ منقولہ اور غیر منقولہ ہر چیز میں ورثاء کے مقررہ حصے ان کو پہنچنے چاہئیں۔

اب ایک تیسری صورت کا ذکر ہے، یعنی: مرنے والے کی اولاد تو نہیں ہے مگر اس کے بھائی بہن زندہ ہیں، بھائیوں اور بہنوں میں حقیقی (ماں باپ کی طرف سے) علاتی (صرف باپ کی طرف سے) اور اخیافی (صرف ماں کی طرف سے) سب شامل ہیں، اگر میت کے کسی قسم کے بھی دو یا دو سے زیادہ بھائی بہن ہوں اس حالت میں میت کی ماں کا چھٹا حصہ رہ جائیگا، گویا بھائیوں نے ماں کو تیسرے حصے سے نکال کر چھٹے حصہ میں شامل کر دیا مگر مسئلہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس طرح ماں کے حصے سے جو چھٹا حصہ بچ گیا وہ ان بھائیوں کو نہیں ملے گا جن کی وجہ سے ماں کا حصہ کم ہوا، بلکہ چھٹا حصہ بھی باپ ہی کو مل جائیگا تو اس طرح ماں کو ایک حصہ اور باپ کو پانچ حصے ملیں گے کیونکہ باپ بھائیوں کی نسبت زیادہ قریبی ہے اور یہ وراثت کا بنیادی قانون ہے قریبی رشتہ دار کی موجودگی میں دور کے رشتہ دار کو وراثت نہیں پہنچتی، مذکورہ صورت میں گویا باپ کو اپنے دو تہائی کے علاوہ ماں کا کم کیا جانے والا چھٹا حصہ مزید مل جائیگا، جمہور علماء فقہاء اور آئمہ دین کا یہی مسلک ہے، البتہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ: بھائیوں کی موجودگی کی وجہ سے ماں کے حصہ سے بچ جانے والا چھٹا حصہ ان بھائیوں کو ملے گا جن کی وجہ سے ماں کا حصہ کم ہوا، (یہ سارے مسئلے "سراجی" میں لکھے ہوئے موجود ہیں بوقت ضرورت وہاں دیکھ لئے جائیں)۔

یہ تقسیم اس وصیت کے بعد جو مرنے والا کر گیا ہے اور اس قرضے کی ادائیگی کے بعد جس کا مرنے والا مقروض ہے عمل میں لائی جائے گی، مقصد یہ ہے کہ اگر مرنے والا کوئی وصیت کر گیا ہے یا اس نے کوئی قرض دینا ہے تو پہلے ان چیزوں کی ادائیگی ہوگی، اس کے بعد باقی مال کو وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

یہاں پر آیت میں وصیت کا ذکر پہلے ہے اور دَین یعنی: قرضہ کا ذکر بعد میں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے

کہ وصیت پہلے پوری کی جائے اور قرضہ بعد میں ادا کیا جائے، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ پہلے قرضہ ادا کیا جائے گا پھر وصیت پوری کی جائے گی۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر مہربانی فرما کر تمہیں وصیت کے ذریعے ایک تہائی مال کے صدقہ کرنے کی اجازت دے دی ہے تاکہ تمہیں آخرت میں بہتری نصیب ہو سکے اور بہتری جبھی حاصل ہوگی جب مال کو کسی نیک کام میں لگایا جائے گا، کسی مدرسہ یا مسجد کیلئے وصیت کر دی جائے، کسی یتیم، مسکین یا بیوہ کے حق میں یا کسی اور رفاہِ عامہ کیلئے مخصوص کیا جا سکتا ہے، تاہم اس کی مقدار میت کے کفن دفن کے اخراجات اور اس کے قرضے ادا کرنے کے بعد بقیہ مال کے ایک تہائی سے زیادہ نہیں ہونی چاہیئے۔

ہاں! ضروری بات یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کے حق میں وصیت نہیں کی جا سکتی جس کو وراثت میں حصہ مل رہا ہو، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے وارث کیلئے وصیت کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وراثت میں اس کا حصہ مقرر کر دیا ہے اور اس میں کمی زیادتی کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہوگی، البتہ ایسا وارث جس کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا اس کے حق میں وصیت کی جا سکتی ہے، جیسے یتیم پوتا ہو، کوئی بیوہ بہن ہو، کوئی نادار بھائی ہو، وغیرہ وغیرہ۔

آگے اللہ تعالیٰ نے مختلف حصے مقرر کرنے کی حکمت بیان فرمائی ہے انسان اپنی ناقص عقل کی بنا پر کہہ سکتا ہے کہ فلاں حصہ کم ہے، اسے زیادہ ہونا چاہیئے تھا یا فلاں کو زیادہ دیا گیا ہے، وہ کم ہونا چاہیئے مگر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: تم نہیں جانتے کہ تمہارے حق میں تمہارے والدین نفع بخش ہیں یا تمہاری اولاد، یہ علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کہ تمہارے لئے کون فائدہ مند ہے، تم اپنی عقل کے مطابق سمجھتے ہو کہ فلاں رشتہ دار میری خدمت کریگا اور اسے زیادہ دینے کی کوشش کرتے ہو، مگر حقیقت اس کے الٹ ہوتی ہے، ہو سکتا ہے کہ عین ضرورت کے وقت تمہارے کام وہ شخص آجائے جس سے تمہیں کوئی امید نہ ہو، لہٰذا ہر چیز کی حکمت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں جو خالق ہیں اور علیم بھی ہے اور حکیم بھی ہیں، اسی نے یہ حصے اپنی حکمت کیساتھ مقرر کئے ہیں، یعنی: یہ "فَرِيْضَةً

مِّنَ اللّٰهِ " ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کئے ہوئے ہیں اور ان کو مقرر کرنے والا بیشک ہر چیز سے واقف ہے اور ہر چیز میں اسکی حکمت چھپی ہوئی ہے جسے تم نہیں جانتے۔

میاں بیوی کا حصہ

وَ لَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ

اور لئے تمہارا آدھا ہے جو چھوڑ مریں بیویاں تمہاری اگر نہ ہو لئے ان کے اولاد

فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

اور اگر ہو لئے ان کے اولاد تو لئے تمہارے چوتھائی ہے اسمیں سے جو چھوڑ مریں سے بعد وصیت کے

يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ

جو کر گئیں بارے میں اسکے یا قرض کی ادائیگی کے بعد اور لئے عورتوں کے چوتھائی ہے اس میں سے جو تم چھوڑ مرو اگر نہ

يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا

ہو لئے تمہارے اولاد اور اگر ہو لئے تمہارے اولاد لئے ان عورتوں کے آٹھواں ہے اسمیں سے

تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ

جو تم چھوڑ مرے سے بعد وصیت کے جو تم وصیت کرو جسے یا قرض کے بعد

با محاورہ ترجمہ:۔ اور تمہارا آدھا مال ہے جو کہ تمہاری عورتیں چھوڑ مریں اگر ان کے اولاد نہ ہو پھر اگر ان کے اولاد ہے تو جو چھوڑ گئیں اس میں سے تمہارے لئے چوتھائی ہے وصیت کے بعد جو وہ کر گئیں یا قرض کے بعد اور عورتوں کیلئے چوتھائی مال ہے اس میں سے جو تم چھوڑ مرو اگر تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہے تو ان کیلئے آٹھواں حصہ ہے اس میں سے جو تم چھوڑ مرو وصیت کے بعد یا قرض کے بعد۔

تفسیر

اس آیت میں خاوند اور بیوی کی میراث کو بیان فرمایا گیا ہے، یعنی: خاوند کو اس کی بیوی کے مال سے نصف ملے گا، بشرطیکہ عورت کی اولاد نہ ہو اور اگر عورت کی کچھ اولاد ہو، اسی مرد سے ہو یا کسی اور سے تو عورت کے مال سے ایک چوتھائی ملے گا، البتہ میراث تقسیم کرنے سے پہلے عورت کی وصیت اور اس پر جو قرض ہو وہ پہلے ادا کر دینا ضروری ہے۔

اسی طرح عورت کو اس کے خاوند کے مال میں سے چوتھائی حصہ ملے گا بشرطیکہ مرد کی اولاد نہ ہو، نہ اس بیوی سے اور نہ اس سے پہلے کسی اور بیوی سے، ورنہ وصیت اور قرض ادا کرنے کے بعد جو بچے گا اس کا آٹھواں حصہ ملے گا، اگر ایک بیوی ہو تو وہ چوتھے یا آٹھویں حصہ کی مالکہ ہوگی اور اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو یہ چوتھا یا آٹھواں حصہ ان سب میں برابر تقسیم ہوگا۔

مسئلہ: اگر بیوی کا مہر ادا نہ کیا گیا ہو تو دوسرے قرضوں کی طرح پہلے کل مال میں سے اسے بھی ادا کیا جائیگا، اس کے بعد ترکہ تقسیم ہوگا اور مہر لینے کے بعد عورت اپنی میراث کا حصہ بھی میراث میں حصہ دار ہونے کی وجہ سے وصول کرے گی۔

کلالہ کا حصّہ

وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّ لَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ

اور اگر ہو مرد جسکی میراث ہے کلالہ یا عورت (ہو کلالہ) اور ہو لئے اسکے بھائی یا بہن

فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ

تو لئے ہر ایک کے میں سے ان دونوں چھٹا حصہ ہے

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر وہ مرد جس کی میراث ہے کلالہ ہو یا ایسی ہی عورت ہو جو کلالہ ہو، اور اس کا

بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے۔

لفظی تحقیق: كَلٰلَةً: وفات پانے والا مرد یا عورت جس کا باپ بیٹا نہ ہو، کلالہ، فقہ کی اصطلاح ہے، اس کی یہ تفسیر ہے کہ اس کا باپ اور بیٹا نہ ہو۔

تفسیر

یہاں ایسے بھائی بہن کی میراث کا ذکر ہے جو صرف ماں میں شریک ہوں، قانون یہ ہے کہ باپ اور بیٹے کے ہوتے ہوئے بہن، بھائی کو کچھ نہیں ملے اگا اور اگر باپ اور بیٹا نہ ہو تو بھائی اور بہن کو میراث ملے گی، بھائی اور بہن تین طرح کے ہوتے ہیں۔

عینی: یعنی: سگے جو ماں، باپ دونوں میں شریک ہوں۔

علاتی: یعنی: سوتیلے جو صرف باپ میں شریک ہوں۔

اخیافی: یعنی: سوتیلے جو صرف ماں میں شریک ہوں۔

اس آیت میں آخری قسم کے بہن بھائی کا ذکر ہے، اگر مرنے والے کے ماں باپ بیٹا بیٹی کچھ نہ ہو اور اس کے ایک بھائی بہن اخیافی ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا، اخیافی بہن اور بھائی کا حصہ برابر ہے کسی کا کم زیادہ نہیں۔

جہاں تک دوسرے دو قسم کے بھائی بہن یعنی عینی اور علاتی کا تعلق ہے تو ان دونوں قسموں کا حکم "سورہ نساء" کے آخر میں آئے گا۔

وصیت اور قرض

فَاِنۡ كَانُوۡۤا اَكۡثَرَ مِنۡ ذٰلِكَ فَهُمۡ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنۡۢ بَعۡدِ

اور اگر | ہوں | زیادہ | سے | اس | تو وہ سب | شریک ہیں | میں | تہائی | سے | بعد

وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ
وصیت کے جو ہو چکی ذریعے اسکے یا قرض کے نہ نقصان کرنے والا ہو مقرر ہے سے اللہ کے طرف سے اور

اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ؕ ﴿۱۲﴾
اللہ تعالیٰ جاننے والے ہیں حوصلے والے ہیں (۱۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں سب شریک ہیں وصیت کے بعد جو ہو چکی ہے یا قرض کے بعد جبکہ اوروں کا نقصان نہ کیا ہو یہ مقرر ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو سب کچھ جاننے والے ہیں اور حوصلے والے ہیں۔ (۱۲)

تفسیر

اگر اخیافی بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو ان سب کو میراث کے مال میں سے ایک تہائی ملے گا، تاہم وصیت کا پورا کرنا اور قرض کا ادا کرنا پہلے عمل میں لایا جائے گا، بشرطیکہ وصیت میں دوسروں کو نقصان نہ پہنچایا گیا ہو، اس نقصان کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت ہو، دوسری یہ کہ جس وارث کو میراث میں سے حصے ملے گا اس کیلئے بھی وصیت کی گئی ہو، یہ دونوں صورتیں درست نہیں، صرف اس صورت میں درست ہیں، جب تمام وارث انہیں مورث کے مرنے کے بعد قبول کرلیں۔

چونکہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ وارث میت کا قرضہ اور وصیت ادا کرنے سے پہلے ہی مال تقسیم نہ کرلیں، اس لئے میراث کیساتھ بار بار قرضے اور وصیت کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

اس رکوع میں تین مرتبہ میراث کے حکم بیان کر کے یہ فرمایا کہ: حصوں کی یہ تقسیم وصیت اور قرض کے بعد ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ میت کی تجہیز و تکفین کے بعد کل مال سے قرضے ادا کرنے کے بعد جو بچے اس میں سے تہائی مال میں وصیت نافذ ہوگی، اگر اس سے زیادہ وصیت ہو تو اس کا شرعاً اعتبار نہیں، ضابطے میں قرض کا اداء کرنا وصیت سے پہلے ہے، اگر تمام مال قرض میں لگ جائے تو نہ وصیت نافذ ہوگی نہ میراث چلے گی۔

رکوع کے شروع سے یہاں تک جنکی میراثیں بیان فرمائی گئی ہیں وہ یہ ہیں: بیٹی، ماں، باپ، خاوند اور بیوی اور اخیافی بھائی بہن، ان کو "ذوی الفروض"، یعنی: حصہ دار کہتے ہیں، ان کی میراث کو بیان فرما کرتا کید کے طور پر یہ فرمادیا کہ: یہ اللہ کا حکم ہے اسکی تعمیل ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کس نے اطاعت کی اور کس نے نافرمانی کی کس نے میرث کی تقسیم اور قرضے کی ادائیگی میں انصاف برتا۔

ان حصہ داروں کے علاوہ ایک دوسری قسم کے وارث بھی ہیں جنہیں "عصبہ" کہتے ہیں ان کا حصہ کسی نسبت سے مقرر نہیں بلکہ اصل حصہ داروں کو دینے کے بعد جو باقی بچے گا وہی انہیں ملے گا، مثلاً: اگر کسی کا "عصبہ" ہو اور اصل حصہ داروں میں سے کوئی نہ ہو تو اس کا تمام مال "عصبہ" کو ملے گا اگر دونوں موجود ہوں تو اصل حصہ دار کو دے کر جو بچے گا وہ "عصبہ" کو دیا جائے گا اور اگر کچھ نہ بچا تو اسے کچھ نہ ملے گا۔

"عصبہ" دراصل اس مرد کو کہتے ہیں جس کا میت کیساتھ عورت کے واسطے سے رشتہ نہ ہو اور اس کے چار درجے ہیں، اول درجہ میں بیٹا، پوتا اور پڑپوتا ہیں، دوسرے درجہ میں باپ، دادا اور پردادا، تیسرے درجہ میں بھائی، بھائی کا بیٹا اور بھائی کا پوتا، چوتھے درجہ میں چچا، چچا کا بیٹا اور چچا کا پوتا۔

اگر کئی شخص ہوں تو جو میت سے قریب ہے وہ دوسروں کی بہ نسبت زیادہ حقدار ہوگا، یعنی: اس کو میراث ملے گی، جیسے پوتے سے بیٹا قریب ہے اور بھتیجے سے بھائی اور سوتیلے سے سگا قریب ہے، بیٹیاں بیٹوں کیساتھ، پوتیاں پوتوں کیساتھ، حقیقی بہن حقیقی بھائی کیساتھ اور علاتی بہن علاتی بھائی کیساتھ مل کر "عصبہ" بن جاتی ہے۔

"ذوی الفروض" کے بعد جو مال بچتا ہے وہ "عصبہ" میں تقسیم ہوتا ہے، اور اگر "عصبہ" موجود نہ ہو تو بقیہ مال "ذوی الفروض نسبی" کو ملے گا اور اگر "ذوی الفروض نسبی" اور "عصبہ" بھی نہ ہو اور "ذوی الفروض سببی" موجود ہوں تو ان کو ان کا حصہ دیکر جو باقی بچے گا وہ "ذوی الارحام" جو میت کی ماں کی طرف سے رشتہ دار ہوں، جیسے: ماموں یا اس کی اولاد وغیرہ۔ (ان کی تفصیل "سراجی" میں دیکھ لی جائے)۔

کلالہ کی میراث کے خاتمے پر یہ بتانے کے بعد کہ یہ میراث وصیت اور قرض کے بعد نافذ ہوگی، لفظ: "غَيْرَ مُضَآرٍّ" فرمایا، یہ لفظ اگرچہ وہیں ذکر کیا گیا ہے لیکن اس سے پہلے جو دو جگہ وصیت اور قرض کا ذکر ہے

وہاں پر بھی اس لفظ کے مطلب کو سامنے رکھا جائے گا، مطلب اس کا یہ ہے کہ مرنے والے کیلئے وصیت یا قرض کے ذریعے وارثوں کو نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے، وصیت کرنے یا اپنے اوپر کسی کیلئے قرض کا فرضی اقرار کرنے میں وارثوں کو محروم کرنے کا ارادہ ہونا اور اس ارادہ پر عمل کرنا ممنوع ہے اور گناہِ کبیرہ ہے۔

قرض یا وصیت کے ذریعے نقصان پہنچانے کی کئی صورتیں ممکن ہیں، مثلاً: قرض کا جھوٹا اقرار کرلے، کسی دوست وغیرہ کو دلانے کیلئے یا اپنے مخصوص مال کو جو اس کا اپنا ذاتی ہے یہ ظاہر کردے کہ فلاں شخص کی امانت ہے تاکہ اس میں میراث نہ چلے یا ایک تہائی سے زائد مال کی وصیت کرے یا کسی شخص پر اپنا قرض ہو اور وہ وصول نہ ہوا ہو لیکن یہ جھوٹ کہہ دے کہ اس سے قرض وصول ہوگیا تاکہ وارثوں کو نہ مل سکے یا مرض الوفات میں ایک تہائی سے زیادہ کسی کو ہبہ کردے۔

یہ صورتیں نقصان پہنچانے کی ہیں، ہر مورث جو دنیا سے جارہا ہے اسے زندگی کے آخری لمحات میں اس طرح کے نقصان پہنچانے سے بچنا چاہئے۔

مقررہ حصّوں کے مطابق تقسیم کرنے کی تاکید

میراث کے حصے تقسیم کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ" جو کچھ حصے مقرر کئے گئے اور قرض اور وصیت کے بارے میں جو تاکید کی گئی اس سب پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم وصیت اور عظیم الشان حکم ہے، اس کی خلاف ورزی نہ کرنا پھر مزید خبردار کرتے ہوئے کہا گیا "وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ" یعنی: اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے اور اس نے اپنے علم سے ہر ایک کا حال جانتے ہوئے حصے مقرر فرمائے جو ان حکموں پر عمل کرے گا اللہ تعالیٰ کے علم سے اس کی یہ نیکی باہر نہ ہوگی اور جو خلاف ورزی کرے گا اس کی یہ بدکرداری بھی اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہ ہوگی اس کے خلاف کرنے پر اس کی پکڑ کی جائے گی۔

نیز: جو کوئی مرنے والا قرض یا وصیت کے ذریعہ نقصان پہنچائے گا اللہ تعالیٰ کو اس کا بھی علم ہے اسکی پکڑ

سے بے خوف نہ رہے، ہاں! یہ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ خلاف ورزی کرنے پر اس دنیا میں سزا نہ دے، اسلئے کہ وہ حلیم ہے، خلاف ورزی کرنے والے کو یہ دھوکہ نہ لگنا چاہئے کہ میں بچ گیا، کیونکہ ساری سزا آخرت میں مل سکتی ہے۔

حدود اللہ

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ

یہ حدود ہیں اللہ تعالیٰ کی اور جو کوئی فرمانبرداری کریگا اللہ تعالیٰ کی اور پیغمبر اسکے کی داخل کریگے اسے ایسے باغات میں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ

بہتی ہے سے نیچے اسکے نہریں ہمیشہ رہیں گے میں اس اور یہی کامیابی ہے

الْعَظِيْمُ ⑬ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ

بڑی (۱۳) اور جو کوئی نافرمانی کریگا اللہ تعالیٰ کی اور پیغمبر اسکے کی اور نکل جائے حدود سے اسکی

ع ۲ ۴ ۱۳ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑭

ڈالے گا اسے آگ میں ہمیشہ رہیگا میں اس اور لئے اسکے عذاب ہے ذلت والا (۱۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے حکم پر چلے اور اس کے پیغمبر کے اسے وہ ایسے باغات میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہونگی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ (۱۳) اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کی نافرمانی کرے اور اس کی حدوں سے نکل جائے اسے آگ میں ڈالے گا وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کیلئے ذلت والا عذاب ہے۔ (۱۴)

تفسیر

حُدُوْدُ اللّٰهِ: حد کسی چیز کے ختم ہوجانے کی جگہ کو کہتے ہیں، یعنی: آخری کنارہ اور وہ لکیر جس کے آگے نہیں جاسکتے "حُدُوْدُ اللّٰهِ" سے مراد اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے وہ اصول وضابطے اور وہ پابندیاں ہیں

جنہیں توڑنے اور جن سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں، مثلاً: کھانے پینے کی پابندیاں، میراث کے مقرر کئے ہوئے حصے وغیرہ۔

یَتَعَدَّ: نکل جائے، تعدی، عدوان بھی اسی مادہ سے نکلے ہیں، ان کے معنے ہیں مقررہ حد سے آگے نکل جانا اور پابندیوں کو توڑ کر اللہ تعالیٰ کے حکموں کی نافرمانی کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے ایک زیادہ شادیوں اور یتیموں کے بارے میں تفصیلی ہدایات دیں۔ پھر وصیت اور میراث کے حکم اور مقررہ حصوں کی وضاحت کی۔

ان سب کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ جنت کی ہمیشہ کی نعمتیں اور دنیا کی کامیابیاں ان کیلئے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کی فرمانبرداری کریں گے اور جو لوگ ان مقررہ ضابطوں کو نہ مانیں گے اور حد سے آگے بڑھیں گے وہ دوزخ میں جائیں گے اور ذلت والے عذاب میں گرفتار ہونگے۔

"معتدہ" کی میراث

جس شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق یا دو طلاق رجعی دیدی، پھر رجوع کرنے یا عدت ختم ہونے سے پہلے وفات پا گیا تو یہ عورت میراث میں حصہ پائے گی، اس لئے کہ نکاح باقی ہے اور اگر کسی شخص نے مرض الوفات میں بیوی کو طلاق دی اگرچہ طلاق بائن یا مغلظہ ہی ہو اور عدت ختم ہونے سے پہلے مر گیا تب بھی وہ عورت اس کی وارث ہوگی اور عورت کو وارث بنانے کی وجہ سے دو عدتوں میں سے جو سب سے زیادہ لمبی اسی کو اختیار کیا جائے گا جس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ: طلاق کی عدت تین حیض ہے اور وفات کی عدت چار مہینہ دس دن ہے، ان دونوں میں جو عدت زیادہ دنوں کی ہو اسی کو عدت قرار دیا جائے گا تاکہ جہاں تک ممکن ہو عورت کو حصہ مل سکے۔

اگر کسی شخص نے مرض الوفات سے پہلے بائن یا مغلظہ طلاق دی اور اس کے چند دن بعد عورت کی عدت میں وہ فوت ہو گیا تو اس صورت میں عورت کو میراث میں سے حصہ نہیں ملے گا، البتہ اگر طلاق رجعی دی ہے تو وہ وارث ہوگی، اگر کسی عورت نے شوہر کے مرض وفات میں خود سے خلع کرلیا تو وارث نہیں ہوگی، اگرچہ شوہر اس کی

عدت کے دوران مرجائے۔ (بدائع الصنائع)

بدکار عورتوں کی سزا

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً

اور جو کوئی کرے بدکاری میں سے عورتوں تمہاری تو گواہ لاؤ پر ان چار مرد

مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ

میں سے اپنے پھر اگر وہ گواہی دیں تو بند رکھو انہیں میں گھروں یہاں تک انہیں اٹھائے

الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿١٥﴾

موت یا بنادے اللہ لئے ان کے کوئی راستہ (۱۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور تمہاری عورتوں میں سے جو کوئی بدکاری کرے تو ان پر اپنے آدمیوں میں سے چار گواہ لاؤ، پھر اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت اٹھالے یا اللہ ان کیلئے کوئی راستہ بنادے۔ (۱۵)

تفسیر

اَلْفَاحِشَةَ: فاحشہ کے معنی بے حیائی اور بدکار عورت دونوں ہیں، لغت میں ہر ایسی بات اور کام کو فحش کہا جاتا ہے جو برا ہو اور جس کا ذکر کرنا اور سننا ناگوار ہو، غالباً اسی لئے اردو میں فاحشہ کا لفظ بدکار عورت کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

اِسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ: ان پر اپنے سے چار گواہ لاؤ، بے حیائی اور بدکاری جس قدر ذلیل اور خطرناک جرم ہے اور جس قدر اسکی سزا شدید ہے، اتنا ہی اس کے اعلان اور سزا میں احتیاط ضروری ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ اس جرم کے ثبوت اور سزا کے تعین کیلئے اپنے آدمیوں میں سے چار گواہ پیش

کرو، عام معاملوں میں صرف دو گواہیاں کافی ہوتی ہیں، مگر بدکاری کے سلسلہ میں چار گواہیاں ضروری قرار دی گئیں اور وہ بھی مسلمانوں کی گواہیاں کافروں کی نہیں اور مسلمانوں کا بھی مرد ہونا ضروری ہے اس سلسلہ میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں۔

اس آیت کی تشریح اس طرح سے کی گئی ہے، کہ اگر کوئی عورت (بے حیائی) میں پکڑی جائے تو اس پر چار آدمیوں کو گواہ بنالو اور ثبوت کے بعد کو گھر میں قید کر دیا جائے، یہاں تک کہ اسے اپنی موت آجائے یا اللہ تعالیٰ اس کیلئے کوئی اور راستہ پیدا کر دے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: جو بے حیائی کا کام کرتی ہیں تمہاری عورتوں میں سے، اس مقام پر تمہاری عورتوں سے مراد منکوحہ عورتیں ہیں، مطلب یہ کہ اگر شادی شدہ عورتیں بدکاری جیسے برے کام کریں تو اپنے میں سے ان پر چار گواہ لاؤ، اس سے کم کی گواہی ناکافی ہے، اس لئے شریعت نے عاقل، بالغ، ایسے چار مرد گواہوں کی گواہی کو لازمی قرار دیا ہے جنہوں نے اس برے کام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو، یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ عینی گواہ کیسے پیدا ہو سکتے ہیں جب کہ دوسرے شخص کو بے پردگی میں دیکھنا ویسے ہی گناہ ہے تو اس معاملے میں شریعت نے گواہی کے خاطر اس کام کو دیکھنے کی اجازت دی ہے، لہٰذا برے کام کے کرنے والوں کو دیکھنے والوں پر کوئی گناہ نہیں ہوگا کیونکہ ملزم پر سزا عائد کرنے کا دارومدار گواہوں کی گواہی پر ہوگا۔

پس اگر چار مرد بدکاری کرنے والوں کی گواہی دیدیں تو ان عورتوں کو جن کے خلاف گواہی مل گئی ہے اپنے گھروں میں قید کر دو، انہیں باہر جانے کی اجازت نہیں ہوگی، اسلام کے شروع زمانے میں بدکار عورتوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہی سزا مقرر کی تھی کہ بدکاری ثابت ہونے پر انہیں گھروں میں نظر بند کر دو اور اس وقت تک قید رکھو یہاں تک کہ انہیں موت آجائے یا اللہ تعالیٰ ان کیلئے کوئی اور راستہ بنادے، بہر حال اس کی سزا کیساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد بھی فرمادیا کہ: اس سزا کے علاوہ کوئی دوسری سزا بھی آئندہ دور میں مقرر کی جاسکتی ہے، چنانچہ اسی سلسلہ میں بعد میں "سورہ نور" کی یہ آیت نازل ہوئی: "اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ" یعنی: بدکار عورت اور بدکار مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔

قرآن پاک میں یہ سزا غیر محصن، یعنی: غیر شادی شدہ مرد وعورت کیلئے ہے، اور محصن، یعنی: شادی شدہ مرد وعورت کی سزا سنت کی مطابق سنگسار کرنا ہے، مجرم کو پتھر مار مار کر ختم کر دیا جائے گا، البتہ غیر شادی شدہ مرد وعورت کیلئے سو کوڑوں کے علاوہ اگر حاکم مناسب سمجھے تو ایک سال کیلئے شہر بدر بھی کر سکتا ہے، یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کوڑوں کی سزا کے ساتھ ساتھ شہر بدری کی سزا کو لازم قرار دیتے ہیں، یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بدکاری کے متعلق اگر چار چشم دید گواہ نہ مل سکیں تو ملزم کے اقرار پر بھی مقررہ سزا دی جاسکتی ہے، اس قسم کی مثال پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے زمانہ میں ملتی ہے، ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے جرم کا چار دفعہ اقرار کیا تو آپ نے اسے رجم یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دینے کی سزا دی، "قبیلہ غامدیہ" کی ایک عورت نے بھی اپنے جرم کا اعتراف کیا تو اس کو بھی رجم کیا گیا۔

بدکار مردوں کی سزا

وَ الَّذٰنِ يَأْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَ اَصْلَحَا

اور | جو دو مرد | کریں وہی بدکاری | میں سے تم | تو انہیں ایذا دو | پھر اگر | وہ دونوں توبہ کریں | اور | وہ دونوں اپنے عمل کو درست کرلیں

فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ⑯

تو چھوڑ دو | انہیں | بیشک | اللہ | ہے | توبہ قبول کرنیوالا | مہربان (۱۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور تم میں سے جو دو مرد وہی بدکاری کریں تو انہیں ایذا دو پھر اگر وہ دونوں توبہ کرلیں اور وہ دونوں اپنا عمل درست کرلیں تو ان کا خیال چھوڑ دو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔(۱۶)

لفظی تحقیق: اَلَّذَانِ: جو دو مرد، پہلی آیت میں بے حیائی اور بدکاری کی مجرم عورتوں کی سزا کا حکم تھا، اس آیت میں بدکاری کرنے والے مردوں کی سزا کا ذکر ہے۔ اٰذُوْهُمَا: ان دونوں کو ایذاء دو، اس میں ہر قسم کی اذیت شامل ہے عورتوں کو گھر میں بند رکھنے کی سزا کا اعلان تھا، مردوں کو اذیت پہنچانے کی سزا مقرر کی گئی، عورتوں کی سزا کی طرح یہ مردوں کی سزا بھی ابتدائے زمانہ میں تھی، بعد میں "سورہ نور" میں اس کی سزا نازل فرمائی جس

سے یہ ایذاء دینے کی سزا ختم ہو کر دی گئی۔

تفسیر

آپس میں بدکاری کرنے والے دو مردوں کی سزا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قاضی یا حاکم کی صوابدید پر ہے کہ جتنی سزا چاہے اور جیسی چاہے سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں "سورہ نور" کے اندر غیر محصن کی سزا کیلئے سو کوڑے مقرر کیے ہیں، اور ارشاد فرمایا کہ: اس سزا میں نہ تخفیف کی جائے نہ نرمی برتی جائے بلکہ سر عام سب کے سامنے سزا جاری کی جائے، بظاہر اسلام کی یہ جسمانی سزائیں بہت سخت معلوم ہوتی ہیں لیکن جرموں کی نوعیت حقیقت میں اس قسم کی سزاؤں کا تقاضا کرتی ہے، دوسرے یہ کہ نتیجے کے اعتبار سے یہ سزائیں جرموں کو روکنے والی ہیں اور اس زمانے کی ہلکی پھلکی قید اور جرمانے کی سزائیں جرموں کو کم کرنے کے بجائے زیادہ کرنے کا سبب بنی ہوئیں ہیں۔

اسلام دنیا میں حالات کی درستی اور امن و امان چاہتا ہے، اس لئے اس نے ان جرموں کو بہت بری نظر سے دیکھا ہے اور ان کی سزائیں بھی ایسی سخت رکھی ہیں کہ ان سے جرم رک جائیں اور دنیا سے خرابیاں ختم ہو جائیں۔

ارشاد ہوتا ہے کہ بے حیائی کا جرم کرنے والے جب توبہ کریں اور اصلاح کرلیں تو تم انہیں چھوڑ دو، توبہ کی تشریح اس سے قبل کئی بار ہو چکی ہے یعنی اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے اس کو مانا جائے اور اسے چھوڑ دینے کا اقرار کیا جائے، آیت میں توبہ کیساتھ مزید تاکید کیلئے "اصلاح" بھی ضروری قرار دی گئی ہے، اس کے بعد بشارت دی کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان ہے اس کے رحم و کرم سے ہمیشہ پر امید رہنا چاہئے۔

توبہ

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْۗءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ

بیشک توبہ ہے پر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی جو کرتے ہیں برائی ساتھ ناسمجھی کے پھر

يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَأُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَ كَانَ
وہ توبہ کرتے ہیں سے جلدی تو یہی ہے توجہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ پر ان اور ہیں

اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾
اللہ تعالیٰ جاننے والے حکمت والے (۱۷)

بامحاورہ ترجمہ: اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے جو برائی نادانی سے کرتے ہیں پھر جلدی سے توبہ کرتے ہیں تو انہیں اللہ تعالیٰ معاف کردیتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والے حکمت والے ہیں۔ (۱۷)

تفسیر

تَوْبَةٌ: اس کے لفظی معنی ہیں: واپس آنا، لوٹنا، یعنی: جس جگہ کو چھوڑا تھا وہاں پھر پلٹ کر آجانا، انسان جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حضور سے ہٹ جاتا ہے، اس کو چاہئے کہ پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے واپس آئے، اس کی صورت یہ ہے کہ اپنی غلطی کا اقرار کرے اور سچے دل سے وعدہ کرے کہ پھر ایسی غلطی نہ کروں گا اور اس پر جم جائے، اسے توبہ کہتے ہیں، صرف زبان سے توبہ توبہ کہنے کی کوئی حیثیت نہیں، توبہ اس وقت ہوگی جب اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے کئے ہوئے پر پچھتائے اور سچے دل سے اقرار کرے کہ پھر ایسی حرکت نہیں کروں گا۔

اللہ تعالیٰ نے بعض سنگین گناہ اور انکی سزاؤں کا ذکر فرمایا، پھر بتایا کہ وہ جرم بھی معاف فرمادیتے ہیں بشرطیکہ گناہ گار توبہ کرلیں، آئندہ اپنے عمل کی درستی کرلیں اور دوبارہ اس گناہ کے کرنے سے باز رہیں لیکن یہ یاد رہے کہ! اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے صرف ان لوگوں کی توبہ قبول کرنے کا ذمہ لیا ہے جو جہالت یا نادانی کی وجہ سے کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں اور اپنی خرابی اور گناہ کی خبر ہونے پر فوراً شرمندہ ہوتے ہیں اور آئندہ ایسی برائیوں سے بچنے کا وعدہ کرتے ہیں، ایسے لوگوں کی غلطیاں اللہ تعالیٰ ضرور معاف فرمادیتا ہے، وہ سب کچھ جانتے ہیں اور اس کا علم بہت وسیع ہے، وہ جانتے ہیں کہ کس نے جان کر یا نادانی سے گناہ کیا ہے اور کس نے اخلاص کیساتھ توبہ کی ہے، اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

توبہ کی قبولیت پر دو شرطیں لگائیں گئی ہیں، **اوّل** یہ کہ: گناہ نادانی کی بناء پر سرزد ہوا ہو، **دوم** یہ کہ: توبہ کی طرف جلد ہی رجوع کیا گیا ہو، اس سے ظاہر ہوا کہ جو شخص نادانی کی وجہ سے گناہ کرے اور خبر ہونے کے فوراً بعد توبہ کرے اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق اس کی توبہ ضرور قبول ہوتی ہے اور جس شخص نے جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ سے نافرمانی کی جرأت کی، گناہ پر آگاہ ہونے کے بعد بھی جلدی سے توبہ نہ کی بلکہ اس میں تاخیر کرتا رہا اور پہلی ہی حالت پر قائم رہا تو انصاف کے قاعدے کے مطابق اسکی خطا معافی کے قابل نہیں، یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل وکرم سے معاف فرمادیں۔

توبہ قبول ہونے کی بشارت جان لینے کے بعد لازم ہوتا ہے کہ جب بھی جان کر یا انجانے میں کبھی کوئی گناہ ہوجائے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور آئندہ اسے نہ کرنے کا عہد کریں، اللہ تعالیٰ سے اپنا گناہ بخشوائیں اور معافی کے مستحق بن جائیں، اس نے بشارت دی ہے کہ بندہ اسکی طرف ایک قدم بڑھتا ہے تو اس کی رحمت دس قدم بندہ کی طرف بڑھتی ہیں۔

کیا جان بوجھ کر کیا ہوا گناہ معاف نہیں ہوتا

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ قرآن مجید میں "بِجَهَالَةٍ" کا لفظ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انجانے میں کیا ہوا گناہ معاف ہوگا اور جان بوجھ کر کیا ہوا گناہ معاف نہیں ہوگا، لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو تفسیر اس آیت کی بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ "جَهَالَةٍ" اس جگہ یہ مراد نہیں ہے کہ اس کو گناہ کے گناہ ہونے کی خبر نہ ہو یا گناہ کا ارادہ نہ ہو، بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کو گناہ کے انجام بد اور آخرت کے عذاب سے غفلت اس گناہ کے کرنے کا سبب بن گئی، اگرچہ گناہ کو گناہ جانتا ہو اور اس کا ارادہ بھی کیا ہو۔

دوسرے الفاظ میں جہالت کا لفظ اس جگہ حماقت اور بیوقوفی کے معنی میں ہے، اسی کی مثال "سورہ یوسف" میں ہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا "هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ

اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ" اس میں بھائیوں کو جاہل کہا گیا ہے، حالانکہ انہوں نے جو کام کیا وہ انجانے میں نہیں بلکہ جان بوجھ کر کیا تھا مگر اس کام کے انجام سے غفلت کے سبب ان کو جاہل کہا گیا ہے۔

بزرگ فرماتے ہیں کہ بندہ جو گناہ کرتا ہے خواہ ارادے سے ہو یا بلا ارادے سے وہ جہالت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسان کوئی گناہ ارادے سے کرے یا بلا ارادے سے کرے دونوں حالت میں گناہ جہالت ہی سے ہوتا ہے، اور وہ قابل معافی ہے، نتیجہ یہ ہے کہ جان بوجھ کر کیا ہوا گناہ بھی معاف ہو جاتا ہے۔

آیت میں ایک بات قابل غور یہ ہے کہ اس میں توبہ کے قبول کرنے کیلئے یہ شرط بتلائی ہے کہ قریب زمانہ میں توبہ کر لے، توبہ کرنے میں دیر نہ کرے، اس میں قریب کا کیا مطلب ہے اور کتنا زمانہ قریب میں داخل ہے؟

پیغمبر ﷺ نے اس کی تفسیر ایک حدیث میں خود اسطرح بیان فرمائی ہے: "إِنَّ اللهَ يقبل التوبة العبد ما لم يغرغر" یعنی: اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتے ہیں جب تک اس پر نزع کا غرغرہ طاری نہ ہو جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ: انسان کی پوری عمر کا زمانہ قریب ہی میں داخل ہے، موت سے پہلے پہلے جو توبہ کر لی جائے قبول ہوگی، نزع کے غرغرہ کے وقت کی توبہ مقبول نہیں۔

قریب کی یہ تفسیر جو پیغمبر ﷺ سے نقل کی گئی ہے دوسری آیت میں خود قرآن نے بھی اس کی طرف اشارہ فرما دیا ہے جس میں یہ بتلایا ہے کہ موت کے وقت کی توبہ مقبول نہیں۔

جھوٹی توبہ

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ

اور	نہیں	توبہ	ایسوں کی	جو کرتے ہیں	برائیاں	یہاں تک کہ جب	سامنے آجائے

اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَ

ان میں سے کسی ایک کے موت تو کہنے لگا بیشک میں توبہ کرتا ہوں اب اور نہ ایسوں کی جو مرتے ہیں اور

هُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓىٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝۱۸

وہ کافر ہیں یہی وہ لوگ ہیں ہم نے تیار کیا لئے ان کے عذاب دردناک (۱۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ایسوں کی توبہ نہیں جو برے کام کرتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی ایک کے سامنے موت آجائے تو کہنے لگتا ہے اب میں توبہ کرتا ہوں اور نہ ایسوں کی جو حالتِ کفر میں مرتے ہیں ان کیلئے تو ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔(۱۸)

تفسیر

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوتی جو برابر گناہ کرتے چلے جاتے ہیں اور اس سے باز نہیں آتے، نہ انہیں گناہ پر شرمندگی ہوتی ہے، نہ وہ کسی کے بتانے پر اس سے باز رہنے کا عہد کرتے ہیں، یہاں تک کہ جب انہیں اپنی موت نظر آنے لگتی ہے تو اس وقت کہنے لگتے ہیں کہ اب میں توبہ کرتا ہوں، اسی طرح ان لوگوں کی بھی توبہ قبول نہ ہوگی، جو عمر بھر کفر کرتے رہے اور کفر پر ہی مر گئے اور اس کے بعد جب آخرت کا عذاب دیکھا تو توبہ کرنے لگے ایسے لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے شدید ترین عذاب تیار کر رکھا ہے۔

توبہ کا ایک مناسب وقت ہے اس کو پہلی آیت میں بیان کیا گیا اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ ان لوگوں کی توبہ کوئی توبہ نہیں اور نہ قابل قبول ہوسکتی ہے جو عمر بھر تو نافرمانیاں اور گناہ کرتے رہے، جب موت کا وقت آیا اور سینہ بجنے لگا تو اس وقت توبہ توبہ چلانا شروع کر دیا، ایسے ہی ان لوگوں کی توبہ بھی بیکار ہے جو کفر کی حالت میں مر رہے ہیں۔

اس آیت میں واضح فرمادیا گیا ہے کہ دو قسم کے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی، ایک وہ جو برائیاں کرتے رہے یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی ایک موت کا وقت آجائے اور وہ کہے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں، کیونکہ وہ

وقت توبہ کے قبول ہونے کا نہیں۔ اور دوسری قسم کے لوگ جن کی توبہ قبول نہیں ہوتی وہ ہیں جن کی موت کفر ہی کی حالت میں آئے، ان دونوں قسم کے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا ان کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے، وہ ہماری گرفت سے نہیں بچ سکتے۔

مجرموں سے برتاؤ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ

اے　وہ لوگوں　جو ایمان لائے　نہیں　حلال　لئے تمہارے　کہ　میراث میں لو　عورتوں کو　زبردستی

وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ

اور　نہ　روکے رکھو انہیں　کہ ان سے لے لو　کچھ　جو　دیا تم نے انہیں　سوائے　اسکے کہ

يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ

وہ کریں　بے حیائی　کھلی　اور　عورتوں سے گزران کرو　اچھی طرح　پھر اگر

كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ

وہ تمہیں نہ بھائیں　تو شاید　کہ　ناپسند سمجھو　کسی چیز کو　اور　بنادے　اللہ تعالیٰ　میں اس

خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾

اچھائی　بہت　(۱۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے ایمان والو! تمہارے لئے حلال نہیں کہ عورتوں کو زبردستی میراث میں لے لو اور نہ اس لئے انہیں روکے رکھو کہ ان سے اپنا دیا ہوا کچھ لے لو سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں اور عورتوں کیساتھ اچھی طرح گزران کرو پھر اگر وہ تمہیں نہ بھائیں تو شاید تمہیں ایک چیز پسند نہ آئے اور اللہ نے اس میں بہت اچھائی رکھی ہے۔ (۱۹)

تفسیر

بدکاری اور اسکی سزا بیان کرنے کے بعد اب جاہلیت کے اس ظلم کو روکا جارہا ہے جو عورتوں پر ہوتا تھا، ان کے ہاں رواج تھا کہ جب کوئی مرد مرجاتا تو اس کی بیوی کو میت کا سوتیلا بیٹا یا بھائی وراثت میں لے لیتا، چاہتا تو خود اس سے نکاح کرلیتا یا بغیر نکاح ہی کے اسے گھر میں رکھتا یا دوسرے سے نکاح کرکے اس کا مہر لے لیتا یا ساری عمر اسے اپنی قید میں رکھتا اور اس کے مال کا وارث بن جاتا اور بعض اوقات شوہر طلاق بھی دیدیتا لیکن پھر بھی اس مطلقہ کو کسی دوسرے سے نکاح نہیں کرنے دیتا تاکہ وہ مجبور ہوکر اس کا دیا ہوا مہر واپس کردے یا واجب الادا مہر کو معاف کردے، بعض اوقات یوں ہوتا تھا کہ شوہر مرگیا، اس کے وارث اس کی بیوہ کو نکاح نہیں کرنے دیتے یا جاہلانہ شرم کی وجہ سے یا اس لالچ میں کہ اس کے ذریعہ کچھ مال وصول کریں۔

یہ سب ظلم اس وجہ سے ہوتے تھے کہ عورت کے مال بلکہ اس کی جان کا بھی اپنے آپ کو مالک سمجھتے تھے۔

قرآن مجید میں یہ حکم دیا ہے کہ جب کوئی شخص مرجائے تو اس کی بیوی کو اپنے نکاح کے بارے میں اختیار حاصل ہے، میت کے بھائی یا اس کے وارث کو یہ اختیار نہیں کہ زبردستی اپنے نکاح میں لے لے، اگر عورت کھلی بے حیائی کرے تو اسے روکنا چاہئے اور تمہیں چاہیئے کہ عورتوں کیساتھ اچھا برتاؤ کرو، تمہیں کسی عورت کی کوئی عادت پسند نہ آئے تو صبر کرو شاید اس میں کوئی اچھائی بھی ہو، کیا پتہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تمہارے لئے کوئی فائدہ رکھا ہو، انسان کی اپنی عقل کمزور اور علم محدود ہے، اللہ تعالیٰ کا علم وسیع اور لامحدود ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ حلال نہیں کہ تم عورتوں کو میراث میں لے لو، جس بیچاری کا خاوند فوت ہوگیا تم اس کو بھی میت کی دوسری چیزوں کی طرح میراث میں نہ لو، یہ بھی فرمایا: اور نہ روک رکھو ان عورتوں کو صرف اس لئے کہ تم نے انہیں جو چیزیں بطورِ مہر یا عطیہ دی تھیں ان میں سے کچھ چیزیں واپس لے سکو، فرمایا: یہ بھی تمہارے لئے صحیح نہیں کہ صرف اس وجہ سے انہیں دوسرا نکاح کرنے کی اجازت نہ دو کہ

ان کیساتھ ان کا مال بھی جائیگا، فرمایا: یہ بیوہ عورتوں کیساتھ ناانصافی ہے، ایسا مت کرو۔

ہاں! انکو روک رکھنے کی صرف ایک صورت میں اجازت ہے کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں پہلے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ اگر کوئی عورت بدکاری کرتی ہے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اسے گھر میں زندگی بھر کیلئے قید کر دو، یہ ابتدائی حکم تھا، بعد میں اللہ تعالیٰ نے سو کوڑوں اور سنگسار کی سزائیں نافذ کر کے قید والا حکم منسوخ فرما دیا، تو فرمایا: ایسی صورت میں تم عورتوں کو روک سکتے ہو، وگرنہ عدت کے بعد عورت آزاد ہے وہ جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے، "سورہ بقرہ" میں بھی یہ حکم گزر چکے ہیں کہ ایسی عورتیں، اگر اپنا نکاح کرنا چاہیں تو ان پر کوئی پابندی نہیں لگائی جاسکتی، غرض یہ کہ فرمایا بیوہ عورتوں پر کسی قسم کی زبردستی نہیں ہونی چاہئے۔

ہاں! ایسی عورتوں سے چھٹکارے کا ایک دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان کیلئے خلع کا موقع پیدا کر دو، اگر کوئی عورت بے حیائی کا کام کرتی ہے تو شوہر کا اسکے ساتھ زندگی گزارنا مشکل ہو جاتا ہے، تو ایسی صورت میں عورت کو خلع کے ذریعہ علیحدہ کیا جاسکتا ہے، خلع کیلئے تم ان سے مہر کا اور عطیہ کی واپسی کا مطالبہ کر سکتے ہو کیونکہ قصور عورت کا ہے، البتہ یاد رکھو! ان عورتوں کیساتھ دستور کے مطابق گذران کرو، ان سے بہتر طریقہ پر میل جول رکھو، کسی قسم کی زیادتی نہ کرو، ان کے حقوق ان کو ادا کرو، ان کی کسی بھی صورت میں حق تلفی نہیں ہونی چاہئے۔

فرمایا: اگر تم ان عورتوں کو ناپسند کرتے ہو پس ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ اس ناپسندیدہ چیز میں بہت سی بہتری رکھ دے ظاہر ہے کہ انسان خوبیوں اور خامیوں کا مجموعہ ہے، اگر کسی عورت میں کوئی خامی ہے جس کی وجہ سے تم اسے ناپسند کرتے ہو تو ہو سکتا ہے کہ اس میں بعض خوبیاں بھی ہوں، اگر عورت شکل وصورت کے لحاظ سے اچھی نہیں ہے تو ہو سکتا ہے کہ اسکا اخلاق بہت اچھا ہو یا وہ ہنر مند اور سلیقہ والی ہو، بعض اوقات عورتیں خود تو بظاہر کسی خوبی کی مالک نہیں ہوتیں مگر ان سے پیدا ہونے والی اولاد بہت اچھی ہوتی ہے جو مرد کیلئے قیمتی سرمایہ بن جاتی ہے، بعض عورتیں صبر کرنے والیں، شکر کرنے والیں اور دین دار ہوتی ہیں اور بعض خوبصورت جھگڑالو قسم کی ہوتی ہیں اس لئے فرمایا کہ: تم ایک چیز کو ناپسند کرتے ہو مگر ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسی

میں تمہارے لئے بہت زیادہ بھلائیاں رکھی ہوں۔

مہر کی ادائیگی

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ

اور اگر تم چاہو بدلنا دوسری عورت جگہ ایک عورت کی اس حال میں کہ تم دے چکے کسی ایک کو

قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا

خزانہ تو نہ واپس لو میں سے اس کچھ کیا تم لینا چاہتے ہو اسکو بہتان لگا کر اور گناہ کا ارتکاب کرکے

مُّبِيْنًا ۝۲۰ وَ كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَ قَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ

کھلے کا (۲۰) اور کیونکر تم لے سکتے ہو اسے حالانکہ پہنچ چکا ہے تم میں ایک تک دوسرے کے

وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝۲۱

اور وہ لے چکیں میں سے تم عہد پختہ (۲۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر ایک عورت کی جگہ دوسری کو بدلنا چاہو اور ایک کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو تم اسے واپس لوگے بہتان لگا کر اور کھلے گناہ کا ارتکاب کر کے۔ (۲۰) اور اسے کیونکر لے سکتے ہو اور جبکہ تم سے ایک دوسرے تک پہنچ چکا ہے حالانکہ تم سے وہ عورتیں پختہ عہد لے چکی ہیں۔ (۲۱)

تفسیر

اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانہ میں ایک یہ رسم بھی تھی کہ جب کوئی پہلی بیوی کو چھوڑ کر دوسری عورت سے شادی کرنا چاہتا تو پہلی بیوی پر تہمت لگاتا اور اس پر طرح طرح کی سختیاں اور ظلم کرتا، تا کہ وہ مجبور ہو کر مہر واپس کر دے اور طلاق لے لے اور اسطرح یہ روپیہ پیسہ دوسرے نکاح میں استعمال کیا جا سکے، اس آیت میں اس

چیز کی ممانعت کردی گئی ہے کہ جب پہلی عورت کو چھوڑ کر دوسری سے نکاح کرو اور پہلی کو بہت سا مال دے چکے ہوتو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، بہتان باندھ کر یا تہمت لگا کر پہلی بیوی سے مال لینا جائز نہیں۔

جب مرد اور عورت نکاح کے بعد مل چکے اور صحبت بھی ہو چکی تو مرد پر مہر واجب ہو گیا، اب اسی مہر کو تہمت لگا کر واپس لینا مرد کیلئے کیسے جائز ہے، جب کہ یہ عورتیں تم سے بہت پختہ عہد لے چکیں، یعنی: تم سے نکاح کر چکیں اور تم ان سے پورا پورا فائدہ اٹھا چکے اب ان سے مہر واپس لے لینا یا نہ دینا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔

یہ یاد رہے کہ جس طرح ہمبستری کے بعد خاوند کے اوپر تمام مہر ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے اسی طرح اگر خلوت صحیحہ ہو گئی ہو تو بھی پورا مہر واجب الادا ہو گا، البتہ اگر خلوت صحیحہ کی نوبت نہ آئی ہو اور خاوند نے طلاق دیدی ہو تو پھر آدھا مہر ادا کرنا ہو گا، یہ مسائل "سورۂ بقرہ" میں گزر چکے ہیں، خلوت صحیحہ سے مراد یہ ہے کہ میاں بیوی کوئی ایسی جگہ اکٹھے ہو جائیں کہ ان کے درمیان کوئی چیز ملاپ سے رکاوٹ نہ بنے۔

مال کی واپسی کی ایک ہی جائز صورت خلع ہے، اگر میاں بیوی میں نباہ نہیں ہو سکتا اور خاوند طلاق بھی نہیں دینا چاہتا تو ایسی صورت میں عورت خلع کا مطالبہ کر سکتی ہے اور اس کیلئے وہ خاوند کے مطالبہ پر مہر یا دیگر مال واپس کر سکتی ہے جو دونوں کے درمیان طے پا جائے، اس کے علاوہ عورت پر جھوٹا الزام لگا کر اس سے مال کا مطالبہ کرنا حرام ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

میثاق غلیظ کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا تھا اللہ تعالیٰ کے حکم اور قانون سے عورتیں تم پر حلال ہوئیں ہیں، تمہارے ساتھ ان کا عقد نکاح ہوا ہے لہٰذا تم عورتوں کے حقوق کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ان کیساتھ زیادتی نہ کرو، ان پر بہتان لگا کر ان کی حق تلفی نہ کرو، جب وہ تمہارے نکاح میں آچکیں اور تم نے ان سے پورا فائدہ اٹھالیا تو اب ان کے مہر ان کو دے دو، اس میں کسی قسم کی کمی نہ کرو۔

کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مہر کی تعداد

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دس درہم سے کم مہر نہیں ہوتا، امام صاحب کا استدلال حضرت

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے "لا مهر أقل من عشرة دراهم" دس درہم دو تولے ساڑھے سات ماشے چاندی کے برابر ہوتے ہیں، لہٰذا اس مقدار سے کم مہر نہیں ہونا چاہئے، لوگ پرانے اور سستے زمانے کی چاندی کے حساب سے ۳۲ روپے مہر مقرر کرتے ہیں جو درست نہیں، البتہ زیادہ سے زیادہ مہر کی کوئی حد مقرر نہیں ہزاروں اور لاکھوں روپے نقد یا جائیداد کی صورت میں مہر مقرر ہوسکتا ہے، لیکن پھر بھی مہر میں مبالغہ کرنا پسندیدہ نہیں، یعنی: بہت زیادہ مہر لکھ کر پھر ادا نہ کرنا یہ درست نہیں، مہر ہمیشہ حیثیت کے مطابق ہونا چاہئے۔

ماؤں کا احترام

وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ

اور نہ نکاح کرو جس سے نکاح کیا باپوں تمہارے نے سے ان عورتیں مگر جو ہو چکا

سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ ع ۳ / ۸ / ۱۴

پہلے بیشک یہ ہے بے حیائی اور غضب اور برا چلن (۲۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ان عورتوں کو نکاح میں نہ لاؤ جنہیں تمہارے باپ نکاح میں لائے مگر جو پہلے ہو چکا (معاف ہے) یہ بے حیائی ہے اور غضب کا کام ہے اور یہ برا راستہ ہے۔ (۲۲)

تفسیر

جاہلیت کے زمانہ میں لوگ اپنی سوتیلی ماؤں سے نکاح کرلیا کرتے تھے، یہاں اس آیت کے ذریعے اس برے کام سے روکا گیا ہے کہ جن عورتوں سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو ان سے نکاح جائز نہیں، یہ بے حیائی اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور نفرت کی بات ہے اور بہت برا طریقہ ہے، اس میں شک نہیں کہ جاہلیت کے زمانہ میں بھی بعض سمجھدار لوگ اسے برا سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اس قسم کے کام جو پہلے ہو چکے ہیں ان

پر تم سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی، آئندہ ایسے نکاح سے باز رہو۔

اس نکاح سے روکنے کیلئے قرآن مجید نے تین لفظ استعمال کئے ہیں اور تینوں سے الگ الگ اشارے ہیں۔

فَاحِشَةً: بے حیائی، اس لئے اس قسم کا نکاح عقلی لحاظ سے بھی خود بڑی بے حیائی کی بات ہے۔

مَقْتًا: غضب، غصہ اور غضب کے علاوہ یہ لفظ ہر ایسی بری چیز کیلئے استعمال ہوتا ہے جسے دیکھ کر طبعیت میں گھن پیدا ہو، چنانچہ صحیح مزاج رکھنے والے آدمی کیلئے یہ بڑی گندی چیز ہے۔

سَآءَ سَبِيْلًا: برا چلن، "سآءَ"، برا، ان معنوں میں لفظ: "سوء" بھی استعمال ہوتا ہے۔

سَبِيْلًا: چلن، لفظی معنیٰ راستے کے ہیں، اسی مناسبت سے یہاں چال چلن کے معنوں میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

اسلام سے پہلے عرب کے سماج میں ایک بڑی خرابی یہ پائی جاتی تھی کہ لوگ اکثر ان عورتوں سے نکاح کر لیتے تھے جن عورتوں سے نکاح حلال نہیں، اور جو عورتیں ان کیلئے حلال تھیں ان میں سے بعض پر انہوں نے خود پابندی لگا رکھی تھی، جیسے لے پالک بیٹے کی مطلقہ جبکہ اس کے ساتھ نکاح حرام نہیں، اگلی آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کیلئے کون کون سی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔

سب سے پہلے سوتیلی ماں کیساتھ نکاح کا ذکر ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ: ان عورتوں کو نکاح میں مت لاؤ جن کیساتھ تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں، ایسی عورتیں تمہارے لئے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حرام ہو چکیں ہیں، مفسرین کرام اور محدثین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مطلقاً نکاح کا ذکر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سوتیلی ماں کے حرام ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ باپ نے اس عورت کیساتھ نکاح کیا تھا، حرمت نکاح کیلئے باپ کی طرف سے ہمبستری ضروری نہیں، جب کسی شخص کے باپ نے کسی عورت سے نکاح کر لیا تو وہ عورت اس شخص کے بیٹے کیلئے ہمیشہ کیلئے حرام ہوگئی، فقہ حنفی کی مشہور "کتاب شامی" میں یہ مسئلہ وضاحت کیساتھ موجود ہے کہ یہ حرمت اصول اور فروع دونوں طرف یکساں طور پر نافذ ہے، یعنی: جس عورت سے باپ نے نکاح کیا ہے وہ بیٹے کیلئے حرام ہے اور

جس عورت سے بیٹے نے نکاح کیا ہے وہ باپ کیلئے قطعی حرام ہے اور پھر ہمبستری بھی ضروری نہیں فقط نکاح ہی حرمت کیلئے کافی ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ آیت کریمہ میں باپوں کا ذکر ہے مگر باپوں سے مراد اوپر تک پوری نسل ہے، یعنی نہ صرف باپ کی منکوحہ حرام ہے بلکہ دادا اور پردادا کی منکوحہ بھی اگر ہو تو اس کیساتھ بھی نکاح حرام ہے، اسی طرح نیچے کی طرف بیٹے کے حکم میں پوتا اور پڑپوتا بھی شامل ہیں، جو عورت بیٹے کیلئے حرام ہے وہ پوتے اور پڑپوتے کیلئے بھی ویسے ہی حرام ہے، یاد رہے کہ! سوتیلی ماں حقیقی ماں کی ہی طرح حرام ہے، بیٹا اپنی سوتیلی ماں کیساتھ خلوت میں بیٹھ سکتا ہے، اس کیساتھ سفر کرسکتا ہے اور ماں کو اس سے پردہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ وہ حقیقی ماں ہی کی قائم مقام ہوتی ہے، بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اپنے باپ کی منکوحہ کیساتھ نکاح نہیں کرسکتے، البتہ جو کچھ پہلے ہو چکا وہ جہالت اور نادانی کی وجہ سے تھا، اب آئندہ کیلئے ایسی عورتیں تم پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حرام ہو گئی ہیں۔

محرم عورتیں

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ

حرام کی گئیں پر تم مائیں تمہاری اور بیٹیاں تمہاری اور بہنیں تمہاری اور پھوپھیاں تمہاری اور

خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ

خالائیں تمہاری اور بیٹیاں بھائی کی اور بیٹیاں بہن کی اور وہ مائیں تمہاری جنہوں نے

اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ

دودھ پلایا تمہیں اور بہنیں تمہاری سے دودھ

بامحاورہ ترجمہ:۔ حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھائی

کی بیٹیاں (بھتیجیاں) اور بہن کی بیٹیاں (بھانجیاں) اور جن ماؤں نے تمہیں دودھ پلایا اور دودھ شریک بہنیں۔

تفسیر

اَلرَّضَاعَةِ: مراد وہ عورت ہے جو حقیقی ماں تو نہ ہو لیکن کسی دوسرے بچے کو دودھ پلائے، اس عورت کی حقیقی اولاد اس بچہ کے رضاعی (دودھ کے رشتے) بھائی بہن کہلاتے ہیں اور وہ عورت رضاعی ماں کہلاتی ہے۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے سوتیلی ماں سے نکاح کرنے سے روکا تھا، اب جن دوسرے عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت ہے ان کو بیان کیا گیا ہے، یہ فہرست بالکل واضح ہے، لہٰذا کسی اختلاف یا مغالطہ کی صورت باقی نہیں رہتی ہے۔

یہ عورتیں چند قسم کی ہیں، اول: وہ جو نسبی (خاندانی) تعلق کی وجہ سے حرام ہیں اور یہ سات (۷) ہیں:

(۱)... ماں (۲)... بیٹی (۳)... بہن (۴)... پھوپھی (۵).... خالہ (۶).... بھتیجی (۷).... بھانجی، ان میں سے کسی کیساتھ نکاح کرنے کی اجازت نہیں۔

جس طرح ماں سے نکاح کی ممانعت ہے اسی طرح اس ممانعت کے حکم میں دادی اور نانی اوپر تک سب داخل ہیں اسی طرح بیٹی سے نکاح کرنے کی ممانعت میں پوتی اور نواسی اور ان کے نیچے تک سب داخل ہیں اور بہن کے سلسلہ میں عینی، علاتی اور اخیافی سب داخل ہیں اور پھوپھی، باپ دادا اور اوپر تک کی پشتوں کی سگی بہنیں ہوں یا سوتیلی سب آگئیں اور خالہ میں ماں اور نانی اور نانی کی نانی اور سب کی تینوں قسم کی بہنیں داخل ہیں اور بھتیجی میں تینوں قسم کے بھائیوں کی اولاد اور اولاد کی اولاد سب داخل ہیں اور بھانجی میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد اور اولاد، در اولاد سب داخل ہیں۔

نسبی محرمات کے علاوہ رضاعی محرمات بھی ہیں، یہ دو (۲) ہیں: ماں اور بہن اور ساتوں رشتے جو نسب میں بیان ہوئے رضاعت میں بھی حرام ہیں، یعنی: رضاعی بیٹی، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی بھی حرام ہیں یہ تفصیل اور دوسرے حکم حدیثوں میں موجود ہیں۔

محرم: دائمی قابل احترام، ان عورتوں کو کہا جاتا ہے جن سے نکاح کبھی بھی کسی صورت میں جائز نہیں جیسے یہ عورتیں جن کا ابھی ذکر ہوا لیکن اگر کوئی خاتون ایسی ہے کہ ایک حالت میں تو اس کا نکاح کسی مرد سے حرام ہے تو دوسری حالت میں حرام نہیں تو ایسی عورت محرم نہیں، مثلاً: بیوی کے ہوتے ہوئے اس کی بہن سے نکاح حرام ہے اسی طرح اس کی پھوپھی اور خالہ سے بھی نکاح حرام ہے، لیکن اگر بیوی کی وفات ہو جائے یا اس کو طلاق دیدے اور اس کی عدت بھی گزر جائے تو اس کی بہن سے نکاح کرنا حلال ہے، اسی طرح اس کی پھوپھی اور خالہ سے نکاح کرنا بھی حلال ہے۔ اسی طرح بیوی کے ہوتے ہوئے اس کی بھانجی سے اور بھتیجی سے نکاح حرام ہے، لیکن اگر بیوی کی وفات ہو جائے یا اسے طلاق اور عدت بھی گزر جائے تو اس کی بھانجی اور بھتیجی سے نکاح حلال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اور تمہاری وہ مائیں تم پر حرام قرار دی گئیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں بھی تم پر حرام ہیں، آیت کریمہ میں رضاعت کے اعتبار سے صرف دو رشتوں، یعنی: ماں اور بہن کو ذکر کیا گیا ہے، تاہم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی وضاحت میں فرمایا: "یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب"، یعنی: جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہیں، یعنی: جس بچے نے جس عورت کا دودھ پیا وہ عورت بچے کی رضاعی ماں بن گئی، اس عورت کی بیٹیاں اس کی رضاعی بہنیں بن گئی اور عورت کے بیٹے اس بچے کے رضاعی بھائی بن گئے، اسی طرح عورت کا خاوند دودھ پینے والے بچے کا رضاعی باپ ٹھہرا اور رضاعی باپ کا بھائی بچے کا رضاعی چچا ہوا، لہٰذا جس طرح رضاعی ماں اور رضاعی بہن کیساتھ نکاح حرام ہے اسی طرح رضاعی بھتیجی، رضاعی بھانجی، رضاعی پھوپھی اور رضاعی خالہ کیساتھ بھی نکاح حرام ہو گیا، غرض یہ کہ! جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہیں اور جب رضاعی ماں حرام ہوگئی تو نانی، پڑنانی وغیرہ بھی حرام ہوگئیں اور فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ رضاعی بھائی یا رضاعی بہن کی نسبی ماں سے نکاح جائز ہے، اسی طرح حقیقی بہن کی رضاعی ماں سے بھی نکاح ہو سکتا ہے، رضاعی بہن کی نسبی بہن کیساتھ بھی نکاح درست ہے، اس کے علاوہ رضاعی بھتیجی یا بھانجی یا خالہ یا پھوپھی وغیرہ سے نکاح نہیں ہو سکتا، وہ حقیقی رشتوں

ہی کی طرح حرام ہیں، اسی طرح رضائی چچا حقیقی چچا کی ہی طرح ہوتا ہے، اس کیساتھ بھی نکاح نہیں ہوسکتا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں موجود ہے کہ ان کے رضائی چچا ملنے کیلئے آئے تو ام المؤمنین نے اندر آنے کی اجازت نہ دی، جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: وہ تمہارے حقیقی چچا کی طرح ہے اس سے کوئی پردہ نہیں۔

رضاعت کی مدّت

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: رضاعت کی مدت اڑھائی سال ہے، اس مدت میں دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہوگی، رضاعت کی مدت کے بعد اگر کسی بچے یا بڑے نے کسی عورت کا دودھ پیا تو اس کی رضاعت ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا رشاد ہے: "إنما الرضاعة من المجاعة"، یعنی: رضاعت کا اعتبار اس مدت کیلئے ہے جب تک بچہ کو دودھ کی بھوک لگتی ہے مگر وہ کھانا نہیں کھاسکتا اور صرف دودھ ہی اسکی خوراک ہوتا ہے۔

رضاعت کے دوسرے مسئلے

رضاعی ماں حقیقی ماں کی طرح ہی ہوتی ہے، رضائی ماں کیلئے رضائی بیٹے سے اس طرح پردہ نہیں ہے جیسے حقیقی بیٹے سے نہیں ہے، اور رضائی بیٹی کیلئے رضائی باپ سے اسی طرح پردہ نہیں ہے جیسے حقیقی باپ سے نہیں ہے، البتہ بعض حکم حقیقی ماں سے مختلف بھی ہوتے ہیں، مثلاً: حقیقی ماں اگر محتاج ہے تو اس کا خرچہ بیٹے کے ذمہ ہے مگر رضاعی ماں کیلئے یہ ضروری نہیں ہے، حقیقی ماں کی وراثت بیٹے کو اور بیٹے کی ماں کو پہنچتی ہے مگر رضاعی بیٹی اور بیٹے کو اپنے رضاعی ماں اور باپ سے میراث نہیں ملتی، اسی طرح رضاعی ماں اور باپ کو اپنے رضاعی بیٹی اور بیٹے سے میراث نہیں ملتی۔

رضاعت ثابت ہونے کیلئے دودھ کی مقدار کے سلسلہ میں فقہائے کرام کے درمیان اختلاف ہے،

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: بچہ کم از کم تین گھونٹ دودھ پیئے تو رضاعت ثابت ہوتی ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پانچ گھونٹ کے قائل ہیں، البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اگر بچہ اتنی مقدار میں دودھ پی لے کہ جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو رضاعت ثابت ہوجاتی ہے اور روزہ ٹوٹنے کیلئے ایک قطرہ کی مقدار بھی کافی ہے، اگر حلق سے نیچے اتر گیا تو روزہ ٹوٹ گیا، اس لحاظ سے رضاعت ثابت کرنے کیلئے ایک قطرہ دودھ پی لینا کافی ہے۔

یہ مسئلہ بھی قابل ذکر ہے کہ رضاعت صرف عورت کا دودھ پینے سے ثابت ہوتی ہے، اگر دو بچہ بچی عورت کے پستان سے دودھ پئیں تو رضاعت ثابت ہوگی، اگر دو بچہ بچی کسی جانور یعنی بکری، گائے وغیرہ کا دودھ پی لیں رضاعت ثابت نہیں ہوگی، البتہ اگر جانور کا دودھ ملا کر پیا جائے تو مرکب میں جس دودھ کا غلبہ ہوگا اس کے مطابق حکم ہوگا، اگر عورت کا دودھ دو چھٹانک ہے اور بکری وغیرہ کا ایک چھٹانک تو رضاعت ثابت ہوجائیگی، کیونکہ غلبہ عورت کے دودھ کو حاصل ہے اس کے برخلاف اگر گائے کا دودھ دو چھٹانک اور عورت کا ایک چھٹانک تو رضاعت قائم نہ ہوگی، فقہائے کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر مرد کے اپنے پستان میں دودھ اتر آئے تو اگر کوئی بچہ بچی اسے پی لے تو وہ بچہ بچی اس مرد کے رضاعی بیٹا بیٹی نہیں بنیں گے اور یہ مرد اس بچہ بچی کا رضاعی باپ نہیں بنے گا، کیونکہ رضاعت صرف عورت کا دودھ پینے سے ثابت ہوتی ہے۔

رضاعت کے متعلق گواہی کا ایک قانونی مسئلہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر دو مرد اس بات کی گواہی دیں کہ فلاں بچہ بچی نے دودھ پلانے کی مدت میں فلاں عورت کا دودھ پیا تو رضاعت ثابت ہوگی، بعض دفعہ ایسا واقعہ بھی پیش آیا ہے کہ نکاح ہوجاتا ہے مگر بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ میاں بیوی آپس میں دودھ شریک بھائی بہن ہیں تو ایسی صورت میں کم از کم دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ہونی چاہئے، اگر گواہی مکمل نہ ہو جیسے ایک مرد ہو یا ایک مرد اور ایک عورت ہو تو احتیاط اسی میں ہے کہ عورت کو مرد علیحدہ کر دے۔ "بخاری شریف" کی حدیث میں ہے کہ ایک جوڑے کا نکاح ہوگیا بعد میں ایک عورت نے بتایا کہ اس نے ان دونوں میاں بیوی کو

دودھ پلایا تھا، جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تو آپ نے فرمایا کہ: جب یہ بات کہہ دی گئی ہے تو بہتر ہے کہ ان میں تفریق کردو۔

رضاعی ماں کا احترام

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جس عورت کا دودھ پیا تھا وہ عورت خود یا اس کی بیٹی غزوہ حنین کے موقع پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیلئے اپنی چادر مبارک اتار کر بچھادی، لوگوں نے پوچھا کہ یہ کون عورت ہے جس کی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی بڑی عزت کی ہے تو بتلایا کہ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ یا رضاعی بہن ہے۔

دودھ پلانے والی ماں کیساتھ اچھا برتاؤ کا بھی حکم ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ جس عورت کا دودھ پیا ہے اس کیساتھ کیا احسان کیا جائے؟ فرمایا کہ: اس کیساتھ کافی احسان کیا جائے یہ دودھ پینے والے کی ذمہ داری ہے، اپنی رضاعی ماں کیساتھ زیادہ سے زیادہ اچھا برتاؤ کر کے ہی بیٹا اپنی ذمہ داری پوری کرسکتا ہے، بہرحال رضاعت میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت رکھی ہے کہ اس کی وجہ سے احسان کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور آپس میں بھائی چارے کا رشتہ قائم ہوتا ہے۔

دوسری محرم عورتیں

وَ	اُمَّهٰتُ	نِسَآئِكُمْ	وَ	رَبَآئِبُكُمُ	الّٰتِیْ	فِیْ	حُجُوْرِكُمْ	مِّنْ
اور	مائیں	تمہاری عورتوں کی	اور	سوتیلی بیٹیاں تمہاری	جو	میں	گود تمہاری	سے

نِّسَآئِكُمُ	الّٰتِیْ	دَخَلْتُمْ	بِهِنَّ ؗ	فَاِنْ	لَّمْ	تَكُوْنُوْا	دَخَلْتُمْ	بِهِنَّ
عورتیں تمہاری	وہ کہ	ہمبستری کی تم نے	سے ان	پھر اگر	نہ	کی ہو	ہمبستری تم نے	سے ہی

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ
تونہیں گناہ پرتم اور بیویاں بیٹوں تمہارے جو سے

اَصْلَابِكُمْ ۙ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ
پشتوں تمہاری اور یہ کہ جمع کرنا نکاح میں دو بہنوں کو مگر جو ہو چکا پہلے

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾
بیشک اللہ تعالیٰ ہے بخشنے والے مہربان (۲۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور حرام کی گئی ہیں تم پر تمہاری عورتوں کی مائیں اور تمہاری وہ سوتیلی بیٹیاں جن کی ماؤں سے تم نے ہمبستری کر لی ہے اور اگر تم نے ان کی ماؤں سے ہمبستری نہیں کی تو (ان لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں، اور حرام کی گئی ہیں تم پر تمہارے سگے بیٹوں کی (بیوہ یا طلاق یافتہ) بیویاں، اور حرام کیا گیا ہے تم پر کہ جمع کرو تم دو بہنوں کو ایک مرد کے نکاح میں مگر جو پہلے ہو چکا، اور بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والے مہربان ہیں۔ (۲۳)

تفسیر

اس آیت میں ان محرمات کا ذکر ہے جو نکاح کے تعلق کی وجہ سے حرام ہیں، اس کی دو (۲) قسمیں ہیں،

اوّل: وہ جن سے ہمیشہ کیلئے نکاح ناجائز ہے، یہ ہیں بیوی کی ماں اور اس بیوی کی بیٹی جس سے تم نے ہمبستری کی ہو، البتہ اگر ہمبستری سے پہلے کسی عورت کو طلاق دیدو تو اس کی بیٹی سے نکاح ہو سکتا ہے، بیٹوں کی بیویوں اور نیچے تک کے پوتوں اور نواسوں کی بیویوں سے بھی نکاح نہیں ہو سکتا۔

دوسری قسم میں وہ عورتیں ہیں جن سے ہمیشہ کیلئے نکاح کی ممانعت نہیں بلکہ جب تک کوئی عورت نکاح میں رہے صرف اسی وقت تک اس عورت کی ان رشتہ دار عورتوں سے نکاح منع ہے، لیکن جب اس عورت کو طلاق دیدی

جائے یا وہ مرجائے تو اس کے ان رشتہ دار عورتوں سے نکاح جائز ہوجائیگا، وہ رشتہ دار یہ ہیں: بیوی کی بہن جو بیوی کی زندگی اور موجودگی میں نکاح میں نہیں لائی جاسکتی، لیکن بعد میں لائی جاسکتی ہے، یہی حکم بیوی کی پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی کے بارے میں ہے۔

یہاں حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں تم پر حرام ہیں جو تمہاری پشت سے ہیں، اس سے نسبی بیٹے اور پوتے مراد ہیں منہ بولے، یعنی: لے پالک نہیں جنہیں متبنّیٰ کہتے ہیں۔

آخر میں فرمایا کہ: اسلام سے پہلے جاہلیت کے دور میں جو غلطیاں ہوچکی ہیں ان پر کوئی باز پرس نہ ہوگی البتہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجانے کے بعد اس کی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہئے۔

نسب کی بنا پر حرام ہونے والی عورتوں کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے مصاہرت کی وجہ سے حرام ہونے والی عورتوں کے متعلق فرمایا: اور تمہاری عورتوں کی مائیں بھی تم پر حرام قرار دی گئیں ہیں، گویا ساس کیساتھ نکاح بھی ہمیشہ کیلئے حرام ہوگیا، اس کے علاوہ فرمایا: اور تمہاری وہ بچیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں اور تمہاری ان عورتوں سے ہیں جن سے تم ہمبستری کر چکے ہو وہ بھی تمہارے لئے حرام قرار دی گئی ہیں، البتہ تم نے اگر ہمبستری نہیں کی تو ایسی صورت میں اسکی بیٹی کیساتھ نکاح ہوسکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، مثلاً: کسی شخص کی بیوی فوت ہوگئی یا اس کو طلاق دیدی گئی تو اب اگر اس عورت سے ہم بستری نہیں ہوئی تو اس کی لڑکی سے نکاح درست ہے اور اس سے ہمبستری ہوچکی ہے تو پھر اس کی لڑکی ہمیشہ کیلئے حرام ہوگئی، یاد رہے کہ! صحبت کی شرط کسی عورت کی بیٹی کیساتھ نکاح کیلئے ہے، البتہ اس عورت کی ماں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حرام ہوجاتی ہے خواہ اس عورت کیساتھ صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

آگے فرمایا: اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں بھی تمہارے لئے حرام ہیں، یعنی: حقیقی بیٹے کی بیوی اپنے سسر کے نکاح میں نہیں آسکتی، یہ نکاح بھی ہمیشہ کیلئے حرام قرار دیا گیا ہے، البتہ لے پالک یا منہ بولا بیٹا اپنی بیوی کو طلاق دیدے یا بیوہ ہوجائے تو اس عورت سے نکاح ہوسکتا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل موجود ہے آپ کے منہ

بولے بیٹے زید رضی اللہ عنہ نے جب اپنی بیوی کو طلاق دیدی تو خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے نکاح کر لیا منافقوں نے اس سلسلہ میں بڑا شور شرابہ کیا اور معاملہ اچھالنے کی کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے ذریعے معاملہ کی وضاحت فرمادی: ”﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ﴾“ (سورۃ الاحزاب: آیت:۳۷)، یعنی: جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کرلی تو ہم نے اسے آپ کے نکاح میں دیدیا تاکہ مؤمنوں پر ان کیلئے لے پالک بیٹوں کی بیویوں کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی تنگی نہ رہے۔

فرمایا: پیچھے جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا اسکی پوچھ گچھ نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والے مہربان ہیں اس نے پچھلی خطا کو معاف فرمادیا ہے اب آئندہ اسکی اجازت نہیں۔

نکاح کی شرائط

وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ

اور خاوند والیاں سے عورتیں مگر وہ جن کے مالک ہوئے داہنے ہاتھ تمہارے حکم ہوا اللہ تعالیٰ کا

عَلَيْكُمْ ۚ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ

پرتم اور حلال کردی گئیں لئے تمہارے جو سوا انکے اگر طلب کرو بدلے مال اپنے کے

مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ

بیوی بنانے کو نہ مستی نکالنے کو

بامحاورہ ترجمہ: ۔ اور حرام کردی گئیں تم پر خاوند والی عورتیں سوا ان عورتوں کے جن کے تم مالک ہو گئے، یعنی: جو تمہارے باندیاں ہیں، تم پر اللہ کا حکم ہوا اور تمہارے لئے ان کے سوا سب عورتیں حلال ہیں اگر انہیں اپنے مال (مہر) کے بدلے طلب کرو بیوی بنانے کو نہ کہ مستی نکالنے کو۔

الجزء ۵

تفسیر

"مُحْصَنٰتُ " یہ لفظ "سورۃ النساء" میں تین جگہ آیا ہے۔

(۱)...."وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ "، سے مراد ذوات الازدواج، یعنی: شوہروں والیاں ہیں۔

(۲)...."اَنْ یَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ "، یہاں پر "مُحْصَنٰتِ "، سے مراد حرائر، یعنی: آزاد عورتیں جو کسی کی باندی نہیں ہیں۔

(۳)...."مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ "، یہاں پر "مُحْصَنٰتٍ "، سے مراد عفائف، یعنی: پاکدامن عورتیں ہیں، لہذا تینوں جگہوں میں جو معنی لکھا اس جگہ وہی معنی مراد ہوگا اور تینوں جگہ ایک ہی معنی مراد نہیں ہوگا۔

وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ: یعنی: شوہروں والی عورتیں بھی حرام کی گئیں، جب تک کوئی عورت کسی شخص کے نکاح میں ہو دوسرا شخص اس سے نکاح نہیں کرسکتا، اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ ایک عورت ایک وقت میں ایک سے زائد شوہر والی نہیں ہوسکتی ہے، اس دور کے بعض بے دین جاہل لوگ کہنے لگے ہیں کہ مردوں کو جب ایک سے زائد بیویوں کی اجازت ہے تو عورتوں کو بھی ایک سے زائد شوہروں کی اجازت ملنی چاہئے، یہ مطالبہ اس آیت کے بالکل خلاف ہے، ایسی جاہلانہ باتیں کرنے والے لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ مرد کے حق میں ایک سے زائد بیویوں کی اجازت ایک نعمت ہے، جسے جائز قرار دیا گیا ہے، جس پر انسان کی تاریخ گواہ ہے، لیکن عورت کیلئے ایک وقت میں ایک سے زائد شوہر ہونا اس عورت کیلئے بھی مصیبت کا سبب ہے اور جو مرد ایک عورت کے شوہر بن جائیں ان کیلئے بھی شرم کا سبب ہے، نیز: جب کئی مرد کسی عورت سے ہمبستری کرینگے تو پیدا ہونے والی اولاد کو ان میں سے کسی ایک کی اولاد کہنے کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہے گا، اس طرح کا بدترین مطالبہ وہی لوگ کرسکتے ہیں جو انسانیت کے دشمن ہوں اور جن کی غیرت وحیاء کا جنازہ نکل چکا ہو، جب نسب ثابت نہیں ہوگا تو آپس کے حقوق وفرائض کی ذمہ داری کس پر عائد کی جائے گی؟، خالص طبعی اور عقلی اعتبار سے بھی اگر دیکھا جائے تو ایک

عورت کیلئے کئی شوہر ہونے کا کوئی جواز نظر نہیں آتا۔

(۱)....شادی کا بنیادی مقصد اگلی نسل تیار کرنا ہے اس اعتبار سے ایک سے زائد بیویاں تو ایک مرد سے حاملہ ہوسکتی ہیں لیکن ایک عورت کئی مردوں سے حاملہ نہیں ہوسکتی وہ ایک ہی سے حاملہ ہوگی؛ اس لئے ایک سے زائد شوہروں کی صورت میں ایک کے علاوہ باقی شوہروں کا اگلی نسل تیار کرنے کا مقصد فوت ہوجائیگا اور مستی نکالنے کے سوا ان کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکے گا۔

(۲)....اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ عورت مرد کے مقابلہ میں صنف نازک ہے، وہ سال کے اکثر حصہ میں ہمبستری کے بھی قابل نہیں ہوتی، بعض حالات میں اس کیلئے ایک ہی شوہر کے حقوق پورے کرنا ممکن نہیں ہوتا، چہ جائیکہ ایک سے زیادہ شوہر ہوں۔

(۳)....چونکہ مرد جسمانی قوت کے اعتبار سے عورت کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط ہوتا ہے؛ اس لئے اگر کسی مرد کی مردانہ قوت معمول سے زیادہ ہو اور ایک عورت سے اس کی خواہش پوری نہ ہوسکتی ہو تو اسے جائز طریقہ سے دوسرے اور تیسرے نکاح کا موقعہ ملنا چاہئے ورنہ وہ دوسرے ناجائز طریقے اختیار کریگا اور پورے معاشرہ کو بگاڑ دیگا لیکن عورت سے ایسے بگاڑ کا اندیشہ نہیں ہے، کیونکہ وہ مرد کے مقابلے میں کمزور واقع ہوئی ہے۔

شریعت میں اس مسئلہ کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ نہ صرف کسی شخص کے نکاح میں ہوتے ہوئے عورت کے دوسرے نکاح کو حرام قرار دیا ہے بلکہ کسی عورت کا کوئی شوہر طلاق دیدے یا مرجائے تو اسکی عدت گزرنے تک بھی کسی دوسرے شخص سے اس کا نکاح نہیں ہوسکتا۔

اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ: اسکا مطلب یہ ہے کہ شوہر والی عورت سے کسی دوسرے شخص کو نکاح کرنا جائز نہیں ہے، مگر یہ کہ کوئی شادی شدہ عورت باندی ہوکر آجائے جس کی صورت یہ ہے کہ مسلمانوں نے دار الحرب (یعنی: کافروں کے ملک) کے کافروں سے جہاد کیا اور وہاں سے کچھ عورتیں قید کر کے لے آئے، ان عورتوں میں جو عورت دار الاسلام (یعنی: مسلمانوں کے ملک) میں لائی گئی اور اسکا شوہر دار الحرب میں رہ گیا تو اس عورت کا نکاح دار الاسلام میں آنے سے اپنے پہلے شوہر سے ختم ہوگیا، اب اگر یہ عورت کتابیہ (یعنی: یہودی یا عیسائی) یا

مسلمہ ہو تو اس سے دارالاسلام کا کوئی بھی مسلمان نکاح کر سکتا ہے، اگر امیر المؤمنین (یعنی: مسلمان حاکم) اس کو کسی فوجی کو غنیمت کے مال کی تقسیم میں دیدے تو اس آدمی کیلئے اس عورت کے ساتھ نکاح کی ضرورت نہیں بلکہ اس آدمی کیلئے اس عورت کے ساتھ ہمبستری اسی طرح جائز ہے جس طرح بیوی کے ساتھ ہمبستری جائز ہے، لیکن یہ نکاح اور ہمبستری ایک حیض آنے کے بعد ہی جائز ہے اور اگر حمل ہے تو وضع حمل (Delivery) کے بعد ہمبستری جائز ہوگی۔

وَ اُحِلَّ لَکُمْ مَّاوَرَآءَ ذٰلِکُمْ: جن عورتوں سے نکاح حرام ہے اسکا بیان تو ہو چکا، ان کے سوا باقی سب تم پر حلال ہیں، مثلاً: چچا کی بیٹی، خالہ کی بیٹی، ماموں کی بیٹی، پھوپھی کی بیٹی اور بیوی کے مرنے یا اس کو طلاق دینے کے بعد عدت گزرنے پر اس کی بہن، یعنی: سالی کیساتھ نکاح کرنا حلال ہے مہر کے بدلے، اور یہ نکاح کرنا بیوی بنا کر رکھنے کیلئے ہو، صرف عارضی طور پر مستی نکالنے کیلئے نہ ہو۔

مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ: یعنی: اپنے مالوں کے ذریعے حلال عورتیں طلب کرو اور یہ سمجھ لو کہ عورتوں سے نکاح پاک دامنی کیلئے ہے جو نکاح کا اہم مقصد ہے اور نکاح کے ذریعے اس چیز کو حاصل کرو، مال خرچ کر کے بدکاری کیلئے عورتیں تلاش نہ کرو کیونکہ بدکاری میں صرف مستی نکالنا مقصد ہوتا ہے، اولاد کا حاصل کرنا یا پاک دامنی مقصود نہیں ہوتی، مسلمانوں کو پاک دامن رہنے اور اپنی نسل کو بڑھانے کیلئے اپنی قوت کو خرچ کرنا چاہئے جس کا صحیح طریقہ نکاح ہے۔

احکام و مسائل

مسئلہ (۱):.... اگر کوئی کافر عورت دارالحرب (یعنی: کافروں کے ملک) میں مسلمان ہو جائے اور اس کا شوہر کافر ہے تو تین حیض گزرنے کے بعد وہ اس کے نکاح سے جدا ہو جائے گی، اور وہ کسی مسلمان سے نکاح کر سکتی ہے اگرچہ اس کا شوہر موجود ہے۔

مسئلہ (۲):.... اگر دارالاسلام (یعنی: مسلمانوں کے ملک) میں کوئی کافر عورت مسلمان ہو جائے اور

اس کا شوہر کافر ہو تو حاکم اس کے شوہر پر اسلام پیش کرے، اگر وہ مسلمان ہونے سے انکار کرے تو قاضی ان دونوں میں تفریق کردے اور تفریق طلاق شمار ہوگی، اس کے بعد عدّت (یعنی: تین حیض) گزار کر وہ عورت کسی مسلمان سے نکاح کرسکتی ہے، اگرچہ اس کا شوہر موجود ہے۔

مہر اور آپس میں رضامندی

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ وَ

پھر وہ عورت جس سے تم نے ہمبستری کا فائدہ اٹھایا (نکاح کرکے) سے اس میں سے ان تو دو انہیں مہر ان کے جو مقرر ہوئے اور

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ

نہیں گناہ پر تم آپس میں کہ رضا سے اپنی سے اس سے بعد مقرر کرلو

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

بیشک اللہ تعالیٰ ہیں خبردار حکمت والے (۲۴)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ پھر ان عورتوں میں سے جسے تم نے نکاح کرکے ہمبستری کا فائدہ اٹھایا تو انہیں ان کے مہر جو مقرر ہوئے ادا کرو اور تمہیں اس بات میں گناہ نہیں کہ تم دونوں آپس میں رضامندی سے مقرر کرنے کے بعد (کمی یا زیادتی پر راضی ہو جاؤ) بیشک اللہ تعالیٰ خبردار ہیں حکمت والے ہیں۔ (۲۴)

تفسیر

یہاں عورتوں کے مہر کے بارے میں حکم بیان ہورہے ہیں، یعنی: کسی شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس سے ہمبستری کرکے لطف اٹھالیا تو اب اس عورت کو پورا مہر دینا لازم ہے اور جب تک عورت خود معاف نہ کردے مہر کی ادائیگی ضروری ہے، لفظ "استمتاع" سے معلوم ہوا کہ عورت سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا گیا ہو، یعنی: ہمبستری نہ کی گئی ہو، اور خاوند اسے طلاق دیدے تو اس پر پورا مہر لازم نہ ہوگا بلکہ آدھا مہر لازم ہوگا، اس کی تفصیل

"سورۃ البقرہ" میں گزر چکی ہے، اس کے بعد یہ بیان کیا گیا ہے کہ مہر کے مقرر کرنے اور اس کی ادائیگی میں خاوند اور بیوی کی آپس کی رضامندی سے کمی زیادتی جائز ہے، یعنی: اگر مہر مقرر کر لینے کے بعد بیوی اپنی خوشی سے مہر میں کمی کر دے یا مرد اپنی خوشی سے مہر کی مقررہ رقم سے بیوی کو کچھ زیادہ دے تو اس میں کچھ گناہ نہیں، ضروری ہے کہ دونوں آپس میں رضامند ہوں۔

متعہ کا حرام ہونا

یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعض لوگوں نے اسی لفظ " فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ " سے متعہ کو ثابت کیا ہے، اسلام کے شروع میں بعض ضرورتوں اور مجبوریوں کی وجہ سے اس کو جائز رکھا گیا تھا، پھر جب مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو گیا اور وہ مجبوریاں ختم ہو گئیں تو متعہ کو ہمیشہ کے لیے حرام قرار دیدیا گیا، "صحیح مسلم شریف" اور دوسری کتابوں میں خود حضرت علیؓ سے حدیث منقول ہے جس کی رو سے متعہ کو ہمیشہ کیلئے حرام قرار دیا گیا ہے، لہٰذا عورتوں سے فائدہ حاصل کرنے کی دو ہی صورتیں ہیں کہ وہ عورت یا تو اپنی بیوی ہو یا اپنی باندی، اس کے سوا کسی اور عورت کے ساتھ ہمبستری جائز نہیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بارے میں بھی "جامع ترمذی شریف" میں منقول ہے کہ پہلے وہ بھی متعہ کو جائز کہتے تھے مگر بعد میں انہوں نے رجوع کر لیا۔

لونڈیوں سے نکاح

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ

اور جو کوئی | نہ | استطاعت رکھے | میں سے تم | مالی | کہ | نکاح کرے | حرائر یعنی آزاد عورتیں جو کسی کی باندی نہیں | مسلمان

فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

تو ان سے | جو | مالک ہیں | داہنے ہاتھ تمہارے | جو | لونڈیاں تمہاری | مسلمان | اور | اللہ تعالیٰ | زیادہ جانتے ہیں

بِاِیْمَانِکُمْ ؕ بَعْضُکُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ

ایمان کوتمہاری | بعض تمہارے | سے | بعض ہیں

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور تم میں جوکوئی مالی استطاعت نہ رکھے کہ مسلمان بیویاں نکاح میں لائے تو ان سے نکاح کرلے جو تمہاری ملکیت ہیں تمہاری مسلمان لونڈیوں سے اور اللہ کو تمہارے ایمان کا (حال) خوب معلوم ہے تم آپس میں ایک ہو۔

تفسیر

طَوْلًا: مالی اور مالی طاقت کو کہتے ہیں، آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس کو آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو یا اس کا سامان میسر نہ ہو تو مؤمن باندیوں سے نکاح کرسکتا ہے اس سے پتہ چلا کہ جہاں تک ممکن ہو آزاد عورت ہی سے نکاح کرنا چاہئے، باندی سے نکاح نہ کرے اور اگر باندی سے نکاح کرنا پڑ ہی جائے تو مؤمن باندی تلاش کرے، یہاں باندیوں سے مراد اپنی باندی مراد نہیں، کیونکہ اپنی باندی سے نکاح کی ضرورت ہی نہیں، یہاں باندیوں سے مراد دوسرے لوگوں کی باندیاں ہیں کہ وہ آزاد عورتوں کی طرح نکاح کے بغیر حلال ہی نہیں۔

آزاد عورت جب کسی شخص کے نکاح میں چلی جاتی ہے تو پھر اس کے حقوق وفرائض کا تعلق شوہر کے ساتھ جڑ جاتا ہے اور میکے کے ساتھ اس کا تعلق صرف میل ملاپ کی حد تک ہوتا ہے، جب کہ لونڈی اگر نکاح میں بھی دے دی جائے تو مالک کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اس سے خدمت لے سکے اور اسے اپنے گھر میں رکھے، ایسی حالت میں لونڈی کا نان نفقہ بھی مالک کے ذمہ ہوگا اور اگر وہ لونڈی اس کے شوہر کو سونپ دے تو پھر اس کے اخراجات بھی خاوند کے ذمہ ہوں گے، البتہ آزاد عورت اپنے خاوند کے گھر میں رہنے کی پابند ہوتی ہے اور اس کے اخراجات کی ذمہ داری بھی خاوند پر ہی ہوتی ہے عام طور پر لونڈیوں کے حقوق آزاد عورتوں کے برابر نہیں تسلیم کئے جاتے، ان کے حقوق بھی کم ہوتے ہیں، مہر بھی نسبتاً کم مقرر ہوتا ہے اور نان ونفقہ کے اخراجات بھی کم ہوتے ہیں، لہٰذا لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے میں یہ سہولت ہے، برخلاف اس کے لونڈی سے نکاح کرنے میں یہ خرابی بھی ہے

کہ وہ اپنے اصل مالک کی ملکیت میں رہے گی اور اس سے پیدا ہونیوالی اولاد بھی غلام اور لونڈیاں تصور ہوں گے، خاوند لونڈی کے مالک کی مرضی کے بغیر اس سے خدمت نہیں لے سکتا، کیونکہ وہ مالک کی خدمت کرنے کی پابند ہے، پھر یہ بھی ہے کہ لونڈی پردے کی پابند نہیں اگر اس کا مالک اسے سودا لینے کیلئے بازار بھیجے تو وہ بے نقاب جائے گی جو کہ ایک غیرت مند خاوند کیلئے ناقابل برداشت معاملہ ہوگا، بہر حال لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے میں بعض سہولتیں ہیں اور اس کے ساتھ بعض پریشانیاں بھی ہیں، اور لونڈی کا مسلمان ہونا ضروری ہے؛ اسی لئے آزاد اہل کتاب (عیسائی اور یہودی) عورت کے ساتھ تو نکاح جائز ہے لیکن اگر باندی اہل کتاب میں سے ہو تو اس کے ساتھ مسلمان مرد کا نکاح جائز نہیں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ: اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے۔

بَعْضُكُمْ مِّنْ م بَعْضٍ: تم ایک دوسرے کی نسل ہو، مقصد یہ ہے کہ باندیاں بھی تمہاری ہی جنس سے ہیں، وہ بھی آخر انسان ہیں مگر گرفتار ہو کر آئی ہیں، لہٰذا انہیں حقیر نہ سمجھو اور نہ ان کو ذلیل کرو، اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ نازل فرما کر آزاد اور غلام کے درمیان نفرت کو کم کرنے کا حکم دیا ہے، بعض مرتبہ غلام اور باندی ایمانی مرتبہ میں آزاد مرد و عورت سے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں، اس لئے مؤمن باندی سے نکاح کرنے کو نفرت کے قابل نہ جانو بلکہ اس کے ایمان کی قدر کرو۔

باندیوں سے نکاح کی شرطیں

فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ

سو اان سے نکاح کرو | سے اجازت | مالک انکے کی | اور | تم دو انکو | مہر انکے | دستور کے موافق | پاکدامن

غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ

نہ | مستی نکالنے والیاں | اور | نہ | چوری چھپے بنانے والیاں | دوست | پھر جب | وہ نکاح میں آچکیں | تو اگر

اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ
وہ کریں بے حیائی تو پر ان آدھی ہے جو پر حرائر (آزاد عورتوں) سے

الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا
سزا یہ لئے اس شخص کے ہے جو ڈرے تکلیف سے میں سے تم اور اگر صبر کرو

خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع ۱
بہتر لئے تمہارے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں مہربان ہیں (۲۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ سو! ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کر و اور ادا کر دو دستور کے موافق ان کے مہر، اس حال میں کہ وہ پاکدامن بدکاری کرنے والی نہ ہوں اور نہ چوری چھپے دوست بنانے والی ہوں، پھر جب وہ نکاح میں آچکیں تو اگر بے حیائی کا کام کریں تو ان پر آزاد عورتوں کی سزا کی آدھی سزا ہے۔ یہ باندیوں سے نکاح کرنا اس شخص کیلئے ہے جو زنا کا خوف رکھتا ہو، یعنی: جسے خوف ہو کہ نکاح نہ کرے گا تو زنا میں پڑ جائے گا اور اگر صبر کرو تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والے مہربان ہیں۔ (۲۵)

تفسیر

باندیوں سے نکاح کی اجازت دے کر اسلام نے ایک طرف تو بدکاری کا دروازہ بند کر دیا دوسری طرف سماج میں ان کا درجہ آزاد عورتوں کے قریب کر دیا اور ان کی اولاد کو اگر وہ مالک سے ہو تو وہی حقوق دلائے جو آزاد عورتوں کی اولادوں کو حاصل ہیں، اس کے ساتھ ہی باندیوں سے نکاح کیلئے یہ شرطیں ہیں:

(۱)....انکے مالکوں سے اجازت حاصل کی جائے، کیونکہ اس کے بغیر تو نکاح ہو ہی نہیں سکتا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ: جو غلام اپنے آقا کی مرضی کے بغیر نکاح کرے وہ بدکار ہے، باندیوں کے بارے بھی یہی حکم ہے۔

(۲)....دستور کے موافق مہر ادا کیا جائے۔

(۳)....مُحْصَنٰتٌ: کہ وہ باندیاں نیکوکاری، پاک دامنی کو پسند کرنے والی ہوں۔

(۴)....غَيْرَ مُسٰفِحٰتٌ: شہوت و مستی میں مبتلا نہ ہوں۔

(۵)....مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ: چوری چھپے یاری دوستی کرنے والی نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان حکموں سے فائدہ صرف وہی شخص اٹھا سکتا ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہو، صبر بہر حال تمہارے حق میں بہتر ہے، ساتھ ہی فرمادیا کہ بدکار باندیاں کی سزا غیر شادی شدہ حرائر سے آدھی ہے، غیر شادی شدہ آزاد مرد و عورت سے اگر بدکاری ہو جائے تو اس کو سو (۱۰۰) کوڑے لگائے جائیں گے تو اس طرح باندی کو (۵۰) کوڑے لگائیں جائینگے۔

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ: یعنی: باندیوں سے نکاح کرنے کی اجازت اس شخص کیلئے ہے جس کو بدکاری میں پڑ جانے کا خوف ہو۔

وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ: یعنی: باوجود بدکاری کے خوف کے بھی اگر صبر کرلو اور اپنے آپ کو پاک دامن رکھ سکو تو یہ تمہارے لئے اس بات سے بہتر ہے کہ باندیوں سے نکاح کرو۔

وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: یعنی: باندیوں سے نکاح کرنا مکروہ ہے، اگر اس کراہت پر عمل کرلو گے تب بھی اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے اور وہ رحم کرنے والے بھی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے باندیوں سے نکاح کی اجازت دیدی اور اس کو ممنوع قرار نہیں دیا۔

فائدہ: آیت بالا کی تفسیر میں جو غلام اور باندی کا ذکر آیا ہے ان سے شرعی غلام اور باندی مراد ہیں، جو کافر عورتیں جہاد کے موقع پر گرفتار کرلی جاتی تھیں اور امیر المؤمنین ان کو مجاہدین میں تقسیم کردیتے تھے، شرعی طور پر صرف یہ عورتیں باندی ہیں۔

موجودہ دور میں گھروں میں کام کرنے والی نوکرانیاں باندیاں نہیں ہیں؛ اس لئے کہ یہ آزاد ہیں بعض

علاقوں میں بچیوں کو خرید لیتے ہیں اور باندیاں بنا لیتے ہیں شرعاً یہ بھی باندیاں نہیں ہیں، کیونکہ یہ بھی آزاد ہیں ان کے ساتھ باندیوں والا برتاؤ کرنا سراسر حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ کیا چاہتے ہیں؟

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ تاکہ بیان کرے لئے تمہارے اور ہدایت دے تمہیں راستے کے ان لوگ کے جو سے پہلے تم سے

وَ يَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ
اور متوجہ ہوں پر تم اور اللہ تعالیٰ جاننے والے حکمت والے ہیں (۲۶) اور اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ متوجہ ہوں

عَلَيْكُمْ ۫ وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا
پر تم اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو اتباع کر رہے ہیں خواہشات کی کہ تم پھر جاؤ پھر جانا

عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾
بہت بڑا (۲۷) چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ کہ ہلکا کرے سے تم اور بنایا گیا ہے انسان کمزور (۲۸)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تمہارے لئے بیان کریں اور تمہیں پہلوں کی راہ پر چلائے اور تمہیں معاف کرے اور اللہ تعالیٰ جاننے والے حکمت والے ہیں۔ (۲۶) اور اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم پر متوجہ ہو اور لوگ جو اپنے مزوں کے پیچھے لگے ہیں چاہتے ہیں کہ تم سیدھے راستے سے دور جا پڑو۔ (۲۷) اور اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان کمزور بنایا گیا ہے۔ (۲۸)

تفسیر

یہاں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو حکم بندوں کے لئے نازل فرماتے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو حلال اور حرام میں فرق معلوم ہو جائے، اسے پہلے کے نبیوں کے راستے پر چلنا نصیب ہو، یہ نہ سمجھا جائے کہ حلال

اور حرام کے حکم صرف ہمارے ہی لیے ہیں، بلکہ ہم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں ان کو بھی اس طرح کے حکم بتائے گئے تھے، جنہوں نے عمل کیا وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب ہوئے، نیز: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہ بخشنے اور ان پر رحمت کرے وہ ہماری مصلحتوں اور حالتوں کو اچھی طرح جانتا ہے اور اس کے ہر حکم اور ہر تدبیر میں حکمت چھپی ہوتی ہے اگر اس کے ہر حکم کی تعمیل نہ کی گئی تو اسکا نتیجہ ہدایت سے دوری اور پہلے گذرے ہوئے نیک لوگوں کے راستے کے خلاف ہوگا، نیز: انسان اس کی رحمت اور بخشش سے محروم رہ جائیں گے۔

انسانی زندگی کے سب سے اہم مسئلے، یعنی: شادی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مختلف حکم ارشاد فرمائے، مثلاً: بدکاری کی مذمت اور اس سے توبہ، عورتوں کے متعلق حکم، محرم عورتوں کا ذکر، نکاح کا مہر۔

انسان کو اپنی بعض کمزوریوں کی وجہ سے ان حکموں کی اطاعت ناگوار ہوتی ہے؛ اس لئے آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام حکموں کی پابندی پر زیادہ زور دیا ہے اور فرمایا ہے کہ: تم پر ان تمام حکموں کے لاگو کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تم پر اللہ کی رحمت نازل ہو، جو شہوت پرست ہیں وہ تمہیں بھی سیدھی راہ سے دور لے جانا چاہتے ہیں تاکہ تم بھی ان کی طرح شہوت پرستی کرو اور گمراہ ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کو انسان کی کمزوریوں کا علم ہے، وہ جانتا ہے کہ وہ اپنی شہوت اور رغبت والی چیزوں سے کہاں تک صبر کر سکتا ہے؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہر حکم میں آسانی کا خیال رکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے شریعت میں تنگی نہیں فرمائی اور وہ اپنے بندوں پر ایسا مہربان ہے کہ معافی مانگنے والوں کو معاف کرنے کے علاوہ ان کی برائیاں نیکیوں میں بدل دیتا ہے، بندے کی توبہ جس قدر خلوص نیت کے ساتھ ہوتی ہے وہ اس کا بدلہ بھی اسی قدر بہتر عطا فرماتے ہیں، تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تم پر متوجہ ہوتے ہیں معاف کرنے اور بخشش کرنے کے ساتھ۔

وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ: اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی کام حکمت سے خالی نہیں، اس نے حلال، حرام، نکاح، طلاق وغیرہ کے بارے میں جو بھی حکم دیئے ہیں ان میں ضرور کوئی نہ کوئی حکمت ہے اور اسکا ہر حکم ہماری بہتری کیلئے ہے، جن عورتوں سے نکاح کو حرام قرار دیا گیا ہے اس میں لازماً ہماری مصلحت اور انسانیت کا بھلا ہے، انسان کا علم

کم ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تمام حکمتوں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ : اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتے ہیں اور اپنی بخشش اور مہربانی کرنا چاہتے ہیں، یہ بات اللہ تعالیٰ نے دوبارہ تاکید کے طور پر فرمائی ہے۔

وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا: اس خواہشوں کی پیروی کرنے میں مجوسیوں کا حال دیکھ لیں کہ وہ اپنی غلیظ خواہشوں کو پورا کرنے کیلئے اپنی سگی ماں، سگی بیٹی اور سگی بہن سے بھی نکاح کر لیتے ہیں، یہ کس قدر بے حیائی اور بے غیرتی کی بات ہے کہ اپنی خواہش کیلئے اپنی ماں، بہن اور بیٹی کو بھی استعمال کرتے ہیں، اس سلسلے میں یہودیوں کا حال بھی ایسا ہی ہے وہ بھی شہوت پرست ٹولہ ہے، یہی لوگ ہیں جو مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ ان کے ہاں پھوپھی اور ماموں کی بیٹی سے نکاح تو جائز ہے مگر بھتیجی اور بھانجی سے کیوں جائز نہیں، یہ لوگ مسلمانوں میں شبہات ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ لوگوں کو باخبر کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ایسی بے حیائی کے کاموں سے بچیں، کہ دیکھو! اس قسم کے خواہش کے پجاری لوگ تمہیں تمہارے راستے سے پھیر دینا چاہتے ہیں تو تم ان کی پیروی سے بچو اور اللہ تعالیٰ کی طرف آ ؤ جو تم پر اپنی بخشش اور مہربانی کرنا چاہتے ہیں۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا: انسان چونکہ پیدائشی کمزور ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حکموں میں کوئی سختی نہیں رکھی، یہ فی نفسہ کمزور ہے اسکے ارادے اور حوصلے بھی کمزور ہیں یہ عورتوں کے بارے میں بھی کمزور ہے بلکہ یہاں آ کر تو باطل قابو سے باہر ہو جاتا ہے؛ اسی لئے آزاد عورتوں اور باندیوں کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دیگر جائز خواہش پوری کرنے کی اجازت دی گئی تاکہ اس دنیا میں بھی خوش و خرم زندگی بسر کرے اور آخرت میں بھی۔

مسلمان کی جان و مال

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ

اے لوگو! ایمان والو نہ کھاؤ مالوں اپنے کو آپس میں ناحق مگر

اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۫ وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ

یہ کہ ہو تجارت سے خوشی آپس کی اور نہ خون کرو آپس میں

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ﴿۲۹﴾ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا

بیشک اللہ تعالیٰ ہیں پرتم مہربان (۲۹) اور جو کوئی کرے گا یہ زیادتی اور ظلم

فَسَوْفَ نُصْلِیْهِ نَارًا ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا ﴿۳۰﴾

توجلدی ہم ڈالیں گے اسے آگ میں اور ہے یہ پر اللہ تعالیٰ آسان (۳۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ آپس کی تجارت تمہاری خوشی سے ہو اور آپس میں خون نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہیں۔(۲۹) اور جو کوئی ظلم اور زیادتی سے یہ کام کرے تو اسے ہم عنقریب آگ میں ڈالیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔(۳۰)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقے پر کھانے سے منع فرمایا: مثلاً: جھوٹ، دغابازی، چوری، لوٹ مار، لاٹری، سٹہ، ڈکیتی، خیانت، سود، رشوت، دھوکہ، وغیرہ اور وہ خرید و فروخت جس سے شریعت نے منع فرمایا وہ بھی حرام میں شامل ہوگی، جن اشیاء کی تجارت، مثلاً: شراب، مردار، تصاویر، مجسمے وغیرہ کی ممانعت آئی ہے ان کے ذریعہ مال کا حاصل کرنا بھی حرام ہے۔

ہاں! اگر باہم سوداگری یا تجارت کرو، کسی کاروبار میں شامل ہو تو باہمی رضامندی سے نفع میں حاصل کئے

ہوئے مال کو کھانا تم پر حرام نہیں، دوسرا حکم یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرو، کسی مسلمان بھائی کا خون ناحق بہانا تم پر حرام ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ تم پر بہت مہربان ہیں جو ایسے حکم نازل فرماتے ہیں جن کی وجہ سے ایک آدمی کسی دوسرے کا مال نہ تو ناجائز طور پر کھا سکتا ہے اور نہ اس کی ناجائز طور پر جان لے سکتا ہے، ان تمام حکموں پر عمل کرنے میں سراسر تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ کے ان حکموں کی خلاف ورزی کرے، یعنی: ظلم کر کے اوروں کا مال کھائے یا کسی کو قتل کر ڈالے تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے، ظالموں کو دوزخ کی آگ میں دھکیل دینا اللہ تعالیٰ کیلئے مشکل نہیں ہے بلکہ اس کیلئے یہ نہایت آسان ہے؛ اس لئے اب تمہیں یہ خیال کر کے کسی پر ظلم سے باز رہنا چاہئے کہ ہم مسلمان ہیں، اگر ظلم کریں گے تو دوزخ میں جائیں گے، ساتھ ہی اس بات پر بھی نظر رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا مالک ہے، اسے عدل وانصاف کرنے اور سزا دینے سے کوئی طاقت نہیں روک سکتی اور نہ ہی وہ عدل اور انصاف کا خون کر کے کسی کی بے جا رعایت یا کسی کے ساتھ زیادتی کر سکتا ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: ایک دوسرے کا مال کھانے کے بارے میں باہمی رضامندی بھی اسی صورت میں جائز ہے جب کہ تجارت شرعی حدود کے اندر ہو، اگر کوئی شخص سود یا رشوت کی رقم دوسرے فریق کی رضامندی سے دیتا یا لیتا ہے تو وہ لین دین جائز نہیں ہوگا، کیونکہ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ایسی رضامندی کا کچھ اعتبار نہیں البتہ تجارت میں منافع لینا جائز ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ تجارت کے علاوہ بعض دوسرے ذرائع بھی موجود ہیں جن سے کوئی مسلمان مال حاصل کر سکتا ہے، ان میں وراثت میں وصول ہونے والا مال ہے، اگر کوئی شخص دوسرے کو کوئی مال ہبہ (Gift) کر دے تو اس کے لئے حلال ہو جاتا ہے یا کوئی کسی کو عطیہ دیدے یا صدقہ دے تو یہ مال بھی دوسرے کے استعمال میں آ سکتا ہے، سوال ہوتا ہے کہ آیت میں صرف تجارت کا ذکر آیا ہے باقی ذرائع مال کی کیا حیثیت ہوگی؟ اس کے جواب میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اگر تجارت کے علاوہ مال کے حاصل کرنے کے دوسرے ذریعے بھی

موجود ہیں مگر یہاں پر تجارت کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ سب سے بڑا ذریعہ تجارت کا مال ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حرام طریقے سے مال نہ کھاؤ مگر مال صرف کھایا ہی نہیں جاتا بلکہ یہ دوسری ضرورتوں، یعنی: پہننے، رہائش، سواری وغیرہ میں بھی استعمال ہوتا ہے تو کیا کھانے کے علاوہ دیگر معاملوں میں حرام طریقے سے مال استعمال کیا جاسکتا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ضروریات زندگی میں انسان کیلئے کھانا سب سے اہم ضرورت ہے باقی ضروریات کو کسی مدت تک ملتوی کیا جاسکتا ہے مگر کھانا ایک ایسی چیز ہے جس پر انسانی زندگی کا انحصار ہے، لہٰذا یہاں کھانے کا ذکر زندگی کی اہم ترین ضرورت ہونے کی وجہ سے کیا گیا ہے، اسی طرح سود کو حرام کرتے وقت بھی فرمایا کہ: سود نہ کھاؤ، حلانکہ سود کی رقم کھانے علاوہ دوسرے کاموں میں بھی استعمال ہوتی ہے، مقصد یہی ہے کہ کھانے میں استعمال کی ہر چیز شامل ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ: تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو (یعنی: اپنے لوگوں کو ناحق قتل مت کرو) یہ بھی حرام ہے اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور پھر اس سے یہ بھی مراد ہوسکتی ہے کہ اپنے آپ کو قتل مت کرو، یعنی: خودکشی مت کرو، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جو شخص جس آلے کے ساتھ خودکشی کرے گا اسی آلہ کے ذریعہ اس کو جہنم میں سزا دی جائے گی اگر کسی چھری یا دوسرے تیز دھار آلے سے اپنے آپ کو ہلاک کیا ہے تو دوزخ میں اسی سے ہلاک ہوتا رہے گا، اگر زہر کھایا ہے تو وہی زہر اس کو عذاب کے طور پر دیا جائیگا جسے وہ کھائیگا اور مرتا رہیگا، اگر کوئی شخص اونچے پہاڑ یا دیوار سے چھلانگ لگا کر خودکشی کرتا ہے تو دوزخ میں اسے اونچی جگہ سے گرایا جائے گا اور کسی دوسرے انسان کی جان لینا بھی حرام ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں جان و مال کی حفاظت کے قانون بتادیئے ہیں، ان پر عمل کرنے سے تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ان تمام معاملوں سے خبردار کردیا ہے جو تمہارے لیے دین، دنیا، برزخ اور آخرت کے لئے فائدہ مند ہیں اور وہ چیزیں بھی بتادیں جو تمہارے لئے نقصان دہ ہیں اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم ان میں سے کون سی چیز کو اختیار کرتے ہو۔

وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ: تو جو شخص ظلم اور زیادتی سے ناحق مال کھائے گا یا کسی کی ناحق جان لیگا تو عنقریب ہم اس کو دوزخ کی آگ میں داخل کریں گے، اگر وہ اس دنیا میں کسی نہ کسی طرح سزا سے بچ بھی گیا تو دوزخ میں اس کیلئے ہمیشہ ہمیشہ کی سزا ہے۔

وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا: اور دوزخ میں ڈالنا اللہ تعالیٰ کیلئے آسان ہے، جو شخص غیر کے مال کو ناجائز طور پر کھانا اور کسی کو ناحق قتل کرنا حلال سمجھتا ہے اس کیلئے یہ وعید ہمیشہ کے عذاب کی ہے جس سے کبھی چھٹکارا نہیں ہوگا اور جو لوگ حلال نہیں سمجھتے مگر یہ کام کرتے ہیں اس کیلئے ہمیشہ کے عذاب کی وعید نہیں بلکہ دوزخ کا مستحق ہوگا، ہوسکتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو معاف فرمادیں۔

کبائر سے گریز

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ

اگر تم بچتے رہو بڑے گناہوں سے جو تم روکے جاتے ہو سے ان ہم معاف کردینگے سے تم برائیوں تمہاری کو

وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

اور ہم داخل کرینگے تمہیں مقام میں عزت والے (۳۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اگر تم ان چیزوں سے بچتے رہو گے جو بڑے گناہ ہیں جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو ہم تم سے تمہارے چھوٹے گناہ معاف کردیں گے اور تمہیں داخل کردیں گے عزت کے مقام میں۔ (۳۱)

تفسیر

تَجْتَنِبُوْا: تم بچتے رہو، گذری ہوئی آیت میں ذکر تھا کہ جو محض ظلم وزیادتی سے کسی کے جان ومال کو نقصان پہنچائے گا اسکی سزا دوزخ کی آگ ہے اس آیت میں گناہوں سے بچنے کی ترغیب اور گناہوں سے پرہیز کرنے پر اللہ تعالیٰ نے بخشش کا وعدہ کیا ہے اور جنت کی رغبت دلائی ہے تاکہ اسے جان لینے کے بعد ہر شخص گناہوں سے

پرہیز کرنے کی کوشش کرے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص کبیرہ گناہ، مثلاً: کسی کی چوری اور ڈاکے اور قتل غارت گری کے جرموں سے بچا رہا تو اس کے صغیرہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔

کَبَآئِرَ: کبیرہ اس گناہ کو کہا جاتا ہے جو بڑا ہو، اس کے برعکس معمولی درجہ کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو صغیرہ گناہ کہا جاتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر علماء نے مختلف طور پر کی ہے، اس کی صحیح تفسیر کے لئے ہم حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کرتے ہیں، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے بنی آدم پر زنا کے مختلف حصے مقرر فرمائے ہیں، مثلاً: زنا کے فعل میں آنکھ کا حصہ تو دیکھنا ہے، زبان کا حصہ زنا کے فعل کے بارے میں باتیں کرنا ہے اور نفس کا حصہ زنا کی خواہش کرنا ہے، فعل کا زنا شرمگاہ سے زنا کا ارتکاب ہے، اگر یہ فعل ہو گیا آنکھ، زبان، اور دل سب کا زنا ہو گیا، اگر یہ نہ ہوا تو باقی زنا کے تمام مددگار معاف کر دیئے جائیں گے۔

اس لحاظ سے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ بڑے بڑے گناہوں سے بچتے ہیں، البتہ بھول چوک سے چھوٹے چھوٹے گناہوں کی نوبت آجاتی ہے، جن کی حیثیت بڑے بڑے گناہوں کے وسیلہ کی ہوتی ہے، لیکن یہ لوگ بڑے بڑے گناہ کرنے سے بچ جاتے ہیں تو ان چھوٹے گناہوں پر کوئی پکڑ نہیں ہوگی اور انہیں بڑے گناہوں سے بچنے کا اجر بھی حاصل ہوگا، اجر اس لئے کہ انہوں نے سرکش نفس اور بری خواہشات کا مقابلہ کیا اور اپنے آپ کو شدید غلطی سے بچا لیا۔

اگر کوئی شخص کبیرہ گناہوں سے باز نہ آئے تو پھر نہ صرف یہ کہ کبیرہ گناہوں کی وجہ سے گناہگار ہوگا بلکہ چھوٹے گناہوں پر بھی پکڑ ہوگی، کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کا ذکر قرآن وحدیث میں کئی بار آیا ہے، کبیرہ گناہ سے مراد وہ بڑے بڑے گناہ ہیں جو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے، اور صغیرہ گناہ وہ چھوٹی چھوٹی غلطیاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نیک عملوں کے سبب معاف فرما دیتے ہیں بشرطیکہ انسان بڑے گناہوں سے بچتا ہے اور نیک عمل انجام دیتا رہے، اگر کوئی شخص کبیرہ گناہوں میں مبتلا رہتے ہوئے وضو اور نماز ادا کرتا ہے تو محض نماز یا دوسرے نیک عملوں سے اس

کے چھوٹے گناہ بھی معاف نہیں ہونگے، کبیرہ گناہوں سے بچنے میں یہ بھی داخل ہے کہ تمام فرائض اور واجبات کو ادا کرے کیونکہ فرض اور واجب کا ترک کرنا خود ایک کبیرہ گناہ ہے، اس ضمن میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی حدیثیں موجود ہیں، مثلاً: ''ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اگر انسان کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے تو دوسرے چھوٹے چھوٹے گناہ ان کی وجہ سے معاف ہوتے رہتے ہیں'' پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے ہی الفاظ ایک نماز سے دوسری نماز تک کے درمیانی عرصہ کے متعلق فرمائے کہ: ''اللہ تعالیٰ دو نمازوں کے درمیان معمولی غلطیاں ان نمازوں کی برکت سے معاف فرما دیتا ہے''، ''سورۂ ہود'' میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ''بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹاتی رہتی ہیں، یہ ایک یاددہانی ہے ان لوگوں کیلیے جو خدا کو یاد کرنے والے ہیں'' پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: ''جس نے اچھی طرح وضو کیا، یعنی: فرض، سنت، اور مستحب کی رعایت کرتے ہوئے اور تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے اعلیٰ درجہ کا وضو کیا تو تمام چھوٹے گناہ اس کے جسم سے نکل جاتے ہیں''، یعنی: اسکے ہاتھوں کے اور آنکھوں کے اور منہ کے چھوٹے چھوٹے گناہ خود بخود وضو کی برکت سے دھل جاتے ہیں۔

کبیرہ گناہ

حدیث میں آیا ہے کہ سات ہلاک کرنے والے گناہوں سے بچو، جن کی تفصیل یہ ہے:

پہلا گناہ: اللہ تعالیٰ کیساتھ کسی کو شریک بنانا۔

دوسرا گناہ: کسی کی ناحق جان لینا۔

تیسرا گناہ: جادو کرنا۔

چوتھا گناہ: یتیم کا مال کھانا۔

پانچواں گناہ: جہاد سے بھاگ جانا۔

چھٹا گناہ: پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا۔

ساتواں گناہ: جھوٹی گواہی دینا ہے۔

یہ سب بڑے بڑے گناہوں میں سے بڑے گناہ شمار ہوتے ہیں، ان میں سے کسی ایک یا زیادہ گناہوں کے کرنے والے کیلئے معافی نہیں جب تک وہ جیتے جی توبہ نہ کرے۔

کبیرہ گناہوں کی تعداد تو بہت زیادہ ہے، تاہم اصولی طور پر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ کبیرہ گناہ وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک نے دوزخ کی وعید فرمائی ہے، گویا ایسا جرم کبیرہ گناہ میں شامل ہوگا جس پر دوزخ میں جانے کی وعید آئی ہے، ہر ایسا گناہ بھی کبیرہ شمار ہوتا ہے جس کے کرنے پر اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب کا اظہار فرمایا ہے کہ ایسا کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور ناراضگی ہو، ہر وہ گناہ بھی کبیرہ ہے جس کے کرنے والے پر حد (شرعی سزا) جاری کرنے کا حکم ہو، جیسے: چوری، بدکاری، قذف (یعنی: پاکدامن عورت پر تہمت لگانا)، شراب پینا وغیرہ، ہر ایسا گناہ جس پر ایسی خرابی پیدا ہوتی ہو جو کبیرہ گناہ پر پیدا ہوتی ہے تو وہ بھی کبیرہ گناہ شمار ہوگا، اگرچہ اس کا ذکر قرآن پاک میں نہ ہو۔

"تفسیر مظہری" میں ہے کہ کبیرہ گناہوں کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، جو کہ یہ ہیں:

(۱)۔۔۔۔ پہلی قسم وہ ہے جس میں فکری خرابی پائی جاتی ہے اور انسان کا عقیدہ خراب ہو جاتا ہے، اس قسم میں کفر، شرک، نفاق، ارتداد اور الحاد، جیسے: بڑے گناہ شامل ہیں، "الحاد" کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ثابت شدہ فرمان کو غلط معنٰی پہنانا۔

(۲)۔۔۔۔ دوسری قسم ظلم اور زیادتی ہے، کسی کی بے عزتی کرنا، کسی کے مال کو ناحق ضائع کرنا یا اس پر قبضہ کرلینا۔

(۳)۔۔۔۔ تیسری قسم میں وہ کبیرہ گناہ آتے ہیں جن کا تعلق بندے اور اللہ تعالیٰ دونوں سے ہے، ان جرموں میں قتل، بدکاری، چوری، شراب پینا اور دوسرے انسانی حقوق شامل ہیں، ان گناہوں کو کرنے والا انسان ایک ہی وقت میں اس بندے کا بھی مجرم ہوتا ہے جس کے ساتھ اس نے زیادتی کی اور اللہ تعالیٰ کا بھی جسکی اس نے واضح حکم میں نافرمانی کی۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ کفر اور شرک ایسے کبیرہ گناہ ہیں کہ اگر زندگی میں توبہ نہیں کریگا تو یہ قیامت کے دن معاف نہیں ہوں گے، ان کے علاوہ باقی کبیرہ گناہوں سے توبہ کرلے گا تو گناہ معاف ہوجائیں گے اور اگر ان کا کرنے والا توبہ نہیں کرتا مگر دل میں ایمان موجود ہے تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ چاہیں تو اپنی مہربانی سے معاف کردیں یا کسی کی شفاعت سے معافی دیدیں اور چاہیں تو سزا دے دیں پھر جنت میں داخل کردیں۔

یہ یاد رہے کہ! حدیث کی کتابوں میں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے کبیرہ گناہوں کا ذکر ہے جس کی تفصیل سے مضمون طویل ہوجائے گا؛ اس لئے ہم نے سارے کبیرہ گناہوں کا ذکر نہیں کیا، تفصیل کیلئے ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی ''کتاب الزواجر'' کو دیکھا جاسکتا ہے۔

حسد

وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ

اور نہ ہوس کرو اس کی بڑائی دی اللہ تعالیٰ نے ہیں جس بعض تمہارے کو اوپر بعض تمہارے لئے مردوں کے

نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَ

حصہ ہے اس میں سے جو کمایا انہوں نے اور لئے عورتوں کے حصہ ہے اس میں سے جو کمایا انہوں نے اور

سْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

مانگو اللہ تعالیٰ سے فضل اسکے بیشک اللہ تعالیٰ ہیں ہر چیز جاننے والا (۳۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جس چیز میں اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر بڑائی دی اس کی ہوس نہ کرو، مردوں کو اپنی کمائی سے حصہ ہے اور عورتوں کو اپنی کمائی سے حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے اسکا فضل مانگو، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔ (۳۲)

تفسیر

اللہ تعالیٰ اگر کسی شخص کو کسی بات میں برتری عطا فرمائے اور اسے ممتاز کردے تو حسد نہ کرو، اس حسد سے

آپس میں بغض پیدا ہوتا ہے، یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ چند عورتیں اور اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! اس کا کیا سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ مردوں کا ہی ذکر فرماتے ہیں اور انہیں کو حکم دیتے ہیں عورتوں کا ذکر نہیں کرتے، نیز: میت کے ورثہ سے مرد کو دوگنا (ڈبل) حصہ دیا جاتا ہے اور عورت کو ایک گنا (سنگل)، اور دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر سمجھی جاتی ہے تو کیا عبادت اور عملوں میں بھی ہم کو ایک گنا ثواب ملے گا؟ اس آیت میں ان کے سوال کا جواب دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو تم پر خاص حکمت سے فضیلت بخشی ہے تم ان کی اس برتری سے حسد مت کرو۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر جو فضیلت بخشی ہے اسکے متعلق ایسی خواہش کا اظہار نہ کرو کہ عورتیں بھی مرد ہوتیں، بلکہ مرد اور عورت کی یہ تفریق اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے پیدا کی ہے اور اس میں انسان کا اپنا کوئی اختیار نہیں، اس غیر اختیاری فضیلت کی تمنا نہیں کرنی چاہئے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ العیاذ باللہ عورتیں ذلیل یا حقیر ہیں، البتہ جو چیزیں انسان کے اپنے اختیار میں ہیں، جیسے: آخرت کی کامیابی کا دارومدار انہی پر ہے، اس معاملہ میں مرد اور عورت برابر ہیں، ہر کوئی اپنے اختیار کے مطابق زیادہ سے زیادہ محنت کر کے فضیلت حاصل کرسکتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لو اس میں مرد اور عورت کی کوئی تفریق نہیں ہر کوئی زیادہ سے زیادہ نیکی حاصل کرسکتا ہے اور نجات کا دارومدار اسی چیز پر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق مردوں کو عورتوں پر خاص بڑائی اور فضیلت عنایت کی ہے اگر عورتیں اس پر حسد کریں تو یہ ایک بے جا ہوس ہوگی جو اللہ تعالیٰ کا زیادہ فضل چاہتا ہو اسے چاہئے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اچھے کام کر کے اس کی رحمت حاصل کرے، اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا پورا پورا علم ہے، وہ ہر ایک کے درجہ اور حق کو خوب جانتا ہے اور اسی کے مطابق اس سے معاملہ کرتا ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ: اس معاملہ میں مرد اور

عورتیں برابر ہیں جو جتنی زیادہ نیکی کرے گا اسی کے مطابق اسے فضیلت اور اجر و ثواب حاصل ہوگا، اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں دونوں کیلئے علیحدہ علیحدہ کام مقرر فرمائے ہیں اور اسی کے مطابق اس سے پوچھ گوچھ ہوگی، اللہ تعالیٰ نے مرد کو فطرتاً مضبوط جسم والا بنایا ہے تا کہ مشقت کے کام کر سکے، دن بھر کی محنت مزدوری، کھیتی باڑی، جہاد کرنا وغیرہ مرد کے ذمہ ہیں برخلاف اسکے عورت طبعاً نازک ہے، وہ محنت اور مشقت کے کام نہیں کر سکتی، اللہ تعالیٰ نے اسکی جسمانی بناوٹ ایسی بنائی ہے کہ وہ مرد کی بنسبت کم محنت والا کام کر سکتی ہے، اسکے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اسے بچوں کی پیدائش کا ذریعہ بنایا ہے اور بچوں کی محبت، انکی دیکھ بھال، پرورش اور خدمت کا جذبہ عورت کی فطرت میں داخل کر دیا ہے، لہٰذا وہ یہ امور انجام دے کر اپنی فطرت کے تقاضے پوری کرتی ہے اور اس میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتی، اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کیلئے علیحدہ علیحدہ کام متعین کر دیئے ہیں جس کے اندر رہ کر وہ اپنی زندگی گزارتے ہیں، اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت بخشی ہے۔

وَ اسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ: ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا فضل طلب کرتے رہنا چاہئے کہ وہ نیک کاموں کی توفیق عطا فرمائے اور جو اچھے کام کئے ہیں انکے ثواب بڑھا دے، اسکی رحمت بڑی وسیع ہے اور اسکا فضل بڑا عظیم ہے، اس سے اسکا فضل طلب کرتے رہنا چاہئے، ایک حدیث میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نہ مانگنے والوں سے ناراض ہو جاتا ہے''، جب تم کسی کو کسی مال میں اپنے سے زائد دیکھو تو بجائے اسکے کہ اس خاص کمال میں اسکے برابر ہونے کی تمنا کرو، تمہیں یہ کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے اسکے فضل و کرم کی درخواست کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہر شخص کیلئے جدا جدا صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے، کسی کے لئے مال دولت فضل الٰہی ہوتا ہے، اگر وہ فقیر ہو جائے تو گناہ اور کفر میں مبتلا ہو جائے، اور کسی کے لئے تنگدستی میں فضل ہوتا ہے، اگر وہ مالدار ہو جائے تو ہزاروں گناہوں کا شکار ہو جائے، اسی طرح کسی کا شہرت والا اور مرتبہ والا ہونے کی صورت میں فضل ہوتا ہے، کسی کے لئے گمنامی میں ہی فضل ہوتا ہے، اور وہ اگر حقیقت پر نظر کرے تو معلوم ہو جائے گا کہ اگر اسکو شہرت ملتی تو بہت سے گناہوں میں پڑ جاتا؛ اسلئے انسان کو اپنی عاجزی پر ہمیشہ نظر رکھنی چاہئے اور اسکی عاجزی اور انکساری کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اپنے رب

کا فضل مانگتا رہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا: بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں، اس نے مرد کو مرد بنایا اور عورت کو عورت بنایا، وہ ان دونوں کی صلاحیتوں کو بھی جانتے ہیں اور انکی استعداد بھی اسکے علم میں ہے؛ اسلئے دونوں کو چاہئے کہ ایک دوسرے کے کام میں دخل دینے کی تمنا نہ کریں۔

وارثوں کی نامزدگی

وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَ

اور لئے ہرایک کے مقرر کردیئے ہم نے وارث اس میں سے جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اور

الَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

جولوگ عہد ہوا تمہارے ہاتھوں پس دیدو انہیں حصہ ان کا بیشک اللہ تعالیٰ ہیں

ع ۵/۸ ۲ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾

پر ہر چیز گواہ (۳۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے ہر کسی کیلئے اس کے مال کے وارث مقرر کردیئے جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قریبی رشتہ دار اور جن سے تمہارا معاہدہ ہوا پس ان کا حصہ دو بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہیں۔ (۳۳)

تفسیر

اس آیت میں فرمایا کہ: مرنے والوں کے مال میں وارثوں کا حصہ ہے خواہ وہ مرنے والے والدین ہوں یا قریبی رشتہ دار اور جن سے خاص طور پر کوئی عہد ہوا ہو، انہیں بھی کچھ ملنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ وارثوں کا کیا حصہ ہونا چاہئے اور جن لوگوں سے معاہدہ ہوا ان لوگوں کو کیا ملنا

چاہئے اور یہ بھی کہ اس کے حکموں کو کون تسلیم کرتا ہے۔

اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ بہت سے لوگ اپنے کافر و مشرک خاندان کو چھوڑ کر اکیلے اکیلے ہی مسلمان ہوجاتے تھے اور ان کا سارا کنبہ اور تمام رشتہ دار کافر ہی چلے آتے تھے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کی اس حالت کو دور کرنے کیلئے دو دو مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا تھا، چنانچہ وہی دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے لیکن کچھ مدت بعد جب ان کے رشتہ دار اور بھی مسلمان ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اصل میں میراث ان رشتہ داروں ہی کا حق ہے اور منہ بولے بھائیوں کا میراث میں کوئی حق نہیں، البتہ زندگی میں ان کیساتھ اچھے برتاؤ سے پیش آنا چاہئے اور اگر مرتے وقت آدمی ان منہ بولے بھائیوں کیلئے کچھ وصیت کر جائے تو بھی مناسب ہے لیکن میراث میں ان کا قانونی طور پر کوئی حق نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مختلف آیتوں میں کنبہ کے افراد، رشتہ دار اور دوسرے ملنے والوں کی میراث میں حصے مقرر فرما دیئے، یہ تمام حصے ان کے حق کے مطابق اور تقاضوں کے پیش نظر مقرر کئے ہیں، انہیں تسلیم کرنے میں مسلمانوں کی سراسر مصلحت ہے، ہمیں چاہئے کہ بلاچوں چرا انہیں بجالائیں، اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر حاوی ہے، وہ انسانوں کی نیتوں اور عملوں سے اچھی طرح واقف ہیں وہ انہیں ان کی نیتوں کے مطابق ہی جزا یا سزا دیں گے۔

مردوں کو عورتوں پر فضیلت

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

مرد — حاکم ہیں — پر — عورتوں کے — اس واسطے کہ — فضیلت دی — اللہ تعالیٰ نے — بعض انکے کو — پر — بعض کو

وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ

اور — کیونکہ — انہوں نے خرچ کئے — سے — مالوں اپنے — پھر جو نیک عورتیں — تابعدار — نگہبانی کرنیوالی

لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ

پیٹھ پیچھے — سے — حفاظت — اللہ تعالیٰ کی

بامحاورہ ترجمہ:۔ مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور اس واسطے کہ انہوں نے اپنے مال خرچ کیے پھر جو نیک عورتیں ہیں سو تابعدار ہیں پیٹھ پیچھے نگہبانی کرنے والی ہیں اللہ کی حفاظت سے۔

تفسیر

قَوَّامُونَ: اس کا واحد قوّام ہے جو قیام سے بنا ہے، اسکے دو معنیٰ ہو سکتے ہیں، ایک تو حاکم نگرانی کرنے والے، دوسرے کفالت (حفاظت) کرنے والے، بہت سے مفسرین نے "قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَآءِ" کا مطلب یہی بیان کیا ہے کہ عورتوں کی کفالت کرنے والے، ان کے کھانے پینے اور دوسری ضروریات پوری کرنے والے اور انکی حفاظت کرنے والے مرد ہی ہوتے ہیں۔

اس آیت میں مرد اور عورت کے درجے بتائے گئے ہیں اور یہ ذکر کیا گیا ہے کہ مرد کا درجہ عورت سے زیادہ ہے، لہٰذا دونوں کے درجوں میں فرق کی وجہ سے انکے بارے میں جو حکم ہیں انمیں بھی فرق ہوگا اور یہ فرق اللہ تعالیٰ کی حکمت سے ہے، عورت اور مرد برابر نہیں ہیں، اگر عورتیں برابری کی خواہش کریں تو بالکل بے جا ہوگا، اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر حاکم اور کفیل بنایا ہے، مرد کی فضیلت کی وجوہات یوں بیان فرمائیں۔

(۱)۔۔۔۔ مرد کو عورت پر فضیلت عطا کی گئی ہے، یہ فضیلت جسمانی اور روحانی لحاظ سے بھی ہے اور علم و عمل کے لحاظ سے بھی، اس کی تشریح حدیثوں میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

(۲)۔۔۔۔ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں، یہ مال، خوراک، لباس، مہر، نان ونفقہ اور ضروریات زندگی ہر ضرورت کے وقت مرد ہی مہیا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

مردوں کو عورتوں پر فضیلت عطاء کرنے کی اللہ تعالیٰ نے دو وجوہات بیان فرمائی ہیں، ایک وجہ فطری ہے اور دوسری وجہ اختیاری، مردوں کو عورتوں کا نگران بنایا گیا ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو بعض

پر یعنی: مردوں کو عورتوں پر فضیلت بخشی ہے، یہ فطری برتری کئی وجوہ سے ہے، مثلاً: عقل کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے مرد کو وافر حصہ عطا فرمایا ہے، اسی طرح دین کے معاملہ میں بھی مردوں کو زیادہ سمجھ عطا کی ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ: عورتیں مرد کے مقابلہ میں عقل اور دین دونوں معاملوں میں ناقص ہیں، ایک سمجھدار عورت نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، حضور! ہماری عقلوں میں نقصان کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: عورتوں میں بھولنے کا مادہ زیادہ پایا جاتا ہے، دیکھتی نہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ٹھہرائی ہے، کیا یہ عقل کا نقصان نہیں؟ پھر اس عورت نے عرض کیا، حضور! ہمارے دین میں نقصان کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ: دیکھو! عورت ہر مہینے اس طرح بیٹھی رہتی ہے کہ نہ وہ نماز پڑھ سکتی ہے نہ وہ روزہ رکھ سکتی ہے، اگر چہ یہ چیز اسکے لئے غیر اختیاری ہے مگر دین کا نقصان تو ہے، اس طرح بچے کی پیدائش کے بعد بھی عورت نماز نہیں پڑھ سکتی اور نہ روزہ رکھ سکتی ہے، مردوں کے مقابلہ میں ان کا یہ نقصان ہی تو ہے۔

شرعی گواہی کے معاملہ میں جہاں بعض معاملات میں عورتوں کا نصاب ایک کے مقابلہ میں دو رکھا گیا ہے وہاں حدود اور قصاص کے معاملہ میں عورت کی گواہی قابل قبول ہی نہیں، عاقل اور بالغ مرد مسلمان ہی گواہی دیں گے تو حد جاری ہوگی ورنہ نہیں، اسکے علاوہ جماعت اور جمعہ اور دونوں عیدوں کی نماز کیلئے حاضر ہونا عورتوں کے ذمہ نہیں ہے یہ صرف مردوں ہی کے ذمہ ہیں، اس سورۃ کی ابتداء میں گزر چکا ہے کہ مرد ایک ہی وقت میں چار عورتوں سے شادی کر سکتا ہے، مگر کوئی عورت ایک وقت میں ایک سے زیادہ نکاح نہیں کر سکتی، اس معاملہ میں مردوں کو قدرتی فضیلت حاصل ہے، طلاق کا حق بھی مرد کو ہی ہے، عورت کو یہ حق نہیں دیا گیا۔ مردوں کو اس لحاظ سے بھی فضیلت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کا مرتبہ مردوں کو دیا عورتوں کو نہیں دیا؛ اس لئے سب پیغمبر مرد بھیجے گئے مگر کوئی عورت پیغمبر بنا کے نہیں بھیجی گئی۔

اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے اچھی اور نیک عورتوں کی تعریف بھی فرمائی ہے: ''نیک عورتیں وہ ہیں جو اطاعت گزار ہیں''، اطاعت سے مراد پہلے اللہ تعالیٰ اور اسکے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت، پھر اپنے خاوند کی اطاعت ہے،

قرآن کریم میں نیک عورتوں کی دو ذمہ داریاں بیان فرمائی ہیں:

(۱)۔۔۔۔وہ مردوں کی تابعداری کرتی ہیں۔

(۲)۔۔۔۔اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق خاوند کی غیر موجودگی میں اپنی عزت اور خاوند کے مال کی حفاظت کرتی ہیں، اور شوہر کے مال میں خیانت نہیں کرتیں۔

بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ: اور چونکہ عورتوں کی یہ ذمہ داریاں، یعنی: اپنی عصمت اور شوہر کے مال کی حفاظت دونوں آسان کام نہیں؛ اسلئے فرمایا کہ اس حفاظت میں اللہ تعالیٰ عورت کی مدد فرماتے ہیں، انہی کی مدد اور توفیق سے وہ ان ذمہ داریوں کو پورا کرتی ہیں ورنہ نفس اور شیطان ہر وقت ہر انسان کو گھیرے ہوئے ہیں، اور عورتیں خصوصاً اپنی علمی اور عملی قوتوں میں بہ نسبت مرد کے کمزور بھی ہیں اس کے باوجود وہ ان ذمہ داریوں میں مرد سے زیادہ مضبوط نظر آتی ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد سے ہے، یہی وجہ ہے کہ بے حیائی کے گناہوں میں بہ نسبت مردوں کے عورتیں بہت کم مبتلا ہوتی ہیں۔

سرکش عورتوں کی اصلاح

وَ الّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ

اور وہ عورتیں خوف کرتے ہو تم سرکشی ان کی کا پس سمجھاؤ انہیں اور جدا کرو انہیں میں بستروں

وَ اضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ؕ اِنَّ

اور مارو انہیں پھر اگر کہا مانیں تمہارے تو نہ تلاش کرو پر ان کوئی راستہ بیشک

اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا ﴿۳۴﴾

اللہ تعالیٰ ہیں بلند بڑا (۳۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور تمہیں جن عورتوں کی سرکشی کا ڈر ہو انہیں تم سمجھاؤ اور بستروں میں جدا کرو اور مارو پھر اگر تمہارا کہا مانیں تو ان پر الزام کی راہ تلاش نہ کرو بیشک اللہ تعالیٰ سب سے بلند بڑے ہیں۔ (۳۴)

تفسیر

مرد اور عورت دونوں کے حقوق اور فرائض بیان کرنے کے بعد اب عملی زندگی کی مشکلات اور ان امور میں خرابی پیدا کرنے کی صورت میں اصلاح کے اصول اور طریقے بیان کیے جا رہے ہیں، شوہر اور بیوی کے تمام خوشگوار تعلقات کے باوجود کہیں کہیں آپس میں اختلاف اور رنجش کا پیدا ہو جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں اور اطاعت گزار بیوی کی طرف سے بدخوئی اور نافرمانی کا سرزد ہونا بھی ناممکن نہیں، سوال یہ ہے کہ اس صورت میں خاوند کیا رویہ اختیار کرے؟ اس آیت میں ان عورتوں کے بارے میں بیان کیا گیا ہے جو اپنے شوہروں سے بدزبانی، سرکشی اور نافرمانی کریں تو ان کی اصلاح کیلئے پہلا درجہ تو یہ ہے کہ مرد عورت کو زبانی طور پر سمجھائے اور نصیحت کرے اگر وہ اس پر نہ مانے تو سونے میں بستر الگ کر لے، اس سے فقہاءؒ نے یہ مطلب نکالا کہ جدائی صرف بستر میں ہو، مکان کی جدائی نہ کرے کہ عورت کو مکان میں تنہا چھوڑ دے، اس میں ان کو رنج بھی زیادہ ہوگا اور فساد بڑھنے کا اندیشہ بھی اس میں زیادہ ہے، اور اگر وہ بستر کی علیحدگی پر بھی نہ مانے تو آخری درجہ یہ ہے کہ اسکو مارے لیکن شرط یہ ہے کہ ایسی سخت مار نہ ہو جس سے جسم پر کوئی نشان پڑے اور نہ اس کی ہڈی ٹوٹے۔

یہاں سے معلوم ہو گیا کہ ہر غلطی اور قصور کے مختلف درجے ہیں اور ان کے درجوں کے مطابق ہی سزا کا حکم ہے، مار پیٹ بالکل آخری سزا ہے، اگر قصور بالکل معمولی ہو تو سمجھانا ہی بہتر ہے، نیز: مار پیٹ کی نوبت آ بھی جائے تو قصور کے درجہ کے مناسب ہونی چاہئے نہ کہ حد سے زیادہ۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ بعض لوگوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنی عورتوں کے بارے میں شکایت کی کہ وہ ہماری بات نہیں مانتیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ان کی پٹائی کرو، اس اجازت پر لوگوں نے نافرمان عورتوں کو بے تحاشا مارنا شروع کر دیا اور سزا کی حدود کو قائم نہ رکھ سکے، اس پر عورتوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی کہ انکے شوہر انہیں بہت زیادہ مارتے ہیں، اس پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ درست نہیں ہے، مارنے کی اجازت صرف معمولی طور پر تھی بہت زیادہ مارنا مقصود نہیں تھا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ: اگر

مارنے کی نوبت آ بھی جائے تو ایسی مار نہ مارو کہ ہڈی پسلی ٹوٹ جائے یہ زیادتی ہے۔

حجۃ الوداع والی حدیث میں عورتوں کے بارے میں آتا ہے کہ دیکھو! تمہارے اور تمہاری عورتوں کے ایک دوسرے پر حق ہیں اگر وہ کوئی ایسا کام کریں تو انہیں معمولی جسمانی سزا دو، عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو کہ وہ تمہارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں، تمہارے ماتحت ہیں ان کو کھلاؤ، پلاؤ، کپڑا پہناؤ، ان کی رہائش کا بندوبست کرو، اگر وہ نافرمانی کریں تو معمولی مار مارو، چہرے پر نہ مارو، اتنا نہ مارو کہ زخمی کردو یا کوئی عضو بیکار کردو۔

فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ: پھر اگر عورتیں تمہاری نصیحت یا سونے میں بستر سے الگ ہونے یا مار پیٹ کے بعد بدخوئی اور نافرمانی سے باز آ جائیں تو تم بھی سزا دینا ختم کردو، نیز: ان کی غلطیوں کی کھود کرید بند کردو، ان پر خواہ مخواہ الزام نہ لگاؤ۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا: بیشک اللہ تعالیٰ بلند اور بڑے ہیں، اسکے حکموں کو سامنے رکھو، اگر خلاف ورزی ہوئی تو پھر اسکی پکڑ بڑی سخت ہے اسطرح اللہ تعالیٰ نے مردوں کو بھی خبردار کردیا کہ وہ بھی حد میں رہیں۔

مصالحت اور پنچائت

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا

اور اگر تم ڈرو ضد درمیان ان دونوں کے تو کھڑا کرو ایک منصف سے والوں مرد کے اور ایک منصف

مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ

سے والوں عورت کے اگر یہ دونوں منصف چاہیں گے درستی کی تو موافقت کردیگا اللہ تعالیٰ درمیان ان دونوں کے بیشک اللہ تعالیٰ

كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

ہیں جاننے والے خبر رکھنے والے (۳۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر خوف کرو تو تم ان دونوں کے درمیان ضد کا تو کھڑا کرو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے، اگر یہ دونوں چاہیں گے کہ صلح کرا دیں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں میں موافقت کر دے گا، بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والے خبر رکھنے والے ہیں۔ (۳۵)

تفسیر

پچھلی آیت میں بدخو، بدزبان اور نافرمان بیویوں کا رویہ درست کرنے کیلئے تین طریقے بیان ہوئے تھے، اب اسکے بعد یہ ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ تمام کوششیں بھی ناکام ہو جائیں تو کیا کرنا چاہئے؟

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا: اگر تمہیں اس بات کا ڈر ہو کہ دونوں اپنی اپنی ضد پر اڑے رہیں گے تو کیا کرنا چاہیے تو ایک منصف شوہر کے خاندان سے اور ایک بیوی کے خاندان سے مقرر کرو جو دونوں کے حالات سے واقف ہوں، اور میاں بیوی کی ذہنی استعداد اور انکے عادتوں اور خصلتوں سے بھی واقف ہوں اگر یہ دونوں دل سے اخلاص کے ساتھ صلح وصفائی اور حالات کی درستگی کی کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ ضرور موافقت کی صورت پیدا کر دے گا اور اسلام سے پہلے دنیا میں ہر جگہ خاندانی زندگی میں بہت سی اونچ نیچ تھی، کہیں عورت کو کوئی حق حاصل نہیں تھا، بیوی کو بے زبان جانور سے بدتر اور غلام وباندی سے کمتر سمجھا جاتا تھا، اسلام نے عورت کو ایک خاص مقام دیا بیٹی، بہن، بیوی، ماں، غرض ہر رشتہ میں اس کے لئے حق اور درجے مقرر کئے، بہت سے مذہبوں میں تھی کہ ایک مرتبہ نکاح ہو جانے کے بعد طلاق کی کوئی صورت نہ تھی اور بعض نے جدائی کو بالکل مذاق بنا دیا تھا ذرا سی بات پر خاوند بیوی کو گھر سے نکال کھڑا کرتے تھے، قرآن کریم نے ان دونوں صورتوں میں اصلاح اور درستی کی، اختلاف ہو جانے کی صورت میں پہلے تو یہ بتا دیا کہ شوہر خود ہی اصلاح کی کوشش کرے، جب بات اس سے بڑھ جائے تو خاندان کے سمجھدار لوگوں کے ذریعہ صلح وصفائی کی اور حالات کو بہتر بنانے کی کی کوشش کی جائے، کوشش یہ کیجائے کہ طلاق کی نوبت نہ آئے۔

حقوق العباد

وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

اور عبادت کرو اللہ تعالیٰ اور نہ شریک کرو ساتھ اسکے کچھ بھی اور ساتھ ماں باپ کے اچھا برتاؤ

وَّ بِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَ

اور ساتھ قریبی رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور ہمسایہ رشتہ دار اور

الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَ مَا

ہمسایہ اجنبی اور والے پاس بیٹھنے والے اور مسافر اور جو

مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ﴿۳۶﴾

مالک ہیں داہنے ہاتھ تمہارے بیشک اللہ تعالیٰ نہیں پسند آتے اس کو جو ہے اترانے والا بڑائی کرنے والا (۳۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اسکا شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں اور فقیروں اور قریبی ہمسایہ سے اور دور کے ہمسائے اور پاس بیٹھنے والے سے اور مسافر سے اور اپنے ہاتھ کے مال، یعنی: غلام یا باندیوں کے سے اچھا برتاؤ کرو، بیشک اللہ تعالیٰ کو اترانے والا اور بڑائی کرنے والا پسند نہیں ہے۔ (۳۶)

تفسیر

میاں بیوی کے حقوق اور انکے ساتھ اچھے سلوک کا ذکر کر کے اب اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ ہر ایک کا حق اس کے درجہ کے مطابق اور حاجت کے مناسب ادا کرو، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اس کیلئے تمہیں چاہئے کہ اسی کی عبادت کرو اور کسی کو اسکے ساتھ شریک نہیں ٹھہراؤ، نیک عمل کر کے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھ کر

آخرت میں ثواب ملنے کی امید کرو ضرورت مندوں کو مال دینے کے وقت فخر اور دکھاوا نہ کرو کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے۔

وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا: حضرت معاذؓ کی حدیث میں ہے کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا، اے معاذ! کیا جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حق مخلوق پر کیا ہے؟ عرض کیا حضور! اللہ اور اسکا پیغمبر ہی بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کریں اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ مخلوق کا حق اللہ تعالیٰ پر کیا ہے؟ پھر عرض کیا، حضور! اللہ اور اسکا پیغمبر ہی بہتر جانتے ہیں، پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ: مخلوق کا حق ویسے تو اللہ پر کچھ بھی نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ خود یہ حق لے رکھا ہے کہ جب اسکی مخلوق اسکی عبادت کریگی اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائے گی تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو دوزخ میں نہیں ڈالے گا۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کے حقوق کا جب تذکرہ کیا تو سب سے پہلے والدین کے حقوق کا تذکرہ کیا اور ان کیساتھ احسان کرنے کا حکم دیا کہ انکے ساتھ اچھے برتاؤ سے پیش آؤ، اولاد اور والدین کا آپس میں سب سے قریبی تعلق ہوتا ہے، ماں باپ اولاد پر مہربان ہوتے ہیں اور بغیر کسی بدلے کے احسان کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انکی فطرت میں اولاد کیلئے محبت ڈال دی ہے اس لئے وہ اولاد کیساتھ مہربانی کا سلوک کرتے ہیں، لہٰذا اولاد پر لازم ہے کہ وہ ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں اور انہیں زبان سے یا اپنے کسی عمل سے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائیں، جائز باتوں میں انکا کہنا مانیں، ضرورت کے وقت انکی مالی مدد کریں یہانتک کہ ماں باپ اگر کافر بھی ہوں تو بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ انکا عقیدہ تو اختیار نہ کریں البتہ دنیا میں ان کیساتھ اچھے برتاؤ سے پیش آئیں۔

وَ بِذِي الْقُرْبٰى: ماں باپ کے بعد بہن، بھائی، چچا، ماموں اور دوسرے رشتہ دار ہیں ان کا بھی حق ہے، ماں باپ کے واسطہ سے جتنا کوئی قریبی ہے اسی قدر اسکا حق بھی زیادہ ہے۔

وَ الْيَتٰمٰى: یتیموں کے حقوق ادا کرو، انکے ساتھ شفقت کے ساتھ پیش آؤ، انکی ہر ممکن مدد کرو اور ایسے غریب لوگ جو مالی طور پر کمزور ہیں انکی آمدنی انکے جائز اخراجات سے کم ہیں وہ تمہارے اچھے برتاؤ کے مستحق

ہیں ان کا بھی خیال رکھو، اللہ تعالیٰ نے ان کا حق بھی تمہارے مال میں رکھا ہے۔

وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی: اگر کوئی پڑوسی بھی ہے رشتہ دار بھی ہے تو اسکا دگنا حق ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ پیغمبر ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ پڑوسی کا حق کہاں تک ہے؟ آپ نے فرمایا: چالیس گھروں تک سب تمہارے پڑوسی ہیں ان کا تم پر حق ہے، "صحیح بخاری شریف وصحیح مسلم شریف" کی حدیث میں آتا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے مجھے پڑوسیوں کیساتھ اچھے برتاؤ کی اتنی تاکید کی کہ مجھے خیال ہوا شاید اللہ تعالیٰ پڑوسیوں کو وراثت میں شریک کردے گا۔

وَ الْجَارِ الْجُنُبِ: اور دور کے پڑوسی سے بھی اچھے برتاؤ کا حکم دیا کہ وہ بھی تمہاری مہربانی کے مستحق ہیں۔

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ: اور پاس بیٹھنے والے بھی اچھے برتاؤ کا حق رکھتے ہیں ہم جماعت طالبعلم ہیں، کسی فیکٹری یا دفتر میں اکٹھے کام کرتے ہیں، دکان پر بیٹھتے ہیں، کہیں سفر کے دوران، مثلاً: ریل گاڑی، ہوائی جہاز یا بحری جہاز میں ہمسفر ہیں یہ سب لوگ ایک دوسرے کیساتھ اچھے برتاؤ کا حق رکھتے ہیں کہ آپ کی کسی بات وکال سے ان کو تکلیف نہ پہنچے کوئی بات ایسی نہ کریں جس سے انکا دل دکھے، کوئی کام ایسا نہ کریں جس سے انکو تکلیف ہو، مثلاً: سگریٹ پی کر اسکا دھواں انکے سامنے نہ چھوڑیں، پان کھا کر پیک انکی طرف نہ ڈالیں اسطرح نہ بیٹھیں جس سے دوسرے کی جگہ تنگ ہو جائے۔

وَ ابْنِ السَّبِیْلِ: اور کوئی مسافر ہو خواہ مہمان ہو یا اجنبی، اسے بھی اگر کسی چیز کی ضرورت ہے تو اسکا بھی تم پر حق ہے، اسکی بھی مدد کرو، اور وہ لوگ بھی تمہارے اچھے برتاؤ کے مستحق ہیں جو تمہارے ہاتھ کا مال ہیں، یعنی: جو تمہاری باندی اور غلام ہیں، غلام کے بارے میں پیغمبر کا فرمان ہے کہ اسکی طاقت سے زیادہ اس سے کام نہ لو اور اگر کوئی مشکل کام اسکے حوالے کرو تو اس کام میں اسکا ہاتھ بٹاؤ، جو خود کھاتے ہو ان کو بھی کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو ان کو بھی پہناؤ ورنہ آگے چل کر پکڑ ہوگی۔

اس ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام متعلقین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے، اگر اس ایک آیت پر ہی مسلمان عمل کرلیں تو دنیا سے شر اور فساد ختم ہو جائے اور دنیا اور آخرت کی کامیابی نصیب ہو جائے، مگر افسوس کا

مقام ہے کہ جس طرح لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا نہیں کئے شرک، کفر، بدعات جاری کردیں اسی طرح بندوں کے حق کے معاملہ میں بھی دور جا پڑے ہیں، نہ ماں باپ کیساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں اور نہ پڑوسیوں کا خیال کرتے ہیں ان کی حوصلہ افزائی کے بجائے دل دکھانے والی باتیں کرتے ہیں، ان کے دروازے پر جاکر گالی گلوچ اور شور شرابا کرتے ہیں پتنگ بازی کیلئے چھتوں پر چڑھ جاتے ہیں، آجکل ریکارڈنگ کی نئی مصیبت آگئی ہے، پڑوس میں کوئی بیمار ہے، کوئی طالبعلم مطالعہ میں مصروف ہے، کوئی عبادت گزار اللہ اللہ کرنا چاہتا ہے، مگر انہیں خدا کا خوف نہیں ہے، دوسرے کا احساس تک نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا: اللہ تعالیٰ کو عاجزی اور انکساری پسند ہے، اور اترانا اور فخر کرنا پسند نہیں، جس شخص کے دل میں عاجزی ہوگی اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا صحیح خیال بھی ہوگا، وہ توحید کے قریب اور شرک سے دور ہوگا ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ادا کریگا اور مخلوق کے حقوق بھی ادا کریگا، جو شخص مال، دولت، بڑائی، اور اقتدار کی وجہ سے مغرور ہوگا وہ کسی کا حق ادا نہیں کریگا، ایسا مغرور اور شیخی بگھارنے والا شخص اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں۔

دکھاوا کرنے والا کنجوس

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ يَكْتُمُوْنَ مَآ

جو لوگ | بخل کرتے ہیں | اور | سکھاتے ہیں | لوگوں | ساتھ بخل کے | اور | چھپاتے ہیں | جو

اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۳۷

دیا انہیں | اللہ تعالیٰ | سے | فضل اپنے | اور | تیار کر رکھا ہے ہم نے | لئے کافروں کے | عذاب | ذلت (۳۷)

وَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

اور | وہ لوگ جو | خرچ کرتے ہیں | مالوں اپنے کو | دکھانے واسطے | لوگوں کے | اور | نہیں | ایمان لاتے | پر اللہ

وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا

اور نہ ساتھ دن آخرت کے اور وہ شخص جو ہوجائے شیطان لئے اسکے ساتھی

فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾

تو برا ہے ساتھی (۳۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو لوگ بخل کرتے ہیں، اور لوگوں کو بخل سکھاتے ہیں، اور جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اسے چھپاتے ہیں، اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (۳۷) اور جو لوگ اپنے مال لوگوں کو دکھانے کیلئے خرچ کرتے ہیں، اور نہ ایمان لاتے ہیں اللہ پر نہ قیامت کے دن پر، جس کا ساتھی شیطان ہوا بہت برا ساتھی ہے۔ (۳۸)

تفسیر

حضرت ابن عباس ؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مدینہ کی یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی، یہ لوگ بہت زیادہ مغرور تھے، انتہا درجہ کے کنجوس تھے، مال خرچ کرنے میں بھی کنجوسی کرتے تھے، اور اس علم کو بھی چھپاتے تھے جو انہیں اپنی الہامی کتابوں سے حاصل ہوا تھا، ان کتابوں میں پیغمبر ﷺ کو پیغمبر بنا کر بھیجے جانے کی خوشخبری تھی اور آپ ﷺ کی نشانیوں کا بھی ذکر تھا، لیکن یہودیوں نے ان سب کا یقین کر لینے کے بعد بھی بخل سے کام لیا، نہ خود اس علم کے تقاضے پر عمل کیا نہ دوسروں کو بتایا کہ وہ عمل کرتے، تکبر کرنے والوں کی خصوصیتیں یہ بھی ہیں کہ وہ اپنا مال صرف دکھانے کی خاطر خرچ کرتے ہیں، یعنی: اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے میں خود بھی کنجوسی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی کنجوسی کی ترغیب دیتے ہیں، ان لوگوں کا نہ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے نہ قیامت کے دن پر ایمان ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہے کہ ان لوگوں کیلئے ہم نے ذلت بھرا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

"ترمذی شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ بخیل شخص اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے، لوگوں سے دور ہوتا ہے اور جنت سے بھی دور ہوتا ہے بلکہ دوزخ سے قریب ہوتا ہے، اسی طرح سخی شخص کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے قریب، لوگوں سے قریب اور جنت سے بھی قریب ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ: جاہل سخی بنسبت عالم کنجوس کے اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے۔

وَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ: مفسرین کرام فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے مراد مال و دولت بھی ہے اور علم بھی، انسان خود محنت کرتا ہے، تجارت یا ملازمت کرتا ہے یا کھیتی باڑی کے ذریعے کماتا ہے، بعض اوقات اسے کچھ مال وراثت اور وصیت کے ذریعہ بھی مل جاتا ہے اور یہ سب کچھ اس کے فضل سے ہے، اسکے علاوہ جسے اللہ تعالیٰ نے علم کی دولت عطا کی ہے، وہ بھی اسکا بڑا فضل ہے، بخل مال میں بھی برا ہے اور علم میں بھی، یہودیوں میں دونوں طرح کا بخل موجود تھا، مال کو خرچ کرنے سے ہچکچاتے تھے، اور اہل کتاب ہونے کی حیثیت سے انہیں جو علم تھا اسے بھی چھپا جاتے تھے اور لوگوں پر سچی بات ظاہر نہیں کرتے تھے۔

وَ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا: ہم نے کفر کرنے والوں کیلئے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے، وجہ ظاہر ہے کہ نہ خود اچھے کام کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں، اس دنیا میں تو کسی نہ کسی طرح بچ جائیں مگر آخرت میں ذلت ناک عذاب میں گرفتار ہونگے۔

وَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ: وہ نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر، اگر صحیح معنوں میں ایماندار ہوتے تو بخل نہیں کرتے اور نہ ہی دکھاوا کرتے، دراصل ان کی بنیاد ہی غلط ہے۔

وَ مَنْ یَّکُنِ الشَّیْطٰنُ لَهٗ قَرِیْنًا: یہ شیطان ہی ہے جو انسانوں کے دل میں وسوسہ ڈال کر برائی پر آمادہ کرتا ہے، اسکا جہاں تک بس چلے گا وہ انسانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرے گا۔

دکھاوا کرنے والے کنجوس، غور کریں!

وَ مَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَنْفَقُوْا
اور کیا ہوتا پر ان اگر ایمان لاتے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اور دن آخرت کے اور خرچ کرتے

مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ
اسمیں سے جو دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اور ہیں اللہ تعالیٰ ساتھ انکے باخبر (۳۹) بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ظلم کرتے

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ
برابر ایک ذرہ کے اور اگر ہو کوئی نیکی کئی گنا کرتا ہے اسے اور دیتا ہے سے پاس اپنے

اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾
ثواب بڑا (۴۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور انکا کیا نقصان تھا اگر ایمان لاتے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور اللہ کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے اور اللہ کو ان کی خوب خبر ہے۔ (۳۹) بیشک اللہ تعالیٰ کسی کا ذرہ برابر حق نہیں رکھتے اور اگر ہو نیکی تو اسے کئی گنا کر دیتے ہیں اور اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتے ہیں۔ (۴۰)

تفسیر

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: وہ اگر کفر کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لے آتے اور کنجوسی اور دکھاوے سے بچ کر اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے تو اس میں ان کا کچھ نقصان نہ تھا بلکہ سراسر فائدہ ہی فائدہ تھا نقصان تو اس طریقے میں ہے جسے وہ اب اختیار کئے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کیا کچھ کر رہے ہیں اور کس نیت سے کر رہے ہیں، اس کے مطابق ہی انہیں بدلہ ملے گا، دینے والے تو

صرف اللہ تعالیٰ ہی ہیں، کنجوس کو سوچنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کس چیز کی کمی ہے حدیث میں آتا ہے کہ اگر ساری دنیا بھی مل کر اس سے مانگے پھر بھی اس کے خزانوں میں اتنی بھی کمی نہیں ہوتی جتنا سمندر میں سوئی ڈبونے سے اس کے ناکے پر پانی کا قطرہ لگ جانے سے سمندر کے پانی میں کمی ہوسکتی ہے۔

وَ مَا ذَا عَلَيۡهِمۡ لَوۡ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ اَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ: یہ بھی ایک طرز بیان ہے کہ جب بات عام طرز گفتگو سے دوسرے کے سمجھ نہ آئے تو بعض اوقات افسوس کے طور پر کہا جاتا ہے کہ ان کو کیا ہوگیا ہے، بات کو کیوں نہیں سمجھتے، اگر مان جاتے تو ان کا کیا نقصان ہوتا، یہاں بھی اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ان لوگوں کا کیا بگڑتا تھا اگر یہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان لے آتے اور اللہ تعالیٰ ہی کے دیئے ہوئے مال میں سے اپنے ہی بھائی بندوں پر خرچ کرتے، ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل بھی ہوجاتی، اسکے ایک ہونے پر اور قیامت کے دن پر ایمان پختہ ہوتا اور ان کے درجات بھی بلند ہوتے۔

وَ كَانَ اللّٰهُ بِهِمۡ عَلِيۡمًا: اللہ تعالیٰ ان کی نیتوں اور ان کے ارادوں اور اخلاق سے باخبر ہیں، کہ وہ جو کچھ خرچ کررہے ہیں کس نیت کے ساتھ کرتے ہیں، کیا انکا مقصود واقعی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے یا محض شہرت حاصل کرنا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ: بیشک اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتے، ظلم یا زیادتی اس لحاظ سے کہ انسان نے کوئی جرم نہ کیا ہو اللہ تعالیٰ اس کو سزا دے دے یا کسی کا جرم کسی دوسرے کے سر ڈال دے یا کسی کی نیکی کو بھی ضائع کردے، یہ نہیں ہوسکتا، یہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف ہے، وہ مالک الملک ہے، وہ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا اور نہ کسی کے پرخلوص عمل کے ثواب میں کمی کریگا، البتہ اگر کسی کی کوئی نیکی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اسے کئی گنا کردے گا، "سورۂ انعام" میں ہے کہ جو کوئی ادنیٰ نیکی بھی کریگا اسکا کم از کم اجر دس گنا ملے گا اور زیادہ سے زیادہ جتنا اللہ تعالیٰ چاہے سات سو گنا، سات لاکھ گنا، سات کروڑ گنا، یا سات ارب گنا اس کے ہاں کوئی کمی نہیں نیکی کا بدلہ جتنا چاہے عطا کردے، البتہ جہاں تک جرم اور برائی کا تعلق ہے، ایک قصور کا بدلہ اسی قصور

کے برابر ہوگا اور کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی، یہ اللہ تعالیٰ کی کس قدر مہربانی ہے کہ نیکی کا بدلہ تو ہزاروں لاکھوں گنا عطاء کرتا ہے مگر برائی کی سزا اس برائی سے زیادہ نہیں دیتا۔

وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا: اللہ تعالیٰ کا یہ اجر کتنا بڑا ہوگا اسکا تصور انسان اس دنیا میں نہیں کر سکتا جب نتیجے سامنے آئیں گے اجر تقسیم ہوگا تو پھر پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کتنی وسیع ہے، وہاں پر رائی کا دانہ پہاڑ بن چکا ہوگا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کھجور کا دانہ احد پہاڑ جتنا ہو جائیگا مگر شرط یہ ہے کہ جو بھی نیکی کی جائے اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال میں سے خرچ کیا جائے وہ ایمان اور خلوص نیت کے ساتھ ہونا چاہئے۔

قیامت کے دن کافروں کی حسرت

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ

پھر کیسے ہوگا جب لائینگے ہم سے ہر امت ساتھ گواہ کے اور لائینگے ہم آپ کو پر ان کے

شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ

گواہ (۴۱) اس دن آرزو کرینگے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور نافرمانی کی پیغمبر کی کاش!

تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَ لَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾

برابر کی جاتی پر ان زمین اور نہ چھپا سکیں گے اللہ تعالیٰ سے کوئی بات (۴۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر کیسے ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائینگے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے۔ (۴۱) اس دن کافر اور پیغمبر کے نافرمان لوگ آرزو کریں گے کہ کاش! ہم پر زمین برابر کر دی جاتی اور اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے۔ (۴۲)

ع ۶ ربع ۳ (رفقا النبی ﷺ ۱۲)

تفسیر

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ: نیکی کی ترغیب کے بعد اللہ تعالیٰ نے انکار کرنے والوں

کا ذکر فرمایا ہے کہ جب مجرمین اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہوں گے اور ان کو انکے جرم سنائے جائیں گے تو اس کے ثبوت کیلئے گواہوں کی ضرورت ہوگی، چنانچہ مشہور تفسیر کے مطابق ہر امت کی گواہی اس امت کا پیغمبر دے گا، اللہ تعالیٰ مجرموں سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس میرا پیغام نہیں آیا تھا، وہ انکار کریں گے تو اس امت کا پیغمبر بطور گواہ پیش ہو کر عرض کرے گا، یا اللہ! میں نے آپ کے سارے حکم ان تک پہنچا دیئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیغمبر! آپ کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لایا جائے گا جن کا واسطہ آپ سے پڑ رہا ہے، گویا جس طرح باقی پیغمبر اپنی اپنی امتوں پر گواہ ہوں گے، اسی طرح آپ بھی اپنی امت پر گواہ ہوں گے، اسکی تفسیر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کے خطبے میں موجود ہے، آپ نے تمام لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: میرے بارے میں تم سے قیامت میں سوال ہوگا تو تم کیا جواب دو گے سب نے جواب دیا ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے امانت کا حق ادا کر دیا، اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا اور امت کو نصیحت فرما دی، لہٰذا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی امت کے بارے میں گواہی دیں گے کہ میں نے پیغمبری کا حق ادا کر دیا اور اے اللہ! آپ کے حکموں کو پورا پورا اپنی امت تک پہنچا دیا۔

اور دوسری گواہی اس وقت پیش کی جائے گی جب سب امتیں انکار کر دیں گی کہ ان تک اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم نہیں پہنچا تو پھر اسی آخری امت کے لوگ پچھلے پیغمبروں کے حق میں گواہی دینگے کہ ان پیغمبروں نے اللہ کا پیغام اپنی امتوں تک پہنچا دیا، پچھلی امتیں اعتراض کریں گی کہ اے اللہ! یہ لوگ تو اس وقت موجود ہی نہیں تھے، انکی گواہی ہمارے خلاف کیسے قبول ہو سکتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لوگ کہیں گے کہ اے اللہ! ہمیں آپ کے آخری پیغمبر اور آخری کتاب کے ذریعے علم ہوا کہ تمام پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کے حکموں کو اپنی امتوں تک پہنچا دیا، لہٰذا ہماری یہ گواہی مشاہدے کی بناء پر نہیں بلکہ علم کی بنیاد پر ہے، اور پھر اس امت کے حق میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی ہوگی، ان دونوں گواہیوں کا ذکر "سورۃ البقرۃ" میں موجود ہے کہ تم لوگوں پر گواہ بنو گے اور پیغمبر تمہاری صفائی کی گواہی پیش کریں گے۔

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ: یہاں پر کفر سے

یہ مراد ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے، اسکے پیغمبروں، فرشتوں، کتابوں، تقدیر اور قیامت کے دن کا انکار کردے، اس آیت میں قیامت کا نقشہ پیش کر کے اللہ تعالیٰ اور اسکے پیغمبر کا انکار کرنے والوں کی بے بسی کا حال بیان کیا جارہا ہے کہ کافر آرزو کریں گے کہ وہ ختم ہوکر مٹی میں مل جائیں تاکہ آخرت کے ہمیشہ کے عذاب سے چھٹکارا حاصل ہوجائے، "سورۃ نباء" میں آیا ہے کہ جب کوئی کافر اپنا اعمال نامہ دیکھے گا تو کہے گا کاش! میں مٹی ہوتا۔

"ترمذی شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھو! کسی کے ساتھ ظلم اور زیادتی نہیں کیا کرو، قیامت کے دن ہر حقدار کو اسکا حق ضرور دلایا جائے گا، یہانتک کہ اس دنیا میں اگر کسی سینگ والی بکری نے بے سینگ والی بکری کے ساتھ زیادتی کی ہوگی تو اسکو بھی بدلہ دلایا جائے گا، یہ جانور وغیرہ شرعی حکموں کے پابند تو نہیں ہیں اور نہ ہی ان پر ہمیشہ کی سزا ہے، البتہ ایک دوسرے سے بدلہ دلانے کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ مٹی ہوجاؤ تو یہ سب مٹی ہوکر ختم ہوجائیں گے، اس وقت کافر بھی تمنا کریں گے کہ کاش! وہ مٹی ہوکر ہمیشہ کے عذاب سے بچ جائیں مگر انکی یہ حسرت پوری نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ نے عقل دی انکی رہنمائی کیلئے پیغمبر بھیجے اور کتابیں نازل کیں، اب ان کا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا اور وہ عذاب کے مستحق ٹھہریں گے۔

وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا: اور وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہیں چھپاسکیں گے مگر قیامت کے دن تمام اندرونی راز ظاہر کردیئے جائیں گے، "سورۃ الحاقہ" میں ہے کہ "اس دن تم حاضر کئے جاؤگے اور تم میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے چھپ نہیں سکے گا" ایک دوسری جگہ ہے کہ ایک موقع پر مشرکین اپنے شرک کا انکار کردیں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب! تیری قسم ہم مشرک نہیں تھے اللہ تعالیٰ انکے منہ پر مہر لگادیں گے اور انکے ہاتھ اور پاؤں گواہی دیں گے کہ اے اللہ! اس نے فلاں فلاں جرم کیا تھا، غرضیکہ اس دن کوئی چیز چھپا نہیں سکیں گے اور اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔

نشہ اور نماز

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنۡتُمۡ سُكٰرٰى

اے وہ لوگوں جو ایمان لائے نہ نزدیک جاؤ نماز کے اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو

حَتّٰى تَعۡلَمُوۡا مَا تَقُوۡلُوۡنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىۡ سَبِيۡلٍ

یہاں تک کہ سمجھو تم جو تم کہتے ہو اور نہ قریب جاؤ تم ناپاکی کی حالت میں مگر چلتے ہوئے راستے کے طور پر

حَتّٰى تَغۡتَسِلُوۡا ؕ

یہاں تک کہ تم غسل کرلو

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے ایمان والو! نماز کے نزدیک نہ جاؤ جس وقت تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو تم کہتے ہو اور ناپاکی کی حالت میں مگر راہ چلتے ہوئے یہاں تک کہ تم غسل کرلو۔

تفسیر

نماز کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے سے پہلے دو باتوں کا خیال کرلو، ایک یہ کہ تم نشہ کی حالت میں نہ ہو، یعنی: جب تک اپنے منہ سے نکلے ہوئے جملوں کو اچھی طرح سمجھ نہ سکو نماز ادا نہیں کر سکتے ہو، دوسرے یہ کہ تمہیں نہانے کی حاجت ہو تو جب تک کہ تم غسل کر کے بدن کو پاک صاف نہ کرلو نماز ادا نہ کرو۔

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں "ترمذی شریف" اور "مستدرک حاکم" میں روایت موجود ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے بعض دوسرے صحابہ کو کھانے کی دعوت دی، ان میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے کھانا کھانے کے بعد شراب بھی پی گئی، جس سے بعض کو نشہ چڑھ گیا اور ادھر نماز کا وقت بھی ہوگیا، حضرت علیؓ کو امامت کے لئے کھڑا کیا گیا، انہوں نے نشہ کی حالت میں قرآن پاک پڑھنے میں غلطی کی

اس پر یہ آیت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی کہ اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ اس حالت میں کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو تم منہ سے کہتے ہو، گویا شراب کی خرابی کے بارے میں یہ دوسرا حکم تھا جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور اسکے بعد "سورۂ مائدہ" میں وہ حکم آیا جس کے ذریعے شراب ہمیشہ کیلئے حرام قرار دیدی گئی۔

وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ: اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص مسافر ہے غسل کی ضرورت پڑ گئی ہے مگر پانی میسر نہیں یا اس کے استعمال پر قدرت نہیں تو اس کیلئے اجازت ہے کہ تیمم کر کے اس وقت تک بغیر غسل کیے نماز پڑھ لے جب تک اسے غسل کے لئے پانی میسر نہیں آتا، اس آیت کا دوسرا مطلب ہے کہ ناپاکی کی حالت میں مسجد میں داخل ہونا بھی جائز نہیں، البتہ اگر وہاں سے بطور راستہ گزرنا ہو تو مسجد سے گزر سکتا ہے، اسی طرح اگر مسجد میں احتلام ہو گیا ہے تو مسجد سے گزر کر باہر چلے جانا جائز ہے۔

بہر حال دو حالتوں میں نماز کے نہ قریب نہ جاؤ، پہلا یہ کہ تم نشہ کی حالت میں ہو اور دوسرا یہ کہ اگر غسل فرض ہو، یعنی: ہمبستری کی ہو یا احتلام ہو گیا ہو تو اس وقت تک نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک غسل نہ کر لو۔

احکام و مسائل

مسئلہ (۱):.... جس طرح نشہ کی حالت میں نماز حرام ہے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ: جب نیند کا غلبہ ہو کہ آدمی اپنی زبان پر قابو نہ رکھے تو اس حالت میں بھی نماز پڑھنا درست نہیں، جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اگر تم میں سے کسی کو نماز میں اونگھ آنے لگے تو اسے کچھ دیر کیلئے سو جانا چاہئے تاکہ نیند کا اثر چلا جائے ورنہ نیند کی حالت میں وہ سمجھ نہیں سکے گا اور بجائے دعا اور استغفار کے اپنے آپ کو گالی دینے لگ جائے گا۔

تیمّم

وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ

اور اگر ہو تم مریض یا پر سفر یا آئے کوئی میں سے تم سے

الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا

بیت الخلاء یا پاس گئے تم عورتوں کے پھر نہ پاؤ تم پانی تو تیمم کرو مٹی سے

طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

پاک پھر ملو ساتھ چہروں اپنے کے اور ہاتھوں اپنے کے بیشک اللہ تعالیٰ ہیں معاف کرنیوالے بخشنے والے (۴۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں یا تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے آیا ہو یا عورتوں کے پاس گئے ہو پھر تمہیں پانی نہیں ملا تو پاک مٹی کا ارادہ کرو پھر اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرو بیشک اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔ (۴۳)

تفسیر

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى: تم میں سے کوئی شخص ایسی بیماری میں مبتلا ہے جسمیں پانی کا استعمال بیماری میں اضافہ کا باعث بن سکتا ہے، یا ہلاکت کا خطرہ ہے تو پانی کا استعمال نہ کرے بلکہ تیمم کر کے نماز ادا کرے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بعض اوقات سفر میں پانی میسر نہیں آتا ہے ذخیرہ ختم ہو جاتا ہے اور میلوں دور تک پانی میسر نہیں ہوتا، ریگستان ہے یا کوئی پہاڑی علاقہ ہے ہر جگہ پانی موجود نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے تیمم کی اجازت فرمادی ہے۔

تیمم کیلئے تیسری وجہ یہ ہے کہ کوئی بیت الخلاء سے آیا ہو اور اسکے بعد اسے پانی میسر نہ ہو تو تیمم کر کے نماز ادا کر سکتا ہے۔

تیمم کے جائز ہونے کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ عورتوں سے ہمبستری کی ہو اور اسکے بعد اگر پانی میسر نہ ہو تو تیمم کر کے نماز ادا کی جاسکتی ہے۔

پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ :ایک تو تیمم اس امت کی خصوصیتوں میں ایک خصوصیت ہے اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ میرے لئے زمین کو مسجد قرار دے دیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہیکہ گندی اور ناپاک جگہ چھوڑ

کہ ہر پاک جگہ نماز ادا کی جاسکتی ہے، مسجد کی پابندی نہیں۔

فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ : تیمم کی صورت یہ ہے کہ پاک زمین پر دونوں ہاتھ مارے اور سارے منہ پر اچھی طرح مل لے پھر دونوں ہاتھ زمین پر مار کر کہنیوں تک مل لے، مٹی معذوری کے وقت پانی کے قائم مقام اسلئے کی گئی ہے کہ یہ پاک ہے اور پانی سے زیادہ آسانی کے ساتھ میسر آسکتی ہے۔

وضو کی ضرورت ہو یا غسل کی جسطرح وضو کیلئے تیمم ہوتا ہے اسی طرح غسل کیلئے بھی ہوگا، غسل کیلئے تیمم کا کوئی الگ طریقہ نہیں ہے، حضرت عمارؓ کو تیمم کا طریقہ نہیں آتا تھا انہیں غسل کی ضرورت پڑی تو کپڑے اتار کر مٹی میں لوٹ پوٹ ہو گئے پھر جب پیغمبر ﷺ کی خدمت میں اس عمل کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا: غسل کی طرح سارے جسم پر مٹی ملنا ضروری نہیں تھا بلکہ صرف چہرے اور ہاتھوں پر مل لینا کافی ہوتا ہے، پیغمبر ﷺ نے فرمایا: مٹی طہارت کا ذریعہ ہے اگر دس سال تک بھی پانی میسر نہ آئے تو مٹی سے طہارت حاصل ہوتی رہے گی۔

بعض ذہنوں میں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ پانی کے ذریعہ تو پاکی حاصل ہوجاتی ہے کیونکہ میل کچیل اور گندگی کو بہالے جاتا ہے مگر مٹی کے ذریعے کیونکر پاکیزگی حاصل ہوتی ہے؟ اس شبہ کو دور کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنی دو صفات کا ذکر فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے، یعنی: اگر تمہیں طہارت میں کوئی خامی محسوس ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے، طہارت بہر حال ہوجائے گی، اور اگر کوئی کوتاہی رہ گئی ہے تو اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں، لہٰذا اس معاملہ کی فکر نہ کرو، بعض حالات میں انسان مجبور ہوجاتا ہے غسل کی ضرورت ہے مگر پانی نہیں ملتا، ادھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش بھی ہونا ہے، مسجد میں جانا ہے، قرآن پاک کی تلاوت کرنی ہے، کوئی اور ایسا کام کرنا ہے جس کے لئے طہارت ضروری ہے تو فرمایا: بغیر کسی وہم کے تیمم کرلو اور اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہوجاؤ، اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے بخشنے والے ہیں۔

یہودیوں کا برا ارادہ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ

کیا نہیں دیکھا طرف ان لوگوں کی جنکو دیا گیا حصہ سے کتاب کا وہ خریدتے ہیں گمراہی

وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ

اور وہ چاہتے ہیں کہ تم بہک جاؤ سے راستے (۴۴) اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں دشمنوں تمہارے کو

وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۫ وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

اور کافی اللہ بطور دوست کے اور کافی ہے اللہ بطور مددگار کے (۴۵)

بامحاورہ ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ عطا کیا گیا ہے وہ گمراہی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راستے سے بہک جاؤ۔ (۴۴) اور اللہ تمہارے دشمنوں کو جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کافی ہیں بطور دوست اور مددگار کے۔ (۴۵)

تفسیر

ان آیتوں میں یہودیوں کی بعض برائیوں اور مکروفریب کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے کلام کا کچھ حصہ بخشا لیکن انہیں عمل نصیب نہیں ہوا حالانکہ اصل مقصود یہی تھا، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے بدلے گمراہی خریدتے ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور اوصاف چھپاتے ہیں، انکی کتابوں میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی جو خوشخبریاں ذکر کی گئی ہیں انہیں چھپاتے ہیں تاکہ انکی اپنی سرداری اور عزت ختم نہ ہو جائے، وہ اسلام سے جان بوجھ کر انکار کرتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی اپنے دین سے گمراہ ہو جائیں۔

یہ بنی اسرائیل ایک ایسی قوم ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے بہت سارے پیغمبر آئے جو ہر طرح سے دعوت اور تبلیغ کے ذریعے انہیں سیدھا راستہ دکھانے کی کوشش کرتے رہے لیکن یہ لوگ آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کے بجائے دنیاوی فائدے حاصل کرنے میں لگے رہے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ردوبدل کرتے رہے، جو حکم انکے فائدے کے موافق ہوتا اس کو مان لیتے اور جس حکم سے انکے عارضی فائدوں میں کمی آتی یہ انہیں نہیں مانتے تھے، انکی کتاب میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خوشخبری دی گئی تھی لیکن انہوں نے صرف اس غرض سے چھپایا کہ انکی

سرداری کا خاتمہ نہ ہوجائے، اور عوام میں ان کا مرتبہ ختم نہ ہوجائے، غرض دین بیچ کر دنیا خریدتے رہے، اب اس کوشش میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں کو بھی دین اسلام سے پھر دیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے مسلمانو! میں تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہوں، تم اطمینان رکھو، وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، تم ان سے پرہیز کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں نفع پہچانے اور نقصان سے بچانے کیلئے کافی ہے تم دشمنوں کی طرف سے اس قسم کا اندیشہ مت کرو اور دین اسلام پر قائم رہو۔

یہودیوں کی چالاکیاں

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ

میں سے ان لوگوں جو یہودی ہوئے بدلتے ہیں بات کو سے ٹھکانہ اسکے اور وہ کہتے ہیں

سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا وَ اسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَيًّا

سنا ہم نے اور نہیں مانا ہم نے اور کہتے تھے سن اے بہرے! اور کہتے تھے راعنا (اے ہمارے چرواہے) موڑ کر

بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ

زبان اپنی اور عیب لگاتے میں دین

بامحاورہ ترجمہ:۔ بعض یہودی لوگ بات کو اسکے ٹھکانے سے بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نہیں مانتے اور تو سن اے بہرے! اور راعنا (اے ہمارے چرواہے!) کہتے ہیں اپنی زبان موڑ کر اور دین میں عیب لگاتے ہیں۔

تفسیر

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہودیوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب

"تورات" میں تبدیلیاں کرتے ہیں، اسکے لفظ بدل دیتے ہیں اور معنی اور مفہوم میں بھی ردوبدل کرتے ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب انہیں اللہ تعالیٰ کا حکم سناتے ہیں تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا، یعنی کہ: ہم نے اسے قبول کرلیا لیکن دل میں کہتے ہیں کہ ہم نے یہ حکم نہیں مانا، یعنی: ہم نے آپ کا حکم فقط کان سے سنا دل سے تسلیم نہیں کیا زبانی اقرار محض دھوکہ دینے کیلئے کیا۔

یہودیوں کی ایک شرارت یہ بھی تھی کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کرتے تو ایسے الفاظ بولتے جن کے دو معانی ہوں، ایک معنی کے اعتبار سے دعا یا تعظیم ہو لیکن دوسرے معنی کی اعتبار سے بددعا ہو یا حقارت ہوتی ہو، چنانچہ وہ ایسے الفاظ بھی بولتے تھے جو بظاہر دعائے خیر ہوتے، مثلاً: تو ہمیشہ غالب رہے اور معزز رہے تجھے کوئی شخص بری اور خلاف بات نہ سنائے لیکن ان جملوں کا برا مطلب انکے دل میں یہ ہوتا کہ تو بہرا ہو جائے اور کسی کی بات نہ سن سکے۔ (العیاذ باللہ)

یہودی جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آتے تو کہتے "رَاعِنَا" اسکے دو معنی ہوتے ہیں، ایک اچھے دوسرے برے، اچھے معنی تو یہ ہیں کہ ہماری رعایت کرو اور ہم پر شفقت کی نظر کرو تاکہ ہم آپ کا مطلب سمجھ لیں اور جو آپ سے پوچھنا ہو آپ سے پوچھ سکیں، اور برے معنی یوں نکلتے کہ وہ زبان کو دبا کر "رَاعِيْنَا" کہتے جس کے معنی ہیں تو ہمارا چرواہا ہے۔

یہودی لوگ ان کلمات کو اپنی باتوں میں ملا کر ایسے انداز سے کہتے کہ سننے والے انکے اچھے ہی معنیٰ معلوم ہوتے، برے معنوں کی طرف کسی کا دھیان نہ جاتا، لیکن یہودی دل میں برے معنیٰ لیتے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر "نعوذ باللہ" یہ عیب لگاتے کہ اگر یہ شخص پیغمبر ہوتا تو ہمارا مکر و فریب ضرور معلوم کر لیتا، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فریب کا پردہ چاک کر دیا۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ کسی زمانے میں بھی ان کے ساتھ دوستی نہ کریں، کیونکہ جو لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے نہ بنے تو وہ ہمارے بھی نہیں بنیں گے۔

بہتر طریقہ

وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ
اور اگر بیشک وہ کہتے سنا ہم نے اور مانا ہم نے اور سن اور رعایت کریں ہماری تو ہوتا

خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ ۙ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا
بہتر لئے ان کے اور درست اور لیکن لعنت کی ان پر اللہ تعالیٰ نے بوجہ کفر انکے سو نہیں

يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾
وہ ایمان لاتے مگر تھوڑے (۴۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور مانا اور (کہتے کہ) سن اور ہماری رعایت کر تو انکے حق میں بہتر اور درست ہوتا لیکن ان پر اللہ نے انکے کفر کے سبب لعنت کی سو وہ ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے۔(۴۶)

تفسیر

اس آیت میں انہیں ہدایت کی جا رہی ہے کہ انکا رویہ حد درجہ غیر مناسب ہے، اگر وہ ایسا نہ کرتے تو انکے حق میں بہتر ہوتا، دو معنی والے اور برے لفظوں کی جگہ واضح مناسب اور درست الفاظ استعمال کرتے مثلاً:

"عَصَيْنَا" کی جگہ "اَطَعْنَ" کہتے، یعنی: ہم نے فرمانبرداری کی۔

"اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ" کی جگہ "اِسْمَعْ" کہتے، یعنی: تو سن۔

"رَاعِنَا" کی جگہ "اُنْظُرْنَا" کہتے، یعنی: ہماری رعایت کیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں انکے کفر کی وجہ سے اپنی رحمت سے دور کر دیا وہ اچھی اور فائدے کی باتیں نہیں سمجھتے اور انمیں سوائے چند آدمیوں کے باقی ایمان نہیں لائے ان ایماندار یہودیوں میں عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام وغیرہ شامل ہیں جو یہودیوں کی خباثتوں اور شرارتوں سے بچتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی لعنت سے محفوظ رہے۔

اس آیت سے تین باتیں بالکل ظاہر ہو جاتی ہیں

(۱)....پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خوشخبریاں اور پیشن گوئیاں جو یہودیوں کی کتاب میں تھی اسکو جاننے کے باوجود جان بوجھ کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے تھے۔

(۲)....وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مجلس میں ایسے الفاظ کہتے تھے جن کے ظاہری معنی اچھے ہوتے تھے لیکن خود دل میں انکے برے معنی لیتے تھے گویا وہ منافقت کی چال چلتے تھے۔

(۳)....وہ اللہ تعالیٰ کو ایک نہ ماننے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ماننے کے ساتھ ساتھ آسمانی کتابوں میں ردوبدل کرتے تھے، پیغمبروں کو قتل کرتے تھے۔

اس کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی لعنت ان پر پڑی اور وہ رحمت سے دور کر دیے گئے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی ذلت اور رسوائی میں غرق کر دیے گئے۔

یہودیوں کو ایمان کی دعوت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا

اے وہ لوگوں جنکو دی گئی کتاب ایمان لاؤ پر اس جو اتاری ہم نے تصدیق کرنے والی ہے اسکی جو

مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ

پاس تمہارے ہے سے پہلے کہ ہم مٹا دینگے چہرے پھر ہم الٹ دینگے انہیں طرف پیٹھوں انکی کی یا

نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾

ہم لعنت کریں انہیں جیسے لعنت کی ہم نے والوں پر ہفتہ کے دن اور ہوتا ہے حکم اللہ تعالیٰ کا ہو کر ہی (۴۷)

با محاورہ ترجمہ: اے اہل کتاب اس پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا اسکی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے اس سے پہلے کہ ہم بہت سے چہروں کو مٹا ڈالیں پھر انکی پیٹھ کی طرف الٹ دیں یا ان پر لعنت کریں جیسے

ہم نے ہفتہ کے دن والوں پر لعنت کی، اور اللہ کا حکم ہو کر ہی رہتا ہے۔ (۴۷)

تفسیر

اس آیت میں اہل کتاب کو دعوت دی جارہی ہے کہ قرآن مجید کی تصدیق کرو، یہ کتاب تمہاری کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کے بنیادی اصول اسکے ساتھ متحد ہیں، تمہیں چاہئے کہ اسلام قبول کر کے اللہ تعالیٰ کی سزا سے بچ جاؤ جو پچھلی امتوں کو حق کے انکار کی وجہ سے ملی۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے فرمایا کہ قرآن مجید پر ایمان لاؤ اس سے پہلے کہ ہم تمہارے چہرے بگاڑ دیں، تمہاری صورتیں بدل دیں اور تمہارے چہروں کو پھیر دیں یا تمہاری شکلیں بدل کر جانوروں جیسی بنادیں، جیسے: ہفتہ کے دن والوں کی صورتیں بگاڑ کر انہیں بندر بنادیا گیا تھا، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ انکے نوجوان بندروں کی شکل میں تبدیل ہو گئے اور بوڑھے خنزیر بن گئے تھے۔

اَصْحٰبَ السَّبْتِ: "اصحاب السبت" کا قصہ "سورۃ اعراف" میں موجود ہے جو مختصر طور پر یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو اجازت دی گئی تھی کہ وہ ہفتہ کے دن کے علاوہ باقی دنوں میں مچھلی کا شکار کریں، اللہ تعالیٰ کو انکی آزمائش منظور تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ایسی ہوئی کہ مچھلی اور دن دریا میں کم آتی لیکن ہفتہ کے روز زیادہ آتی، یہودی یہ دیکھ کر دل میں کڑھتے کہ مچھلی تو بہت زیادہ ہیں لیکن پکڑنے کی اجازت نہیں، وہ صبر نہیں کر سکے اور انہوں نے جلد بازی کی اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی نافرمانی کی، انہوں نے دریا کے کنارے گڑھے کھود دیے اور ان گڑھوں کو دریا سے ملا دیا، ہفتہ کے دن مچھلی دریا سے ان گڑھوں میں پانی کے ساتھ آجاتی اور یہاں جمع ہوجاتی، اگلے دن وہ وہاں سے مچھلی پکڑ لیتے، انکی اس شرارت اور چالبازی کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت نازل ہوئی اور انکی صورتیں بگاڑ کر انہیں بندر بنادیا گیا۔

اس آیت میں بھی یہودیوں کو اللہ تعالیٰ کی اس لعنت سے ڈرایا گیا ہے اور انہیں خبردار کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم پورا ہو کر ہی رہتا ہے، نافرمانی نہ کرو تاکہ عذاب کے مستحق نہ بنو۔

مشرک کی بخشش نہیں

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ
بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتے کہ جو شریک کرتا ہے ساتھ اس کے اور بخشتے ہیں جو سوائے اسکے جسے

يَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾
چاہے اور جو شریک ٹھہرائے گا ساتھ اللہ تعالیٰ کے پس تحقیق اس نے باندھا بہتان بڑا (۴۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بیشک اللہ تعالیٰ اس کو نہیں بخشتے جو اسکے ساتھ کسی کو شریک کرے اس (شرک) کے سوا جس کے چاہے گناہ بخش دیں اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کس کو شریک ٹھہرایا اس نے (اللہ پر) بڑا بہتان باندھا۔ (۴۸)

تفسیر

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ : شرک ایسی بری بیماری ہے کہ اگر مرنے سے پہلے ہوش وحواس کی حالت میں توبہ نہیں کی تو ایسا شخص ہمیشہ کیلئے عذاب میں رہے گا، البتہ شرک کے سوا دوسرے گناہوں کو اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو اپنی رحمت سے سزا دیئے بغیر معاف فرمادیں اور اگر وہ چاہیں تو سزا دینے کے بعد معاف کریں مگر شرک جیسے بڑے گناہ کی معافی کی کوئی صورت نہیں سوائے اسکے کہ انسان موت سے پہلے پہلے سچے دل سے توبہ کر لے۔

ہمارے ماحول میں شرک کی کچھ جھلکیاں

کسی کو رکوع یا سجدہ کرنا، کسی کے نام کا جانور چھوڑنا، چڑھاوا چڑھانا، کسی کے نام کی منّت ماننا، کسی کی قبر یا مکان کا طواف کرنا، اللہ تعالیٰ اور اسکے پیغمبر کے حکم کے مقابلہ میں کسی کی بات یا رسم کو ترجیح دینا، کسی کے نام پر

جانور ذبح کرنا، دنیا کے کاروبار کو ستاروں کی تاثیر سے سمجھنا، کسی مہینہ کو منحوس سمجھنا، کسی بزرگ یا پیر کے ساتھ یہ اعتقاد رکھنا کہ ہمارے سب حال کی اسکو ہر وقت خبر ہے، نجومی پنڈت سے غیب کی خبریں معلوم کرنا، کسی بزرگ کے کلام میں فال دیکھ کر اس کو یقینی سمجھنا، کسی کو اس کی غیر موجودگی میں پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اسکو خبر ہے، کسی کے نام کا روزہ رکھنا، کسی کو نفع یا نقصان کا مختار سمجھنا، کسی سے مرادیں مانگنا، کسی اور سے روزی اور اولاد مانگنا، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی نذر ماننا، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانا، کبھی مشرکوں کی خصوصی علامات اختیار کرنے میں بھی شرک ہوتا ہے، مثلاً: زنار، یعنی: جنیو باندھنا، گلے میں صلیب لٹکانا، ”ایک شخص صلیب لٹکا کر پیغمبر ﷺ کے سامنے آیا تو آپ نے فرمایا کہ اس بت کو اتار پھینکو یہ شرک کی نشانی ہے“ بعض نام بھی شرکیہ ہوتے ہیں، جیسے: عبد المسیح، عبد المصطفیٰ، عبد الرسول، عبد الحسین، عبد (بندگی) کی نسبت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہونی چاہئے، بعض اوقات جانور ذبح کرنے میں بھی شرک ہوتا ہے، مثلاً: کوئی مکان یا دیگر عمارت کی تعمیر شروع کرتے وقت اسکی بنیاد میں جانور ذبح کر کے اسکا خون ڈالتے ہیں اور عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر ایسا نہیں کیا تو عمارت میں نقص رہ جائے گا، بسا اوقات کسی درخت کے نیچے یا کسی نہر پر جانور ذبح کیا جاتا ہے اور اس سے مقصود کسی جن یا بھوت کو خوش کرنا ہوتا ہے یہ سب شرک کی نشانیاں ہیں۔

جھوٹ اور بہتان

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُمْ ۚ بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي مَن
کیا نہیں دیکھا آپ نے طرف ان لوگوں کی جو پاکیزہ کہتے تھے اپنے آپ کو بلکہ اللہ تعالیٰ پاکیزہ بناتے ہیں جسے
يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٤٩﴾ انظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ
چاہے اور نہ ظلم کیا جائے گا ان پر دھاگے کے برابر (۴۹) آپ دیکھئے کیسا باندھتے ہیں پر اللہ تعالیٰ کے

ع ۸ ۴

الْكَذِبَ ۭ وَ كَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۵۰

جھوٹ اور کافی ہے یہی گناہ کھلا (۵۰)

بامحاورہ ترجمہ: کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں بلکہ اللہ ہی پاکیزہ بناتے ہیں جسے چاہے اور ان پر دھاگے کے برابر ظلم نہیں ہوگا آپ دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ پر کیسا جھوٹ باندھتے ہیں اور یہی کھلا گناہ کافی ہے۔(۵۰)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ کیا آپ ان یہودیوں کو نہیں دیکھتے جو شرک جیسی خرابی میں مبتلا ہیں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ردوبدل کرتے ہیں، پچھلے پیغمبروں کو قتل کرتے رہے ہیں، آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبریوں کو جھٹلاتے رہے ہیں اور ان سب بیماریوں کے باوجود یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہی پاک اور صاف ہیں، یہ بالکل بیہودہ بات ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے پاکیزہ بناتے ہیں، کسی کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا، ان شیخی کرنے والوں اور غلط دعویٰ کرنے والوں پر کسی قسم کا رتی بھر بھی ظلم نہیں ہوگا، بلکہ یہ خود اپنے ہی کرتوتوں اور گناہوں کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جو یہودی بچھڑے کو پوجتے تھے اور حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے انہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت سنی کہ "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ" تو کہنے لگے کہ ہم مشرک نہیں ہیں بلکہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں اور پیغمبر زادے ہیں، پیغمبری ہماری میراث ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تعجب کی بات ہے کہ یہ اللہ پر کیسی کیسی جھوٹی تہمتیں لگاتے ہیں اور باوجود اس کے کہ

خود کفر میں پڑے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے شرک کرتے ہیں پھر خود کو اللہ تعالیٰ کا پیارا کہتے ہیں اور اسکے نزدیک محبوب ہونے کے دعویدار ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ بنی اسرائیل پیغمبروں کی اولاد تھے ان میں بڑے بڑے پیغمبر آتے رہے ہیں یہانتک کہ کافی عرصہ تک پیغمبری ان کے خاندان میں رہی، اس لحاظ سے یہ پہلے واقعی اللہ تعالیٰ کے محبوب تھے لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری سے منہ موڑا، حرص اور ہوس کے پیچھے لگ کر آخرت کو بھلا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں انکی مقبولیت بھی ختم ہوگئی، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ شرک میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ پر جو بہتان لگاتے ہیں انہیں اسکی سزا ضرور ملے گی۔

اپنی تعریف اور عیبوں سے پاک ہونے کا دعویٰ جائز نہیں

یہودی اپنے آپ کو پاکیزہ بتاتے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے انکی برائی بیان کی کہ ذرا ان لوگوں کو دیکھو جو اپنی پاکی بیان کر رہے ہیں ان پر تعجب کرنا چاہئے۔

اس سے معلوم ہو کہ کسی کو اپنی یا دوسروں کی پاکی بیان کرنا جائز نہیں یہ ممانعت تین وجہ سے ہے۔

(۱)....اپنی تعریف اور پاکیزگی بیان کرنے کا سبب اکثر تکبر ہوتا ہے، تو حقیقت میں ممانعت تکبر سے ہوئی۔

(۲)....یہ کہ خاتمہ کا حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ خاتمہ تقویٰ اور طہارت پر ہوگا یا نہیں؛ اس لئے اپنے آپ کو پاکیزہ بتلانا اللہ تعالیٰ کے خوف کے خلاف ہے، چنانچہ ایک روایت میں حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ فرماتی ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ تمھارا نام کیا ہے؟ اس وقت چونکہ میرا نام "برّہ" تھا، جس کے معنی ہیں گناہوں سے پاک، میں نے وہی بتلایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے آپ کی گناہوں سے پاکی بیان نہ کرو کیونکہ یہ علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کہ تم میں سے کون پاک ہے پھر برّہ کے بجائے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب نام رکھا۔

(۳)....اس ممانعت کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اکثر اوقات اس دعوے سے لوگوں میں یہ وہم ہونے لگتا

ہے کہ یہ آدمی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس لئے مقبول ہے کہ یہ تمام خامیوں سے پاک ہے، حالانکہ یہ جھوٹ ہے کیونکہ بہت سی خامیاں بندہ میں موجود ہوتی ہیں۔

احکام ومسائل

مسئلہ (۱):..... اگر یہ تین باتیں کسی انسان میں نہ ہوں تو نعمت کے اظہار کے طور پر اپنی تعریف بیان کرنے کی اجازت ہے۔

طاغوت اور بتوں کے فرمانبردار

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ

کیا نہیں دیکھا طرف ان لوگوں کی جنکو دیا گیا حصہ سے کتاب مانتے ہیں

بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى

بت کو اور طاغوت کو اور کہتے ہیں لئے ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا کہ یہی لوگ ہیں زیادہ سیدھے راستے

مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿٥١﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ مَنْ

سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے راستے کے اعتبار (۵۱) یہ وہی لوگ ہیں لعنت کی پر جن اللہ تعالیٰ نے اور جسے

يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿٥٢﴾

لعنت کریں اللہ تعالیٰ پس نہ پائینگے آپ لئے اسکے کوئی مددگار (۵۲)

بامحاورہ ترجمہ: کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا وہ بتوں اور طاغوت کو مانتے ہیں اور کافروں کو کہتے ہیں کہ یہ لوگ زیادہ سیدھے راستے پر ہیں مسلمانوں سے۔ (۵۱) یہ وہی ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کریں اسکا اس کا آپ کوئی مددگار نہیں پائینگے۔ (۵۲)

لفظی تحقیق: طَاغُوْتِ: سرکش، حد سے بڑھنے والا، طَغٰى، طُغْيَانٌ، طَاغٍ، طَاغُوْتٌ، طغیانی

سب ایک ہی مادہ سے بنے ہیں، جس کے معنی ہیں حد سے بڑھنا اور سرکشی کرنا ہیں، دریا کے بڑھنے کو طغیانی سے غالباً اس لئے تعبیر کرتے ہیں کہ پانی اپنے کناروں سے بڑھ جاتا ہے، مفسرین نے بعض جگہ طاغوت سے شیطان مراد لیا ہے کہ اس نے بھی اپنی حد سے تجاوز کیا۔

تفسیر

یہودی اہل کتاب تھے، ان تک اللہ تعالیٰ کے حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام اور انکے بعد کے پیغمبر علیہم السلام کے ذریعے پہنچ چکے تھے، "تورات" انکے پاس تھی جس میں آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت موجود تھی، لیکن جب یہودیوں نے دیکھا کہ پیغمبری ان کے ہمارے خاندان سے نکل کر بنی اسماعیل میں چلی گئی ہے اور مکہ کے ان پڑھ لوگوں میں ایک پیغمبر پیدا ہوا ہے تو انکے اندر حسد کی آگ بھڑک اٹھی، وہ دشمنی پر آ گئے، مسلمانوں کو ہر طرح سے تکلیفیں پہنچانے کی کی کوشش کی اور آخر مکہ کے مشرکوں سے ملکر مخالفت کو تیز کر دیا۔

مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لانے کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے قبیلوں (جن میں یہودی بھی شامل تھے) کے ساتھ میثاق مدینہ کے نام سے ایک معاہدہ کیا تھا، جس کے مطابق یہ طے پایا کہ مسلمان اور مدینہ کے اردگرد رہنے والے تمام قبیلے اپنے اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے آپس میں اتحاد اور اتفاق کی فضاء برقرار رکھیں گے اور مدینہ پر باہر سے حملہ ہوا تو سب ملکر اسکا دفاع کریں گے، یہودیوں کا ایک بڑا عالم کعب بن اشرف تھا، مدینہ کے قریب ہی اسکا اپنا قلعہ اور گاؤں تھا، علم والا اور دولت مند تاجر تھا، اسکی تجارت اور سودی لین دین پورے عرب میں پھیلی ہوئی تھی، چونکہ یہ ایک با اثر آدمی تھا اس لئے یہودیوں کی طرف سے میثاق مدینہ پر اس نے بھی دستخط کئے تھے اور اس معاہدہ کی پابندی کا عہد کیا تھا، اسکے باوجود یہ شخص دل سے مسلمانوں کے ساتھ بغض رکھتا تھا اور ہمیشہ انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش میں رہتا تھا، اس سے پہلے بدر کی جنگ میں مسلمان کامیاب ہو چکے تھے مگر اُحد کی جنگ میں کافروں کا کچھ نہ کچھ پلہ بھاری رہا، اس شخص نے موقع کو غنیمت جانا اور ستر آدمیوں کی

ایک جماعت لیکر مکہ پہنچا، ابوسفیان (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) سے ملاقات کر کے اس سے یہ خیال ظاہر کیا کہ ہم پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اسلام سے فیصلہ کن جنگ کرنا چاہتے ہیں، آپ ہماری مدد کریں ہم مدینہ کے معاہدہ کو ختم کرنا چاہتے ہیں، ابوسفیان کو کعب بن اشرف کی بات پر یقین نہ آیا اس نے کہا کہ میں تمہاری بات کو اس صورت میں سچا ماننے کیلئے تیار ہوں جبکہ تم ہمارے بتوں کے سامنے سجدہ کرو، اسلام کی دشمنی کے غیظ وغضب میں اس نے سجدہ بھی کر دیا، اسکے بعد مکہ کے مشرکوں نے کہا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ ہمارا دین اچھا ہے یا مسلمانوں کا، ہم بیت اللہ شریف کے خادم ہیں، طواف کرتے ہیں، حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں، مگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے باپ دادا کے دین کو ترک کر چکے ہیں، بہر حال انہوں نے کعب بن اشرف سے اس بات کی تصدیق کروالی کہ انکا طریقہ مسلمانوں کی بنسبت اچھا ہے، اپنی مزید تسلی کیلئے انہوں نے کہا اچھا اب ایسا کرتے ہیں کہ تیس آدمی ہمارے اور تیس آدمی تمہارے کعبۃ اللہ کے ساتھ چمٹ کر قسمیں اٹھائیں اور عہد کریں کہ دونوں فریق مسلمانوں کے خلاف جنگ میں ایک دوسرے کی پوری پوری مدد کریں گے چنانچہ کعب بن اشرف نے مشرکوں کی یہ شرط قبول کر لی، ان آیتوں میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

اہل کتاب ہونے اور اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی کو جاننے بوجھنے کے باوجود مشرکوں کو راضی کرنے کیلئے بتوں کو سجدہ کیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ تمہارا دین مسلمانوں کے دین سے بہتر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں پر جنہوں نے صرف اپنے فائدے کی وجہ سے بتوں کو سجدہ کیا اور بت پرستوں کے دین کو اسلام سے بہتر کہا ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی اور ظاہر ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کریں اس کا دنیا اور آخرت میں کوئی مددگار نہیں ہو سکے گا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ: ظاہر ہے کہ مکمل "تورات" تو انکے پاس نہیں ہے، انہوں نے تو اسکو خلط ملط کر دیا ہے، تاہم اسکا کچھ نہ کچھ حصہ موجود ہے، اِن یہودیوں کا حال یہ ہے کہ یہ لوگ "جِبْتِ" اور "طَاغُوْتِ" پر ایمان رکھتے ہیں، "جِبْتِ" کا لفظ پورے

قرآن میں صرف ایک اسی جگہ استعمال ہوا ہے، البتہ "طَاغُوْتِ" کا لفظ مختلف سورتوں میں سات مرتبہ آیا ہے۔

نفسانی خواہشات بعض اوقات آدمی کو دین سے محروم کر دیتی ہے

کعب بن اشرف یہودیوں کا ایک ممتاز عالم تھا، جو اللہ تعالیٰ پر بھی عقیدہ رکھتا تھا، اور اسی کی عبادت کرتا تھا، لیکن جب اسکے دل و دماغ پر نفسیاتی خواہشات کا بھوت سوار ہوا تو اس نے اپنے مذہب کے خلاف قریش کی شرط کو پورا کیا لیکن اپنے مذہبی عقیدوں کو قائم رکھنے کیلئے ان سے علیحدگی اختیار کرنا گوارہ نہ کیا، اس سے معلوم ہوا کہ کتاب کا صرف علم ہونا اس وقت تک فائدہ مند نہیں ہوسکتا جب تک کہ صحیح معنی میں اسکی پیروی نہ ہو اور دنیا کی لالچ اور خواہشوں کی پیروی سے مکمل اجتناب نہ ہو، ورنہ آدمی اپنے مذہب جیسی عزیز چیز کو بھی اپنی خواہشوں پر قربان کرنے سے نہیں بچتا، آجکل بھی بعض لوگ اس قسم کے ہیں جو مالی اور سیاسی فائدوں اور مقصد کے حاصل کرنے کیلئے اپنے مسلک کو آسانی سے چھوڑ دیتے ہیں اور غیر مذہبی عقیدوں اور نظریات کو اسلام کا لباس پہنانے کی پوری کوشش کرتے ہیں، نہ انکو اللہ تعالیٰ کے عہد کی کچھ پرواہ ہوتی ہے اور نہ آخرت کا خوف یہ سب کچھ صحیح اور حق مسلک کو چھوڑ کر شیطان کے اشاروں پر چلنے سے ہوتا ہے۔

لعنت کے احکام

لعنت جس قدر بری چیز ہے اتنی ہی اسکے کرنے پر پابندیاں بھی عائد کی گئی ہیں، کسی مسلمان پر لعنت کرنا حرام ہے، اور کافر پر بھی صرف اس صورت میں کی جاسکتی ہے جبکہ اسکا کفر پر مرنا یقینی ہو، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ جب بندہ کسی چیز پر لعنت کرتا ہے تو وہ لعنت آسمان کی طرف چڑھتی ہے جس پر آسمان کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، پھر وہ زمین کی طرف اترتی ہے تو زمین کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، یعنی: زمین اس لعنت کو قبول نہیں کرتی، پھر وہ دائیں بائیں گھومتی ہے جب کہیں اس کو راستہ نہیں ملتا تو جس پر لعنت کی گئی ہے اسکے پاس پہنچتی ہے، اگر وہ واقعی لعنت کا مستحق ہوتا ہے تو اس پر پڑ جاتی ہے، ورنہ کہنے والے پر پڑ جاتی ہے۔

احکام ومسائل

مسئلہ(۱):.... کسی شخص کے بارے میں جب تک معلوم نہ ہو کہ اسکی موت کفر پر ہوئی ہے اس پر لعنت کرنا جائز نہیں، اگر چہ وہ فاسق ہی ہو، لیکن کسی کافر جس کی موت کا کفر پر ہونے کا یقین ہو، مثلاً: ابوجہل، ابولہب وغیرہ پر جائز ہے۔

مسئلہ(۲):.... کسی کا نام لیے بغیر اس طرح لعنت کرنا جائز ہے کہ ظالموں پر یا جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

یہودیوں کی محرومی

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿۵۳﴾

کیا لئے ان کے حصہ ہے سے سلطنت پھر اگر ایسا ہو تو نہ دیں گے لوگوں کو تل برابر (۵۳)

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ

یا حسد کرتے ہیں لوگوں سے پر جو دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے سے فضل اپنے سو بے

آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿۵۴﴾

دی ہم نے خاندان کو ابراہیم کے کتاب اور علم اور دی ہم نے انہیں سلطنت بڑی (۵۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کیا سلطنت میں انکا کچھ حصہ ہے (اگر ایسا ہو) تو یہ لوگوں کو ایک تل برابر بھی نہ دینگے۔(۵۳) یا ان لوگوں سے اس پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا، سو! ہم نے تو ابراہیمؑ کے خاندان میں کتاب اور دانائی دی ہے اور انہیں ہم نے بڑی سلطنت دی ہے۔(۵۴)

تفسیر

اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہودی یہ سمجھتے تھے کہ پیغمبری اور دین کی سرداری ہماری

میراث ہے اور یہ ہر زمانہ میں ہمیں ملنی چاہئے؛ اسلئے پیغمبر ﷺ کی فرمانبرداری کو اپنے لئے شرم کی بات سمجھتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، کہ کیا حکومت اور سلطنت میں یہودیوں کا کچھ حصہ ہے، مطلب یہ ہے کہ ہرگز نہیں، انکا کوئی حصہ نہیں، یہ تو ایسے کنجوس ہیں کہ اگر حاکم اور بادشاہ بن جائیں تو لوگوں کو خوشدلی سے تل برابر بھی کچھ نہ دیں گے۔

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ: دراصل یہودی حسد کا شکار ہو چکے تھے، ان کو امید تھی کہ آخری پیغمبر حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے آئیں گے، مگر جب آخر میں پیغمبر بنی اسماعیل میں آگئے تو یہ لوگ حسد کی آگ میں جل گئے، قرآن پاک میں جگہ جگہ "حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ" کے الفاظ آتے ہیں، پیغمبروں کا سلسلہ ہزاروں سال تک بنی اسرائیل میں جاری رہا مگر انعام ہمیشہ کیلئے تو ان کیلئے خاص ہو کر نہیں رہ گیا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت کیلئے خاص کر دیں، اس نے اپنی رحمت سے پیغمبر ﷺ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں بھیجا تو اسمیں حسد کی کون سی بات ہے؟ انہیں تو چاہئے کہ اپنی کتابوں کے مطابق آپ کی نشانیاں دیکھ کر فوراً ایمان لے آتے، یہ علم والے اور اہل کتاب تھے، انکو انکار نہیں کرنا چاہئے تھا مگر یہ حسد کی وجہ سے انکار کر گئے۔

جب یہودیوں پر یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ پیغمبر ﷺ سچے پیغمبر ہیں اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا برحق کلام ہے تو پھر حسد اور بغض رکھنے کے بجائے ان کیلئے بہتر تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آتے، اسلام قبول کر لیتے اور مسلمانوں کے بھائی بن جاتے لیکن دنیاوی عزت اور شان وشوکت اور مال ودولت اور طمع ولالچ میں وہ اسقدر بہک گئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکموں کی کوئی پرواہ نہ کی، بغض اور حسد کی آگ میں جلتے رہے، کفر پر ڈٹے رہے اور مسلمانوں کے دشمنوں کی دوستی کا دم بھرتے رہے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کے بجائے کنجوسی کرتے رہے ایسے لوگوں کو بھلا پیغمبری اور سلطنت کیوں کر دی جاسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بنی اسماعیل میں جو پیغمبری کا سلسلہ منتقل کیا ہے تو یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں

ہے، کیونکہ بنی اسماعیل بھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

فَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَیْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِیْمًا: حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے خاندان میں اللہ تعالیٰ نے کتابیں نازل فرمائیں "زبور، تورات، انجیل" ابرہیمؑ کے خاندان میں آئیں اور حکمت، یعنی: علم بھی اسی خاندان کو عطا کیا، اس خاندان میں بڑے بڑے حکیم، عقلمند اور علم والے لوگوں کو پیدا فرمایا اور اس خاندان کو بڑی سلطنت بھی عطا کی، چنانچہ بنی اسرائیل میں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی حکومت کا ذکر ہر زبان پر ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت مثالی تھی، آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تھی کہ مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو، اسکے علاوہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت طالوتؒ جیسے بڑے مرتبہ والے لوگ بادشاہ ہوئے، یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان میں سے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم ان یہودیوں کیلئے یہ نازل ہوا تھا کہ اس کتاب پر ایمان لے آؤ جو میں نے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی ہے اور جو اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو تمہارے پاس ہے، پیغمبری، کتاب اور حکمت اگرچہ بنی اسماعیل میں چلی گئی ہے تاہم یہ ابراہیمؑ کا خاندان ہی ہے، لہٰذا اسے تسلیم کرلو تمہیں اسی طرح عزت حاصل ہوتی رہے گی، مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی پرواہ نہ کی اور ذلیل وخوار ہو کر رہ گئے۔

دوزخ کا عذاب

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَ كَفٰى بِجَهَنَّمَ
پھر میں ان کوئی ایمان لانا پر اس اور میں ان کوئی ہٹا رہا سے اس اور کافی ہے دوزخ کی

سَعِیْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا
بھڑکتی آگ (۵۵) بیشک وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا آیتوں ہماری کا جلد ہی ہم ڈالینگے انہیں آگ میں جس وقت

نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ
جل جائیگی کھالیں انکی ہم بدل دینگے انکی کھالوں کو علاوہ اسکے سے تاکہ چکھوں عذاب کو

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿٥٦﴾

بیشک اللہ تعالیٰ ہیں زبردست حکمت والے (۵۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر انمیں سے کسی نے مانا اور کوئی اس سے ہٹا رہا اور دوزخ کی بھڑکتی آگ کافی ہے۔

(۵۵) بیشک جنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا انہیں ہم آگ میں ڈالیں گے جس وقت انکی کھال جل جائے گی تو ہم انہیں اور کھال بدل دیں گے تا کہ عذاب چکھتے رہیں بیشک اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں۔ (۵۶)

تفسیر

اس آیت میں کافروں اور انکار کرنے والوں کی سزا بیان کی جارہی ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے کو ہمیشہ بزرگی دی ہے اور اب بھی اسی گھرانے میں ہے، جو کوئی بلا وجہ حسد سے اسے نہ مانے، اُسے جلانے کیلئے دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ کافی ہے اس عذاب سے بچنا ناممکن ہے۔

پہلی آیت میں مسلمانوں اور کافروں کا ذکر ہے، دوسری آیت میں کافروں کی سزا کا بیان ہے، تا کہ لوگ ایمان کی طرف رجوع کریں اور کفر سے بچتے رہیں، اپنے نتیجے معلوم کر کے انہیں اپنا راستہ متعین کرنے کی طرف توجہ ہو۔

یہودیوں کا ذکر لگاتار چل رہا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ انمیں سے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کیا اور وہ ایمان والوں کی فہرست میں داخل ہو گئے، جیسے: عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ، ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو حق کے راستے سے ہٹے رہے، انہوں نے کسی قیمت پر ایمان قبول نہیں کیا، ایسے لوگوں کیلئے دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ تیار ہے جو ان کے جسم کی کھالوں کو جلا کر راکھ کرے گی پھر انہیں دوبارہ کھال ملے گی پھر یہی عذاب ہوگا تا کہ انہیں بار بار اسی طرح عذاب چکھنا پڑے، اور ان کیلئے یہی کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ بیشک زبردست اور غالب ہے، وہ حکمت والا ہے، کافروں کو ایسی سزا دینا عین حکمت کے موافق ہے۔

جنت کی نعمتیں

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اور وہ لوگ ایمان لائے اور کام کئے نیک ہم داخل کرینگے انہیں ایسے باغات میں بہتی ہونگی

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ

سے نیچے اسکے نہریں رہیں گے میں اس ہمیشہ لئے ان کے میں اس بیویاں ہونگی

مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّ نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾

صاف ستھری اور ہم داخل کرینگے انہیں چھاؤں میں گھنی (۵۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے البتہ ہم انہیں ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی، ان میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے، ان کیلئے وہاں صاف ستھری بیویاں ہونگی اور انہیں ہم گھنی چھاؤں میں داخل کریں گے۔ (۵۷)

تفسیر

حق کا انکار کرنے والوں کی سزا اور عذاب کے ذکر کے بعد اب ایمان والوں کو اچھا بدلہ ملنے کی خوشخبری دی جارہی ہے، یہ بات خوب ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ جنت میں داخل ہونے کیلئے ایمان کے ساتھ نیک عمل کو لازمی قرار دیا گیا ہے اس آیت میں بھی اور بہت سی جگہوں پر ایمان کے ذکر کے بعد نیک عمل کا تذکرہ کیا گیا ہے، حقیقت بھی یہی ہے کہ جس کا ایمان درست ہوگا اس کے اعمال بھی درست ہوں گے، یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان کسی بات کا پورا پورا یقین تو رکھے مگر اسے عمل میں نہ لائے۔

جَنّٰتٍ: یعنی: ایسے باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہ وہ ہمیشہ کی نعمت ہے جو نیک لوگوں کا

ٹھکانہ ہوگی، وہاں کا قیام عارضی نہیں ہوگا، اسکی نعمتیں سدا بہار ہوں گی اور وہاں کی زندگی ہمیشہ کیلئے ہوگی، اسے نہ کبھی زوال ہوگا نہ خاتمہ بلکہ وہاں ہمیشہ رہیں گے، دنیا میں اگر ہر قسم کی نعمتیں میسر ہوں مگر یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ ایک نہ ایک دن مرنا ہے اور یہ سب کچھ بھی ختم ہونا ہے مگر جنت کے بارے میں فرمایا کہ وہاں کی نعمتیں ہمیشہ کیلئے ہوں گی جو کبھی ختم نہیں ہوں گی اور جنتی بھی ہمیشہ رہینگے نہ انہیں موت آئیگی اور نہ جنت سے نکالے جائینگے، "اَبَدًا" کا لفظ صرف جنت اور اسکی نعمتوں اور جنتیوں کیلئے استعمال ہوا ہے۔

اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ: اسکے معنی جوڑے کے ہوتے ہیں؛ اسلئے اسکے معنی بیوی کے بھی ہوتے ہیں، جنت میں مسلمان تنہائی محسوس نہیں کریں گے وہاں ان کیلئے پاکیزہ بیویاں ہوں گی، جو ان کی طبعی خواہش کو پورا کریں گی، اور پاکیزہ بھی ایسی کہ انہیں نہ پیشاب پاخانہ کی حاجت ہوگی نہ حیض و نفاس کی نجاست ہوگی اور نہ ہی کوئی اور گندگی ہوگی، خوش اخلاق، اچھی شکل و صورت والی، بہترین طور طریقے والی ہوں گی۔

تمام اچھی چیزیں "مُطَهَّرَةٌ" کے مفہوم میں داخل ہیں، اچھی بیوی کا ہونا تو اس دنیا میں نیک بختی کی علامت ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: جس شخص کو اچھا مکان، اچھی سواری اور اچھی بیوی میسر آگئی تو یہ دنیا کے اعتبار سے نیک بختی کی نشانی ہے، بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ جنت میں مسلمانوں کیلئے جنسی خواہش کو پورا کرنے کیلئے پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ: جنت کے سائے گھنے ہوں گے، یعنی: سورج کی تپش، جھلتی دھوپ اور گرمی کی مصیبت نہیں ہوگی بلکہ مسلمان مزے، چین اور آرام کی زندگی پائیں گے، "ترمذی شریف" کی روایت ہے کہ جنت کے ایک درخت کا سایہ اتنا لمبا ہوگا کہ کوئی گھڑ سوار لگاتار سو سال میں بھی اسے پار نہیں کر سکے گا اور یہ سایہ مسلمانوں کیلئے راحت کا باعث ہوگا، اگرچہ سایہ کا احساس دھوپ کے مقابلہ میں ہوتا ہے مگر بعض اوقات محض سایہ بھی سکون کا باعث ہوتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انعام کے طور پر گھنے سائے کا ذکر فرمایا، مسلمان وہاں اللہ تعالیٰ سے خوش ہوں گے اور اللہ ان سے خوش ہوں گے۔

امانتیں اور عدل وانصاف

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ
بیشک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے تم کو کہ پہنچادو امانتوں کو طرف امانت والوں کی اور جب فیصلہ کرنے لگو تم

بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ
درمیان لوگوں کے تو فیصلہ کرو تم ساتھ انصاف کے بیشک اللہ تعالیٰ اچھی چیز ہے وہ جسکی نصیحت کرتے ہیں تم کو

بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾
ساتھ اسکے بیشک اللہ تعالیٰ ہیں سننے والے دیکھنے والے (۵۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بیشک اللہ تمہیں فرماتے ہیں کہ امانت والوں کو ان کی امانتیں پہنچادو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو، اللہ تمہیں اچھی نصیحت کرتے ہیں، بیشک اللہ تعالیٰ سننے والے دیکھنے والے ہیں۔ (۵۸)

تفسیر

یہودیوں کی عادت تھی کہ امانت میں خیانت کرتے تھے، جھگڑوں کا فیصلہ کرتے وقت رشوت وغیرہ لے کر رشوت دینے والے کی بے جارعایت کرتے تھے اور فیصلہ انصاف کے خلاف کرتے تھے، ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان دونوں برائیوں سے روکا ہے۔

بنی شیبہ کے عثمان بن طلحہ کا اپنا بیان ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں ہم پیر اور جمعرات کے روز بیت اللہ کو کھولا کرتے تھے اور لوگ اس میں داخل ہونے کو برکت سمجھتے تھے، ہجرت سے پہلے ایک روز پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کچھ صحابہ کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہونے کیلئے تشریف لائے (اس وقت تک عثمان بن طلحہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے) انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر جانے سے روکا اور انتہائی سختی دکھائی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے

حوصلے کے ساتھ ان کی سخت باتوں کو برداشت کیا، پھر فرمایا، اے عثمان! شاید تم ایک روز یہ بیت اللہ کی کنجی میرے ہاتھ میں دیکھو گے، تب مجھے اختیار ہوگا کہ جس کو چاہوں دے دوں، عثمان بن طلحہ نے کہا کہ اگر ایسا ہوگیا تو قریش ہلاک اور ذلیل ہوجائیں گے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: نہیں اس وقت قریش آباد اور عزت والے ہوجائیں گے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کہتے ہوئے بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے، اسکے بعد جب میں نے اپنے دل کو ٹٹولا تو مجھے یقین سا ہوگیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ہوکر رہے گا، میں نے اسی وقت مسلمان ہونے کا ارادہ کرلیا لیکن میں نے اپنی قوم کے تیور بدلے ہوئے پائے، وہ سب کے سب مجھے سخت ملامت کرنے لگے؛ اس لئے کہ میں اپنے ارادہ کو پورا نہ کرسکا، جب مکہ فتح ہوا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بلا کر بیت اللہ کی کنجی طلب فرمائی، میں نے پیش کردی، بعض روایتوں میں ہے کہ عثمان بن طلحہ کنجی لے کر بیت اللہ کے اوپر چڑھ گئے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو پورا کرنے کیلئے زبردستی کنجی ان کے ہاتھ سے لیکر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیدی تھی، ایک روایت میں یوں ہے کہ عثمان بن طلحہ کی والدہ کنجی دینے پر راضی نہ تھیں مگر انہوں نے اپنی والدہ سے کنجی چھین کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کردی، جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فارغ ہوکر باہر تشریف لائے تو بنی ہاشم میں سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ کنجی ہمیں عنایت کی جائے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور کنجی عثمان بن طلحہ کے حوالے کردی گئی۔

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ امت ہمیشہ بہتری میں رہے گی جب تک یہ تین اصولوں پر چلتی رہے گی،

پہلا اصول یہ ہے کہ: امت کے افراد بات جب بھی کریں سچی کریں۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ: جب فیصلہ کریں تو حق وانصاف کے مطابق کریں۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ: جب امت کے لوگوں سے رحم طلب کیا جائے تو وہ رحم کریں، اگر یہ تین اصول امت سے نکل گئے تو وہ فتنہ میں پڑ جائینگے، بہر حال پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان اصولوں کی پابندی کی

ترغیب دلائی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ : بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں اچھی نصیحت فرماتے ہیں، اسکے حکموں پر عمل کرو گے تمہارا نظام درست ہوجائیگا، اور تمہارا سماج درست ہوجائیگا اور تم بغیر کسی خوف وخطرہ کے خوشحالی کی زندگی بسر کرو گے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا: بیشک اللہ تعالیٰ "سَمِيْع" ہے، وہ ہر ایک کی ظاہری وچھپ کر کی ہوئی باتوں کو سنتا ہے اور بَصِيْرًا" ہے کہ ہر شخص کا قول وفعل اسکی نگاہ میں ہے۔

احکام ومسائل

مسئلہ(۱):.... امانت میں صرف وہی چیز شامل نہیں جو بطور خاص امانت کے طور پر رکھی گئی ہو بلکہ کوئی شخص کسی دوسرے سے کپڑا، برتن یا کوئی دوسری چیز استعمال کرنے کیلئے لیتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ استعمال کے بعد وعدے کے مطابق وہ چیز واپس کرے۔

مسئلہ(۲):.... مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: اگر کسی شخص کو راستے میں کوئی گری ہوئی چیز مل جائے تو اس پر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ چیز اسکے مالک تک پہنچادے۔

مسئلہ(۳):.... اسی طرح کوئی چیز کرائے پر حاصل کی ہے تو وہ بھی مقررہ وقت پر واپس پہنچانی چاہئے۔

مسئلہ(۴):.... کسی کے ذمہ وارث کا حق ہے اس کو بھی ادا کرنا امانت کا لوٹانا ہے۔

مسئلہ(۵):.... اسی طرح یتیم کا مال اسکے حوالے کرنا بھی امانت کا لوٹانا ہے۔

مسئلہ(۶):.... قرض دار کا قرض ادا کرنا بھی امانت کا لوٹانا ہے۔

مسئلہ(۷):.... اسی طرح مجلس میں جو باتیں ہوں وہ باتیں بھی امانت کا حکم رکھتی ہیں۔

مسئلہ(۸):.... اسی طرح کسی سے کوئی مشورہ مانگا گیا تو یہ بھی امانت ہے کہ صحیح مشورہ دے۔

مسئلہ(۹):..... کسی عہدہ یا منصب پر تعیناتی کرنا متعلقہ حاکم کے ذمہ بہت بڑی امانت ہے، ادائیگی امانت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص جس منصب کا اہل ہے وہ اس کے سپرد کی جائے، اگر کوئی عہدہ اہل کے بجائے نااہل کو دیا جائے گا تو وہ خیانت ہوگی اور ایسا کرنے والے شخص کی اللہ تعالیٰ کے ہاں پکڑ ہوگی، پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے کہ: جو حاکم کوئی عہدہ اس کے اہل کے بجائے اپنے کسی غیر مستحق دوست یا رشتہ دار کو دیتا ہے تو وہ آدمی اللہ تعالیٰ کے ہاں لعنتی ہوتا ہے، اس نے امانت میں خیانت کی ہے، گویا کہ عہدوں کی تقسیم بھی بہت بڑی امانت ہے۔

کس کی فرمانبرداری لازمی ہے؟

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ

اے لوگوں! ایمان لائے فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ اور فرمانبرداری کرو پیغمبر کی اور

اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ

حاکم میں سے تم

بامحاورہ ترجمہ:۔اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو اور رمانبرداری کرو پیغمبر کی اور حاکموں کی جو تم میں سے ہوں۔

تفسیر

یہ آیت اسلام کے سیاسی اور ملکی نظام کی روح اور اہم اصول کی حیثیت رکھتی ہے، اس آیت میں ایک اہم مسئلہ بتایا گیا ہے، یعنی: انسان اپنی زندگی کے معاملات میں کس کا کہا مانے اور کس کی فرمانبرداری کرے؟

اس قدر اہم اور اصولی بات کو ایک جملے میں بیان کر دینا اللہ تعالیٰ کے کلام کا معجزہ ہے، اگر ہم اس جملے کی ترتیب پر نظر رکھیں تو بہت سی غلط فہمیاں اور خرابیاں دور ہو جاتی ہیں اور انسانوں کی اپنی بنائی ہوئی پابندیاں ٹوٹ

جاتی ہیں، حکم ہوتا ہے، اے ایمان والو!

اَطِیْعُوا اللّٰہَ: اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو۔

اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ: پیغمبر کی فرمانبرداری اطاعت کرو۔

اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ: حاکم کی فرمانبرداری کرو، جو تم میں سے ہو۔

اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اس کے بھیجے ہوئے قانون کے ذریعے سے ہوگی، اس نے ہر زمانہ میں اپنی مرضی سے بندوں کو خبردار کیا، جس نے اس کے حکموں کو مانا وہ کامیاب ہوا اور جس نے نہ مانا وہ ناکام ہوا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری انکی پوری زندگی کو سامنے رکھ کر زندگی گزارنے کی صورت میں ہوگی، ہر قوم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر آئے، ان کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر بن کر تشریف لائے، جو ان کے طریقے پر چلے گا کامیاب ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوگا۔

اُولِی الْاَمْرِ: حاکم کی اطاعت اسکے نافذ کردہ قانون اور اسکی ہدایت کے ذریعے کی جائیگی، بشرطیکہ وہ حاکم مسلمانوں میں سے ہو، لہٰذا کسی بھی فاسق و فاجر اور اللہ تعالیٰ و پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی کی فرمانبرداری جائز نہیں اور نہ کسی ایسے حاکم کی فرمانبرداری کی جائے جو اللہ تعالیٰ اور اسکے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانتا ہو اور نہ ایسا قانون مانا جائے گا جو اللہ تعالیٰ اور اسکے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون کے خلاف ہو۔

فرمانبرداری کے تین درجات

پہلا درجہ: اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا ہے، جو تمام انسانوں کا پیدا کرنے والا، سب کا پالنے والا، رزق دینے والا، سب کا مالک اور احسان کرنے والا ہے، اس کی فرمانبرداری تمام انسانوں پر فرض اور ہر حالت میں ضروری ہے۔

دوسرا درجہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی

وجہ سے ہوتی ہے، قرآن کریم میں آتا ہے: ''جس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کی گویا اس نے اللہ تعالیٰ ہی کی فرمانبرداری کی''، کیونکہ پیغمبر دنیا میں اپنا حکم لاگو نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکموں کو نافذ کرتے ہیں۔

تیسرا درجہ: حاکم، علماء، اور ہر ذمہ دار شخص کی فرمانبرداری کا ہے، جب تک حاکم اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرتا رہے گا اس وقت تک اس کی فرمانبرداری کرنا بھی فرض ہوگی، اس کی ہر جائز بات پر عمل لازمی ہوگا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جب امیر حق بات کہتا ہے تو اس کا سننا اور اسکی فرمانبرداری کرنا تم پر لازم ہے خواہ وہ بات تمہاری طبیعت کو پسند ہو یا ناپسند''، ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ: ''جس نے میرے امیر کی فرمانبرداری کی اس نے میری ہی فرمانبرداری کی''۔

یہ بات جاننا بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی صورت میں مخلوق کی فرمانبرداری جائز نہیں بلکہ حرام ہے حاکم کی فرمانبرداری تو اس وقت تک ہی ہوسکتی ہے جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے مطابق رہنمائی کرتا ہے، ایسا شخص خواہ بڑے خاندان سے تعلق رکھتا ہو یا چھوٹے سے، اعلیٰ ہو یا ادنیٰ، ہر حالت میں اسکی فرمانبرداری کرنا لازم ہے، حاکم چونکہ ظاہری طور پر شریعت کا قانون نافذ کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں، ان کے پاس اقتدار کی امانت ہوتی ہے، اختیار ہوتا ہے، لہٰذا کسی حاکم کا جھوٹ بولنا یا غداری کرنا بہت بڑا جرم تصور ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے اختیار دیا ہے تو اس پر لازم ہے کہ جو ذمہ داری اس پر لگائی گئی ہے اسکے مطابق شرعی حکموں کو نافذ کرے، باقی رہی علماء اور فقہاء کی فرمانبرداری تو اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ وہ حضرات جائز اور ناجائز معاملوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

اختلاف کی صورت میں فیصلہ

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ

پھر اگر جھگڑو تم میں کسی معاملے تو لوٹاؤ اسے طرف اللہ تعالیٰ کی اور پیغمبر کی اگر تم ہو

ع ۸ ۹ ۵ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾

ایمان رکھتے اللہ تعالیٰ پر اور دن آخرت کے یہ اچھی اور بہتر ہے انجام (۵۹)

محاورہ ترجمہ:۔ پھر اگر کسی معاملے میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ تعالیٰ اور پیغمبر کی طرف لوٹاؤ اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر، یہ بات اچھی ہے اور اسکا انجام بہت بہتر ہے۔ (۵۹)

تفسیر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اگر تم میں اور تمہارے حاکموں میں کسی بات پر آپس میں اختلاف ہو جائے کہ حاکم کا حکم اسلام کے حکموں کے مطابق ہے یا نہیں تو اس معاملے کو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اسکے پیغمبر ﷺ کی سنت کی طرف لوٹا لیا کرو کہ وہ حکم حقیقت میں اللہ تعالیٰ اور اسکے پیغمبر ﷺ کے حکم کے موافق ہے یا مخالف، پھر جو بات طے ہو جائے اسی کو متفق طور پر صحیح اور درست سمجھنا چاہیے۔

جس بات میں اختلاف ہو اسے اللہ تعالیٰ کے قانون اور پیغمبر ﷺ کی سنت کی طرف لوٹاؤ، یعنی: اسکا فیصلہ اللہ اور پیغمبر ﷺ کی مرضی کے مطابق کرو، کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنے کی دو صورتیں ہیں۔

قرآن کریم یا پیغمبر ﷺ کی حدیث میں واضح حکموں کی طرف رجوع کیا جائے۔

اگر واضح حکم نہ ملے تو اسی جیسے دوسرے واضح حکموں کی طرف رجوع کیا جائے۔

اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر ﷺ کی فرمانبرداری کو قبول کر لو گے تو معاشرہ بالکل درست ہو جائیگا، انصاف کا بول بالا ہو گا، کسی حقدار کا حق ضائع نہیں ہوگا اور اگر اپنے معاملات دوسرے انسانوں کے حوالے کر دیئے تو پھر پورا نظام درہم برہم ہو جائے گا، زمین میں فساد ہوگا اور کوئی کام درست طور پر انجام نہیں دیا جا سکے گا؛ اسی لئے فرمایا کہ: اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ اور اسکے پیغمبر ﷺ کے حکم کے مطابق کر لو، قیامت میں فیصلہ کا مدار یہی چیزیں ہوں گی۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

کیا نہیں دیکھا آپ نے طرف ان لوگوں کی جو دعویٰ کرتے ہیں کہ بشک وہ ایمان لائے پر اس جو اتارا گیا طرف آپکے

وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ

اور جو اتارا گیا سے پہلے آپ وہ چاہتے ہیں کہ فیصلہ لے جائیں طرف شیطان

وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَ يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ

حالانکہ وہ حکم دیئے گئے کہ انکار کریں اسے اور چاہتا ہے شیطان کہ گمراہ کردے انہیں

ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾

رستے سے دور (۶۰)

بامحاورہ ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس پر جو آپ کی طرف اترا اور جو آپ سے پہلے اترا، آپ چاہتے ہیں کہ فیصلہ شیطان کی طرف لے جائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اسکو نہیں مانیں اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر رستے سے دور جاڈالے۔(۶۰)

تفسیر

یہودی عام طور پر مقدمہ کا فیصلہ کرتے وقت رشوت وغیرہ لیکر بے جا رعایت کرتے، مدینہ کے اکثر منافق اپنا معاملہ کعب بن اشرف یہودی کے پاس ہی لے جاتے کہ وہ ان کی رعایت کریگا، وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نہ آتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق کے مطابق فیصلہ کریں گے اور کسی کی رعایت نہیں کریں گے۔

ایک مرتبہ ایک یہودی اور بشر نامی منافق کا کسی معاملہ میں آپس میں جھگڑا ہو گیا، یہودی سچا تھا، اس نے کہا کہ چلو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیصلہ کرائیں، منافق جھوٹا تھا اس نے اس بات پر زور دیا کہ یہ معاملہ یہودیوں کے

عالم کعب بن اشرف کے پاس لے جانا چاہیے، آخر وہ دونوں اپنا مقدمہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے کر آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرما دیا، منافق وہاں سے نکل کر یہودی سے کہنے لگا کہ مجھے یہ فیصلہ منظور نہیں حضرت عمرؓ کے پاس چلو وہ جو فیصلہ کر دیں گے مجھے منظور ہو گا یہودی اور منافق دونوں حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور اپنا معاملہ کہہ سنایا، جب حضرت عمرؓ نے یہودی کی زبانی سنا کہ یہ مقدمہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش ہو چکا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہودی کے حق میں فیصلہ فرما چکے ہیں تو حضرت عمرؓ نے بشر سے دریافت فرمایا کہ کیا اسی طرح ہوا ہے جس طرح یہ یہودی کہہ رہا ہے؟ بشر نے اقرار کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: اچھا ذرا ٹھہرو! میں آتا ہوں، حضرت عمرؓ گھر تشریف لے گئے اور ایک تلوار لے آئے اور اس منافق کی گردن اڑادی، اور فرمایا جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ نہ مانے اسکا فیصلہ یہی ہے، منافق کے وارث پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور حضرت عمرؓ پر قتل کا دعویٰ کیا اور قسمیں کھانے لگے کہ حضرت عمرؓ کے پاس وہ اس لئے گئے تھے کہ شاید وہ اس معاملہ میں آپس میں صلح کرا دیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اصل حقیقت ظاہر فرما دی گئی، حضرت عمرؓ کو اس پر فاروق کا لقب عطاء ہوا، یعنی: حق و باطل میں فرق کرنے والا۔

اس سلسلے میں چند اور واقعات بھی نقل کئے جاتے ہیں جن لوگوں نے شرعی فیصلہ کو چھوڑ کر کسی کاہن یا نجومی کا فیصلہ قبول کر لیا تھا، ہوسکتا ہے آیت ان سب کے متعلق نازل ہوئی ہو۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کے بعد

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ

اور جب | کہا جاتا ہے | سے ان | آؤ | طرف اسکے جو | اتارا | اللہ تعالیٰ نے | اور طرف | پیغمبر کی

رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ اِذَآ

دیکھیں گے آپ | منافقوں کو | دور کتے ہیں | سے آپ | بہت زیادہ (۶۱) | پھر کیسا | جب

اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ

پہنچی ان کو کوئی مصیبت بوجہ اسکے جو آگے بھیجا ہاتھوں انکے نے پھر وہ آئیں آپ کے پاس قسم کھاتے ہوئے

بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّ تَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾

کی اللہ تعالیٰ نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر بھلائی کا اور صلح وصفائی کا (۶۲)

با محاورہ ترجمہ:۔اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو اتارا اللہ تعالیٰ نے اور آؤ پیغمبر کی طرف تو منافقوں کو آپ دیکھیں گے کہ آپ سے رکتے ہیں بہت زیادہ۔(۶۱) پھر کیا ہو جب انہیں مصیبت آپہنچے اپنے ہاتھوں کے کیے ہوئے سے پھر آپ کے پاس آئیں اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہوئے کہ ہم تو بھلائی اور صلح وصفائی کے سوا کچھ نہیں چاہتے۔(۶۲)

تفسیر

پچھلی آیت میں ذکر تھا کہ کچھ لوگ ایمان کے دعویدار ہیں لیکن اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کیلئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر فسادی لوگوں کے پاس جانا پسند کرتے ہیں حالانکہ ان پر لازم تھا کہ ان سے کوئی واسطہ نہ رکھتے، ظاہر ہے کہ شیطان ان کے پیچھے پڑ گیا ہے اور ان کو گمراہی میں پھنسانا چاہتا ہے۔

اسی مطلب کو اس آیت میں اور اسکے بعد کی آیات میں کھول کر بیان کیا گیا ہے، یعنی: بعض لوگ زبان سے تو مؤمن بنتے ہیں مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے فیصلہ پر اطمینان نہیں رکھتے، ان لوگوں میں اتنی ہمت تو نہیں کہ صاف صاف کہہ دیں کہ ہم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں جاتے؛ اس لئے بہانہ بازیاں اور ٹال مٹول کرتے ہیں اور اگر کہنے سننے سے آپ کے پاس آ بھی جائیں تو فیصلہ سے راضی نہیں ہوتے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انصاف سے فیصلہ کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ غلط کام کرنے والوں کے حق میں نہیں ہوتا؛ اس لئے منافق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے بعد بھی دوسروں کے پاس دوبارہ مقدمہ لیکر جاتے ہیں اور جب اس گستاخی کی انہیں سزا ملتی ہے تو پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روتے ہوئے آتے ہیں اور قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تو آپ کا فیصلہ بدلوانے نہیں

گئے تھے بلکہ اس خیال سے گئے تھے کہ کوئی صورت صلح صفائی کی نکل آئے اور ہم نقصان سے بچ جائیں۔

جولوگ اسلام اور ایمان سے فقط دکھاوے کیلئے ظاہری اور سرسری تعلق رکھتے ہیں اور ان کے دل میں خود غرضی کے سوائے اور کچھ نہیں ہوتا، اپنا مطلب نکالنے کیلئے پاگلوں کی طرح ادھر ادھر پھرتے ہیں جھوٹے مقدمے گھڑتے ہیں اور فیصلے وہاں کراتے ہیں جہاں فیصلہ کرنے والا کچھ لیکر یا ویسے ہی انکی رعایت کردے، حاکم، گواہ، وکیل، سب کو کسی نہ کسی طرح اپنا حمایتی بنانے کی کوشش کرتے ہیں، اگر کوئی انصاف پسند حاکم مل گیا اور ان کو انصاف کے مطابق اپنے کئے کی سزا مل گئی تو پھر روتے پھرتے ہیں، ان آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ یہ منافقوں کی پکی نشانی ہے۔

صحیح طرز عمل

أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ

یہی وہ لوگ ہیں جانتے ہیں اللہ تعالیٰ جو ہے میں دلوں انکے پس منہ پھیر لیجیے سے ان اور

عِظْهُمْ وَ قُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ﴿٦٣﴾ وَ مَآ اَرْسَلْنَا

نصیحت کیجیے انکو اور کہہ دیجئے سے ان میں نفسوں بارے انکے بات مفید (۶۳) اور نہیں بھیجا ہم نے

مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا

کوئی پیغمبر مگر تاکہ فرمانبرداری کی جائے سے حکم اللہ تعالیٰ کے اور اگر بیشک وہ جب ظلم کریں

اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ

جانوں اپنی پر آئیں آپکے پاس پھر معافی چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ سے اور معافی چاہیں لئے ان کے پیغمبر

لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿٦٤﴾

البتہ وہ پاتے اللہ تعالیٰ کو معاف کرنیوالا مہربان (۶۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو ان کے دلوں میں ہے پس

ان سے منہ پھیر لیجئے اور انکو نصیحت کیجئے اور ان کے بارے میں کہیں مفید بات ۔ (۶۳) اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمانے سے اس کا حکم مانیں اور اگر وہ لوگ جنہوں نے اپنا برا کیا تھا آپکے پاس آتے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے اور بخشواتے ان کو پیغمبر تو البتہ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے ۔ (۶۴)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کے عمل کا طور طریقہ غلط ہے، ان کی ظاہری حالت اور ظاہری باتوں سے دھوکا نہ کھانا چاہئے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اور وقت آنے پر انکو انکے کئے کی سزا دیں گے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ ان کی بیہودہ اور دوغلے پن کی ذرا پرواہ نہ کریں اور انکو برابر نصیحت کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو پیغمبر بھیجے وہ اسی لئے بھیجے کہ سب لوگ اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق عمل کریں، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ جو شخص پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں کی مخالفت کرے گا اس کے ساتھ کافروں جیسا معاملہ کیا جائے گا، پھر سمجھایا گیا ہے کہ اگر کسی طرح ان سے جرم ہو بھی گیا تھا تو انکو چاہئے تھا کہ فوراً شرمندہ ہوتے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے قصور کی معافی مانگتے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر ان سے عرض کرتے کہ ہمارا قصور اللہ تعالیٰ سے معاف کروا دیجئے، اس وقت اللہ تعالیٰ ان کا قصور ضرور معاف فرما دیتے لیکن وہ شرمندہ ہونے اور توبہ کرنے کے بجائے الٹا جرم کا انکار کرنے پر تل گئے اور قسمیں کھانے لگے کہ ہم نے کوئی جرم نہیں کیا بلکہ ہماری نیت نیک تھی، ہم صرف صلح وصفائی کرنے کی غرض سے گئے تھے۔

اس آیت کے الفاظ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ سے سفارش طلب کرنا تو بالکل واضح ہے، جب کوئی شخص غلطی کرتا پھر اسے شرمندگی ہوتی تو وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی طلب کرتا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بخشش طلب کرنے کی درخواست کرتا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے بخشش طلب کرتے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے، اس قسم کے واقعات بہت سے صحابہ کرامؓ کے بارے میں حدیثوں

میں آتے ہیں، مثلاً: حضرت اسامہؓ نے عرض کیا کہ حضور میرے لیے بخشش کی دعا فرمادیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضر ہوکر اپنی غلطی کی اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی معافی طلب کرنے کی درخواست کرے تو ایسا کرنا جائز ہے، تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کرنے کیلئے عرض کرنا جائز ہے، صلوۃ وسلام عرض کرنے کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کریں کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرمادیں، میرا خاتمہ ایمان پر ہو اور میں آپ کی امت میں شریک رہوں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو مجھ پر دور سے درود شریف پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچادیا جاتا ہے، اور جو کوئی میری قبر پر آکر درود پڑھے گا تو میں اس کو خود سنوں گا۔

سماعِ موتیٰ

مُردے سنتے ہیں یا نہیں؟

عام مردوں کے سننے کے متعلق علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ مردے سنتے ہیں اور بعض کہتے ہیں مردے نہیں سنتے، یہ اختلاف صحابہ کرامؓ کے دور سے چلا آرہا ہے آج تک یہ اختلاف ختم نہیں ہوسکا، لہٰذا اس مسئلہ میں زیادہ الجھنے اور پڑنے کی ضرورت نہیں، تاہم پیغمبروں کے سننے کے متعلق کسی کو اختلاف نہیں، اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر جاکر سلام عرض کیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود اسے سنتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ سفر پر جانے سے پہلے اور سفر سے واپسی پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضر ہوکر سلام عرض کرتے، ظاہر ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ قبر شریف پر حاضر ہوکر سلام کرنے سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔

ایمان کی کسوٹی

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ
پس نہیں قسم ہے رب آپکے کی نہیں ایمان لائینگے وہ یہاں تک کہ منصف بنائیں آپکو میں اس جھگڑے جو اٹھے درمیان انکے پھر
لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾
نہ پائیں میں دلوں اپنے کے تنگی اس سے جو فیصلہ کریں آپ اور مانیں رضامندی سے (٦٥)

بامحاورہ ترجمہ: سو! آپ کے رب کی قسم ہے وہ مؤمن نہ ہوں گے یہاں تک کہ آپ ہی کو منصف بنائیں اس جھگڑے میں جو ان کے درمیان اٹھے پھر اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں آپ کے فیصلہ سے اور خوشی سے قبول کریں۔ (٦٥)

لفظی تحقیق: لَا وَرَبِّکَ: قسم ہے آپ کے رب کی۔ "وَ" یہاں قسم کے لئے ہے عرب میں قسم کھانے سے پہلے "لا" لگا دیتے ہیں جس کا مطلب ہوتا ہے کہ بات وہ نہیں جو سننے والا خیال کر رہا ہے بلکہ میں قسم کھاتا ہوں کہ بات یہ ہے جو میں کہتا ہوں۔ شَجَرَ: (پھوٹے) اصل میں یہ لفظ درخت کے پھوٹنے کیلئے استعمال ہوتا ہے، یہاں، مطلب یہ ہے کہ کوئی جھگڑا پھوٹ پڑے، مشاجرہ اسی لفظ سے نکلا ہے جس کے معنیٰ ہیں آپس میں جھگڑا کرنا اور لڑنا۔ حَرَجٌ: (تنگی) عام بول چال میں اسکے معنی گھٹن کے ہیں۔

تفسیر

اس آیت کے شان نزول کے متعلق "ترمذی شریف" اور "صحاح ستہ" کی دوسرے کتابوں میں حدیث موجود ہے جسے مفسرین کرام نے نقل کیا ہے، حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری صحابیؓ کے درمیان کھیت کو سیراب کرنے کے متعلق جھگڑا پیدا ہو گیا، حضرت زبیرؓ کا کھیت پانی کے راستے میں پہلے واقع تھا، لہٰذا وہ اپنے کھیت کو

پہلے سیراب کرتے تھے اور بعد میں پانی انصاری صحابی کیلئے چھوڑ دیتے تھے، انصاری صحابی کا مطالبہ یہ تھا کہ انکا کھیت چونکہ دور ہے اس لئے سیرابی کا حق پہلے انہیں ملنا چاہئے، معاملہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا آپ نے اخلاقی طور پر زبیرؓ سے فرمایا کہ اپنا کھیت تھوڑا بہت سیراب کر کے پانی اپنے انصاری بھائی کیلئے چھوڑ دیا کرو، انصاری صحابی کو یہ فیصلہ پسند نہیں آیا، کہنے لگے کہ آپ نے حضرت زبیرؓ کی رعایت کی ہے کیونکہ وہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے، اس پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور حضرت زبیرؓ سے فرمایا کہ: تم اپنے کھیت کو خوب سیراب کیا کرو یہاں تک کہ پانی دیواروں تک چڑھ جائے اور اس کے بعد انصاری کیلئے چھوڑا کرو، انصاری صحابی بھی پکے سچے مسلمان تھے مگر لاعلمی میں ایسی بات کہہ گئے جس سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت ہوئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ: پھر اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں آپ کے فیصلہ سے اور خوشی سے قبول کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بات یہ نہیں ہے جو وہ سوچ رہے ہیں کہ ہم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی بھی کرتے رہیں گے اور مؤمن بھی رہیں گے بلکہ آپ کے رب کی قسم! یہ مؤمن اسی وقت ہوں گے جب سارے جھگڑوں کے فیصلوں کیلئے آپ کو حاکم بنائیں گے اور آپکے فیصلہ کے آگے خوشی خوشی سر جھکائیں گے اور ان کے دل میں آپ کے فیصلہ سے ذرا سی بھی گھٹن اور ناراضگی نہیں ہوگی۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کو قبول کرنا تین اعتبار سے ہوگا

پہلا یہ کہ: انسان کا عقیدہ درست ہو اور اسے اس بات پر اعتماد ہو کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ بالکل صحیح اور برحق ہے، دوسرا یہ کہ: انسان زبان سے بھی فیصلہ کے صحیح ہونے کا اقرار کرے، تیسرا یہ کہ: عملی طور پر بھی اپنا معاملہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کردے، اگر دل سے تسلیم کرتا ہے اور زبان سے اقرار بھی کرتا ہے مگر عملاً اپنے معاملات کے فیصلے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نہیں لے جاتا تو بھی فاسق سمجھا جائے گا کیونکہ اس نے فیصلہ کے قبول کرنے کے تین درجات مکمل نہیں کئے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حاکم بنانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کے ساتھ خاص نہیں، حضرات مفسرین کرام نے فرمایا کہ قرآن مجید کے اس ارشاد پر عمل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کیساتھ خاص نہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شریعت کا فیصلہ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فیصلہ ہے؛ اس لئے یہ حکم قیامت تک اس طرح جاری ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں خود بلا واسطہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کیا جائے، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی طرف رجوع کیا جائے جو درحقیقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف رجوع ہے۔

اس واضح اعلان سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے آگے بے چوں و چرا سر جھکانا کہ دل میں ناراضگی کا وہم وگمان تک نہ ہو ایمان کی درستی کی علامت ہے، ورنہ پھر نفاق کی بیماری کا خوف ہے، ان آیتوں میں مسلمانوں کو سبق دیا گیا ہے کہ دین میں بنیادی چیز سچائی اور نیک دلی ہے، جو لوگ اپنے مقدمات اور باہمی معاملات میں دین کا خیال نہیں رکھتے اور اپنے فیصلے اوروں سے کرواتے ہیں ان کا یہ عمل ایمان کے خلاف ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو وہ دین پر بھروسہ نہیں رکھتے یا انصاف ہی سے بھاگنا چاہتے ہیں، پہلی صورت میں وہ ایمان سے کوسوں دور ہیں اور دوسری صورت میں اپنی خود غرضیوں اور خواہشوں سے اندھے ہو گئے ہیں اور ظلم کی حمایت کرتے ہیں۔

بھلا اس سے بڑھ کر بے دینی کیا ہو گی کہ جھگڑوں کے فیصلے کرانے سے پہلے سوچتے ہیں کہ ہماری جیت کہاں ہو گی، انکے نزدیک قاعدہ قانون اور انصاف کوئی چیز نہیں، قرآن کریم اور دین کو اسی حد تک مانتے ہیں جہاں تک وہ انکی خواہشوں کا ساتھ دیں کیونکہ انہیں فقط اپنے فوری نفع سے غرض ہے۔

دوسری بات ان آیتوں میں یہ بتائی گئی ہے کہ منافقوں سے لڑنا جھگڑنا بیکار ہے ان کی باتوں سے بالکل منہ پھیر لینا چاہئے، بلکہ اپنے کاموں میں لگ کر ان کیلئے ایسی فضا پیدا کر دینی چاہئے کہ انہیں پچھتا کر اپنی شرارتوں سے باز آنا پڑے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرنا کفر ہے

اس آیت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اور مرتبہ کے اظہار کیساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری جو بہت سی قرآن کی آیتوں سے ثابت ہے، اس آیت میں قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: کوئی شخص اس وقت تک مؤمن یا مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کو ٹھنڈے دل سے پوری طرح تسلیم نہ کرے کہ اسکے دل میں بھی اس فیصلہ سے کوئی تنگی نہ پائی جائے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت پیغمبر خود امت کے حاکم اور ہر پیش آنے والے جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے ذمہ دار ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ کسی کے حاکم بنانے سے نہیں، پھر اس آیت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاکم بنانے کا حکم مسلمانوں کیلئے اس لئے ہے کہ حکومت کے مقرر کردہ حاکم اور اسکے فیصلہ پر تو بہت سے لوگوں کو اطمینان نہیں ہوا کرتا، جیسا اپنے مقرر کردہ منصف یا حاکم پر ہوتا ہے، مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف حاکم نہیں بلکہ خطاؤں سے معصوم بھی ہیں، رحمۃ للعالمین بھی ہیں، امت پر شفقت کرنے والے اور مہربانی کرنے والے بھی ہیں؛ اس لئے تعلیم یہ دی گئی کہ جب بھی کسی معاملہ میں یا کسی مسئلہ میں آپس میں اختلاف کی نوبت آئے تو دونوں فریقوں کا فرض ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاکم بنا کر اس کا فیصلہ کرائیں اور پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کو دل وجان سے تسلیم کر کے عمل میں لائیں۔

شرعی حکم مشکل نہیں

وَ لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ

اور اگر بیشک ہم حکم کرتے پر ان کہ قتل کرو جانوں اپنی کو یا نکل جاؤ سے

دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا

گھروں اپنے نہ کرتے یہ لوگ اسکو مگر تھوڑے میں سے ان اور اگر بیشک وہ کریں جو

يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾ وَّ اِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ

نصیحت کی جاتی ہے ان کو ساتھ ان کے البتہ ہوتا　بہتر　لئے ان کے اور زیادہ مضبوط　جمانے میں (٦٦)　اور اس وقت البتہ دیتے ہم انکو

مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾ وَّ لَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾

سے　پاس اپنے　ثواب　بڑا　(٦٧)　اور　البتہ دکھادیں ہم انکو　راستہ　سیدھا　(٦٨)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور اگر ہم ان پر حکم کرتے کہ اپنی جانیں ہلاک کر دیا اپنے گھر چھوڑ نکلو تو وہ ایسا نہ کرتے مگر ان میں سے تھوڑے (لوگ اس پر عمل کرتے) اور اگر یہ لوگ کریں جو انکو نصیحت کی جاتی ہے تو البتہ ان کے حق میں بہتر اور زیادہ مضبوط کرنے والا ہوتا دین میں۔ (٦٦) اور اس وقت البتہ ہم انکو اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتے۔ (٦٧) اور انکو ہم سیدھی راہ چلادیں۔ (٦٨)

تفسیر

جس واقعہ کی بناء پر یہ آیت اور اس سے پہلے کی آیت نازل ہوئیں وہ بشر منافق کا معاملہ تھا، جس نے اپنے جھگڑے کے فیصلہ کیلئے پہلے کعب بن اشرف یہودی کو تجویز کیا پھر مجبور ہو کر پیغمبر ﷺ کے پاس گیا اور پیغمبر ﷺ کا فیصلہ چونکہ اس کے خلاف تھا اس پر راضی نہ ہوا، دوبارہ فیصلہ کروانے کیلئے حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا، اس واقعہ کی جب مدینہ میں شہرت ہوئی تو یہودیوں نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ تم کیسے لوگ ہو کہ کس کو پیغمبر مانتے ہو اور اس کی پیروی کے دعویدار ہو مگر اس کے فیصلوں کو تسلیم نہیں کرتے، دیکھو! یہودیوں کو ان کے گناہ کی توبہ کے سلسلہ میں حکم ملا تھا کہ تم اس میں ایک دوسرے کو قتل کرو، ہم نے تو اس شدید حکم کی تعمیل بھی کی یہاں تک کہ ہمارے ستر ہزار آدمی مارے گئے، اگر تمہیں کوئی ایسا حکم دیدیا جاتا تو تم کیا کرتے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی "وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ" یعنی: ان منافقوں کا یا عام کا لوگوں کا جن میں کافر ومومن سب داخل ہیں یہی حال ہے کہ اگر ان کو بنی اسرائیل کی طرح کوئی سخت حکم اپنی جان لینے یا وطن چھوڑنے کا دیدیا جاتا تو ان میں سے بہت

کم آدمی اس حکم کو پورا کرتے۔

اس میں ان لوگوں کو سخت تنبیہ ہے جو اپنے جھگڑوں کا فیصلہ پیغمبر ﷺ یا پیغمبر کی شریعت کو چھوڑ کر کسی دوسری طرف لے جاتے ہیں اور یہودیوں کے طعنہ کا جواب بھی ہے کہ یہ حال منافقوں کا ہے پکے مسلمانوں کا نہیں، اور اس بات کی گواہی یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ میں سے ایک صحابیؓ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس آزمائش میں نہیں ڈالا، صحابی کا یہ کلمہ پیغمبر ﷺ کو پہنچا تو پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ: میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں ایمان مضبوط پہاڑوں سے زیادہ جما ہوا ہے۔

اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کا حکم ماننا کچھ مشکل نہیں کیونکہ پیغمبر ﷺ انکو آسان آسان کام کرنے کا حکم دیتے ہیں جو ان کے حق میں فائدہ مند ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ہم انہیں سخت سے سخت حکم اگر چاہتے تو دے سکتے تھے، مثلاً: اگر ہم حکم دے دیتے کہ اپنا گلا گھونٹ لو یا چھرا مار کر مر جاؤ یا یہ کہ اپنا گھر چھوڑ کر نکل جاؤ تو ایسے حکم ماننے کیلئے تو یہ کبھی تیار ہی نہیں ہوتے بلکہ گنے چنے آدمی ایسا کرتے تو کرتے، انہیں سوچنا چاہئے کہ ہم نے جان کھو کر گھروں سے نکل جانے کیلئے نہیں کہا اور نہ سخت محنت اور مشقت میں ڈالا ہے جیسے پہلے لوگوں کو ڈالا تھا بلکہ آسان آسان کام مقرر کیے جن میں محنت تھوڑی اور ثواب زیادہ ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ: اگر یہ انہی آسان کاموں کو خوشی خوشی کر لیتے تو ان کیلئے بہت ہی اچھا ہوتا، انکا دل مضبوط اور ایمان پختہ ہو جاتا اور ہم ان کو ایسے سیدھے راستہ پر ڈال دیتے جو ہمیشہ کے راحت و آرام کے گھر میں پہنچاتا ہے، مگر یہ اتنا نہیں سمجھتے کہ یہی آسان کام نیک نیتی اور سچے دل سے کیے جائیں تو ان سے اتنا بڑا ثواب اور ایسا بدلہ ملتا ہے کہ انسان ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دکھ درد رنج والم اور عذاب سے چھوٹ کر آرام وسکون اور خوشی کے گھر پہنچ جاتا ہے۔

"صاحب روح المعانی" اور دوسرے مفسرین کرام حضرت عمرؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں حکم دیتے کہ ہم اپنے آپ کو اس کی راہ میں قربان کر دیں تو ہم یقیناً ایسا کر گزرتے مگر الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے ایسا حکم

نہیں دیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کا جواب منقول ہے، فرماتے ہیں کہ: اگر اللہ تعالیٰ حکم دیتا تو میں اپنی اور اپنے بال بچوں کی جانیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دیتا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیق اکبرؓ کا یہ جذبہ سنا تو فرمایا: اے ابوبکر! تم نے سچ کہا، تمہارا ایمان واقعی اتنے اعلیٰ درجے کا ہے۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ انصار کے خاندان کے بڑے صحابہ میں سے ہیں، اپنے قبیلہ کے سردار اور شاعر بھی تھے، ان کے متعلق بھی اس قسم کی بات منقول ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ قربانی پیش کرنے کا حکم دیتے تو عبداللہ بن رواحہ اس تھوڑی جماعت میں شامل ہوتے، جو اس حکم کی تعمیل کر گزرتے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق بھی آتا ہے کہ وہ بھی اس قسم کے حکم کی تعمیل کیلئے تیار تھے۔

ایک روایت کے مطابق "اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ " سے مراد جہاد ہے اور "اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ " سے مراد ہجرت ہے، مگر یہ دونوں چیزیں منافقوں کیلئے بھاری ہیں، وہ تو اللہ تعالیٰ اور اسکے پیغمبر کے فیصلہ کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں، وہ جہاد اور ہجرت جیسے مشکل کام کیسے انجام دینگے، حالانکہ اسلام نے انہیں فرض قرار دیا ہے؛ اسی لئے فرمایا کہ: اگر اللہ تعالیٰ ان دو باتوں کا حکم دیتے تو اس پر بہت کم لوگ عمل کرتے۔

اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندے

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ

اور جو لوگ اطاعت کریں اللہ تعالیٰ کی اور پیغمبر کی سو وہ ساتھ ان کے انعام کیا اللہ تعالیٰ نے

عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ

پر جن سے پیغمبروں میں اور صدیقوں میں اور شہیدوں میں اور نیکوں

وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ؕ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى

اور اچھے ہیں یہی یہ لوگ ساتھی (۶۹) یہ فضل ہے طرف سے اللہ کی اور کافی ہے

ع ۹ ۱۱ ۶ بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾

اللہ تعالیٰ جاننے والے (۷۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو حکم مانیں اللہ تعالیٰ کا اور اسکے پیغمبر کا سو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا کہ وہ پیغمبر اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ ہیں اور یہ لوگ اچھے ساتھی ہیں۔(۶۹) یہ فضل اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والے کافی ہیں۔(۷۰)

تفسیر

حضرت ثوبانؓ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک دفعہ سخت بے چینی کی حالت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے چینی کی وجہ پوچھی تو عرض کیا، حضور! جب میں اس دنیا میں اپنے گھر جاتا ہوں اور بے چین ہو جاتا ہوں تو آپ کی زیارت کر کے سکون حاصل کر لیتا ہوں، اگلے جہاں میں نامعلوم کیا صورت حال ہوگی، اول تو میرا جنت میں جانا قطعی طور پر معلوم نہیں اور اگر میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہاں پہنچ بھی گیا تو میں کسی ادنیٰ درجہ میں ہوں گا، جبکہ آپ عزت کے بلند ترین مقام میں ہوں گے، تو وہاں آپ کی زیارت سے اپنی آنکھیں کیسے ٹھنڈی کر سکوں گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ایک دوسرا واقعہ بھی شان نزول کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمیؓ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم تھے، آپ کی خدمت انجام دیتے رہتے تھے، ایک رات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو فرمایا اور نماز پڑھی، پھر ربیعہؓ سے فرمایا: کوئی خواہش ہے تو بیان کرو، عرض کیا حضور! میری تمنا یہ ہے کہ جنت میں آپکا ساتھ حاصل ہو جائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا: اس کے علاوہ کچھ اور چاہتے ہو، پھر عرض کیا میری خواہش ہے کہ صرف آپ کا ساتھ حاصل ہو جائے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اپنے نفس کے خلاف سجدوں کی کثرت کے ساتھ میری مدد کرو۔ یعنی: کثرت سے نمازیں پڑھا کرو اور پھر میں بھی دعا کروں گا تو اللہ تعالیٰ تمہیں میرا قرب نصیب فرمادیں گے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بزرگ ہستیوں کا ذکر فرمایا ہے جس میں اس کے خاص انعام یافتہ بندے ہیں، جن پر اس کے انعام واکرام کی خاص بارشیں ہوتی ہیں۔

النَّبِيّنَ: نبی کی جمع ہے، وہ برگزیدہ بندے جو دنیا میں انسانوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کیلئے بھیجے گئے، یہ پیغام ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ کے ذریعہ بھیجا جاتا اور وہ فرشتہ کے آنے کو محسوس کرتے اور وہ پیغام اللہ تعالیٰ کے بندوں کو کسی کمی زیادتی کے بغیر پہنچاتے ہیں۔

الصِّدِّيقِيْنَ: صدیق کی جمع ہے، صدیق ظاہراً اور باطناً کمال درجے کا فرمانبردار ہوتا ہے، وہ اپنے قول، فعل اور عقیدے میں ہمیشہ سچا ہوتا ہے، یعنی: وہ لوگ جن کا دل پیغمبروں کے پیغام کو خود بخود سچا مانتا ہے انہیں کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔

الشُّهَدَآءِ: شہید کی جمع ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو پیغمبر کے حکم پر جان دینے کے لئے حاضر ہوں اور حق کی شہادت اپنے خون سے پیش کردیں۔

الصّٰلِحِيْنَ: صالح کی جمع ہے، وہ لوگ جن کی طبیعت پیدائشی طور پر نیک ہو اور اپنے نفس وبدن دونوں کو برائیوں اور ناپاکیوں سے پاک کر چکے ہوں، یعنی: صالح ایسا شخص ہوتا ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں ادا کرے۔

انسانوں کے اندر یہ چار قسم کے لوگ سب سے افضل ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو سب لوگوں پر فضیلت اور برتری عطاء کی ہے اور اپنے انعام سے نوازا ہے، ان کے مرتبوں کی وہی ترتیب ہے، جو آیت کے اندر رکھی گئی ہے، یعنی: پیغمبر کا مرتبہ سب سے بلند ہے، اسکے بعد صدیق کا، پھر شہید کا، پھر نیک لوگوکا، اگرچہ معنی اور مفہوم کے اعتبار سے یہ چار صفات اور درجات الگ الگ ہیں لیکن یہ سب صفات ایک شخص میں بھی جمع ہوسکتی ہیں، بہرحال یہ سب اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور فضل سے مالا مال ہیں، پہلے بھی ذکر آچکا ہے کہ انسان استعداد اور قابلیت کے لحاظ سے یکساں نہیں۔

لوگوں میں سے افضل وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری میں مشغول ہوں، انکو بھی اپنی

قابلیت اور استعداد کے مطابق حسبِ مرتبہ پیغمبروں، صدیقوں، شہیدوں اور نیکوں کی ہمراہی نصیب ہوگی، اس ہمراہی سے یہ مراد نہیں کہ وہ بالکل انہیں جیسے ہو جائیں گے، ہاں! یہ ہوگا کہ وہ انہی کے خادموں میں شمار کیے جائیں گے اور انکا رشتہ ان کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا، یہ بڑی عنایت ہے کہ اس رشتہ کو رفاقت کا نام دیا گیا ہے ورنہ انکا خادم مان لیا جانا بھی بڑی خوش قسمتی کی بات ہے، ایک حدیث میں ہے کہ بلند درجے والے اور نچلے درجے والے جنتیوں کی آپس میں ملاقاتیں ہونگی، ایک دوسرے کا ساتھ نصیب ہوگا اور آپس میں گفتگو ہوگی، صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ہفتہ میں ایک دن یعنی جمعہ کے روز فرمانبردار لوگ انعام یافتہ لوگوں سے ملاقات کیا کریں گے، اس ملاقات سے نچلے درجہ والا جنتی بھی اس قدر مطمئن ہوگا کہ وہ خود کو اعلیٰ درجہ والے جنتی سے کمتر نہیں سمجھے گا، اس پر ایسی کیفیت طاری ہوگی کہ وہ خود کو کمتر خیال نہیں کرے گا حالانکہ ان کے درجات میں اس قدر فرق ہوگا جتنا زمین اور بلند ستارے کے درمیان فرق ہے۔

پیغمبر، صدیق، شہید، نیک یہ وہی لوگ ہیں جن کے راستے پر چلنے کی ہم ہر وقت نماز میں دعا کرتے ہیں، "سورہ فاتحہ" ہمیں یہی سکھاتی ہے کہ "اے اللہ! ہمیں سیدھی راہ پر چلا جس پر تیرے برگزیدہ انعام یافتہ بندے چلے" ان بڑے لوگوں کا ساتھ صرف انہیں کو نصیب ہوگا جو اللہ تعالیٰ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فرمانبرداری کریں گے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اس شخص کا کیا درجہ ہوگا جو کسی جماعت سے محبت اور تعلق رکھتا ہے مگر اپنے عمل میں ان کے درجہ کو نہیں پہنچا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: آخرت میں ہر شخص اسکے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے۔

جہاد کیلئے تیار رہو

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا

اے - لوگوں! جو ایمان لائے ہو لے لو ہتھیاروں اپنے کو پھر نکلو دستے بن کر یا نکلو

جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ

اکٹھے (۷۱) اور بیشک میں سے تم وہ ہے ضرور دیر لگائے گا پھر اگر پہنچے تم کو کوئی مصیبت

قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾

کہے گا بیشک انعام کیا اللہ تعالیٰ نے پر مجھ جب نہ ہوا میں ساتھ انکے حاضر (۷۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے ایمان والو! لے لو اپنے ہتھیار پھر نکلو جدا جدا فوج ہو کر یا سب اکٹھے ہو کر۔(۷۱)

اور تم میں کوئی ایسا بھی ہے (منافق) کہ جان بوجھ کر دیر لگائے گا، پھر اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچے تو کہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فضل کیا کہ میں نہ ہوا ان کے ساتھ۔(۷۲)

تفسیر

بعض روایتوں میں ہے کہ شروع میں بہت سے منافقوں نے لوگوں پر اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا مگر جب جہاد فرض ہوا تو مچل گئے اور بعض تو کافروں کے ساتھ مل کر کھلم کھلا دین کی مخالفت کرنے لگے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں جہاد کے وقت ان کے عمل کا ذکر ہے اور مسلمانوں کو ان لوگوں کے اس طریقہ کو اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے، اسلام نے بہت چاہا کہ انسان آپس میں صلح وصفائی سے رہیں لیکن کافروں کی خود غرضیوں نے مسلمانوں کو لڑائی پر مجبور کر دیا اور جب تک لوگ اپنی خواہشوں کے غلام رہیں گے اور شیطان کے بہکاوے میں آکر سیدھے راستے سے منہ موڑ لیں گے اس وقت تک دنیا میں جنگ کا خاتمہ نہ ہو سکے گا اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو خواہشوں کے ان غلاموں سے مجبوراً لڑنا پڑے گا۔

ایمان والوں کو اس آیت میں ہدایت کی گئی ہے کہ انسانیت کے دشمنوں سے اپنے بچاؤ کا سامان کر لو اور جنگ کے سامان سے لیس رہو، موقعہ آتے ہی ان سے لڑنے کیلئے نکل کھڑے ہو اس میں دیر نہیں لگانی چاہیے کیونکہ لڑائی کے وقت دیر لگانے سے بعض اوقات کام بگڑ جاتا ہے اور دشمن کامیاب ہو جاتے ہیں۔

یاد رکھو! تمہارے اندر ایسے بھی لوگ ہیں جو جہاد کیلئے نکلنے میں ٹال مٹول کرتے ہیں اور دیر لگاتے ہیں، انہیں منافق کہا جاتا ہے، انکا سردار عبداللہ بن ابی تھا، اس نے یہ طریقہ مقرر کر رکھا تھا کہ مسلمان جب لڑائی کیلئے

جاتے تو یہ بہانہ بازیاں کر کے اپنے لوگوں کو لیکر پیچھے رہ جاتا، اگر مسلمانوں کو کوئی صدمہ پہنچتا یا شکست ہوتی تو کہتا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں ان کے ساتھ نہ تھا ورنہ میں بھی مرگیا ہوتا، گویا اس کے خیال میں غلط بات بیٹھ چکی تھی کہ گھر میں رہ کر وہ موت سے محفوظ رہے گا اور میدان میں وقت سے پہلے اسے موت آجائے گی۔

خُذُوْا حِذْرَكُمْ: میں یہ بات بھی آتی ہے کہ ہر زمانہ میں کامیاب جنگ لڑنے کیلئے جدید ترین جنگی صلاحیت کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے، اس کے بغیر کوئی قوم دشمن کا مقابلہ نہیں کرسکتی، بہرحال اللہ تعالیٰ کا یہ حکم کے "اپنے ہتھیار لے لو" اسمیں اسلحہ لینے کا حکم تو دے دیا لیکن یہ وعدہ نہیں کیا گیا کہ اسکی وجہ سے تم ضرور محفوظ ہی رہو گے، اس سے اشارہ اس بات کی طرف کر دیا گیا کہ اسباب کا اختیار کرنا صرف دل کے اطمینان کیلئے ہوتا ہے ورنہ نفع اور نقصان سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں، اسباب میں کچھ نہیں۔

فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا: اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ موقع کی مناسبت سے خواہ چھوٹے ٹکڑوں میں یا سب اکٹھے ہو کر حملہ آور ہو یا یکدم پوری قوت اور لشکر جھونک دو، جس طریقے سے کامیابی کا امکان ہو وہی طریقہ استعمال کرو، بعض اوقات کھلے عام ٹکر لینے کے بجائے گوریلا جنگ زیادہ مناسب ہوتی ہے۔

جہاد اس قدر بلند مرتبہ کی چیز ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ: اسلام کی بلندی جہاد میں ہے، اللہ تعالیٰ کے تمام حکم جہاد ہی کے ذریعے قائم ہوسکتے ہیں، جب تک مسلمانوں میں جہاد کا جذبہ زندہ رہے گا وہ غالب رہیں گے۔

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ: اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب بھی مسلمانوں سے ہے حالانکہ آگے جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ مسلمانوں کی نہیں ہوسکتیں؛ اسلئے علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد منافقوں ہیں، وہ چونکہ ظاہراً مسلمان ہوتے کا دعویٰ کرتے تھے اسلئے خطاب میں انکو مومنین کی جماعت کہا گیا ہے۔

جہاد اور اسکا اجر

وَ لَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ

اور اگر پہنچے تم کو فضل سے طرف اللہ تعالیٰ ضرور کہے گا گویا نہ تھی درمیان تمہارے

وَ بَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴿۷۳﴾

اور درمیان اسکے دوستی اے کاش! ہوتا میں ساتھ انکے پس میں پاتا کامیابی بڑی (۷۳)

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

سو چاہیے لڑیں میں راستے اللہ تعالیٰ کے وہ جو بیچتے ہیں زندگی دنیا کی

بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَ مَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ

بدلے آخرت کے اور جو لڑے میں راستے اللہ تعالیٰ کے پھر مارا جائے یا غالب ہوجائے

فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴿۷۴﴾

تو جلد ہم دینگے اسکو ثواب بڑا (۷۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فضل پہنچا تو اس طرح کہنے لگا کہ گویا تم میں اور اس میں دوستی نہ تھی، اے کاش! کہ میں ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی مراد پاتا۔ (۷۳) سو! چاہیے کہ لڑیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں وہ لوگ جو بیچتے ہیں دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے اور جو کوئی لڑے اللہ تعالیٰ کے راستے میں پھر مارا جائے یا غالب ہوجائے تو ہم عنقریب اسکو بڑا ثواب دیں گے۔ (۷۴)

تفسیر

جہاد کی تیاری کا حکم اور اس سلسلہ میں منافقوں کا عمل اس سے پہلے گزر چکا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو اسلام کا سپاہی قرار دیا ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ حق کی راہ میں سر دھڑ کی بازی لگانے کیلئے ہر وقت تیار رہو، انفرادی

طور پر جنگ کا موقع ہو یا اجتماعی طور پر جہاد کی ضرورت ہو، ہر صورت میں تیار رہنا لازم ہے، منافق جان بوجھ کر ٹال مٹول کریں گے اور شرکت سے باز رہیں گے، اگر خدانخواستہ تمہیں تکلیف پہنچی تو خوشی کا اظہار کریں گے اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا، تم کامیاب رہے اور مال غنیمت کے ساتھ واپس لوٹے تو بالکل اجنبیوں کی طرح کہیں گے کاش! ہم ان کے ساتھ ہوتے اور خوب ہاتھ رنگتے، لوٹ مار کرتے اور دھن دولت سمیٹ کر لاتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو لوگ آخرت کے بدلے دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں، دین پر دنیا کو پسند کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے راستے میں ان کے خلاف جہاد کرو، کامیابی اور ناکامی کو خاطر میں نہ لاؤ، اس راہ میں مارے جاؤ یا غالب آؤ، ہم دونوں صورتوں میں بہت زیادہ ثواب دیں گے۔

مظلوموں کی مدد میں جہاد

وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ
اور کیا ہوا تم کو نہیں لڑتے میں راستے اللہ تعالیٰ کے اور (کیوں نہیں لڑتے) کمزور لوگوں کیلئے سے

الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا
مردوں میں سے اور عورتوں میں سے اور بچوں میں سے جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! نکال ہم کو

مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ
سے اس بستی ظالم ہیں لوگ جسکے اور بنادے لئے ہمارے سے پاس اپنے

وَلِيًّا ۚ وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾
حمایتی اور بنادے لئے ہمارے سے پاس اپنے مددگار (۷۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور تم کو کیا ہوا کہ اللہ کی راہ میں نہیں لڑتے اور ان کے واسطے جو کمزور ہیں مرد اور عورتیں اور بچوں میں سے جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! نکال ہم کو اس بستی سے کہ یہاں کے لوگ ظالم ہیں اور

ہمارے لئے اپنے پاس سے حمایتی بنادے اور ہمارے واسطے اپنے پاس سے مددگار بنادے۔(۷۵)

تفسیر

يُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: لڑے اللہ تعالیٰ کی راہ میں، ان آیتوں میں یہ جملہ تین بار آیا ہے، زور اس بات پر دینا مقصود ہے کہ لڑائی خالص اللہ تعالیٰ کے دین کیلئے ہونی چاہئے، اللہ تعالیٰ کو منظور یہ ہے کہ دین کے راستے پر چلنے سے کوئی کسی کو نہ روکے، لڑائی ان سے ہے جو دین کو حق خود بھی نہیں مانتے اور دوسروں کو بھی اس پر چلنے سے روکتے ہیں، یہاں سے سمجھ آتا ہے کہ جہاد کے معنیٰ ان لوگوں سے مقابلہ کیلئے تیار رہنا ہے، جو لوگوں کو سیدھی راہ سے روکتے ہیں اور خواہ مخواہ ان کو اپنا ہم خیال بنانا چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: جب کسی بستی کے مرد اور عورتیں، چھوٹے، بڑے، کمزور بچے مدد کیلئے چیخ و پکار کر رہیں ہیں، ظالموں کے ہاتھوں مجبور ہو تمہیں مدد کیلئے دہائی دے رہے ہیں تو تم کو کیا ہو گیا ہے کہ مدد کیلئے نہیں بڑھتے اور ظالموں کے خلاف جنگ کیلئے کمر بستہ نہیں ہوتے۔

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: کا ذکر قرآن کریم میں بہت مرتبہ آیا ہے اور اس سے یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ ایمان والوں کی دشمن کے ساتھ جنگ نہ کسی مفاد کیلئے ہے، نہ دوسروں کا ملک حاصل کرنے کیلئے ہے، نہ ہی اپنی بہادری دکھانا اور شہرت کروانا مقصود ہے؛ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ دنیا کی خاطر جہاد کرنے والے اپنی پہلوانی کا سکہ بٹھانے والے مجاہد کو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے "جاؤ تمہارے لئے میرے پاس کچھ اجر نہیں تم نے شہرت کیلئے جہاد کیا تھا، میری رضا مقصود نہیں تھی، پھر حکم ہوگا کہ: اسے اٹھا کر دوزخ میں پھینک دو" اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کے دین کو سربلند کرنا ہے کہ اسکا دین تمام دینوں پر غالب آجائے اور دنیا پر ثابت ہو جائے کہ ہر مقام پر اللہ تعالیٰ کی بات کو ہی برتری حاصل ہے۔

قرآن کریم کے اترنے کے زمانہ میں مسلمانوں کا ایک طبقہ مکہ کے کافروں کے ظلم و ستم کی چکی میں پس رہا

تھا، مظلوم کو ظلم سے نجات دلانا جہاد کا دوسرا بڑا سبب ہے، پیغمبروں کے بھیجنے میں یہ بات داخل ہے کہ مظلوموں کو ظلم سے نجات دلائی جائے، جسطرح دین کی تبلیغ پیغمبروں کا فرض ہے اسی طرح ظلم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا بھی ان کے فرض میں داخل ہے، بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ پیغمبر ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے جن کاموں کے بارے میں بیعت لی تھی ان میں کمزوروں اور مظلوم کی مدد بھی شامل تھی، ایک اور حدیث میں ہے کہ نہ خود کسی پر ظلم کرو نہ کسی کے ظلم کو برداشت کرو۔

احکام ومسائل

مسئلہ (۱):۔۔۔۔ عام طور پر جہاد فرض کفایہ میں شمار ہوتا ہے، جب مسلمانوں کا ایک گروہ جہاد کیلئے ہر وقت تیار ہو تو پھر تمام لوگوں پر جہاد ضروری نہیں رہتا، اور بعض اوقات اگر حالات کا تقاضہ ہو تو جہاد ہر مسلمان پر فرض عین بھی ہوسکتا ہے۔

مسلمانوں اور کافروں کی جنگ

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

وہ لوگ جو | ایمان لائے | وہ لڑتے ہیں | میں | راستے | اللہ تعالیٰ کے | اور | وہ لوگ جو | جنہوں نے کفر کیا

يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ

وہ لڑتے ہیں | میں | راستے | شیطان کے | تو لڑو تم | حمایتیوں سے | شیطان کے | بیشک

كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ ع ۱۰

چال | شیطان کی | ہے | کمزور (۷۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جو لوگ ایمان والے ہیں سو اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑتے ہیں اور جو لوگ کافر ہیں وہ لڑتے ہیں شیطان کے راستے میں، سو! تم شیطان کے حمایتیوں سے لڑو بیشک شیطان کی چال کمزور ہے۔ (۷۶)

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کر کے اس کیلئے اس دنیا میں زندگی گزارنے کا ایک خاص طریقہ مقرر فرمایا ہے، جانوروں کی طرح اسے بالکل آزاد نہیں چھوڑا کہ جو جی چاہے کرتا پھرے، اس طریقے کا نام "صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا" سیدھا راستہ اور سچا دین ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے، قرآن مجید میں دوسری جگہ اس کو "صِرَاطُ اللّٰهِ"، یعنی: اللہ تعالیٰ کا راستہ کہا گیا ہے، ایک خفیہ طاقت نے جسے ابلیس، شیطان اور طاغوت مختلف نام دیئے گئے ہیں ہر طرح سے انسانوں کے ساتھ دشمنی کرنے کی ٹھان لی ہے اور جہاں تک اسکا بس چلتا ہے وہ انسانوں کو سیدھے راستے سے ہٹانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔

انسانوں کیلئے دو راستے مستقل طور پر قائم ہیں ایک اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا راستہ جس کو آیت میں "سَبِیْلِ اللّٰهِ" اللہ تعالیٰ کا راستہ کہا گیا ہے اور دوسرا شیطان کا راستہ جو "سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ" ہے، آیت میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو ماننے والے اللہ تعالیٰ کے راستے کی حمایت میں لڑتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کو اور اس کے حکموں کو نہیں مانتے وہ شیطان کے راستے کی حمایت میں لڑتے ہیں، اسکے بعد بتایا گیا ہے کہ بظاہر تو شیطان کی سازشیں بہت ڈراؤنی اور مضبوط معلوم ہوتی ہیں لیکن اصل میں اسکے داؤ پیچ بہت کمزور ہیں اور نیک نیت لوگوں کے پختہ ارادے کے سامنے ان کی کچھ حقیقت نہیں۔

لڑائی سے ڈرنے والے

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَیْدِیَكُمْ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ

کیا نہیں دیکھا آپ نے طرف ان لوگوں کی کہا گیا سے ان روکو ہاتھوں اپنے کو اور قائم کرو نماز کو

وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ

اور دو زکوۃ پھر جب لکھا گیا پر ان لڑنا اچانک کہ ایک جماعت میں سے ان

يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَ قَالُوْا رَبَّنَا

ڈرنے لگی لوگوں سے جیسا ڈرہو اللہ تعالیٰ کا یا اس سے زیادہ ڈر اور کہنے لگے اے رب ہمارے!

لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْ لَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ

کیوں لکھا اوپر ہمارے لڑنا کیوں نہ ڈھیل دی تک مدت تھوڑی

بامحاورہ ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہ دیکھا جن کو حکم ہوا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو، پھر جب انکو لڑائی کا حکم ہوا اچانک ان میں سے ایک جماعت لوگوں سے ڈرنے لگی جیسے اللہ تعالیٰ کا ڈر ہو یا اس سے بھی زیادہ ڈر اور کہنے لگے اے ہمارے رب! کیوں ہم پر فرض کی لڑائی؟ کیوں نہ ہم کو چھوڑے رکھا تھوڑی مدت تک؟

تفسیر

مکہ مکرمہ میں جب لوگوں نے اسلام قبول کیا تو کافر انہیں بہت ستانے لگے اور ان پر طرح طرح کے ظلم کرنے لگے، تنگ آکر مسلمان پیغمبر ﷺ کے پاس آکر کہتے کہ ہمیں جنگ کی اجازت دی جائے، آپ ﷺ فرماتے کہ ابھی لڑنے کا حکم نہیں، اس وقت تو یہی حکم ہے کہ نماز پڑھو اور اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو، اس آیت میں نماز کے قائم کرنے کا حکم دیا گیا کیونکہ نماز تمام عبادتوں کی بنیاد ہے اور اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والی عبادت نماز ہے، ساتھ ساتھ زکوٰۃ کا بھی حکم دیا گیا۔

زکوٰۃ مکی دور کے ابتداء میں ہی فرض ہوگئی تھی مگر اسکی ادائیگی کا طریقہ مدنی زندگی کے دوسرے سال میں مقرر ہوا، مکی زندگی میں زکوٰۃ کی ادائیگی صرف اس حد تک تھی کہ اپنے مال کا کچھ حصہ غریبوں اور مسکینوں کو دو اور دوسرے نیکی کے کاموں میں خرچ کرو، مالی عبادت میں زکوٰۃ اہم ترین عبادت ہے، کیونکہ یہ انسانوں کے ساتھ ہمدردی کا ایک ذریعہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا مقصود ہو تو اسکی مخلوق کے حقوق ادا کرنا بھی لازم ہیں؛

اس لئے مالی عبادت میں زکوٰۃ سرفہرست ہے، اللہ تعالیٰ نے "سورہ توبہ" میں ارشاد فرمایا کہ: اگر یہ لوگ شرک سے توبہ کر کے ایمان میں داخل ہو جائیں تو پھر ان کو دو لحاظ سے پرکھا جائے گا، "اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں، پھر ان کا راستہ چھوڑ دو" انکی جان و مال محفوظ ہے، مقصد یہ کہ نماز اور زکوٰۃ ایمان لانے کی علامات ہیں انہیں کے ذریعے مسلمان اور کافروں میں فرق کیا جا سکتا ہے۔

موت سے بچنا ممکن نہیں

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۚ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫ وَ لَا

آپ کہہ دیں فائدہ دنیا کا تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے لئے اس کے جو پرہیزگار ہوگا اور نہیں

تُظْلَمُوْنَ فَتِيلًا ﴿٧٧﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ

ظلم کیے جاؤ گے تم ذرا سا بھی (۷۷) جہاں کہیں تم ہو آ پکڑے گی تم کو موت اور اگر

كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ

تم ہو میں قلعوں مضبوط

با محاورہ ترجمہ:۔ آپ کہہ دیں کہ! دنیا کا فائدہ تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے پرہیزگاروں کیلئے اور تمہارا حق ایک دھاگے کے برابر نہ رہے گا۔ (۷۷) تم جہاں کہیں ہو گے تم کو موت آ پکڑے گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔

لفظی تحقیق: مَتَاعٌ: فائدہ، پونجی، سامان، وہ چیز جس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ: ظلم نہیں کیے جاؤ گے۔ ظلم کے معنی ہیں کسی پر زیادتی کرنا، کسی کا حق دبالینا اور بے جا ستانا۔ فَتِيلًا: اصل معنی دھاگے کے ہیں۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ تمہارا ذرا سا بھی حق (چھوٹے دھاگے کے برابر بھی) نہ دبایا جائے گا۔ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ: مضبوط قلعے۔ بُرُوْج: اسکے معنی قلعہ اور عالیشان محل کے ہیں۔ "مُشَيَّد" کے معنی ہیں پختہ چونے کے بنے ہوئے، مقصد یہ کہ مضبوط اور پختہ ترین قلعوں کے اندر بھی موت سے بچنا ممکن نہیں۔

تفسیر

جب جہاد کا حکم ہوا اور لڑائی سر پر آ گئی تو بعض لوگ خوف کے مارے کانپنے لگے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کرنے لگے کہ "اے ہمارے رب! آپ نے لڑنے کا حکم کیوں دے دیا کچھ دن اور جی لیتے اور موت سے بچ جاتے تو اچھا ہوتا"، غرض انکے دلوں پر دنیا کی محبت غالب آ گئی اور موت سے ڈرنے لگے، اس آیت میں انکو ہدایت کی گئی ہے کہ اے پیغمبر! ان سے کہہ دیں کہ دنیا کے مزے اور عیش تو بہت ہی کم اور تھوڑے دن کے ہیں، اسکے مقابلے میں آخرت کا عیش و آرام کہیں بہتر ہے اور یہ ان لوگوں کو نصیب ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا خیال کریں گے اور اس کی نافرمانی سے بچیں گے، یاد رکھو! اس خیال سے جو بھی نیک کام کرے گا اس کا بدلہ اور ثواب پورا پورا ملے گا اور جو بھی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور اسکی نافرمانی سے بچنے کی کوشش کرے تو اسکی یہ کوشش بیکار نہیں جائے گی، دنیا میں تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی خواہش کرتا ہے اور پوری نہیں ہوتی، محنت کرتا ہے لیکن اسکی محنت کا پھل اسے نہیں ملتا اور جو کچھ تھوڑا بہت ملتا ہے وہ تھوڑے دن میں ختم ہو جاتا ہے، آخرت کیلئے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کام کرنے کا پھل پورا پورا ملے گا اور وہ تھوڑے دن کیلئے نہیں ہوگا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہوگا، باقی رہی موت تو اس سے گھبرانا کیا؟ اس سے کوئی انسان کسی طرح بچ ہی نہیں سکتا، ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں موت سے پناہ مل سکے، دنیا میں ہمیشہ جینے کی تمنا بیکار ہے، محل اور مضبوط سے مضبوط تہہ خانے کسی کو موت سے نہیں بچا سکتے، ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے سے تو کہیں اچھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر جان دے دی جائے اور آخرت کے ہمیشہ ہمیشہ کے آرام، عیش و عشرت، اطمینان و راحت حاصل کیے جائیں، قرآن مجید کے ان گنے چنے الفاظ میں کتنی بڑی حقیقت اس آسان طریقے سے واضح کر دی گئی ہے، یہ بات بڑے بڑے وعظوں اور گھنٹوں کی تقریروں سے بھی ایسے گہرے طور پر دل میں نہیں بیٹھ سکتی جیسے اس چھوٹی سی آیت میں تھوڑی دیر غور کرنے سے بیٹھ جاتی ہے، یہی وہ کلمات ہیں جن کو سن کر ابتداء میں مسلمانوں نے ایسے ایسے علیشان کام انجام دیے کہ آج تک دنیا ان پر عش عش کرتی ہے۔

عملوں کا بدلہ

وَ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ
اور اگر پہنچے ان کو کچھ بھلائی کہیں گے وہ یہ ہے سے طرف اللہ تعالیٰ کی اور اگر پہنچے ان کو

سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ
کچھ برائی کہیں گے وہ یہ ہے سے طرف آپ کی آپ کہیں سب کچھ ہے سے طرف اللہ تعالیٰ کی پس کیا ہے؟

هٰۤؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾ مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ
واسطے اس قوم کے نہیں قریب ہیں کہ سمجھیں بات کو (۷۸) جو پہنچے آپکو کوئی

حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَ مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ
بھلائی سو طرف سے ہے اللہ تعالیٰ کی اور جو پہنچے آپ کو کوئی برائی پس طرف سے ہے نفس آپ کے کی

وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾
اور بھیجا ہم نے آپ کو طرف لوگوں کے پیغمبر بنا کر اور کافی ہے اللہ تعالیٰ بطور گواہ کے (۷۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر ان کو کچھ بھلائی پہنچے تو کہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر ان کو کچھ برائی پہنچے تو کہیں یہ آپ کی طرف سے ہے، کہہ دیں کہ سب اللہ کی طرف سے ہے پس ان لوگوں کا کیا حال ہے جو بات سمجھنے کے قریب نہیں پھٹکتے۔(۷۸) جو پہنچے تجھ کو کوئی بھلائی سو اللہ کی طرف سے ہے اور جو آپ کو کوئی برائی پہنچے سو آپ کی اپنی طرف سے ہے اور ہم نے آپ کو بھیجا لوگوں کیلئے پیغمبر بنا کر اور اللہ تعالیٰ کافی دیکھنے والے۔(۷۹)

تفسیر

منافقوں کا ایک اور عمل اس آیت میں بیان کیا گیا ہے، جب لڑائی میں کامیابی ہوتی ہے اور بہت سامالِ

غنیمت ہاتھ آتا ہے تو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیں کامیابی دی اور اتنا مال دیا اور اگر کبھی دوسری صورت پیش آتی ہے اور لڑائی میں مال وجان کا نقصان ہوتا ہے یا جیت نہیں ہوتی تو پیغمبر ﷺ پر الزام لگاتے ہیں کہ آپ نے جنگ کی تدبیر ٹھیک نہیں کی اس لئے نقصان اٹھانا پڑا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان سے کہہ دیں کہ کامیابی وناکامی اور فائدہ ونقصان سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، تم اتنی بات نہیں سمجھتے کہ اس کے سوا کوئی اور کچھ نہیں کرسکتا، انسان کو جو بھی نعمت ملتی ہے سب اللہ تعالیٰ کی عطا سے ملتی ہے، جو بھلائی، خوشحالی، آرام وراحت، سب اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے، کسی انسان کا اپنا کمال ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: تمہیں سمجھ لینا چاہئے کہ بھلائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور برائی تمہارے اپنے کاموں کا پھل ہے، جب کوئی برائی پہنچتی ہے تو اس میں تمہارا اپنا کوئی قصور ضرور ہوتا ہے جس کی سزا تمہیں ملتی ہے، پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ: انسان کو جو بھی برائی پہنچتی ہے، وہ اس کی کسی غلطی یا گناہ کی وجہ سے ہوتی ہے، یہ سزا اس لئے ملتی ہے کہ لوگ آئندہ ایسی غلطی نہ کریں اور خود کو ٹھیک کرلیں، کافر کے متعلق تو یہ بات واضح ہے کہ کفر اور نفاق خود بری چیز ہے، اس سے انسان کی عقل، روح اور دل ناپاک ہوجاتے ہیں، البتہ نیک لوگوں پر مصیبت کا آنا، ان کے گناہوں کی وجہ سے نہیں ہوتا، بلکہ ان کے حق میں یہ بھی ایک نعمت ہوتی ہے جو ان کی درجوں کی بلندی کا ذریعہ بنتی ہے، پیغمبر ﷺ جو بھی تدبیر فرماتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، پھر ان کو الزام دینے کے کیا معنی؟ جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کرتے ہیں، انسان کو فائدہ پہنچتا ہے تو اسکے فضل سے پہنچتا ہے، اور نقصان پہنچتا ہے تو اس کی طرف سے، کیونکہ تمام کاموں کے کرنے والے صرف اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔

پیغمبر ﷺ اور دین کے متعلق ان کے تمام شبہات دور ہوجاتے اگر انہیں قرآن کریم کے حق ہونے کا یقین ہوجاتا، وہ جان لیتے قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی پاک صفت ہے، یہ کسی انسان کا کلام نہیں، اس میں پیش کردہ نظام تمام عیبوں سے پاک ہے، یہ چیزیں قرآن کریم میں غور وفکر کرنے سے ہی حاصل ہوسکتی ہیں، مگر یہ لوگ قرآن کریم کی طرف متوجہ ہونے کیلئے تیار نہیں ہوتے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے

دین سے بے توجہی کر رہے ہیں، اگر ایسا کسی غلطی سے ہوتا تو الگ بات ہوتی، انسان کی غلط فہمی کبھی نہ کبھی دور ہو جاتی ہے، مگر یہ تو پکے دشمن ہیں، ان کا مقصد صرف مخالفت ہے، لہٰذا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو درگزر کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا: یعنی: اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام انسانوں اور جنوں کیلئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حقیقت میں اپنی فرمانبرداری نہیں کرواتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرواتے ہیں، پیغمبر تو اللہ تعالیٰ کا پیغام اسکی مخلوق تک پہنچاتے ہیں اور خود بھی اسی پر عمل کرتے ہیں، حکم دینے والی ذات تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾

جس نے فرمانبرداری کی پیغمبر کی پس تحقیق فرمانبرداری کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اور جس نے منہ موڑا تو نہیں بھیجا ہم نے آپکو پر ان نگہبان (۸۰)

بامحاورہ ترجمہ: جس نے پیغمبر کا حکم مانا اس نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانا اور جو الٹا پھرا تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔(۸۰)

تفسیر

اس آیت میں ایک فائدے کا بیان ہے، جو لوگوں کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے سے پہنچ سکتا ہے، فائدہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو اپنا اور سارے جہانوں کا پیدا کرنے والا، پالنے والا اور حاجتوں کو پورا کرنے والا مان چکے ہیں، وہ ضرور اسکی فرمانبرداری کرنا چاہتے ہیں، ان کیلئے یہ کتنی بڑی آسانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں میں سے ایک آدمی کو اپنا پیغمبر مقرر کر کے ان کے پاس بھیج دیا اور اعلان فرما دیا جو ہمارے پیغمبر کی

فرمانبرداری کریگا وہ ہماری فرمانبرداری کریگا اور جوان کا فرمانبردار نہ ہوگا ہمارا نافرمان ہوگا اور نہ وہ ہمیں کسی اور طریقے سے راضی کر سکے گا، یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا اکرم ہے کہ انسان کیلئے اپنی فرمانبرداری اتنی آسان کردی۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ آپکا کام یہ ہے کہ آپ لوگوں کو وہ باتیں بتاتے رہیں جو انہیں کرنی چاہئے، اگر کوئی نہ کرے تو آپ اسکے ذمہ دار نہیں ہیں، ہم نے آپ کو لوگوں کا نگران نہیں بنایا ہے کہ زبردستی لوگوں کو سیدھے راستے پر چلائیں، ہم خود ان نافرمانوں سے نمٹ لیں گے، آپ ان لوگوں کیلئے نہ کُڑھیں اور نہ ان کی پرواہ کریں، افسوس ہے کہ! ایسے شفیق و مہربان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہوتے ہوئے بھی کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم زندگی کو مالداروں، متکبروں اور مغرور لوگوں کی پیروی کر کے درست بنا سکتے ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف سازشیں

وَ يَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ

اور وہ کہتے ہیں کہنا ماننا پھر جب باہر گئے سے پاس آپکے رات کو بات کی ایک گروہ نے میں سے ان

غَيْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُ ؕ وَ اللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ

خلاف اسکے جو کہتا تھا اور اللہ تعالیٰ لکھتا ہے جو رات کو باتیں کرتے ہیں سو منہ پھیر لیجئے سے ان

وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

اور بھروسہ کیجئے پر اللہ تعالیٰ اور کافی ہیں اللہ تعالیٰ کام بنانیوالے (۸۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کہتے ہیں (منظور ہے) پھر جب آپ کے پاس سے باہر گئے ان میں سے بعض اس کے خلاف رات کو مشورہ کرتے ہیں جو وہ کہہ چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں جو راتوں کو مشورہ کرتے ہیں، سو! ان سے اعراض کیجئے اور اللہ پر بھروسہ کیجئے اور اللہ کام بنانے کیلئے کافی ہیں۔ (۸۱)

تفسیر

اس آیت میں ان کی ایک اور مکاری کا ذکر ہے، یہ لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو سن کر آپ کے سامنے تو یہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ سب حکم جان و دل سے قبول ہیں اور ہمارا کام آپ کی فرمانبرداری کرنا ہے لیکن جب آپ کے پاس سے اٹھ کر باہر چلے جاتے ہیں تو رات کو سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں اور آپس میں طے کرتے ہیں کہ ہم ان کا کہنا ماننے والے نہیں اور جہاں تک ہو سکے گا انکے خلاف کریں گے، یہ لوگ سامنے کچھ کہتے ہیں اور پیٹھ پیچھے کچھ، ان کا ظاہر اور باطن ایک جیسا نہیں، اگر انکا یہ خیال ہے کہ اس طرح ظاہری باتیں بنا کر مسلمانوں کو دھوکا دیتے رہیں گے اور اندرونی طور پر ان کی جڑ کھودتے رہیں گے تو ان کا یہ خیال غلط ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ان کے راتوں کو چھپ چھپ کر مشورے سب لکھے جاتے ہیں، ان کے ہتھکنڈے سب اللہ تعالیٰ کو شروع سے آخر تک معلوم ہیں، یہ ان کی دورخی کاروائی نہیں چلے گی اور مکاری کا بھانڈا پھوٹ کر رہے گا۔

فرمانبرداری کے یہ معنی نہیں کہ منہ سے جی حضور بہت اچھا کہہ دیا اور دل میں ٹھان لیا کہ اس کے خلاف کریں گے، اسکے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں، اللہ تعالیٰ جو کام کرنا چاہتے ہیں کر کے رہتے ہیں، اسے نہ کسی کی مدد کی ضرورت ہے نہ مخالفت کی پرواہ ہے، وہ سارے کام انجام دینے کیلئے اکیلے ہی کافی ہے، اس پر بھروسہ کریں۔

منافقوں کی دورخی پالیسی ان کی سازشوں اور مکاریوں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا کہ آپ ان سے منہ پھیر لیں، آپ ان لوگوں میں سے کسی کے محتاج نہیں اور نہ اسلام کی ترقی ان لوگوں کی ذات سے وابستہ ہے۔

قرآن کریم کے سچا ہونے کی دلیل

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا

کیا نہیں وہ غور کرتے قرآن کریم میں اور اگر ہوتا سے پاس علاوہ کے اللہ تعالیٰ کے تو وہ ضرور پاتے

فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾

میں اس اختلاف بہت (۸۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کیا وہ قرآن کریم میں غور نہیں کرتے اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں ضرور پاتے بہت اختلاف۔ (۸۲)

تفسیر

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری کے انکار کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ انکار کرنے والوں کو ان کی لائی ہوئی کتاب پر کوئی شک وشبہ ہے، ان کی غلط فہمی دور کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سچائی اور اس کے اللہ تعالیٰ کے کلام ہونے کے بارے میں بہت دلیلیں دیں، چنانچہ پہلے ہی پارے میں انہیں کھلا چیلنج دیا ''اگر اسے میرا کلام نہیں مانتے بلکہ انسانی کلام سمجھتے ہو تو تم سب مخالف مل کر ایسی ایک آدھ سورۃ ہی بنالاؤ''۔

یہاں ایک اور بالکل واضح اور منہ توڑ دلیل پیش کی، ارشاد ہوتا ہے کہ کیا تم قرآن مجید اور اس کے پیانے ہونے کے سلسلہ میں غور وفکر نہیں کرتے ہو؟ اگر تم نے اسے پڑھا ہوتا تو اس کی حقیقت کو خود ہی پالیتے کہ اس قدر بڑی کتاب میں اول سے آخر تک کہیں کوئی اختلاف کی بات نہیں، اس کی کوئی آیت دوسری کسی آیت کے خلاف نہیں، اسکی تعلیم میں شروع سے آخر تک کہیں کوئی ٹکراؤ نہیں، اگر یہ کسی انسان کا کلام ہوتا تو اسکے اندر اختلاف اور متضاد باتیں ضرور ہوتیں۔

ذرا سوچئے! یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کا کلام ہو اور اس میں ۶۶۶۶ سے زائد جملے

(آیتیں) ہوں اور ان میں اس قدر یکسانیت ہو کہ کوئی ایک دوسرے کے خلاف نہ ہو، نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور تمام عیبوں سے پاک ہے، آؤ! اسے مان کر کامیابی حاصل کرو۔

بے تحقیق افواہیں

وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَ لَوْ

اور جب آئے انکے پاس کوئی نئی بات سے امن یا خوف پھیلا دیتے ہیں اسکو اور اگر

رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ

لیجاتے اسکو طرف پیغمبر کی اور طرف حاکموں کی میں سے اپنے البتہ پرکھتے اسکو وہ لوگ

يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ

جو چھان بین کرتے ہیں اسکی میں سے ان اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا پر تم اور رحمت اسکی

لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾

البتہ پیچھے ہو لیتے تم شیطان کے مگر تھوڑے سے لوگ (۸۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب ان کے پاس پہنچتی ہے کوئی امن یا ڈر کی خبر تو اسے مشہور کرتے ہیں بھلا اگر اس کو پیغمبر تک پہنچا دیتے اور اپنے حاکموں تک تو اس کی تحقیق کرتے جو ان میں سے تحقیق کرنے والے ہیں اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی مہربانی تو البتہ تھوڑے سے لوگوں کے سوا تم سب شیطان کے پیچھے ہو لیتے۔ (۸۳)

تفسیر

اس سے پہلے منافقوں کا ذکر چلا آ رہا ہے اور ان کی چالوں کا پردہ چاک کیا جا رہا ہے، یہاں ایک اور بری

عادت بیان کی گئی ہے کہ، منافق پریشانی پیدا کرنے والی خبریں اڑایا کرتے تھے تاکہ مسلمانوں میں پریشانی پھیلے وہ اگر کسی راز کی بات کو سن لیتے تو فوراً مشہور کر دیتے تاکہ اگر لڑائی کی خبر ہے تو مسلمانوں کے دشمن چوکنا ہو جائیں اور اگر معمولی بات ہے تو مسلمانوں کا مذاق اڑایا جائے یا لوگوں میں آپس میں نفرت اور حقارت پیدا ہو، ان کی دیکھا دیکھی بعض ناسمجھ مسلمان بھی ایسا کر بیٹھتے، ان سب سے کہا گیا ہے کہ ایسا نہ کرو! بغیر تحقیق کے یونہی سنی سنائی خبر اڑا دینا بہت برا ہے اور اس میں مسلمانوں اور دین کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

اس آیت کا ایک شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو کسی گاؤں میں بھیجا کہ وہاں کے لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے لائیں، گاؤں کے لوگ ان کے آنے کی خبر سن کر استقبال کیلئے نکلے، یہ صاحب سمجھے کہ لوگ انہیں مارنے آئے ہیں، وہ فوراً واپس آ گئے اور آ کر مدینہ میں مشہور کر دیا کہ اس گاؤں کے لوگ اسلام سے پھر گئے ہیں، شہر میں خبر پھیل گئی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر بھی نہ ہوئی، آخر جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر پہنچی تو آپ نے اس کی تحقیق فرمائی تو وہ خبر بالکل غلط نکلی، اس آیت میں ان لوگوں کو کہا گیا ہے کہ تم پر لازم ہے کہ جب تم کو کسی بات کی اطلاع ملے تو کسی سے نہ کہو! سیدھے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یا ان لوگوں کے پاس جاؤ جو بات کو پرکھنے اور اس کی تحقیق کرنے کا سلیقہ رکھتے ہوں اور سب سے پہلے ان کے پاس وہ خبر پہنچا دو، جب وہ تحقیق اور چھان بین کر کے اس کے بارے میں کہہ دیں کہ صحیح ہے تب اسے لوگوں میں بیان کرو، اگر اس صورتحال کی تحقیق نہ کی جاتی تو قریب تھا کہ ان لوگوں کے خلاف کوئی فوری کاروائی ہو جاتی اور مسلمانوں کے ہاتھوں ہی مسلمانوں کا نقصان ہو جاتا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے اتنا کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بغیر چھان بین کے آگے بیان کر دے۔

اُولِی الْاَمْرِ: یہ لفظ پیچھے اسی سورۃ کے آٹھویں رکوع میں آچکا ہے، وہاں یہ حکم تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے پیغمبر کی فرمانبرداری کرو اور اپنے میں سے حاکم کی فرمانبرداری کرو، وہاں پر بھی وضاحت کی گئی تھی کہ صاحب امر

سے مراد مسلمان حاکم ہیں اور امت کے علماء وفقہاء بھی، اگر معاملہ انتظامی نوعیت کا ہے تو حاکم کے پاس جائیگا کیونکہ فوج کا نظم وضبط، شہری دفاع اور دوسرے ملکی نظم ونسق کی ذمہ داری حاکموں (وزیراعظم وغیرہ) پر ہوتی ہے، اس لئے ایسے معاملہ میں وہی بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں، اور اگر معاملہ حلال وحرام کا ہے یا کسی بات کے جائز یا ناجائز ہونے کا ہے اور اس میں زرعی فتویٰ کی ضرورت ہے تو پھر ایسا عالموں کے سامنے پیش کرنا چاہئے تاکہ وہ اپنی علمی تحقیق کی روشنی میں مسئلہ کا حل پیش کرسکیں، امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ: "اولی الامر" میں حاکم اور عالم کے دونوں شامل ہیں۔

جہاد اور اسکی ترغیب

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ

سوآپ لڑیں میں راستے اللہ تعالیٰ کے نہیں ذمہ دار ٹھہرایا جائیگا مگر جان کا اپنی اور تاکید کریں مسلمانوں کو

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَ اللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا

قریب ہے اللہ تعالیٰ کہ روک دیں لڑائی انکی جو کافر ہوئے اور اللہ تعالیٰ بہت سخت ہیں لڑائی میں

وَّ اَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ

اور بہت سخت ہیں سزا دینے میں (۸۴) جو سفارش کرے سفارش نیک ہوگا لئے اس کے حصہ

مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَ

میں سے اس اور جو سفارش کرے سفارش بری ہوگا لئے اسکے بوجھ میں سے اس اور

كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾

ہیں اللہ تعالیٰ پر ہر چیز قدرت رکھنے والے ہیں (۸۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ سو! اللہ کی راہ میں لڑیئے آپ ذمہ دار نہیں مگر اپنی جان کے اور مسلمانوں کو تاکید

کریں، قریب ہے کہ اللہ کافروں کی لڑائی بند کردے اور اللہ بہت سخت ہے لڑائی میں اور بہت سخت ہے سزا دینے میں۔(۸۴) جوکوئی نیک بات میں سفارش کرے اسکو بھی ملے گا اس میں حصہ اور جو سفارش کرے بری بات میں اس پر بھی اس میں سے ایک حصہ ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں۔(۸۵)

شانِ نزول

جب احد کی جنگ شوال میں ہو چکی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذیقعدہ میں کافروں کے وعدہ کے مطابق بدر میں مقابلہ کیلئے جانا چاہا جس کو مورخین "بدر صغریٰ" کہتے ہیں، اس وقت بعض لوگوں نے تازہ زخمی ہونے کی وجہ سے اور بعض نے افواہی خبروں کی وجہ سے جانے میں کچھ دیر لگائی تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، جس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ہدایت کی گئی کہ اگر یہ کچے مسلمان لڑائی سے ڈرتے ہیں تو اے پیغمبر! آپ تنہا تنہا جہاد کریں اور ان کا انتظار نہ کریں، اللہ تعالیٰ آپ کے مددگار ہیں، اس ہدایت کو پاتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ستر ساتھیوں کے ساتھ "بدر صغریٰ" کو تشریف لے گئے، جس کا وعدہ ابوسفیان اور کافروں کے ساتھ احد کی جنگ کے بعد ہوا تھا، حق تعالیٰ نے ابوسفیان اور قریش کے کافروں کے دل میں رعب اور خوف ڈال دیا اور کوئی مقابلہ میں نہ آیا، اور وہ اپنے وعدے سے جھوٹے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد کے موافق کافروں کی لڑائی کو بند فرمادیا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں سمیت سلامتی کے ساتھ واپس تشریف لے آئے۔

تفسیر

اس سے پچھلی آیتوں میں تھا کہ لڑائی سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں، ویسے بھی مرنا تو ہے پھر آدمی مردانہ طریقہ سے کیوں نہ مرے، اس آیت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہے کہ اگر منافق جہاد کیلئے تیار نہ ہوں تو آپ پرواہ نہ کریں خود نکل کھڑے ہوں، ان میں سے کوئی ساتھ دے یا نہ دے، ہاں! ان کو لڑنے کی تاکید ضرور کرتے رہیں،

آپ صرف اپنے ذمہ دار ہیں اور کسی کے نہیں، کہہ دینا آپ کا کام ہے، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرنے والے ہیں، یہ ممکن ہے کہ دشمن آپکے نکلنے کے بعد رعب کے مارے لڑنے کو نہیں نکلیں۔

آگے ارشاد ہے کہ: جو کسی نیک کام کی ترغیب دے گا اس کو بھی اس کے ثواب کا حصہ ملے گا اور جو کسی برائی کی ترغیب دیگا اس کو اس کے گناہ کی سزا کا حصہ ملے گا، اس آیت میں یہ بھی اشارہ نکلتا ہے کہ کسی کام پر لوگوں کو تیار کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ خود ان کے سامنے اس کام کو شروع کر دیا جائے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا: لفظ "مُقِيْتٌ" کے معنی لغت کے اعتبار سے قادر و مقتدر کے بھی ہیں اور حاضر اور نگران کے بھی اور روزی تقسیم کرنے والے کے بھی، اور اس جملے میں تینوں معنی مراد ہو سکتے ہیں، پہلے معنی کے اعتبار سے تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں، عمل کرنے والے اور سفارش کرنے والے کی جزاء یا سزا اللہ تعالیٰ کیلئے مشکل نہیں اور دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگران و حاضر ہیں اسکو سب معلوم ہے کہ کون کس نیت سے سفارش کر رہا ہے، صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کسی بھائی کی مدد کرنا مقصود ہے یا کوئی اپنی غرض بطور رشوت کے اس سے حاصل کرنا ہے، اور تیسرے معنی کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ رزق و روزی کی تقسیم کا تو اللہ تعالیٰ خود حصہ مقرر کرنے والے ہیں، جتنا کسی کیلئے لکھ دیا ہے وہ اسکو مل کر رہے گا، کسی کی سفارش کرنے سے وہ مجبور نہیں ہو جائیگا، بلکہ جسکو جتنی چاہے روزی عطا فرمائیگا، البتہ سفارش کرنے والے کو مفت میں ثواب مل جاتا ہے کہ وہ ایک کمزور کی مدد ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک اپنے بندہ کی مدد میں لگے رہتے ہیں جب تک وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کی مدد میں لگا رہے۔

احکام و مسائل

اس آیت میں شفاعت، یعنی: سفارش کو اچھی اور بری دو قسموں میں تقسیم فرما کر اس کی حقیقت کو بھی واضح کر دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ نہ ہر سفارش بری ہے اور نہ ہر سفارش اچھی، ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ اچھی سفارش کرنے والے کو ثواب کا حصہ ملے گا اور بری سفارش کرنے والے کو عذاب کا، آیت میں اچھی سفارش کے ساتھ "نَصِيْبٌ"

کا لفظ آیا ہے اور بری سفارش کے ساتھ "کِفْلٌ" کا اور لغت میں دونوں کے معنی ایک ہی ہیں، یعنی: کسی چیز کا ایک حصہ، لیکن عام طور پر لفظ "نَصِیْبٌ" اچھے حصہ کیلئے بولا جاتا ہے اور لفظ "کِفْلٌ" اکثر برے حصہ کیلئے استعمال کرتے ہیں۔

مسئلہ (۱):.... جائز سفارش کیلئے ایک تو یہ شرط ہے کہ جس کی سفارش کی جائے اسکا مطالبہ حق اور جائز ہو۔

مسئلہ (۲):.... جو شخص اپنے مطالبہ کو کمزوری کی وجہ سے بڑے لوگوں تک نہیں پہنچا سکتا، اس کیلئے سفارش کی جاسکتی ہے۔

مسئلہ (۳):.... حق کے خلاف سفارش کرنا یا دوسروں کو اس کے قبول پر مجبور کرنا بری سفارش ہے، اس سے معلوم ہو گیا کہ سفارش میں اپنے تعلق یا اپنے مرتبے سے دباؤ ڈالا جائے، یعنی: زبردستی کی جائے تو وہ بھی ظلم ہونے کی وجہ سے جائز نہیں؛ اسی لئے وہ بھی شفاعت سیئہ، یعنی: بری سفارش میں داخل ہے، "ابن ماجہ" کی ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت کی گئی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل میں ایک لفظ سے بھی مدد کی تو وہ قیامت میں اللہ تعالیٰ سامنے اس طرح لایا جائیگا کہ اس کی پیشانی پر یہ لکھا ہوگا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہے"۔

مسئلہ (۴):.... جس سفارش پر کوئی معاوضہ لیا جائے وہ رشوت میں داخل ہے، خواہ وہ رشوت مال کی صورت میں ہو یا یہ کہ اس کا کام کرنے کے بدلے اپنا کوئی کام اس سے لیا جائے۔

مسئلہ (۵):.... کسی مسلمان کی حاجت روائی کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا بھی شفاعت حسنہ، یعنی: اچھی سفارش میں داخل ہے، اور دعا کرنے والے کو اجر بھی ملے گا۔

نیکی کا بدلہ

وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ

اور جب دعا دیئے جاؤ تم ساتھ ایک دعا کے تو دعا دو تم ساتھ بہتر کے سے اس یا لوٹا دو وہی بیشک

اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ

اللہ ہیں پر ہر چیز حساب کرنیوالے (۸۶) اللہ تعالیٰ نہیں کوئی معبود سوائے اسکے

لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ وَ مَنْ اَصْدَقُ

بیشک جمع کر کے لائینگے تم کو طرف دن قیامت کے نہیں شک میں سے اور کون زیادہ سچا ہے

مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ﴿۸۷﴾ ع ۱۱/۸

سے اللہ تعالیٰ بات میں؟ (۸۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب تم کو کوئی دعا دے تو اس سے بہتر دعا دو یا وہی لوٹا کر کہو، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب کرنے والے ہیں۔ (۸۶) اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں، بیشک تم کو قیامت کے دن جمع کریں گے، اس میں کوئی شبہ نہیں اور اللہ سے زیادہ بات میں کون سچا ہے؟ (۸۷)

تفسیر

تَحِيَّةً: (دعا) اس لفظ کے اور بھی کئی معنی آتے ہیں، مثلاً: تحفہ، نذرانہ، کسی اچھی چیز کی پیشکش یا دعا اور سلام، یہاں اس سے مراد سلام یا دعا ہے، "السلام علیکم" کہنا مخاطب کو دعا دینا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی سفارش کی کہ وہ اسے سلامتی سے رکھے۔

اس سے پہلی آیت میں کہا گیا ہے کہ جو کوئی کسی کی بہتری کی سفارش کرے گا اسے خود بھی اس بہتری کا حصہ ملے گا، یہاں یہ ارشاد ہے کہ: جو تمہاری بہتری چاہے تم پر لازم ہے کہ تم بھی اس کی بہتری چاہو بلکہ جو اس نے تمہارے لئے چاہا ہے تم اس کیلئے اس سے بھی بہتر چاہو، اگر کوئی تم سے "السلام علیکم" کہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تمہیں سلامت رکھے تو تم بھی اس کو یہی جواب دو اور کہو "وعلیکم السلام" یہ تو برابر کا جواب ہے لیکن تم اس سے بڑھ کر بھی جواب دے سکتے ہو، یعنی: "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" جس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ سلامت رکھیں

اور تم پر اسکی رحمت ہو، اور اگر سلام کرنے والا ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہے تو تم جواب میں کہو ''وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ وبرکاتہ'' تو یہ اس سے بڑھ کر جواب ہوگا، یعنی: اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے اور تم پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل کرے۔

''صحیح بخاری وصحیح مسلم'' کی روایت میں آتا ہے کہ سلام کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے جاری فرمایا، آپ کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: جنت میں فرشتوں کی ایک جماعت ہے، اس کو جا کر سلام کرو جو وہ جواب دیں گے وہی جواب تمہارے لئے اور تمہاری اولاد کیلئے ہوگا، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کے پاس جا کر ''السلام علیکم'' کہا تو انہوں نے جواب میں ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہا چنانچہ سلام کا یہی طریقہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں رائج ہوگیا۔

یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ سلام کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا واجب، اور پھر یہ بھی ہے کہ جو شخص سلام میں پہل کرتا ہے اس کو زیادہ اجر ملتا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ راستوں پر نہ بیٹھا کرو، اگر بیٹھنا ہے تو راستے کا حق بھی ادا کیا کرو اور راستے کا حق یہ ہے کہ اچھی باتوں کا حکم کیا کرو اور بری باتوں سے روکا کرو، بھٹکے ہوئے لوگوں کو راستہ دکھاؤ اور آنے جانے والوں کو سلام کہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ: میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جس پر عمل کر کے تم آپس میں محبت کرنے لگو اور آپس میں محبت کرو گے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ تمہیں جنت عطا فرمائیں گے، وہ چیز ہے ''آپس میں سلام کو پھیلاؤ'' یعنی: ایک دوسرے کو ''السلام علیکم'' کہا کرو ''جس کیساتھ جان پہچان ہے اسے بھی سلام کہو اور جس کے ساتھ تعارف نہیں ہے اس کو بھی سلام کرو'' یہ پیار ومحبت کا بہترین نسخہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا: بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والے ہیں، وہ چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی ضائع نہیں کریں گے اور خلوص ومحبت کے ساتھ ایک دوسرے کو سلام کہنے پر بھی جنت نصیب فرما سکتے ہیں۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں یہ کلمہ اسلام کی بنیاد ہے اور یہ بات ہمیشہ نظر کے سامنے رہنی چاہئے، اگر بنیاد درست ہوگی تو تمام معاملات درست ہوں گے، لہٰذا اسلام کے بنیادی عقیدہ توحید کو

ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہئے، اسی پر عملوں کے صحیح ہونے اور اس پر اجر ملنے کا دارومدار ہے، عبادتیں، جہاد، سلام، ملاقاتیں سب اس بنیادی عقیدہ کے تابع ہیں۔

لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ: اللہ تعالیٰ سب کو مرنے کے بعد پھر زندہ کر کے قیامت کے دن جمع کریں گے، دنیا میں نیکیوں کا بدلہ جو ملا سو ملا، قیامت کے دن تو سب کو پورا پورا بدلہ ملے گا اور کوئی محروم نہیں رہے گا، اسمیں شک کی گنجائش ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جو کہتے ہیں وہ ٹھیک ہوتا ہے، بھلا اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچ بولنے والا کون ہوگا، اس لئے اسکے کہنے پر یقین کرنا لازم ہے۔

سلام کے احکام

(۱)....اسمیں اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ہے۔

(۲)....دوسرے کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلانے کا ذریعہ بھی۔

(۳)....اپنے مسلمان بھائی سے محبت و تعلق کا اظہار بھی۔

(۴)....اس کیلئے بہترین دعا بھی۔

(۵)....اور اس یہ معاہدہ بھی کہ میرے ہاتھ اور زبان سے آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔

احکام و مسائل

مسئلہ (۱):....سلام کے آداب کے سلسلے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تعلیم بھی دی کہ چھوٹا بڑے کو سلام کرے، سوار پیدل کو سلام کرے، چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے، اور تھوڑے زیادہ کو سلام کریں، یہ اچھے اخلاق کی تعلیم ہے تاکہ لوگوں میں اپنی بڑائی پیدا نہ ہو۔

مسئلہ (۲):....کسی شخص کیلئے یہ بات پسندیدہ نہیں کہ وہ دوسرے شخص کے سلام کا منتظر رہے بلکہ ہر شخص کو سلام میں پہل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت تھی کہ آپ سلام میں پہل فرماتے تھے، جب

آپ کا بچوں پر گزر ہوتا تو انکو سلام فرماتے، عورتوں کے پاس سے گزرتے تو انہیں بھی سلام فرماتے تھے، فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ عورتیں اپنی قریبی رشتہ داروں میں سے ہوں یا بڑی عمر کی ہوں تو ان کو سلام کیا جا سکتا ہے، نوجوان عورتوں کو اجنبی نوجوان کا سلام فتنہ کا باعث ہو سکتا ہے، لہٰذا اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

مسئلہ (۳):.... پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب اپنے گھر جاؤ تو بیوی بچوں کو سلام کرو آمیں اللہ تعالیٰ تمہارے لئے خیر و برکت ڈال دیں گے، اگر خالی گھر میں جاؤ تو وہاں بھی سلام کرو اور یوں کہو "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ" ہم پر سلام ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو، وہاں اللہ تعالیٰ کی کوئی دوسری مخلوق فرشتے وغیرہ ہوں گے تو وہ بھی اس سلام میں شامل ہو جائیں گے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: اس آیت کے مخاطب مسلمان ہیں اور سلام کرنے کا حکم انہی کیلئے ہے کہ جب آپس میں ملو تو ایک دوسرے کو سلام کیا کرو اور اس کا بہتر جواب دیا کرو، یہ حکم کافروں کیلئے نہیں ہے، لہٰذا حتی الامکان کافروں کو سلام نہ کرو۔

مسئلہ (۴):.... اگر کسی مجلس میں مؤمن اور کافر ملے جلے ہوں تو سلام کرتے وقت مؤمنوں کے حق میں نیت کرو یا فرشتوں کا تصور کر کے "السلام علیکم" کہو۔

مسئلہ (۵):.... بعض حالتوں میں سلام کرنا مکروہ ہو جاتا ہے، مثلاً: پیشاب یا پائخانہ کرنے کی حالت میں سلام نہیں کرنا چاہئے، اذان، نماز، تلاوت یا دوسرے علمی کاموں کے دوران سلام کرنا مکروہ ہے، اسی طرح اگر کوئی گناہ کا کام مثلاً: کبوتر بازی، پتنگ بازی، بٹیر بازی، گانے بجانے کے دوران سلام کرنا مکروہ ہے۔

ایمان کا معیار

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَ اللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ

پھر کیا ہوا کو تم بارے میں منافقوں کے دو گروہ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے الٹ دیا ان کو بسبب اسکے جو کمایا انہوں نے

اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ
کیاارادہ کرتے ہوتم کہ ہدایت کرو جسے گمراہ کیا اللہ تعالیٰ نے اور جس کو گمراہ کرے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ

تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ
پائینگے آپ لئے اسکے کوئی راستہ (۸۸) وہ پسند کرتے ہیں کہ کافر ہو جاؤ تم جیسے کافر ہوئے وہ پس ہو جاؤ تم

سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ
برابر پس نہ بناؤ میں سے ان دوست یہاں تک کہ ہجرت کریں وہ میں راستے اللہ تعالیٰ کے

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر تم کو کیا ہوا کہ منافقوں کے بارے میں دو فریق ہو رہے ہیں اور اللہ نے الٹ دیا ان کو ان کے عملوں کے سبب کیا تم چاہتے ہو کہ اسے راہ پر لے لاؤ جس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کیا؟ اور جس کو اللہ گمراہ کرے تو آپ اس کیلئے کوئی راہ (ہدایت کا کوئی راستہ) نہ پائینگے۔ (۸۸) وہ پسند کرتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے تو پھر تم سب برابر ہو جاؤ، سو! تم ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راستے میں ہجرت کریں۔

تفسیر

مُنٰفِقِيْنَ: منافقوں کا ذکر بہت پہلے سے چلا آرہا ہے، منافق اسکو کہتے ہیں جس کا ظاہر و باطن ایک جیسا نہ ہو ظاہری برتاؤ صرف مسلمانوں کو دکھانے کیلئے ہو اور اندر سے کافر ہوں، یہ لوگ اسلام کے شروع میں دو قسم کے تھے، ایک تو وہ جو زبان سے کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں مگر دل سے کافر تھے، دوسرے وہ جو کافر تھے لیکن مسلمانوں سے میل جول اور دوستانہ تعلقات رکھنا چاہتے تھے، یہاں سے دوسرے گروہ کا ذکر شروع ہوتا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ اس آیت میں منافقوں سے وہ کافر مراد ہیں جو مکہ سے مدینہ آئے تھے، اسلام سے ہمدردی ظاہر کی پھر تجارت کے بہانے مکہ واپس چلے گئے تھے، ان کی غرض یہ تھی کہ مسلمان جس وقت کافروں سے مقابلہ کریں تو

ان کو دوست سمجھ کر چھوڑ دیں اور ان کے جان و مال کا نقصان نہ ہو، جب یہ معلوم ہوا کہ ان کی غرض صرف خود کو نقصان سے بچانا اور مسلمانوں کو دکھ دینا ہے تو مسلمانوں کے دو فریق ہو گئے، ایک کہتا تھا کہ ان مطلب کے یاروں سے تعلق نہ رکھو، دوسرا کہتا کہ ہمارا کیا بگاڑتے ہیں، شاید انمیں سے کوئی دیکھا دیکھی مسلمان ہو جائے۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ ان مطلب پرستوں سے ملنے جلنے میں کوئی فائدہ نہیں، ان کے عمل اس قدر خراب ہیں کہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام جیسی نعمت سے محروم کر رکھا ہے اور کفر کی طرف لوٹا دیا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ اس کے برے اعمال کی وجہ سے گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں کر سکتا، ان لوگوں کا دل تو یہ چاہتا ہے کہ تم بھی کافر ہو جاؤ مگر تم مسلمان ہو چکے ہو اور اللہ تعالیٰ کا دین پھیلانے کیلئے اپنا وطن تک چھوڑ چکے ہو، جب تک یہ بھی اللہ تعالیٰ کیلئے وطن نہ چھوڑ دیں، ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ نہ آ جائیں اور اللہ تعالیٰ کے دین پھیلانے کیلئے مال، دولت، گھر بار، آرام و سکون سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار نہ ہوں تم ان سے ہرگز دوستی نہ کرو۔

ہجرت کی تین قسمیں

ہجرت کی پہلی قسم فرض ہے، قرآن کریم میں موجود ہے کہ جب کسی علاقے میں کافروں کا اس قدر غلبہ ہو جائے کہ مسلمان دین پر عمل نہ کر سکیں تو وہاں سے ہجرت فرض ہو جاتی ہے، چنانچہ شروع اسلام میں جب مکہ کے کافروں نے مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا تو ان کیلئے ہجرت واجب ہو گئی، چنانچہ مسلمانوں نے دو دفعہ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور تیسری دفعہ مدینہ آ گئے اس وقت ایمان کا معیار ہی یہ تھا۔

ہجرت کی دوسری قسم یہ ہے کہ آدمی پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ جہاد میں شریک ہو جائے، منافقوں کیلئے یہ عمل بڑا مشکل تھا، وہ بہانے سے جہاد سے بچتے تھے، پیچھے رہ جاتے تھے، چنانچہ احد کی جنگ کے موقع پر ایسا ہی ہوا کہ عبداللہ بن ابی تین سو آدمیوں کی جماعت کے ساتھ اس لئے واپس آ گیا کہ ان کی رائے کا نہیں مانی گئی تھی، وہ مدینہ میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے جب کہ صحابہ کی ایک بڑی جماعت باہر میدان میں نکل کر لڑائی کرنا چاہتی تھی، ان منافقوں کے متعلق بھی بعض مسلمان اچھا خیال رکھتے تھے کہ یہ کلمہ پڑھنے والے ہیں، نمازیں

پڑھتے ہیں، ہر مجلس میں شامل ہوتے ہیں، لہٰذا ان کے متعلق بدگمانی نہیں ہونی چاہیے، مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: جب تک یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک نہ ہوں ان کا کچھ اعتبار نہیں، لہٰذا ان کی ہجرت یہ تھی کہ وہ جہاد میں شامل ہوں۔

ہجرت کی تیسری قسم یہ ہے کہ ایسی چیزوں کو چھوڑ دے جن کے چھوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: ''مہاجر وہ ہے جو ہر اس چیز کو چھوڑ دے جس سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو نہیں چھوڑتا تو وہ حقیقی مہاجر نہیں ہے۔

منافقوں سے جنگ

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۠ وَ لَا
پس اگر منہ موڑیں پس پکڑو انکو اور قتل کرو ان کو جہاں پاؤ تم انکو اور نہیں

تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى
بناؤ میں سے ان کوئی دوست اور نہ مددگار (۸۹) مگر وہ لوگ جو ملے ہوئے ہیں طرف

قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ
اس قوم کے جنکا درمیان تمہارے اور درمیان انکے عہد ہے یا آئیں تمہارے پاس کہ تنگ ہوگئے ہیں سینے انکے

اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ
اس سے کہ لڑیں وہ تم سے یا لڑیں وہ قوم اپنی سے اور اگر چاہتے اللہ تعالیٰ البتہ مسلط کردیتا انکو

عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ
اوپر تمہارے پس ضرور لڑتے وہ تم سے

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر اگر وہ اس کو قبول نہ کریں تو انکو پکڑو اور قتل کر ڈالو جہاں ان کو پاؤ، اور ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ اور نہ مددگار۔ (۸۹) مگر وہ لوگ جو ملاپ رکھتے ہیں اس قوم سے کہ تم میں اور ان میں عہد ہے

یا تمہارے پاس آئے ہیں کہ تمہاری لڑائی سے ان کے دل تنگ ہوئے ہیں اور اپنی قوم کی لڑائی سے بھی اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ان کو تم پر زور دے دیتے تو وہ تم سے ضرور لڑتے۔

لفظی تحقیق: خُذُوْا: پکڑو۔ یہ لفظ تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے، بنانا، اختیار کرنا اور پکڑ لینا یا گرفت میں لینا۔ مِّیْثَاقٌ: عہد۔ اسکے معنی ہیں بھروسہ اور اعتماد رکھنا، میثاق سے مراد وہ چیز ہے جس سے بھروسہ اور اعتماد پیدا ہو جائے، اس سے مراد قول و قرار بھی ہوتا ہے۔ سَلَّطَ: قابو دیدینا۔ شیر کر دینا، غالب کر دینا اور زور دینا، یہ انہی لوگوں کے بارے میں حکم ہے جن کا بیان چلا آرہا ہے۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ کفر پر جمے ہوئے ہیں مسلمان نہ ہوں گے بلکہ دوسروں کو بہکاتے رہیں گے کہ تم بھی کافر ہو جاؤ، بہر حال تم ان سے مسلمان ہونے اور ایسی قربانیاں کرنے کیلئے کہتے رہو جیسی تم نے کی ہیں، اگر وہ نہ مانیں تو لڑائی کے وقت ان کا کچھ خیال نہ کرو اور قابو پاتے ہی انہیں پکڑ لو اور قتل کرو، انکا یہ ملنا جلنا لڑائی میں ان کے کام نہ آئیگا کیونکہ یہ لوگ دل میں تمہارے پکے دشمن ہیں اور جب موقع ملے گا اپنی شرارتوں سے باز نہیں آئیں گے۔

لڑائی کی حالت میں ان خود غرض لوگوں کو جہاں پاؤ مارو لیکن وہاں دو صورتوں میں جان بچ سکتی ہے، اول یہ کہ ان کا ان لوگوں سے گہرا میل جول ہو اور صلح کا عہد ہو جن کا تمہارے ساتھ عہد ہو چکا ہے، دوسرے یہ کہ لڑائی سے تنگ آکر خود تم سے صلح کرنا چاہیں اس شرط پر کہ نہ ہم خود تم سے لڑیں گے نہ تمہارے خلاف اپنی قوم کا ساتھ دیں گے۔

صلح توڑنے والوں سے جنگ

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَ اَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا

پس اگر　کنارہ کریں وہ تم سے　سو نہ　لڑیں وہ تم سے　اور　ڈالیں وہ　طرف تمہاری　صلح　پس نہیں

جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿٩٠﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ

بنایا اللہ تعالیٰ نے لئے تمہارے پر ان کوئی راستہ (۹۰) عنقریب پاؤ گے دوسرے لوگوں کو جو چاہتے ہیں

اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ۭ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا

کہ بے خوف رہیں وہ تم سے اور بے خوف رہیں قوم سے اپنی جب کبھی لوٹائے جاتے ہیں طرف شرارت کی جا پڑتے ہیں

فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا

میں اس پس اگر نہ کنارہ کریں وہ تم سے اور نہ ڈالیں طرف تمہاری صلح اور نہ روکیں

اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكُمْ

ہاتھوں کو اپنے پس پکڑو انکو اور قتل کرو ان کو جہاں پاؤ تم ان کو اور یہ لوگ

۱۲ ع ۹ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿٩١﴾

دی ہے ہم نے لئے تمہارے پر ان غلبہ کھلا (۹۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ سو اگر وہ تم سے ایک طرف رہیں پھر تم سے نہ لڑیں اور پیش کریں تم پر صلح تو اللہ تعالیٰ نے تم کو ان پر راہ نہیں دی۔ (۹۰) اب تم دیکھو گے ایک قوم کو جو چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم سے بھی اور اپنی قوم سے بھی جب کبھی وہ لوٹائے جاتے ہیں فساد کی طرف تو اس کی طرف لوٹ جاتے ہیں، پس اگر وہ تم سے ایک طرف رہیں اور نہ صلح پیش کریں اور نہ اپنے ہاتھ روکیں تو ان کو پکڑو اور مار ڈالو جہاں پاؤ اور ہم نے دیا ہے ان پر کھلا غلبہ۔ (۹۱)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ یہ لوگ صلح کرنے کے بعد اس کی پابندی کریں اور لڑائی چھوڑ دیں اور صلح کے ساتھ رہیں تو تمہیں ان کو مارنے کی اجازت نہیں، اسکے بعد ان کے ایک اور گروہ کا ذکر ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا گیا ہے کہ آیت "سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ" میں جن کا ذکر ہے ان

سے مراد قبیلہ اسد اور غطفان ہیں، کہ وہ لوگ مدینہ آئے اور ظاہراً اسلام کا دعویٰ کرتے اور مسلمانوں سے کہتے کہ ہم تمہارے دین پر ہیں اور اپنی قوم سے کہتے کہ ہم تو بندر اور بچھو پر ایمان لائے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو نہ تم سے لڑائی کرنا چاہتے ہیں نہ اپنی قوم سے اور تم سے عہد کر لیتے ہیں کہ تم سے نہ لڑیں گے لیکن جب دیکھتے ہیں کہ تمہارے دشمن بڑھ رہے ہیں تو عہد کا ذرا سا بھی خیال نہیں کرتے اور تمہارے دشمنوں سے جا ملتے ہیں، ایسے لوگ اگر صلح توڑ کر لڑنے کیلئے آجائیں تو تم بھی ان سے لڑو کیونکہ تمہارے پاس انکے خلاف کھلم کھلا دلیل ہے کہ یہ لوگ عہد توڑ چکے ہیں۔

غلطی سے مسلمان کو قتل کرنے کی سزا

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَ مَنْ قَتَلَ

اور نہیں ہے واسطے مسلمان کے کہ قتل کرے مسلمان کو مگر غلطی سے اور جو قتل کرے

مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ

مسلمان کو غلطی سے پس اسکے ذمہ آزاد کرنا ہے ایک گردن (ایک غلام) مسلمان اور بدلے کا مال سونپے طرف گھر والوں اسکے کے

اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ

مگر یہ کہ معاف کر دیں وہ اور اگر ہے سے ایسی قوم جو دشمن ہے لئے تمہارے اور وہ مسلمان ہیں

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ

پس آزاد کرنا ایک گردن (ایک غلام) مسلمان

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور مسلمان کا کام نہیں کہ مسلمان کو قتل کرے مگر غلطی سے اور جو مسلمان کو قتل کرے تو ایک غلام مسلمان کو آزاد کرے اور خون بہا پہنچائے اس کے گھر والوں کو مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں پھر اگر مقتول ایسی قوم میں سے تھا کہ وہ تمہارے دشمن ہیں اور وہ خود مسلمان تھا تو آزاد کرے ایک مسلمان غلام کو۔

لفظی تحقیق: تَحْرِیْرُ: آزاد کرنا۔ یہ مصدر ہے اور اس کا مادہ "حریت" ہے، اسی سے لفظ "حر" بنا ہے جسکی جمع "احرار" ہے "حر" کے معنی آزاد ہوتے ہیں۔ رَقَبَةٍ: گردن۔ یہاں اس لفظ سے مراد غلام ہے، چونکہ غلام کی گردن اس کے مالک کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ دِیَةٌ: خون بہا۔ یعنی: وہ مال جو قتل کے بدلے میں قتل ہونے والے کے وارثوں کو دیا جائے اس کو عربی میں "دیت"، فارسی اور اردو میں "خون بہا" کہا جاتا ہے۔ یَصَّدَّقُوْا: وہ معاف کردیں، لفظ "صدقہ" سے ہے، مقصد یہ ہے کہ اگر قتل ہونے والے کے وارث قاتل کو معاف کردیں اور اس سے خون بہا نہ لیں تو یہ ان کی طرف سے صدقہ ہوگا۔

تفسیر

وَ مَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا: اس سے پہلے دھوکہ باز، شریر، دغاباز منافقوں سے لڑنے کی ہدایت تھی اور لڑائی میں غلطی یا بھول چوک سے کسی مسلمان کا قتل ہوجانا بھی ممکن ہے، جبکہ کسی مؤمن کیلیے جائز نہیں کہ کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے، اگر کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کردیا جائے تو اس کی سزا کا ذکر ہے، گویا مؤمن کے جان و مال کی حفاظت کا قانون بتایا گیا ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ: مؤمن کو قتل کرنا کفر ہے اور اسے گالی دینا فسق یا نافرمانی ہے، حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ ''اگر ساری دنیا کے لوگ مل کر کسی شخص کو قتل کردیں تو اللہ تعالیٰ سب کو دوزخ میں ڈال دیگا'' اور اگر ایسا کام غلطی سے ہوا ہے تو اسکے حکم آگے بیان ہو رہے ہیں، بہر حال ناحق قتل کرنا بہت بڑا جرم ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ کسی مسلمان کی جان لینا جائز نہیں سوائے تین صورتوں کے، پہلی صورت یہ ہے کہ شادی شدہ مرد یا عورت بدکاری کرے تو اس کو پتھر مار مار کر قتل کردیا جائیگا، یہ قتل حق ہے، دوسری صورت ہے کہ جان کے بدلے جان، اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا ناحق قتل کردے تو قاتل کو بدلہ میں قتل کردینا

بھی جائز ہے اور **تیسری صورت** یہ ہے کہ جو شخص مسلمان ہونے کے بعد دین کو چھوڑ دے، یعنی: مرتد ہو جائے تو وہ بھی واجب القتل ہے، اس کے علاوہ کسی مسلمان کے قتل کی کوئی جائز صورت نہیں، جو کوئی ایسا کرے گا سخت گنہگار ہوگا اور اسے قصاص (بدلے میں قتل ہونا) یا خون بہا دینا ہوگا۔

وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا: جس نے کسی مؤمن کو غلطی سے قتل کر دیا جبکہ قتل کا ارادہ نہیں تھا مگر غلطی سے ایسا ہو گیا، یعنی: کوئی شخص کسی شکار (جانور) کو تیر یا بندوق کا نشانہ بنایا مگر وہ تیر یا گولی غیر ارادی طور پر کسی مسلمان کو لگ جائے اور وہ ہلاک ہو جائے تو ایک تو اس کی سزا کفارہ ہے، یعنی: ایک مؤمن غلام کا آزاد کرنا، غلام مرد ہو یا عورت بہر حال اسے خرید کر آزاد کرنا ہوگا، اب تو دنیا بھر میں غلامی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے لہٰذا کفارے کی یہ شکل باقی نہیں رہی، اور دوسری سزا اسکی یہ ہے کہ جس کو قتل کیا گیا ہے اس کے وارثوں کو خون بہا ادا کرے جو کہ نقدی یا کسی دوسرے مال کی صورت میں ادا کرنا لازم ہوگا، اگر نقدی دینی ہو تو ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم یا انکی قیمت کے برابر رقم ادا کی جائے گی۔

خلاصہ یہ کہ پہلے پہل تو مسلمان سے توقع ہو ہی نہیں سکتی کہ مسلمان مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے گا، ہاں! اگر غلطی سے ایسا ہو جائے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ:

(۱)..... وہ مسلمان جو قتل ہوا ہے اپنے ہی ملک اور قوم کا ہے۔

(۲)..... یا کسی ایسی قوم یا ملک کا ہے جو مسلمان نہیں لیکن تمہارے ساتھ ان کا صلح کا عہد ہو چکا ہے۔

(۳)..... یا کسی ایسی کافر قوم کا ہے جن سے کوئی صلح کا عہد نہیں بلکہ لڑائی اور دشمنی ہے۔

قتل ہونے والا شخص اگر اپنے ہی ملک یا قوم کا ہے تو قاتل ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون کے بدلے کا روپیہ دے، اگر قتل ہونے والا شخص کسی ایسی قوم یا ملک کا ہے جو کہ کافر ہیں مگر مسلمانوں سے صلح کا معاہدہ ہو چکا ہے تو بھی ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور اس کے کافر وارثوں کو خون بہا ادا کرے اور اگر قتل ہونے والا شخص کسی ایسی کافر قوم کا ہے جن سے صلح کا معاہدہ نہیں ہوا ہے تو ایک مسلمان غلام آزاد کرے خون

بہا دینا لازم نہیں۔

غلطی سے یا جان بوجھ کر قتل کرنے کی سزا

وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ

اور اگر ہے سے ایسی قوم جنکا درمیان تمہارے اور درمیان انکے عہد ہے تو بدلہ سونپے

اِلٰۤى اَهْلِهٖ وَ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ

طرف گھر والوں انکے کی اور آزاد کرنا گردن (ایک غلام) مسلمان پس جو نہ پائے پس روزہ رکھے

شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۫ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾

دو مہینہ لگا تار توبہ کے طور پر سے اللہ کی جانب اور ہیں اللہ جاننے والے حکمت والے (۹۲)

وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ

اور جو قتل کرے مسلمان کو جان بوجھ کر پس سزا اسکی دوزخ ہمیشہ رہیگا میں اس اور

غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

غضب ناک ہوا اللہ تعالیٰ پر اس اور لعنت کی اسپر اور تیار کیا لئے اسکے عذاب بڑا (۹۳)

با محاورہ ترجمہ:۔ اور اگر ایسی قوم میں سے تھا کہ تم میں اور ان میں عہد ہے تو خون بہا پہنچائے اس کے گھر والوں کو اور ایک مسلمان غلام آزاد کرے پھر جس کو غلام نہ ملے تو دو مہینے کے روزے لگا تار رکھے، اللہ سے گناہ بخشوانے کو اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ (۹۲) اور جو کوئی مسلمان کو جان کر قتل کرے تو اس کی سزا دوزخ ہے اسی میں پڑا رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اسکی لعنت ہوئی اور اس کیلئے بڑا عذاب تیار کیا۔ (۹۳)

تفسیر

کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کیا گیا وہ اگر ایسی قوم سے تعلق رکھتا تھا جن سے صلح ہو چکی ہو تو قاتل کفارہ کے

طور پر مؤمن غلام کو بھی آزاد کریگا اور خون بہا بھی ادا کریگا، "ترمذی شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ بعض مسلمانوں نے معاہدہ والی قوم کے دو آدمی قتل کر ڈالے انہیں علم نہیں تھا کہ ان کے ساتھ معاہدہ ہو چکا ہے لہٰذا انہوں نے دشمن سمجھ کر مار دیا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حادثہ کا علم ہوا تو آپ نے افسوس کا اظہار فرمایا اور خون بہا بھی ادا فرمایا۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ: اگر کفارہ ادا کرنے کیلئے غلام نہ ملے، یعنی: غلام نایاب ہے جیسا کہ آجکل غلام اور باندیاں دستیاب نہیں ہیں، تو اس کا بدل یہ ہے کہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے، یہ کفارے کی دوسری صورت ہے اور اس سے مقصود قاتل کو تنبیہ اور اسکی اصلاح ہے تاکہ وہ آئندہ ایسا کام نہ کرے، خون بہا کی ادائیگی مالی لحاظ سے اور دو ماہ کے مسلسل روزے جسمانی اعتبار سے بڑا مشکل کام ہے تاہم انسان کی حیوانیت کی اصلاح کیلئے کفارے کی ادائیگی ضروری قرار دی گئی ہے، سارے خاندان برادری والوں کو ملکر ادا کرنا ہوگی کہ وہ اسکی غلط تربیت کے ذمہ دار ہیں اور روزے خود رکھنے ہوں گے تاکہ اسے غلطی کا احساس ہو جائے، روزے مسلسل رکھنے کی پابندی ہے، اگر درمیان میں کوئی روزہ غلطی سے چھوٹ گیا یا آدمی بیمار ہو گیا جس کی وجہ سے روزہ رہ گیا تو پھر نئے سرے سے روزے رکھنا ہوں گے، دو ماہ کا تسلسل کسی صورت میں کٹنا نہیں چاہئے ورنہ کفارہ ادا نہیں ہوگا، تاہم دو ماہ کا شمار چاند کی تاریخوں کے اعتبار سے ہوگا۔

تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کا قانون ہے اس نے غلطی سے قتل کرنے کی سزا کے طور پر کفارہ اور خون بہا دونوں مقرر کئے ہیں اور یہ توبہ کا ایک ذریعہ ہے، مؤمن کی جان کا ضائع کرنا بہت بڑا جرم ہے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے توبہ کی یہ صورت بھی ساتھ رکھ دی ہے تاکہ انسان اس کے مطابق عمل کر کے آخرت کی سزا سے بچ جائے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا: اللہ تعالیٰ جاننے والے ہیں اور حکمت والے بھی ہیں، وہ ہر چیز کو جانتے ہیں اور اپنی حکمت سے جس طرح مناسب سمجھا انسانوں کیلئے حکم نازل فرمائے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جان بوجھ کر کسی کو قتل کرنے کے گناہ اور

آخرت میں اس کی سزا کے متعلق حکم نازل فرمائے ہیں، اگر مقتول کے وارثوں میں سے سب یا کوئی ایک قاتل کو معاف کرنے پر راضی ہو جائے تو قاتل کو بدلے میں قتل کرنے کے بجائے خون بہا لیا جا سکتا ہے اور بالکل ہی معاف کر دیں تو ان کو بڑا اجر حاصل ہوگا، جان بوجھ کر قتل کرنے کی صورت میں خون بہا کی ادائیگی خود قاتل کے ذمہ ہوتی ہے، خاندان، برادری وغیرہ پر یہ بوجھ نہیں ہوتا، البتہ غلطی سے قتل کرنے کی صورت میں خون بہا خاندان، برادری وغیرہ کے ذمہ ہوتا ہے۔

فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا: جو کوئی کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس کیلئے آخرت میں سزا دوزخ ہے جس میں اسے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہنا ہوگا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ جان بوجھ کر قتل کرنے کی توبہ نہیں اور قاتل کافروں کی طرح ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، البتہ اکثر صحابہ کرامؓ اور فقہائے کرامؒ فرماتے ہیں کہ جان بوجھ کر قتل کرنا کبیرہ گناہ ضرور ہے مگر اس کا کرنے والا ہمیشہ کی سزا کا مستحق نہیں ہے، ہمیشہ سزا صرف کفر اور شرک کے جرم پر ہے کیونکہ ان جرموں میں عقیدے کی خرابی پائی جاتی ہے، ان کے علاوہ باقی جرموں میں اگر توبہ کرے تو دوزخ سے بچ سکتا ہے، "مسلم شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ توبہ آخری دم تک قبول ہوتی ہے، "ترمذی شریف" کی روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتے ہیں جب تک غرغرہ کی کیفیت نہ طاری ہو جائے''، بعض لوگوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے ذمہ قتل اور بدکاری جیسے بڑے گناہ ہیں اگر ایمان لانے سے سب معاف ہو جائیں تو ہم ایمان لاتے ہیں ورنہ کیا فائدہ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو توبہ کرے گا، ایمان لائے گا اور عمل کریگا تو اللہ تعالیٰ اسکے تمام گناہ معاف فرمادیں گے، اس لحاظ سے جان بوجھ کر قتل کرنا بھی معافی کے قابل ہے بشرطیکہ ایمان موجود ہو اور سچی توبہ کرلے، البتہ جس نے حرام کو حلال سمجھ لیا وہ کافر ہو گیا، اگر کوئی شخص ناحق قتل کرنے کو حلال سمجھتا ہے تو پھر واقعی ہمیشہ دوزخ میں رہے گا ''خٰلِدًا فِيْهَا'' کا مطلب یہ ہوگا کہ اسے بڑی دیر تک دوزخ میں رہنا ہوگا، امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کا مطلب ہمیشہ کیلئے دوزخی ہونا نہیں بلکہ لمبے عرصے تک کیلئے سزا کا

مستحق ہونا ہے، دل میں ایمان موجود ہے تو کسی نہ کسی وقت دوزخ سے چھٹکارا پالے گا۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ: اس بات پر تمام حق والوں کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے والے ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے، کیسا ہی بڑا جرم ہو ایمان کی بدولت دوزخ سے چھٹکارا حاصل ہو جائے گا، سوائے کفر اور شرک کے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان میں ایمان موجود ہے مگر غفلت کا پردہ پڑ جاتا ہے، انسان ناحق قتل جیسا بڑا گناہ بھی کر بیٹھتا ہے تو وہ ہمیشہ کیلئے دوزخی نہیں ہوگا بلکہ سزا کے طور پر دیر تک وہاں رہنا ہوگا۔

وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ: اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا اور اسکی لعنت ہوگی جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں اس پر اللہ تعالیٰ کا کتنا غصہ ہوگا......؟

وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا: اللہ تعالیٰ نے قاتل کیلئے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے، یہ اس کے کئے کا وبال ہے، اس نے ایک مؤمن کی جان لے کر بڑا جرم کیا ہے، حالانکہ کسی مؤمن کیلئے کسی مؤمن کا قتل جائز نہیں، یہ آخری سزا کا ذکر ہے اور دنیا میں اگر اسلامی قانون نافذ ہوگا تو قصاص (بدلے میں قتل کیا جانا) یا خون بہا بھی دینا ہوگا۔

جہاد میں قتل کے اندر احتیاط

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَ لَا
اے وہ لوگو! جو ایمان لائے جب سفر کرو تم میں راستے اللہ تعالیٰ کے پس سوچو اور نہ

تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ
کہو تم واسطے اسکے کہ ڈالے طرف تمہاری سلام نہیں تو مسلمان چاہتے ہو تم

عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ
سامان زندگی کا دنیا کی پس نزدیک اللہ کے غنیمتیں بہت طرح اسی

كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
تھے تم اس سے پہلے پھر احسان کیا اللہ تعالیٰ نے پر تم پس تحقیق کرو بیشک اللہ تعالیٰ ہیں

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾
اس چیز سے جو کرتے ہو تم خبردار (۹۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے ایمان والو! جب اللہ کی راہ میں سفر کرو تو تحقیق کرلیا کرو اور اس شخص کو جو تم کو سلام کرے نہ کہو تو مسلمان نہیں تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہتے ہو، سو! اللہ کے یہاں بہت غنیمتیں ہیں، تم بھی ایسے ہی تھے اس سے پہلے، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، سو! اب تحقیق کرلو، بے شک اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ (۹۴)

شانِ نزول

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے ایک لشکر کو کافروں کی طرف جہاد کیلئے روانہ فرمایا، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی اس لشکر میں شامل تھے، جب یہ لشکر اپنی منزل پر پہنچا تو وہاں کے سب لوگ بھاگ گئے اور صرف ایک شخص جو کہ بنو سلیم سے تعلق رکھتا تھا پہاڑ پر رہ گیا جو دراصل اسلام قبول کر چکا تھا، یہ شخص اپنی بکریوں سمیت پہاڑ سے اس خیال سے نیچے اتر آیا کہ میرے اسلام لانے کی وجہ سے یہ لوگ مجھ سے چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے، اس نے آکر "السلام علیکم" کہا اور کلمہ طیبہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" پڑھا، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ اس شخص نے صرف جان بچانے کیلئے کلمہ پڑھا ہے لہٰذا اسے دشمن سمجھ کر مار ڈالا اور اس کی بکریوں پر قبضہ کرلیا، جب یہ لشکر مدینہ طیبہ واپس آیا تو اس واقعہ کی اطلاع پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی، "مسلم شریف" کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور ایک مسلمان کے قتل کی وجہ پوچھی، اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضور! اس نے صرف جان بچانے کیلئے کلمہ پڑھا تھا، وہ دراصل مسلمان نہیں تھا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا کہ اس کے دل میں کیا ہے" اسامہ رضی اللہ عنہ بہت شرمندہ ہوئے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کی کہ میری خطا کی معافی

کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جب وہ شخص کلمہ "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ" لے کر قیامت کے دن حاضر ہوگا تو پھر تم کیا کرو گے پیغمبر یہ الفاظ بار بار دہرا رہے تھے، اس پر اسامہؓ نے تمنا کی کہ کاش! وہ آج کے دن مسلمان نہ ہوئے ہوتے اور ایمان قبول نہ کیا ہوتا تاکہ اس قتل کا وبال ان کے سر پر نہ ہوتا، اس واقعہ کے بعد اسامہؓ بہت احتیاط کرنے لگے اور صرف اسی شخص پر ہاتھ اٹھاتے جسکی اسلام دشمنی کی اچھی طرح تصدیق کر لیتے، بہر حال اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو تنبیہ فرمائی کہ قتل جیسا انتہائی قدم پوری تحقیق کے بعد اٹھانا چاہئے، اس وقت تک صحابہؓ کو یہ مسئلہ واضح طور پر معلوم نہ تھا؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے صرف سمجھانے پر اکتفا کیا اور اس فعل پر ان کیلئے کوئی وعید نازل نہیں فرمائی۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ جب لڑائی کیلئے گھر سے نکلو تو بغیر سوچے سمجھے اور بغیر تحقیق کیے کوئی کام نہ کرو اور جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے اسکو یہ سمجھ کر کہ یہ جان بچانے کا بہانہ کرتا ہے، یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے اور اس کے مال لینے کے لئے اسے مت قتل کرو، تم اس ذرا سے مال پر قبضہ کر کے کیا کرو گے، اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے دشمنوں کا مال واسباب بہت کچھ دلوا دے گا، اس کے پاس کمی نہیں ہے جو لڑائی کے وقت اپنا اسلام کسی طریقہ سے ظاہر کرے اس سے فوراً ہاتھ روک لو، اسلام سے پہلے تو تم ذرا ذرا سا مال لینے کیلئے بے دھڑک قتل کر ڈالتے تھے، اب تم اسلام لے آئے ہو تمہیں احتیاط سے کام لینا چاہئے، مال کے لالچ میں کسی کو قتل نہ کرو، تمہیں یہ حق نہیں کہ جو لڑائی میں اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرے اس پر جان بچانے کے بہانے کا الزام لگا کر مار ڈالو، اللہ تعالیٰ کو تم سب کے کاموں کی خبر ہے اور وہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا؛ اس لئے جس کے قتل کا وہ حکم کرے اسے قتل کرو، تم نہیں سمجھ سکتے کہ اس نے اسلام جان بچانے کیلئے اختیار کیا ہے یا یہ سچ مچ مسلمان ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: اے ایمان والو! جب تم جہاد کیلئے سفر پر نکلو،

یعنی: تمہارا سفر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کیلیۓ ہو اسمیں ملک اور مال حاصل کرنے کی لالچ کو دخل نہ ہو تو سفر کے دوران اگر کوئی ایسی ویسی صورتحال پیدا ہو جائے تو اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو اور جو شخص زبان سے کلمہ پڑھ لیتا ہے اور تمہیں سلام کرتا ہے اس کو مسلمان سمجھو اور اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کرو، اس کو قتل کرنا حرام ہو جاتا ہے، اگر وہ تمہیں دھوکہ دینے کیلیۓ اسلام کا اقرار کر رہا ہے تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اگر وہ جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اسے سزا دے گا، تمہیں اس پر شک نہیں کرنا چاہئے۔

چونکہ اسامہؓ نے اس مقتول کی بکریوں پر بھی قبضہ کرلیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسی طرف اشارہ فرمایا کہ تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہتے ہو، یہ تو حقیر ساز و سامان ہے مگر اللہ تعالیٰ کے پاس بہت زیادہ غنیمتیں ہیں، اللہ تعالیٰ تو خزانوں کا مالک ہے، اسکے پاس کسی چیز کی کمی نہیں، بعض روایتوں میں آتا ہے کہ پیغمبر ﷺ نے وہ بکریاں مقتول کے خاندان والوں کو واپس بھجوا دیں تھیں کیونکہ یہ مسلمانوں کیلیۓ جائز نہ تھیں۔

كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ: اس سے پہلے تم بھی اس شخص کی طرح تھے، یعنی: تم کفر پر تھے، جب تم نے کلمہ پڑھ لیا تو تم پر بھی اعتبار کرلیا گیا، اب تمہیں بھی ایسا ہی کرنا چاہئے تھا کہ جب اس شخص نے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہہ دیا تھا تو اس پر اعتماد کرنا تھا، پیغمبر ﷺ کے کام کا طریقہ بھی یہ تھا کہ جب دشمن پر حملہ کرنا چاہتے تو آپ رات کو طلوع فجر تک انتظار فرماتے، اگر اس بستی سے فجر کی اذان کی آواز آجاتی تو سمجھتے کہ یہاں کچھ مسلمان بھی موجود ہیں لہٰذا حملہ کا ارادہ ترک فرما دیتے، اور اگر وہاں سے اسلام کی کوئی نشانی نہ ملتی تو حملہ کا حکم دے دیتے، بہر حال قانون یہی ہے کہ کوئی مسلمان کسی مسلمان کے ہاتھ سے نہ مارا جائے۔

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ: پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا تم مسلمان ہو گئے، اب لازم ہے کہ تحقیق کرلیا کرو۔

اہل قبلہ کو کافر نہ کہنے کا مطلب

اس آیت سے یہ اہم مسئلہ معلوم ہوا کہ جو شخص خود کو مسلمان بتلاتا ہو خواہ کلمہ پڑھ کر یا کسی اور اسلامی کام کا

اظہار کر کے، مثلاً: اذان، نماز وغیرہ میں شرکت کرے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کو مسلمان سمجھیں اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کریں، اس کا انتظار نہ کریں کہ وہ دل سے مسلمان ہوا ہے یا کسی مصلحت سے اسلام کا اظہار کیا ہے، نیز: اس معاملہ میں اس کے عمل پر بھی مدار نہ ہوگا، فرض کرلو کہ! کوئی بندہ نماز نہیں پڑھتا، روزہ نہیں رکھتا اور ہر قسم کے گناہوں میں ملوث ہے پھر بھی اس کو اسلام سے خارج کہنے کا یا اس کے ساتھ کافروں کا معاملہ کرنے کا کسی کو حق نہیں؛ اسی لئے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ''ہم اہل قبلہ کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے''، بعض روایتوں حدیث میں بھی اس قسم کے الفاظ مذکور ہیں کہ اہل قبلہ کو کافر نہ کہو، خواہ وہ کتنا ہی گنہگار بے عمل ہو۔

یہاں ایک بات خاص طور پر کہنے اور یاد رکھنے کی ہے کہ قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہے کہ جو شخص خود کو مسلمان کہے اس کو کافر کہنا یا سمجھنا جائز نہیں، اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جب تک اس سے کوئی ایسی بات اور کام کا ظاہر نہ ہو جو کفر کی یقینی علامت ہے، اس وقت تک اس کے اقرار کو صحیح قرار دے کر اس کو مسلمان کہا جائے گا اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کیا جائے گا، اس کے دل میں اخلاص ہے یا منافقت اس سے بحث کرنے کا کسی کو حق نہ ہوگا، لیکن جو شخص اسلام کے اظہار اور اقرار کے ساتھ ساتھ کچھ کلمات کفر بھی بکتا ہے، یا کسی بت کو سجدہ کرتا ہے، یا اسلام کے کسی ایسے حکم کا انکار کرتا ہے جس کا اسلامی حکم ہونا بالکل واضح ہے، یا کافروں کے کسی مذہبی علامت کو اختیار کرتا ہے، جیسے گلے میں زنار ڈالنا، یا صلیب لٹکانا وغیرہ، وہ بلاشبہ اپنے کفریہ اعمال کی وجہ سے کافر قرار دیا جائے گا۔

مجاہدوں کے درجے

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ

نہیں برابر بیٹھ رہنے والے سے مسلمانوں میں سوائے والوں کے عذر اور

الْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ

جہاد کرنے والے　میں　راستے　اللہ تعالیٰ کے　ساتھ مالوں اپنی　اور　جانوں اپنی　بڑھایا

اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَةً ؕ

اللہ تعالیٰ نے　جہاد کرنے والوں کا　ساتھ مالوں اپنے　اور　جانوں اپنی　اوپر　بیٹھ رہنے والوں　درجہ

وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ؕ وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَی

اور ہر ایک سے　وعدہ کیا　اللہ تعالیٰ نے　بھلائی کا　اور　زیادہ دیا　اللہ نے　جہاد کرنے والوں کو　پر

الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ

بیٹھ رہنے والوں　ثواب　بڑا (۹۵)　جو درجے ہیں　طرف سے اسکی　اور　بخشش　اور　مہربانی　اور

ع ۵ ۱۴ ۱۰ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۹۶﴾

ہیں　اللہ تعالیٰ　بخشنے والے　مہربان (۹۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ برابر نہیں بیٹھے رہنے والے مسلمان جن کو کوئی عذر نہیں اور وہ مسلمان جو اللہ کے راستے میں لڑنے والے ہیں اپنے مال اور جان سے، اللہ نے لڑنے والوں کا اپنے مال اور جان سے بیٹھے رہنے والوں سے درجہ بڑھا دیا اور اللہ نے ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ کیا اور اللہ نے فضیلت بخشی ہے مجاہدوں کو بیٹھے رہنے والوں پر اجر عظیم کے ذریعے۔ (۹۵) اسکی طرف سے درجے ہیں اور بخشش و مہربانی ہے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والے مہربان ہیں۔ (۹۶)

تفسیر

اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان و مال سے جہاد کرنے والوں کے برابر وہ لوگ کیسے ہو سکتے ہیں جو جہاد سے جی چراتے ہیں اور گھروں میں جان بچائے بیٹھے ہیں، جسم کے کمزور، ضعیف، بیمار، اپاہج اور مفلس تو مجبور سہی مگر تندرست اور استطاعت رکھنے والوں کو کیا عذر ہو سکتا ہے، وہ لوگ جو حق کے راستے میں مال لٹانے کو تیار ہوں،

ان سے ہزارہا درجہ زیادہ فضیلت رکھتے ہیں، ان کے درجے بلند ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی خاص مغفرت اور رحمت کے حقدار ہیں۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے ہونے چاہئیں جو وقت آنے پر مسلمانوں کو بچانے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی حمایت کرنے کیلئے لڑنے کو تیار ہوں، ان لوگوں کے ہوتے ہوئے سب پر لڑائی کیلئے نکلنا فرض نہیں، ہاں! یہ فرض ضرور ہے کہ ایسی لڑنے والی جماعت کی تیاری میں مدد دیں اور اگر ایسی جماعت نہ ہو تو پھر سارے مسلمان گنہگار رہوں گے۔

اس آیت کی شان نزول کے متعلق حدیثوں اور تفسیروں میں ذکر ہے کہ پہلے آیت کا یہ حصہ نازل ہوا "لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" اس پر حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ غمگین ہوئے اور انکو پریشانی ہوئی کیونکہ نابینا تھے، انہوں نے محسوس کیا کہ معذور ہونے کی وجہ سے وہ جہاد میں شریک نہیں ہوسکتے اور پیچھے بیٹھے رہتے ہیں، جب کہ مجاہدین جہاد میں عملاً شریک ہوکر فضیلت میں بڑھ جاتے ہیں، انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا حضور! میں معذور ہوں، اگر بینا ہوتا تو ضرور جہاد میں شریک ہوتا، آپ کی خواہش اور حسرت کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے "غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ" کے الفاظ نازل فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے جہاد میں عملی طور پر شرکت نہ کرنے والوں میں سے معذور افراد، مثلاً: لنگڑے، اپاہج، اندھے وغیرہ کو عذر کی بناء پر مستثنیٰ قرار دے دیا اور اعلان فرمادیا کہ بلا عذر پیچھے بیٹھنے والے اور جہاد میں شریک ہونے والے برابر نہیں، معذوروں کا عذر اس صورت میں قابل قبول ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اسکے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خیر خواہ ہوں اور پیچھے بیٹھ کر مسلمانوں کی خیر خواہی کی باتیں کریں اور کوئی مخالفانہ پروپیگنڈہ نہ کریں، جہاد ہر کسی کیلئے فرض عین نہیں، لہٰذا مسلمانوں میں سے کچھ لوگ جہاد میں حصہ لے لیں تو پوری امت اس فرض سے بَری سمجھی جائے گی اور اگر کوئی بھی شخص جہاد کیلئے تیار نہ ہو تو سب گنہگار رہوں گے۔

وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى: ہر ایک کے ساتھ بھلائی کا وعدہ ہے، یہ جملہ ارشاد فرما کر ان لوگوں کو بھی مطمئن فرما دیا جو جہاد کے علاوہ دوسری دینی ضرورتوں میں مشغول ہیں، البتہ بعض غیر معمولی حالات میں جہاد فرض عین بھی ہو جاتا ہے، اگر دشمن مسلمانوں پر حملہ کر دے، تو اس وقت ہر عاقل، بالغ، مرد اور عورت پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے، ملکی دفاع کیلئے ہر مسلمان کو اپنا حصہ ادا کرنا پڑے گا۔

جہاد کے وقت عام طور پر لوگ چار گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں، پہلا گروہ منافقوں کا ہے، کہ وہ جان بوجھ کر بلا عذر گھر بیٹھے رہتے ہیں، دوسرا گروہ بیٹھے رہنے والوں کا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو عملی طور پر جہاد میں شریک نہیں ہوتے مگر ضرورت پڑنے پر جنگ پر جانے کیلئے تیار رہتے ہیں، تیسرا گروہ مجاہدوں کا ہے، جو عملی طور پر جہاد میں شریک ہو کر مال و جان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں، اور چوتھا گروہ معذوروں کا ہے، جو کسی عذر کی وجہ سے جہاد میں شریک نہیں ہو سکتے، مگر مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں۔

وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا: اللہ تعالیٰ نے پیچھے بیٹھے رہنے والوں کے مقابلے میں مجاہدوں کو فضیلت بخشی ہے اور اجر عظیم بھی عطا فرمایا ہے، یہ درجے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، صحیحین، یعنی: "بخاری و مسلم" کی روایت میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے مجاہدوں کیلئے جنت میں سو درجے تیار کر رکھے ہیں اور ہر درجے میں اتنا فرق ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان'' اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی بخشش بھی ہے جو انہیں نصیب ہوگی۔

جہاد میں بعض کوتاہیاں ہو جاتی ہیں، کوئی مسلمان غلطی سے مارا جاتا ہے، تو اس قسم کی لغزشوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی بخشش حاصل ہوگی اور اللہ تعالیٰ مجاہدوں کو اپنی رحمت میں جگہ دے گا، اس کی مہربانی شامل حال ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت یہ ہے کہ وہ بخشنے والے ہیں، انسان کا عقیدہ صحیح ہو، جذبہ اور طلب سچی ہو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں، وہ ضرور معاف کر دیں گے، جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے دین، اسکی کتاب اور پیغمبر کے کام کو دنیا میں قائم کرنے کیلئے مال و جان کی قربانی دینے کیلئے تیار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بخشش و رحمت جوش میں آ کر اسکی تمام

کوتاہیاں معاف فرمادیتی ہیں۔

مظلوموں کیلئے ہجرت

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ
بیشک وہ لوگ کہ لے لیتے ہیں انکو فرشتے ظلم کرتے ہوئے اپنی جانوں پر کہتے ہیں فرشتے کس حال میں

كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ
تھے تم؟ وہ کہتے تھے تھے ہم کمزور میں زمین فرشتے کہتے ہیں کیا نہیں تھی

اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ
زمین اللہ تعالیٰ کشادہ پس ہجرت کرتے تم میں اس پس یہ لوگ ٹھکانہ انکا دوزخ ہے

وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ
اور بری ہے وہ پہنچنے کی جگہ (۹۷) مگر بے بس لوگ سے مردوں میں اور عورتوں میں

وَ الْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾
اور بچوں میں نہیں کرسکتے کوئی تدبیر اور نہیں پاتے راستہ کی (۹۸)

فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾
پس یہ لوگ عنقریب اللہ تعالیٰ کہ معاف کردیں سے ان اور ہیں اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے بخشنے والے (۹۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہ لوگ جن کی جان فرشتے اس حالت میں نکالتے ہیں کہ وہ اپنا برا کر رہے ہیں ان سے فرشتے کہتے ہیں تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں ہم بے بس تھے، فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم وہاں ہجرت کر جاتے؟ پس ایسوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت بری جگہ پہنچے۔ (۹۷) مگر جو بے بس ہیں مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے جو ہجرت کرنے کی تدبیر نہیں کرسکتے اور نہ کہیں جانے کا راستہ جانتے

ہیں۔(۹۸) سو! امید ہے کہ اللہ ایسوں کو معاف کر دے اور اللہ معاف کرنے والے بخشنے والے ہیں۔(۹۹)

تفسیر

ان آیتوں کا خلاصہ یہی ہے کہ ایمان لانے اور قرآن مجید کو رہنما ماننے کے بعد چپ چاپ بیٹھے رہنا کوئی معنی نہیں رکھتا، ان آیتوں میں ان لوگوں کو اپنے حق میں برائی کرنے والا، یعنی: ظالم کہا ہے، جو لوگ دل میں ایمان رکھتے ہیں لیکن کھلم کھلا قرآن کے حکموں پر عمل نہیں کرتے، وہ اپنا ستیاناس کر رہے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ: ایسے لوگوں سے فرشتے ان کی جان نکالتے وقت پوچھیں گے کہ تم پر جب قرآن مجید کی سچائی ظاہر ہو گئی تھی پھر آج خالی ہاتھ کیوں جا رہے ہو، نیک عمل تمہارے ساتھ کیوں نہیں، اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں گی، ان سے کوئی جواب نہ بن پڑے گا، آخر کہیں گے ہم کیا کرتے ہم تو دوسروں سے دبے ہوئے تھے، ہم میں ان لوگوں کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی، کمزور اور ضعیف تھے، مجبور تھے، فرشتے کہیں گے، کیا خوب! اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی زمین اتنی کشادہ پڑی تھی ان لوگوں میں سے نکل کر کہیں اور چلے گئے ہوتے، جہاں تمہیں اپنے دین پر بغیر کسی روک ٹوک کے عمل کرنے کا موقع ملتا، اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ ہو گا کیونکہ یہ ان کا اپنا ہی قصور تھا، ارشاد ہے کہ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے جو بہت برا ٹھکانہ ہے، ہاں! بیمار مرد، عورتیں، بچے، جنہیں نہ کوئی تدبیر سوجھتی ہے، نہ راستے معلوم ہیں، نہ کام کرنے کے قابل ہیں، ان کا عذر قبول کیا جا سکتا ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دیں گے۔

یہاں جہاد کے ساتھ ساتھ ہجرت کی ضرورت اور اسکے فرض ہونے کا ذکر ہے اور ضرورت کے وقت ہجرت نہ کرنے والوں کی سزا کا بیان ہے، جس طرح بعض حالتوں میں جہاد فرض کفایہ سے فرض عین بن جاتا ہے اسی طرح بعض اوقات ہجرت بھی فرض عین کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے، جب کسی جگہ کافروں کو اس قدر غلبہ حاصل ہو جائے کہ مسلمان اپنے دین کے حکموں پر عمل نہ کر سکیں تو مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے وہ اپنے گھر بار، کاروبار،

وطن، رشتہ دار وغیرہ کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جائے جہاں وہ دین کے حکموں پر آسانی سے عمل کر سکیں، چنانچہ مکہ مکرمہ میں ایسے حالات پیدا ہو چکے تھے کہ کافر نہ تو مسلمانوں کو نماز پڑھنے دیتے تھے اور نہ ہی اسلام کے کسی دوسرے شعار (ایسی چیز جو کسی مذہب کی علامت ہو، مثلاً: اذان، قربانی حج وغیرہ) کو کرنے کی اجازت دیتے، اس کے علاوہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے، ان حالات میں مسلمانوں نے مکہ سے ہجرت کر جانے کا فیصلہ کیا، چنانچہ نبوت کے چھٹے سال مسلمانوں کا ایک گروہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گیا، وہ سنتے تھے کہ حبشہ کا بادشاہ رحم دل ہے اور وہ چھیڑ چھاڑ نہیں کرے گا؛ اس لئے امید کرتے تھے کہ وہاں جا کر مسلمان سکھ کا سانس لے سکیں گے، اس کے بعد پھر دوسرا قافلہ بھی حبشہ چلا گیا، آخر مکی دور کے تقریباً تیرہ سال پورے ہونے پر اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا کہ پیغمبر علیہ السلام اور آپ کے ماننے والے مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں، اس حکم کی تعمیل میں کئی جماعتیں مدینہ منورہ روانہ ہوئیں اور پھر خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور وقتاً فوقتاً چھوٹی چھوٹی جماعتیں مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچتی رہیں، اس طرح جس آدمی کو موقع ملتا وہ کافروں کے نرغے سے نکل کر مدینہ منورہ پہنچ جاتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیغمبر علیہ السلام سے پہلے بیس آدمیوں کی جماعت کے ساتھ ہجرت فرمائی تھی۔

جب ہجرت فرض ہو جاتی ہے تو پھر ایسا شخص جسمیں ہجرت کی طاقت ہو اسے کافروں کے ملک میں ٹھہرے رہنے کی اجازت نہیں ہوتی اور اگر وہ جان بوجھ کر بغیر کسی شرعی وجہ کے ہجرت نہیں کرتا تو دوزخ میں جانے کا حقدار ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں سخت وعید فرمائی ہے، البتہ بعض کمزور لوگوں کو ہجرت سے اس لئے بری قرار دیا گیا ہے کہ ہجرت کا سفر ان کے بس میں نہیں ہوتا، بعض جسمانی طور پر کمزور ہوتے ہیں کہ سواری پر بھی سفر نہیں کر سکتے، بعض کے پاس سفر کے اخراجات نہیں ہوتے اور بعض راستے سے ناواقف ہوتے ہیں اور اس معاملہ میں انہیں کسی کا تعاون بھی حاصل نہیں ہوتا، ایسے لوگ معذور سمجھے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی پکڑ نہیں ہوگی،

بہر حال بغیر کسی شرعی وجہ کے ہجرت نہ کرنے والوں کو سخت وعید (Warning) سنائی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہجرت کرنے والے

وَ مَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا

اور جو ہجرت کریگا میں راستے اللہ تعالیٰ کے پائے گا میں زمین پناہ کی جگہ بہت

وَّ سَعَةً ؕ وَ مَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ

اور فراخی اور جو نکلے گا سے گھر اپنے ہجرت کرتا ہوا طرف اللہ تعالیٰ کی اور پیغمبر اسکے کی

ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ

پھر پالے اسکو موت تو بیشک مقرر ہو چکا ثواب اسکا پر اللہ تعالیٰ اور ہیں اللہ تعالیٰ

۱۴ ع ۱۴ ۱۱

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾

بخشنے والے مہربان (۱۰۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو کوئی اللہ کے راستے میں ہجرت کرے گا وہ پائیگا زمین میں بہت جگہ اور فروانی اور جو کوئی اپنے گھر سے ہجرت کر کے نکلے اللہ اور اسکے پیغمبر کی طرف، پھر موت اسکو آ پکڑے تو مقرر ہو چکا اللہ کے ہاں اسکا بڑا ثواب اور اللہ بخشنے والے مہربان ہیں۔ (۱۰۰)

تفسیر

اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ کسی کو یہ خوف نہیں ہونا چاہئے کہ یہاں سے اگر کہیں اور چلا جاؤنگا تو کیا خبر کہیں جگہ ملے نہ ملے اور کھانا پینا ملے نہ ملے، یہاں تسلی دی گئی کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین پر آزادی سے عمل کرنے کیلئے ایسا وطن جہاں تم گھٹ گھٹ کر رہتے ہو، چھوڑ دو گے تو تمہیں بہت آرام کی جگہیں اور بہت سا رزق ملے گا، جو شخص

سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی خاطر اور اس کے حکم کے مطابق کام کرنے کی خاطر گھر بار اور وطن چھوڑے گا، اللہ تعالیٰ اس کو پریشان نہ ہونے دیں گے، کھانے پینے کی تنگی اس کیلئے نہ ہوگی، تم خالص اللہ تعالیٰ کیلئے کام کر کے تو دیکھو اللہ تعالیٰ ضرور تمہیں پریشانی سے بچائیں گے، اگر تمہیں یہ خیال ہو کہ راستے میں مر گئے تو کیا ہوگا، تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے اوپر تمہیں اجر اور اچھا بدلہ دینا ایسی صورت میں لازم ہو گیا، کیونکہ تم اس کے خیال سے وطن سے نکلے ہو، اللہ تعالیٰ تو قصور معاف کرنے والے مہربانی کرنے والے ہیں۔

وَ مَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا: جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہجرت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کیلئے دنیا میں راستے کھول دیتے ہیں اور اس کو دنیا میں بھی اچھا ٹھکانا دیتے ہیں اور آخرت کے ثواب و درجے تو وہم وگمان سے بہت اوپر ہیں، اچھے ٹھکانے کی تفسیر حضرت مجاہدؒ نے حلال رزق سے اور حضرت حسن بصریؒ نے عمدہ مکان سے اور بعض دوسرے مفسرین کرام نے مخالفین پر غلبہ اور عزت وشرف سے کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آیت کے مفہوم میں یہ سب چیزیں داخل ہیں۔

ہجرت کا معاملہ بڑا مشکل ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''ہجرت کا معاملہ بڑا دشوار ہے'' جب آدمی اپنا کاروبار، زمین، مکان وغیرہ چھوڑ کر چلا جاتا ہے تو بعض اوقات نئی جگہ پر اسے آب وہوا موافق نہیں آتی اور طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، مکہ مکرمہ سے مدینہ جانے والے بہت سے مہاجر بخار میں مبتلا ہو گئے تھے، بعض اوقات غذا موافق نہیں آتی، زبان نہ سمجھنے کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے اور دوسری کئی قسم کی پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں؛ اس لئے ہجرت کا معاملہ بڑا مشکل ہے مگر اس کا اجر بھی بہت بڑا ہے۔

ہجرت دو مقصد کیلئے ہوتی ہے، پہلا مقصد یہ ہے کہ مسلمان ایسے کافروں کے ملک میں ہیں جہاں وہ دین کے حکم پورے طور پر ادا نہیں کر سکتے؛ اس لئے انہیں ایسی جگہ پر ہجرت کرنا فرض عین ہو جاتا ہے جہاں مسلمانوں کی مرکزی قوت موجود ہو اور وہ اپنے دینی فرائض آزادی کے ساتھ پورے کر سکیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ پہنچنے پر وہاں مسلمانوں کو مرکزی قوت حاصل ہو گئی تھی، چنانچہ اس دور میں مسلمانوں کا مرکزی مقام پر پہنچنا

ضروری ہو گیا تھا، اسی کے تحت صحابہ کرامؓ اور خود پیغمبر ﷺ نے بھی ہجرت فرمائی، اس سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی عراق سے ہجرت فرمائی تھی، گویا اگر کسی مقام پر اسلام کی مرکزی قوت ضائع ہو جائے تو اسکی بحالی کیلئے بھی ہجرت لازمی ہو جاتی ہے، یہ ہجرت کا دوسرا مقصد ہے۔

وَ مَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَ قَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ: اگر کوئی ہجرت کرنے والا گھر سے چل پڑے اور ہجرت کے مقام تک نہ بھی پہنچ سکے تو اسے ہجرت کا ثواب حاصل ہو جائیگا، مکی دور میں جب ہجرت کا اعلان ہوا، تو ایک ضعیف شخص بھی ہجرت کیلئے تیار ہو گیا، وہ خود تو چل پھر نہیں سکتا تھا، اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ مجھے کسی طرح یہاں سے نکال کر لے چلو، انہوں نے کہا کہ آپ سفر کے قابل نہیں ہیں، لہٰذا آپ ہجرت سے بری ہیں مگر بوڑھا ضد کر رہا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اسکے پیغمبر ﷺ کی طرف ضرور ہجرت کریگا، بالآخر اس کے بیٹے اسے اٹھا کر چل پڑے، ابھی مکہ سے چند میل دور "تنعیم" کے مقام پر آئے تھے کہ بوڑھے کا انتقال ہو گیا، کافروں نے خوب مذاق اڑایا مگر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی کہ جو کوئی ہجرت کیلئے چل نکلے پھر اسے راستے میں موت آجائے، تو اس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ پر واقع ہو گیا، یعنی: اللہ تعالیٰ اسے ہجرت کا پورا پورا ثواب عطاء فرما دیں گے، البتہ یہ بات یاد رہے کہ ہجرت کے ثواب کا حقدار وہی شخص ہے جو خالص نیت سے اللہ تعالیٰ کی رضا، اس کے پیغمبر کی فرمانبرداری اور دین کی بلندی کیلئے ہجرت کرتا ہے، جو شخص کسی دوسری نیت سے ہجرت کرے گا، اسے ہجرت کا ثواب نہیں ملے گا، "بخاری شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ مکہ سے ایک شخص عورت کی خاطر ہجرت کر کے گیا، پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ: ''جو شخص دنیا یا عورت کی خاطر ہجرت کر کے جائیگا، اس کی ہجرت اللہ اور اس کے پیغمبر کیلئے نہیں ہوگی بلکہ اسی کام کیلئے سمجھی جائے گی جس کام کی نیت کر کے اس نے ہجرت کی'' وہ آخرت میں اجر و ثواب کا حقدار نہیں ہوگا۔

احکام و مسائل

مسئلہ (۱):.... مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جو شخص خالص نیت سے حج کے سفر پر روانہ ہوتا ہے، جہاد

کیلئے نکلتا ہے یا دین کی تعلیم کی خاطر گھر سے چلتا ہے، پھر راستے میں اس کی موت واقع ہو جاتی ہے تو ہجرت کے اجر کی طرح اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ واقع ہو جاتا ہے۔

مسئلہ (۲):..... ہجرت بعض دوسری وجوہات سے بھی فرض ہو جاتی ہے، مثلاً: کوئی مسلمان کسی مقام میں گناہ میں مبتلا ہے اور اس سے بچ نہیں سکتا، تو اس کیلئے لازم ہے کہ اس جگہ کو چھوڑ جائے تا کہ وہ گناہ سے بچ جائے۔

مسئلہ (۳):..... کسی جگہ مسلمان کو حلال رزق نصیب نہیں، وہ ایسی جگہ پھنسا ہوا ہے جہاں اسے سو فیصد حرام رزق حاصل ہوتا ہے تو ایسے شخص کیلئے بھی ہجرت فرض ہو جاتی ہے۔

سفر میں نمازِ قصر

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا

اور جب | سفر کرو تم | میں | زمین | پس نہیں | پر تم | کوئی گناہ | کہ | تم کم کرو

مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ

کچھ | نماز سے | اگر | ڈرو تم | کہ | ستائیں گے تم کو | جو | کافر ہوئے | بیشک

الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿١٠١﴾

وہ لوگ کافر | ہیں | لئے تمہارے | دشمن | کھلم کھلا (۱۰۱)

با محاورہ ترجمہ:۔ اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ نہیں کہ نماز میں سے کچھ کم کرو اگر تم کو ڈر ہو کہ تم کو کافر ستائیں گے، بیشک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔(۱۰۱)

لفظی تحقیق: **تَقْصُرُوْا:** تم کم کرو۔ یہ لفظ "قصر" سے بنا ہے، "قصر" کے معنیٰ گھٹا دینا اور کم کرنا ہیں، نمازِ قصر سے مراد چار رکعت والی نماز کو کم کر کے سفر میں دو رکعت ادا کرنا ہے۔ **يَّفْتِنَكُمْ:** آپکو ستائینگے۔ فتنہ سے نکلا ہے، جس کے معنیٰ ہیں جھگڑا، فساد اور آزمائش، یہاں مراد یہ ہے کہ کافر جھگڑا فساد کر کے آپکو ستائیں گے۔

تفسیر

پچھلی آیتوں میں جہاد اور ہجرت کا ذکر تھا اور ان دونوں میں سفر لازمی ہوتا ہے؛ اس لیئے اس رکوع میں سفر کی حالت میں نماز ادا کرنے کی صورت بتلائی اور سفر کی حالت میں نماز کم کر دینے کی اجازت دی گئی ہے۔

سفر کی حالت میں بعض شرعی حکموں میں رعایتیں حاصل ہو جاتی ہیں، مثلاً: روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے اور چار رکعت والی نماز آدھی رہ جاتی ہے، یعنی: چار رکعت کے بجائے صرف دو رکعت پڑھی جاتی ہے، البتہ تین رکعت والی نماز پوری پڑھی جاتی ہے، کیونکہ تین کا آدھا ڈیڑھ ہے اور ڈیڑھ رکعت کی کوئی نماز نہیں ہے، اسی طرح فجر میں پوری دو رکعت پڑھی جائے گی کیونکہ دو کا آدھا ایک ہے اور ایک رکعت کی کوئی نماز نہیں ہے، لہٰذا یہ اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے، تاہم ظہر، عصر اور عشاء کی نمازوں میں دو رکعت کی کمی ہو جاتی ہے، انمیں قصر کرنے کا حکم ہے۔

امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سفر میں قصر کرنا واجب ہے اور فرماتے ہیں کہ قصر نہ کرنے والا مسافر گناہگار ہوگا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ قصر کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدقہ ہے، اس صدقہ کو قبول کرنا چاہئے اور آدھی نماز پڑھنا چاہئے، اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ یعلی بن امیہؓ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا، فرمایا کہ: اس آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں قصر کا حکم صرف خوف کی حالت میں ہے جبکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے امن کی حالت میں بھی قصر نماز پڑھی، فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کو پورے عرب میں غلبہ حاصل ہو گیا تھا مگر آپ نے دو سال بعد، یعنی: حجۃ الوداع کے موقع پر بھی نماز دو رکعت ہی ادا فرمائی، اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھائی! میں نے بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ بظاہر یہ آیت خوف کی حالت کے متعلق ہی ہے مگر در حقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے معافی اور صدقہ ہے اور صدقہ ہمیشہ کیلئے ہوتا ہے، ایک دفعہ دے کر اسے واپس نہیں لیا جاتا، اللہ تعالیٰ تو سب کریموں کا کریم ہے، لہٰذا اس کی طرف سے سفر میں دو رکعت کی کمی کیلئے صدقہ ہے۔

کسی شخص کا وطن اصلی وہ مقام ہے جہاں وہ پیدا ہوا، اس کا گھر بار، بیوی بچے، مکان زمین، فیکٹری، دفتر وغیرہ ہیں اور وطن اقامت وہ جگہ ہے جہاں کوئی شخص شرعی سفر کر کے پندرہ دن یا اس سے زیادہ مدت کیلئے عارضی طور پر ٹھہرتا ہے، نماز سے متعلق وطن اصلی اور وطن اقامت کا حکم ایک جیسا ہے، دونوں مقامات پر انسان پوری ہی نماز ادا کریگا۔

نماز قصر کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں، سفر کے دوران نماز کم ہو جانے سے بعض ذہنوں میں یہ خیال آسکتا تھا کہ رکعتوں کے کم ہونے کی وجہ سے شاید ثواب میں بھی کمی واقع ہو جائے گی، تو اس شبہ کو دور کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نماز کو کم کرنے میں کوئی حرج نہیں، یہ تو میری طرف سے رعایت ہے، لہٰذا اس سے ضرور فائدہ اٹھاؤ۔

احکام ومسائل

مسئلہ (۱):.... امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرعی سفر دراصل تین دن کی مسافت ہے، درمیانی رفتار سے کوئی شخص پیدل یا اونٹ پر جتنا سفر تین دن میں طے کرتا ہے، وہی شرعی سفر ہے، یہ عام طور پر بارہ تا سولہ میل یومیہ ہوتا ہے کیونکہ مسافر کو آرام بھی کرنا ہوتا ہے اور زندگی کی دوسری ضرورتوں کو بھی پورا کرنا ہوتا، اس لحاظ سے امام صاحب نے شرعی سفر کی مسافت چار برید، یعنی: اڑتالیس میل مقرر کی ہے، جو کہ تقریباً بہتر (۷۲) کلو میٹر شمار کیا جاتا ہے، اور اسی پر زیادہ علمائے حنفیہ کا اتفاق ہے۔

مسئلہ (۲):.... سمندری سفر میں بھی اڑتالیس (۴۸) شمار کیے جائینگے۔

مسئلہ (۳):.... سفر اگر جاری ہو، مثلاً: جہاز میں ہو یا ریل گاڑی میں ہو یا بس کے سفر میں ہو اور بس سفر کے دوران کہیں رکی ہو تو ایسی حالت میں تو سنتوں کو چھوڑ دینا چاہئے اور اگر سواری سے اتر کر کہیں رک گیا مثلاً: کسی ہوٹل میں ٹھہر گیا تو اس صورت میں سنتیں پڑھ لے تو بہتر ہے، اگر نہیں پڑھے گا تو کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔

مسئلہ (۴):.... جب مسافر اپنی بستی، گاؤں یا شہر کی حدود سے نکل جائے تو قصر شروع کر دے، شہر کی حدود سے مراد یہ ہے کہ مثلاً: شہر یا قصبہ کی انتہائی عمارتوں سے نکل جائے تو نماز کا وقت ہو جائے تو قصر پڑھے گا۔

مسئلہ (۵):..... اگر کوئی شخص چوری، ڈاکے، قتل، کھیل تماشے یا دوسرے حرام کاموں کو کرنے کیلئے سفر کرتا ہے تو اسے بھی دو رکعت کی معافی حاصل ہوگی، امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ سفر کی نوعیت خواہ کیسی ہی ہو، قصر کی اجازت ہے، کیونکہ قصر کا تعلق سفر سے ہے نہ کہ فرمانبرداری یا گناہ سے، البتہ جس غلط ارادے سے کوئی شخص جا رہا ہے، تو اس غلط کام کا گناہ اس پر الگ ہوگا، نماز بہرحال قصر ہی کرے گا۔

نمازِ خوف

وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ

اور جب ہوں آپ میں ان پھر قائم کریں آپ لئے ان کے نماز پس چاہئے کھڑا ہو گروہ میں سے ان

مَّعَكَ وَ لْيَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ

ساتھ آپکے اور چاہئے لے لیں ہتھیار اپنے پس جب سجدہ کریں تو چاہئے ہو جائیں سے

وَّرَآىِٕكُمْ وَ لْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ

دور آپ اور چاہئے آئے گروہ دوسرا کہ نہیں پڑھی نماز انہوں نے پس پڑھیں نماز ساتھ آپکے

وَ لْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ

اور چاہئے لے لیں بچاؤ اپنا اور ہتھیار اپنے

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب آپ ان میں موجود ہوں پھر ان کو نماز میں کھڑا کریں تو چاہئے کہ ان کی ایک جماعت آپ کے ساتھ کھڑی ہو اور وہ ساتھ لے لیں اپنے ہتھیار پھر جب یہ سجدہ کرلیں تو ہٹ جائیں آپ کے پاس سے اور دوسری جماعت آئے جس نے نماز نہیں پڑھی پس وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں اور اپنا بچاؤ اور ہتھیار ساتھ لے لیں۔

تفسیر

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ عسفان کی لڑائی میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو ساتھ لے کر لڑنے کیلئے

تشریف لے گئے، عین مقابلہ کے وقت ظہر کا وقت آ گیا، آپ ﷺ نے پہلی آیت کے حکم کے مطابق سب کے ساتھ دو رکعت نماز فرض جماعت کے ساتھ ادا فرمائی، کافروں کا لشکر حیرت سے دیکھتا رہا، وہ لوگ ایسے حیرت زدہ ہوئے کہ انہیں حملہ کرنے کا خیال بھی نہ آیا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو خالد بن ولید نے (جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے اور کافروں کے لشکر کے سردار تھے) افسوس کے ساتھ اپنے لشکر والوں سے کہا کہ بڑی بھول ہوگئی، جس وقت مسلمان صف باندھ کر نماز پڑھ رہے تھے پیچھے سے آ کر ان پر حملہ کرنے کا بہت اچھا موقعہ تھا، خیر یہ لوگ تھوڑی دیر میں پھر نماز پڑھیں گے، اس وقت ان کا صفایا کر دیں گے، عصر کا وقت آنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، عصر کی نماز اسی کے مطابق پڑھی گئی اور کافروں کا منصوبہ یونہی دھرا رہ گیا، ارشاد ہے کہ جب کافروں سے مقابلہ ہو رہا ہو اور نماز کا وقت آ جائے، تو مجاہدوں کے دو حصے ہو جانے چاہئیں، ایک حصہ کافروں کے سامنے ڈٹا رہے اور دوسرا حصہ آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے، جب یہ حصہ پہلی رکعت آپ کے ساتھ ختم کر لے اور سجدہ سے فارغ ہو جائے تو یہ لوگ آپ کے پیچھے سے ہٹ کر دشمن کے سامنے جا کر ڈٹ جائیں اور وہ حصہ جو دشمن کے ساتھ کھڑا تھا، آپ کیساتھ دوسری رکعت پڑھے جب آپ سلام پھیر دیں تو یہ لوگ دشمن کے سامنے جا کھڑے ہوں اور پہلے لوگ آ کر اپنی باقی ایک رکعت نماز اکیلے پوری کریں، اس کے بعد دشمن کے سامنے جا کھڑے ہوں اور دوسرے لوگ آ کر اپنی رکعت پوری کریں۔

نمازِ خوف کا ایک طریقہ یہ بھی آیا ہے کہ پہلا گروہ ایک یا دو رکعت امام کے ساتھ ادا کرنے کے بعد اپنی بقیہ ایک یا دو رکعتیں وہیں پوری کر کے محاذ پر آ جائے اور دوسرا گروہ آ کر ایک یا دو رکعت امام کے ساتھ ادا کرے، امام سلام پھیر دے تو یہ گروہ وہیں اپنی بقیہ ایک یا دو رکعتیں ادا کرنے کے بعد محاذ پر واپس جائے، یہ سب طریقے جائز ہیں، اور مغرب کی نماز ادا کرنا مقصود ہو تو پہلا گروہ دو رکعت امام کے ساتھ پڑھے گا اور بقیہ ایک رکعت علیحدہ ادا کرے گا پھر دوسرا گروہ آ کر ایک رکعت امام کیساتھ پڑھے گا اور دو رکعتیں علیحدہ ادا کریگا، اس کے علاوہ اور بھی طریقے بیان کئے جاتے ہیں۔

نمازِ خوف اس وقت ادا کی جاسکتی ہے، جب تمام لوگ ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہوں اور دشمن یا دوسرے خطرے کی نگرانی بھی ضروری ہو، اگر سب لوگ ایک ہی وقت نماز میں مشغول ہوجائیں، تو دشمن کی طرف سے حملہ کا خطرہ ہوتا ہے، لہٰذا یہ نماز ایک امام کے پیچھے دو مختلف گروہوں کی صورت میں پڑھی جاسکتی ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں جب آپ خود جنگ پر موجود ہوتے تھے، تو سب کی خواہش ہوتی تھی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے ہی نماز ادا کریں، تاہم آپ کے بعد بھی اگر جماعت میں کوئی ایسی بزرگ ہستی موجود ہے کہ سب اسی کی اقتداء میں نماز پڑھنا چاہتے ہوں، تو پھر نمازِ خوف کا طریقہ اختیار کیا جائیگا، اگر کسی خاص امام کے پیچھے نماز پڑھنا ضروری نہ ہو، تو پھر نماز خوف پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جماعت کے مختلف گروہ (Section) بنادیئے جائیں جو اپنے اپنے امام کے پیچھے ایک کے بعد ایک نماز ادا کرلیں۔

اس طریقہ پر نماز پڑھنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص تھی، مگر چاروں اماموں اور اکثر محدثین اور فقہائے کرام متفق ہیں کہ خوف کی نماز پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے بعد بھی جاری ہے، لہٰذا یہ حکم عام ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد یہ نماز صحابہ کرامؓ نے مختلف مقامات پر ادا فرمائی، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانوں میں بھی یہ نماز پڑھی جاتی رہی، گویا حکم منسوخ نہیں، اگر چہ یہ خطاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے، مگر حکم عام ہے، (یعنی کہ: تمام لوگوں کیلئے ہے) اس کی مثال "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" "پس آپ اپنے رب کیلئے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے، میں بھی ملتی ہے، یعنی کہ: اگر چہ یہ بھی خطاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی ہے مگر نماز اور قربانی کا حکم ہر جگہ، ہر زمانے اور تمام لوگوں کیلئے ہے۔

احکام ومسائل

مسئلہ (۱):.... نمازِ خوف مسافر ہونے کی حالت میں بھی پڑھی جاسکتی ہے اور مقیم ہونے کی حالت میں بھی پڑھی جاسکتی ہے۔

مسئلہ (۲):.... اگر مقیم ہونے کی حالت میں نماز خوف ادا کرنی ہے تو دونوں گروہ امام کے پیچھے دو دو

رکعتیں پڑھیں گے۔

مسئلہ (۳):..... جیسے انسان سے خوف کے وقت خوف کی نماز دو گرہوں میں بٹ کر پڑھنا جائز ہے، ایسے ہی اگر کسی شیر یا اژدہا وغیرہ کا خوف ہو اور نماز کا وقت تنگ ہو اس وقت بھی خوف کی نماز دو گرہوں میں بٹ کر پڑھنا جائز ہے۔

مسئلہ (۴):..... آیت میں دونوں گروہ کے ایک ایک رکعت پڑھنے کا تو ذکر فرمایا جبکہ دوسری رکعت کا طریقہ حدیث میں آیا ہے۔

احتیاط ضروری ہے

وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ

پسند کرتے ہیں وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا کاش! غافل ہو جاؤ تم سے ہتھیاروں اپنے اور سامان اپنے سے

فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ

پس ٹوٹ پڑیں وہ پر تم ٹوٹنا ایک بار اور نہیں گناہ پر تم اگر ہو

بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ

ساتھ تمہارے اذیت سے بارش یا ہو تم بیمار یہ کہ نیچے رکھ دو تم ہتھیار اپنے

وَ خُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾

اور لے لو بچاؤ اپنا بیشک اللہ نے تیار کیا ہے واسطے کافروں کے عذاب ذلیل کرنیوالا (۱۰۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم بے خبر ہو جاؤ اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب سے تاکہ تم پر یکبارگی حملہ کر دیں اور تم پر کچھ گناہ نہیں اگر تم کو بارش سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو کہ اتار رکھو اپنے ہتھیار اور اپنا بچاؤ ساتھ لے لو، بیشک اللہ نے کافروں کے واسطے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (۱۰۲)

لفظی تحقیق: وَدَّ: دوست رکھا، اس کے معنی ہیں محبت کرنا پسند کرنا اور چاہنا، لفظ "وُدُوْدٌ" بھی اسی سے نکلا ہے۔ اَمْتِعَتِکُمْ: اپنے سامان سے، "مَتَاعٌ" کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں ضرورت کی چیز اور کام آنے والا سامان۔ یَمِیْلُوْنَ: ٹوٹ پڑیں، اس کے معنی ہیں ایک طرف کو جھکنا، مائل ہونا یا حملہ کرنا اور ٹوٹ پڑنا۔ مُّهِیْنًا: ذلت دینے والا، "اِهَانَتٌ" سے بنا ہے جس کے معنی ہیں ذلیل اور رسوا کرنا یا کسی کو نیچا دکھانا۔

تفسیر

سفر کی نماز قصر کے بعد جنگ کی نماز خوف کا بیان ہو چکا ہے، اس حصہ میں ارشاد ہے کہ لڑائی کی حالت میں ہر کام ہوشیاری اور احتیاط سے کرنا چاہئے، جنگ کی حالت میں تمہیں نماز میں سہولت دی گئی ہے، پھر بھی دشمن کی چالوں کو دیکھ کر اور اس کے حملوں سے بچنے کی فکر کے ساتھ ادا کرنی چاہئے، دشمن اسی تاک میں رہتے ہیں کہ تم ذرا بھی غفلت کرو تو وہ تم پر ایک دم ٹوٹ پڑیں، لہٰذا تم نماز میں بھی اپنے ہتھیار لگائے رہو اور اپنے بچاؤ کا سارا سامان لگائے رکھو تاکہ ان کو تمہاری تیاری دیکھ کر اچانک حملہ کا موقع نہ ملے۔

"ترمذی شریف" کی روایت میں سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں نے اس بات کا پکا ارادہ کر لیا تھا کہ جب مسلمان نماز میں مشغول ہوں تو ان پر ٹوٹ پڑیں مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنے منصوبہ میں کامیاب ہوتے اللہ تعالیٰ نے نمازِ خوف کا طریقہ بتا کر دشمنوں کے منصوبہ کو خاک میں ملا دیا۔

آیت کے پہلے حصہ میں ہر وقت ہتھیار ساتھ رکھنے کا حکم تھا، یہاں تک کہ نماز کے وقت بھی ہتھیار ساتھ رکھنا ضروری فرمایا تھا، اب فرمایا کہ: اگر کوئی معقول عذر ہو، یعنی: بارش ہو جائے یا تم میں سے کوئی مجاہد بیمار ہو جائے تو اپنے ہتھیار اتار لینے میں کوئی حرج نہیں، ایسا کر سکتے ہو مگر یاد رکھو! اپنے بچاؤ کا سامان ہر حالت میں اختیار کرو، اپنے دفاع سے کبھی غافل نہ رہو، مقصد یہ ہے کہ اسلحہ اتار کر ایسی جگہ نہ رکھو جہاں سے ضرورت کے وقت فوری طور پر دستیاب نہ ہو، بلکہ اپنے قریب اور نگرانی میں رکھو تاکہ ضرورت کے وقت فوراً اٹھا سکو۔

بہر حال یہ سب طریقے اسی صورت میں اختیار کئے جائیں گے جب جنگ کے دوران تھوڑا بہت موقع مل جائے، تو اس دوران اس طریقہ سے نماز ادا کی جا سکے اور اگر حالات ایسے ہوں کہ ایک لمحہ کیلئے بھی دشمن سے غافل ہونا نقصان کا سبب بن سکتا ہے، تو پھر نماز کو قضا کرنے کی اجازت ہے، خندق کی جنگ کے موقع پر مسلمانوں کی تین نمازیں (ظہر، عصر، مغرب) فوت ہوگئی تھیں، جن کی قضارات کو عشاء کی نماز کے بعد کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کیلئے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے اگر تم تیار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں دنیا میں ہی دشمن کو سزا دلوائے دیں گے، ورنہ آخرت میں تو سزا مل کر رہے گی، بہر حال تم اپنے بچاؤ کا سامان تیار رکھو۔

نماز کے سوا اللہ کا ذکر

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى

پس جب پڑھ چکو تم نماز پس یاد کرو اللہ تعالیٰ کو کھڑے اور بیٹھے اور اوپر

جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ

پہلوا پنے کے پس جب بے خوف ہو جاؤ تم پھر قائم کرو نماز بیشک نماز ہے

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾

اوپر مسلمانوں کے فرض وقتوں پر (۱۰۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جب نماز پڑھ چکو تو اللہ کو یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے) پھر جب خوف جاتا رہے تو نماز درست کرلو، بیشک نماز مسلمانوں پر فرض ہے اپنے مقررہ وقتوں میں۔ (۱۰۳)

لفظی تحقیق: قَضَيْتُمْ: پڑھ چکو۔ قضاء کے معنی ہیں پورا کرنا، دے دینا اور فیصلہ کرنا، یہاں قضا سے مراد نماز ادا کرنا ہے۔ جُنُوْبِ: کروٹیں۔ "جَنْب" کی جمع ہے، یعنی: پہلو، کروٹ، یہاں مراد ہے کروٹ اور پہلو پر لیٹے ہوئے۔ مَّوْقُوْتًا: مقررہ وقت، یعنی: وہ چیز جو وقت کی پابندی سے وابستہ ہو۔

تفسیر

پچھلی آیت میں دشمن کے مقابلے اور حملے کے خوف کے وقت نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا گیا تھا، ظاہر ہے ایسی حالت میں گھبراہٹ تنگی اور بے اطمینانی ضرور ہوگی لیکن نماز تو جس طرح بھی ہو سکے وقت پر ادا کرنی ہے مگر چونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی یاد، خوف اور گھبراہٹ کی وجہ سے پوری نہیں ہوسکتی؛ اس لئے ارشاد فرمایا کہ: نماز کے بعد جس حالت میں بھی ہو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو، کھڑے، بیٹھے، لیٹے اس کا ذکر کرو، اس کی یاد کیلئے کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے۔

نماز میں بندہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے، بندہ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جڑ جاتا ہے، سب طرف سے توجہ ہٹا کر اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے؛ اس لئے جب اطمینان کا زمانہ آئے اور لڑائی وغیرہ کا خوف جاتا رہے تو نماز کو یوں ادا کرو، جیسے: ادا کرنے کا حق ہے، اس کے سارے رکن ٹھہر ٹھہر کر با قاعدہ ادا کرو، دل اللہ تعالیٰ کی طرف لگانے کی کوشش کرو، جب نماز کا وقت آئے تو اس وقت کے لحاظ سے پورے پورے آداب کی پابندی کے ساتھ نماز ادا کرو، البتہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں، دل میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے کہ: "وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ" اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ فلاح، یعنی: کامیابی نصیب ہو، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے تھے، آپ کا کوئی وقت ذکر سے خالی نہیں جاتا تھا، "ترمذی شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ جب آپ کسی مجلس میں تشریف لاتے تو مجلس کی ابتداء بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے کرتے اور اس کی انتہاء بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہوتی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بڑھ کر اسکے عذاب سے بچانے والی کوئی چیز نہیں۔

ان آیات سے کئی باتیں واضح ہوتی ہیں، جو ہمیں ہر وقت نظر کے سامنے رکھنی چاہئیں، نماز ایک ایسا فرض ہے جو کسی صورت میں ٹل نہیں سکتا، صحت ہو یا بیماری، سفر میں ہو یا گھر میں، امن کے حالات ہوں یا جنگ کے

میدان میں، نماز بہر حال ادا کرنی ہوگی، نماز میں رعایت ہوسکتی ہے معافی نہیں، دوسرے یہ کہ نماز وقت کی پابندی کے ساتھ فرض ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اول اور آخر اوقات میں عملی طور پر خود نمازیں ادا کر کے عمل طور پر نماز کے وقت بتائے اور ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیج کر نمازوں کے اول وقت بتائے، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دو دن آپ کو نمازیں پڑھائیں، پہلے دن اول وقت میں اور دوسرے دن آخر وقت میں تاکہ نماز کے پورے وقت کا علم ہوسکے۔

فجر کی نماز کا وقت، صبح صادق ہونے سے لیکر سورج کے طلوع ہونے تک ہے، ظہر کی نماز کا وقت، سورج کے ڈھلنے سے لیکر ہر چیز کا سایہ دگنا ہونے تک ہے، عصر کا وقت ظہر کے وقت کے ختم ہونے کے بعد سے لیکر سورج کے غروب ہونے تک ہے، مغرب کا وقت عام طور پر سورج کے غروب ہونے سے لیکر ایک گھنٹہ یا سوا گھنٹہ تک ہے، نماز عشاء کا وقت مغرب کے وقت کے ختم ہونے سے لیکر صبح صادق ہونے تک ہے۔

نماز کے ان وقتوں کا لحاظ ان ملکوں میں ہوگا جہاں دن رات چوبیس (۲۴) گھنٹے کے ہوں، البتہ جن ملکوں میں چوبیس (۲۴) گھنٹے کا یہ نظام ہی موجود نہ ہو یا جہاں اس میں بہت تبدیلی آجائے، وہاں نماز کے وقتوں میں دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا، مثال کے طور پر کوئی شخص ہوائی جہاز کے ذریعے مغرب کی طرف مسلسل بیس گھنٹے سفر کرتا ہے تو اس کیلئے تو سورج غروب ہی نہیں ہوگا بلکہ ایک ہی حالت پر قائم رہے گا، تو ایسی صورت میں نماز ظہر اور عصر کیسے ادا کی جائے گی؟ قطب شمالی یا قطب جنوبی جہاں پر دن رات چھ ماہ یا کم وبیش عرصہ کے ہوتے ہیں، وہاں پر بھی پانچ نماز کے وقتوں کی تعیین کسی دوسرے طریقے سے کرنا ہوگی، اسی طرح اگر کوئی مسلمان چاند یا کسی دوسرے سیارے پر پہنچ جائے جہاں اس زمین کا نظام، یعنی: دن اور رات موجود نہیں، تو وہ کیسے نمازیں ادا کریگا؟ دنیا میں بعض مقامات ایسے ہیں جہاں صرف چار نمازوں کا وقت ملتا ہے، یعنی: مغرب کے نماز کے وقت ختم ہونے کے ساتھ ہی فجر طلوع ہوجاتی ہے اور اس طرح نماز عشاء کیلئے وقت نہیں ملتا، تو اس صورت میں کیا

طریقہ اختیار کیا جائیگا؟

اس ضمن میں پیغمبر ﷺ نے قاعدے کے طور پر ایک بات سمجھا دی کہ جب دجال کا ظہور ہوگا تو ایک دن ایک سال کے برابر ہو جائیگا، ایک صحابی نے عرض کیا، حضور! کیا اتنے لمبے عرصہ میں پانچ ہی نمازیں ادا کرنا ہوں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ اس کیلئے اندازا ہی کر کے نمازیں ادا کرنی ہوں گی اور اس کیلئے وقت کی تعیین خود حساب لگا کر کرنا ہوگی، تو مطلب یہ ہوا کہ ہر وہ مقام جہاں وقت کا نظام (System) معمول کے مطابق جاری نہیں یا کسی دوسرے سیارے میں جہاں زمین کا نظام، یعنی: دن اور رات موجود نہیں، وہاں نماز کے وقتوں کی تعیین خود حساب لگا کر کرنا پڑے گی اور چوبیس گھنٹے میں پانچ نمازیں ادا کرنا ہوں گی، اس سے معلوم ہوا کہ نماز بہت ہی اہم عبادت ہے، اس کی اتنی اہمیت ہے کہ غیر معمولی حالات میں بھی نماز کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

دشمن کو ڈھیل نہ دو

وَ لَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ

اور نہ سستی کرو میں پیچھا کرنے مخالف قوم کے اگر ہو تم دکھ اٹھاتے تو بیشک وہ بھی

یَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا یَرْجُوْنَ ؕ وَ

دکھ اٹھاتے ہیں جیسا کہ تم دکھ اٹھاتے ہو اور امید رکھتے ہو سے اللہ جو نہیں امید رکھتے وہ اور

ع ۱۵ ۱۲ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۰۴﴾

ہیں اللہ جاننے والے حکمت والے (۱۰۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ان کا پیچھا کرنے میں ہمت نہ ہارو اگر تم تکلیف اٹھاتے ہو تو وہ بھی تکلیف اٹھاتے جس طرح تم تکلیف اٹھاتے ہو، اور تم کو اللہ سے وہ امید ہے جو ان کو نہیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ (۱۰۴)

لفظی تحقیق: لَا تَهِنُوْا: ہمت نہ ہارو۔اس کے معنی ہیں سستی کرنا، ڈھیلا پڑ جانا اور ہمت ہار دینا، یہاں یہ مراد ہے کہ سستی نہ کرو اور ہمت نہ ہارو۔ تَاْلَمُوْنَ: تم دکھ اٹھاتے ہو۔اس کے معنی دکھ اور تکلیف کے ہیں۔ تَرْجُوْنَ: تم امید رکھتے ہو۔اس کے معنی اُمید اور خیال کے ہیں۔

تفسیر

مسلمانوں کو شروع میں لڑنے کا حکم نہیں تھا بلکہ یہ حکم تھا کہ مکہ والے جتنا ستائیں تم اپنے ہاتھ روکے رہو اور نماز اور زکوٰۃ ادا کیے جاؤ، لیکن جب مکہ کے کافروں کا ظلم وستم حد سے بڑھ گیا، یہاں تک کہ مسلمانوں کو گھر بار چھوڑ کر مکہ سے مدینہ جانا پڑا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وہیں پناہ لینی پڑی، اس پر بھی مکہ والوں نے ستانا نہ چھوڑا، تو مسلمانوں کو لڑنے کا حکم ہوا اور جب ایک دفعہ لڑائی کا اعلان ہو گیا، تو پھر اس کے قاعدے بتائے گئے اور ہدایات دی گئیں۔

اس سورۃ میں بہت پہلے سے لڑائی ہی کا ذکر چلا آ رہا ہے، اس آیت میں یہ ہدایت ہے کہ جب کافروں نے لڑائی شروع ہی کر دی اور تمہیں لڑنا ہی پڑا، تو ان شریروں کو پوری پوری سزا دینی چاہئے، تا کہ ان کے فساد سے نجات ملے، ان کی اگلی پچھلی باتوں سے یقینی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ جب تک انہیں پوری پوری سزا نہ ملے گی، یہ نہ خود چین سے بیٹھیں گے اور نہ کسی اور کو بیٹھنے دیں گے، لہٰذا پوری قوت کے ساتھ ان سے لڑنا چاہئے، تمہاری طرف سے اس میں ذرا بھی سستی نہ ہونی چاہئے، لڑائی سے جو دکھ اور تکلیف تمہیں پہنچتی ہے اسی طرح ان کو بھی پہنچتی ہے، ان کا خیال نہ کرو بلکہ اس جھگڑے کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دینے کی ٹھان لو۔

دکھ، درد، بے آرامی میں تم اور وہ برابر ہیں لیکن اس پر بھی تم میں اور ان میں زمین آسمان کا فرق ہے، تم کو اپنے اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں ایسی امیدیں ہیں جو انکو نصیب نہیں، تم اگر جیتے تو غازی اور اگر مر گئے تو شہید اور دونوں حالتوں میں آخرت کے عیش و آرام کا پکا وعدہ ہے، جس میں شبہ کی گنجائش ہی نہیں اور یہ بھی یاد رکھو! ان کو صرف دنیا کے چند روزہ فائدے لڑنے پر اکسا رہے ہیں، جنکی کوئی بنیاد ہی نہیں اور تم اللہ تعالیٰ کے حکم سے لڑ رہے ہو،

اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والے ہیں وہ ہر ایک کی نیت اور ارادے سے واقف ہیں اور وہ حکمت والے ہیں۔

طرفداری کے بغیر انصاف

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ

بیشک اتاری ہم نے طرف آپکی کتاب ساتھ سچائی کے تاکہ آپ فیصلہ کریں درمیان لوگوں کے اس چیز کیساتھ جو

اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ

کہ سمجھائیں آپ کو اللہ نے اور نہ ہوں آپ واسطے دغابازوں کے جھگڑنے والے (۱۰۵) اور بخشش مانگ لیجئے اللہ سے

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۶﴾

بیشک اللہ ہیں بخشنے والے مہربان (۱۰۶)

بامحاورہ ترجمہ: بیشک ہم نے آپکی طرف سچی کتاب اتاری کہ آپ لوگوں میں انصاف کریں جو آپ کو اللہ سمجھائیں اور خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنیں۔ (۱۰۵) اور اللہ سے بخشش مانگ لیجئے، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۱۰۶)

لفظی تحقیق: تَحْكُمَ: آپ فیصلہ کریں۔ "حُكْمٌ" سے بنا ہے جس کے معنی فیصلہ کرنا اور کسی بات کے کرنے کیلئے کہنا ہیں، یہاں فیصلہ کرنا مراد ہے۔ اَرٰىكَ: آپ کو سمجھائیں۔ اس کے معنی دیکھنے کے ہیں اور یہاں دکھانے اور سمجھانے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ خَصِيْمٌ: جھگڑا کرنے والا۔ کسی شخص کیلئے جھگڑا کرنا یا اس کے خلاف جھگڑنا یعنی اس کو گناہگار ٹھہرانے کی کوشش کرنا، کمزور ایمان لوگوں میں یہ لت ہوتی ہے کہ اگر کوئی گناہ کر بیٹھیں تو سزا سے بچنے کیلئے اسے دوسرے کے سر لگانے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ خود بری ہو جائیں اور دوسرا پھنس جائے۔

تفسیر

"ترمذی شریف" کی کتاب التفسیر، مستدرک حاکم اور حدیث کی دوسری کتابوں میں ۴ھ کا یہ واقعہ ذکر

ہے کہ مدینہ میں بنوابیرق کا ایک خاندان آباد تھا، منافقوں کا یہ خاندان تین بھائیوں بشر، بشیر اور مبشر پر مشتمل تھا، بشیر کو طعمہ بھی کہتے تھے، یہ شاعر تھا اور اپنے اشعار میں پیغمبر ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کی شان میں گستاخیاں کرتا تھا، چونکہ منافق تھا اس لئے ایسے اشعار کسی دوسرے کے سر لگا دیتا تھا (یعنی: یہ شعر اسکے نہیں بلکہ کسی اور کے ہیں) تا کہ اس کی منافقت ظاہر نہ ہو جائے، صحابہ کرام ؓ اس شخص کے متعلق دو مختلف رائے رکھتے تھے، بعض کا خیال تھا کہ یہ بدبخت خود شعر کہتا ہے اور دوسروں کے سر لگا دیتا ہے، جب کہ بعض دوسرے صحابہ ؓ کو شک تھا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ کسی اور شخص کی کرتوت ہو، بہر حال یہ اس قسم کا بدکردار آدمی تھا۔

حضرت رفاعہ بن زید ؓ پیغمبر ﷺ کے ایک کھاتے پیتے خوشحال صحابی تھے، ان کے بالا خانے میں گندم کے آٹے کی بوری تھی، اس زمانہ میں گندم کا آٹا تو کسی خوشحال آدمی ہی کی خوراک ہوتا تھا، وگرنہ عام لوگ جو اور کھجوروں پر گزارہ کرتے تھے، اس آٹے کی بوری پر کچھ ہتھیار بھی رکھے تھے، رات کو مکان میں چوری ہوئی اور چور آٹے کی بوری اور ہتھیار اٹھالے گئے، صبح حضرت رفاعہ ؓ کو پتہ چلا تو انہوں نے اپنے بھتیجے حضرت قتادہ ؓ سے ذکر کیا، تفتیش شروع ہوئی تو بنوابیرق پر شک کیا گیا، ان کے آس پاس سے پتہ چلا کہ رات ان کے ہاں چولہا جلا ہے اور روٹی پکی ہے، حالانکہ یہ خاندان مالی طور پر کمزور ہے، جنہیں آٹے کی روٹی میسر نہیں، جب بنوابیرق کو علم ہوا کہ چوری میں ان کا نام لیا جا رہا ہے تو انہوں نے بھی اپنے دفاع کیلئے اپنے حمایتی جمع کئے اور چوری کا الزام حضرت لبید بن سہل ؓ پر لگا دیا، جب انہیں اس بات کا علم ہوا، تو وہ تلوار نکال لائے اور بنوابیرق سے کہا کہ یا تو چوری ثابت کرو، ورنہ یہ تلوار تمہارا کام تمام کر دے گی، اس پر وہ ڈر گئے اور اپنی غلطی کا اعتراف کر کے ان سے جان چھڑائی، جب بنوابیرق کا یہ منصوبہ ناکام ہو گیا تو انہوں نے اپنی صفائی کیلئے دوسرا طریقہ اختیار کیا، اپنے خاندان کے بعض معتبر لوگوں کو پیغمبر ﷺ کی خدمت میں بھیجا، اس وفد میں خاندان کا بڑا چوہدری بھی شامل تھا جو مخلص مسلمان تھا، مگر اپنی برادری کے کہنے پر ان کی سفارش کیلئے چلا گیا، ان لوگوں نے پیغمبر ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت رفاعہ ؓ اور ان کے بھتیجے قتادہ ؓ انہیں خواہ مخواہ بدنام کر رہے ہیں حالانکہ وہ چور نہیں، پیغمبر ﷺ نے دیکھا کہ بعض شریف آدمی ان کی صفائی پیش کر رہے ہیں، لہٰذا ہوسکتا ہے کہ یہ بے گناہ ہوں اور

ان پر غلط الزام لگایا جارہا ہو، اس وقت تک یہ آیتیں نازل نہیں ہوئی تھیں، لہٰذا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات پر یقین فرمالیا۔

اسی دوران حضرت رفاعہؓ نے حضرت قتادہؓ کو کہا کہ تم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر چوری کا واقعہ بیان کرواور آپ کو یہ بھی بتاؤ کہ قرائن بتارہے ہیں کہ چور بنو ابیرق ہیں، جب حضرت قتادہؓ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو وہ مخالفین کی بات کو پہلے ہی صحیح سمجھ چکے تھے، آپ نے حضرت قتادہؓ کو ڈانٹا کہ تم خواہ مخواہ بے گناہوں پر الزام لگارہے ہو جب کہ اتنے آدمی ان کی صفائی پیش کرچکے ہیں، حضرت قتادہؓ کو اس بات کا سخت صدمہ ہوا کہ ان کی چوری بھی ہوگئی ہے اور الٹا انہی کو ڈانٹ ڈپٹ بھی ہوگئی، انہوں نے واپس آکر ساری بات حضرت رفاعہؓ کے کو سنائی کہ یہ تو معاملہ ہی الٹا ہوگیا ہے، ان لوگوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وفد بھیج کر اپنی صفائی پیش کردی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ڈانٹا ہے کہ تمہارا الزام غلط ہے، اس پر حضرت رفاعہؓ نے کہا کوئی بات نہیں، اللہ تعالیٰ تو سب کچھ جانتے ہیں، اس پر دو رکوع نازل ہوئے اور منافقین کی سازش کو بے نقاب کردیا گیا۔

بعض تفسیروں میں یہ بھی آتا ہے کہ بشیر بن ابیرق نے آٹے کی بوری زید بن سمین یہودی کے گھر میں امانت کے طور پر رکھ دی، جب چوری شدہ مال کی تلاش شروع ہوئی تو بشیر کے بجائے زید یہودی کے گھر سے برآمد ہوا، جب اس سے پوچھا گیا کہ آٹے کی بوری تمہارے گھر کیسے پہنچی تو اس نے بشیر کا نام لیا کہ اس نے امانت کے طور پر رکھی تھی مگر بشیر نے انکار کیا اور قسم اٹھا کر کہا کہ چور وہ ہے جس کے گھر سے مال برآمد ہوا ہے، اس واقعہ کی بناء پر یہ آیتیں نازل ہوئیں، منافقوں کا راز فاش ہوگیا، حضرت لبیدؓ اور یہودی الزام سے بری ہوگئے اور بنو ابیرق پر چوری ثابت ہوگئی، بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں منافقوں کے اس کام کی طرف اشارہ کرکے ان کی مذمت بیان کی ہے۔

جب چوری شدہ مال مل گیا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رفاعہؓ اور حضرت قتادہؓ کو بلا کر ان کے حوالے فرمادیا اور منافق اپنی جان بچانے کیلئے وہاں سے بھاگ گیا، اگر ایمان دار ہوتا تو جرم کا اقرار کرکے چوری کی شرعی

سزا کو برداشت کرتا اور آخرت خراب نہیں کرتا، مگر وہ کھلم کھلا مرتد ہوکر مکہ کے مشرکوں سے جا ملا اور ایک عورت سلافہ بنت سعد کے پاس جا ٹھہرا، ادھر حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو انہوں نے اپنے شعروں میں بشیر اور سلافہ دونوں کی مذمت بیان کی، جب اس عورت کی بدنامی ہوئی تو بہت ناراض ہوئی اور اس نے بشیر کا سامان اٹھا کر باہر بطحا میں پھینک دیا، اسے اپنے گھر سے نکال دیا، مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ شخص سخت ذلیل وخوار ہوا اور ایک زیر تعمیر دیوار کے نیچے آ کر گر کر ہلاک ہوا۔

ایک علمی نکتہ

آیت میں باقی سب کو خیانت دار کہا حالانکہ سب خیانت دار نہیں تھے؛ اس لئے کہ جو خیانت دار نہیں تھے وہ بھی خیانت دار کی مدد کر رہے تھے؛ اس لئے وہ خیانت دار ٹھہرے، اور لوگوں کے کہنے سے اچھا گمان رکھنے کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بنوابیرق کو دیندار سمجھ لیا، گو ایسا سمجھنا گناہ تو نہیں لیکن چونکہ اس میں احتمال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتنا فرما دینے سے حق والے اپنا حق چھوڑ دیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ خاموش ہو کر بیٹھ گئے، لہٰذا یہ کام نامناسب ہوا؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو استغفار کرنے کا حکم دیا، اور اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے، مہربان ہیں۔

احکام ومسائل

مسئلہ (۱):.... پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے مسئلوں میں جن کے بارے میں قرآن کریم میں کوئی واضح حکم نہ ہو اپنی رائے سے اجتہاد کرنے کا حق حاصل تھا اور اہم باتوں کے فیصلوں میں آپ بہت سے فیصلے اپنے اجتہاد سے بھی فرماتے تھے۔

مسئلہ (۲):.... اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجتہاد وہی معتبر ہے جو قرآن کریم اور حدیثوں سے نکالے گئے

ہوں، خالی رائے اور خیال معتبر نہیں اور نہ اس کو شریعت میں اجتہاد کہا جا سکتا ہے۔

مسئلہ (۳):.... پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد دوسرے اجتہاد کرنے والوں کی طرح نہ تھا، جس میں غلطی کا احتمال ہمیشہ باقی رہتا ہے، بلکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی فیصلہ اپنے اجتہاد سے فرماتے تو اگر اس میں کوئی غلطی ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو صحیح اور حق کے مطابق کرا دیتے تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی فیصلہ اپنے اجتہاد سے فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے خلاف کوئی چیز نہیں آئی تو یہ علامت اس کی تھی کہ یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

مسئلہ (۴):.... پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ قرآن کریم سے سمجھتے تھے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا سمجھایا ہوا ہوتا تھا، اس میں غلطی کا امکان نہ تھا، بخلاف دوسرے علماء و مجتہدین کے کہ ان کا سمجھا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح منسوب نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بتلایا ہے۔

مسئلہ (۵):.... جھوٹے مقدمے اور جھوٹے دعوے کی پیروی یا وکالت کرنا یا اس کی تائید و حمایت کرنا سب حرام ہے اور اس پر اجرت لینا بھی حرام ہے۔

مجرموں کی کوئی حمایت نہیں

وَ لَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

اور نہیں جھگڑیے طرف سے ان لوگوں کی جو دغا کرتے ہیں نفسوں اپنے سے بیشک اللہ تعالیٰ نہیں

يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۚ﴿١٠٧﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا

دوست رکھتے اس کو جو ہو پرلے درجے کا دغاباز گناہگار (۱۰۷) وہ لوگ شرماتے ہیں سے لوگوں اور نہیں

يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى

شرماتے سے اللہ تعالیٰ حالانکہ وہ ساتھ ہے انکے جب رات کو مشورہ کرتے ہیں جو کہ نہیں پسند کرتا وہ

مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾

سے بات اور ہیں اللہ اس کو جو وہ کرتے ہیں گھیرنے والے (۱۰۸)

بامحاورہ ترجمہ: اور ان کی طرف سے نہیں جھگڑیئے جو اپنے نفسوں میں دغار کھتے ہیں اللہ کو کوئی دغاباز گناہگار پسند نہیں۔ (۱۰۷) لوگوں سے شرماتے ہیں اور نہیں شرماتے اللہ سے، حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہے جبکہ وہ رات کو مشورہ کرتے ہیں جس بات سے اللہ راضی نہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کے قابو میں ہے۔ (۱۰۸)

لفظی تحقیق: لَا تُجَادِلْ: مت جھگڑیئے، حمایت اور طرفداری نہ کیجئے۔ اس کے معنی ہیں کسی کی طرف سے لڑنا اور اس کی حمایت میں بولنا۔ خَوَّانًا: بڑا دغاباز۔ خیانت سے نکلا ہے، جس کے معنی بددیانتی کرنے کے ہوتے ہیں، ''خائن رخیانت کرنے والا'' اسی لفظ سے ہے۔ يَسْتَخْفُوْنَ: شرماتے ہیں۔ اسکے معنی چھپنا ہیں، یہ چھپنا ڈر کی وجہ سے ہوتا ہے یا شرم کی وجہ سے یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ مُحِيْطًا: گھیرنے والا۔ یہ ''احاطہ'' سے بنا ہے، ''محیط'' ایسے گھیرے کو کہتے ہیں جس سے باہر نہ نکلا جا سکے، یہاں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خیانت داروں کو یوں گھیرے ہوئے اور قابو میں لئے ہوئے ہے کہ وہ اس کی پکڑ سے باہر نہیں نکل سکتے۔

تفسیر

اس آیت کا شان نزول اس سے پچھلی آیت کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے کہ طعمہ نے چوری کی اور اس کا الزام یہودی پر لگا دیا تھا، صبح طعمہ اور اس کے حمایتی پیغمبر ﷺ کے پاس پہنچے اور قسمیں کھائیں کہ چوری طعمہ نے نہیں کی، زید نے کی ہے، اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ آپ خیانت دار اور اس کے حمایتیوں کی طرفداری نہ کریں، یہ لوگ جان بوجھ کر جھوٹ اور دغابازی پر تلے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو دغاباز اور شریر لوگ پسند نہیں ہیں، یہ لوگ دہرے گناہگار ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرتے ہیں نہ شرماتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں، یہ راتوں کو مشورہ کر کے ایسی بات طے کرتے ہیں، جس سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں یہ لوگوں سے چھپ جائیں

لیکن اللہ تعالیٰ سے کیسے چھپ سکتے ہیں۔

استغفار

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُّجَادِلُ

سنتے ہوتم لوگ جھگڑ لئے طرف سے انکی میں زندگی دنیا کی پس کون جھگڑے گا

اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَ

اللہ تعالیٰ سے طرف سے انکی دن قیامت کے یا کون ہوگا پران وکیل (۱۰۹) اور

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ

جو کرے گا برا یا ظلم کرے گا نفس اپنے پر پھر معافی مانگے اللہ پائے گا

اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾

اللہ تعالیٰ سے بخشنے والا مہربان (۱۱۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ سنتے ہوتم انکی طرف سے جھگڑا کرتے ہو دنیا کی زندگی میں پس ان کے بدلے قیامت کے دن کون جھگڑے گا یا انکا وکیل کون ہوگا؟ (۱۰۹) اور جو کوئی گناہ کرے یا اپنا برا کرے پھر اللہ سے بخشوائے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔ (۱۱۰)

تفسیر

ناجائز طرفداری کرنے والوں کو کہا جارہا ہے، تم لوگ یہ بتاؤ کہ دنیا میں اگر تم نے ایسے لوگوں کی طرفداری کرکے اپنے گمان میں بڑا کارنامہ انجام دیا ہے کہ ان کو سزا نہ ملنے دی اور رسوائی سے بچالیا اور یہ کہہ کر اوروں کو بھی اپنے ساتھ ملالیا کہ یہ ایک مسلمان کا معاملہ ہے اور ایک یہودی کے مقابلے میں اس کی عزت آبرو رکھنی ہے، اگر ایک مسلمان کے ذمے چوری لگ گئی تو کہیں منہ چھپانے کی جگہ نہ رہے گی؛ اس لئے جس طرح ہو سکے اسے

بچاؤ، یہ اپنی عزت کا سوال ہے، عزت ایک دفعہ چلی گئی تو پھر ہاتھ نہیں آتی اور اس کا کچھ خیال نہیں کیا کہ چور نے تو جو کرنا تھا کیا، تم غلط طریقے سے اس کی حمایت کر کے اپنے سر گناہ لے رہے ہو اور ایک بے گناہ کو ایک واقعی گناہگار کے بدلے پھانس رہے ہو، یہ سب کچھ تم نے باتیں بنا بنا کر اور دھوکے دے دے کر دنیا میں تو کر لیا لیکن قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کے ہاں معاملہ پیش ہوگا، تو وہاں مجرموں کی طرفداری کیسے کرو گے اور وہاں تمہاری کیسے چلے گی۔

یہاں تم جھوٹی گواہیاں دے دے کر جھوٹی قسمیں کھا کھا کر دھوکا دے سکتے ہو، قیامت کے دن تو حاکم اللہ تعالیٰ ہوں گے اور وہ ہر ایک کی رگ رگ سے واقف ہیں، وہاں کی رسوائی سے تم اپنے ان ہتھکنڈوں کے ذریعے کسی کو نہ بچا سکو گے، وہاں ایسی وکالت کسی کی نہیں چل سکتی، ایسا کون ہے جو اس سامنے ایسے لوگوں کا وکیل بنے گا اور جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا ٹھہرا دے گا؟ اس کے بعد ارشاد ہے کہ: گناہگار اپنے برے عملوں کی وجہ سے بے جا طرفداریوں اور دھوکے بازیوں کے ذریعے نہیں بچ سکتا، اس کیلئے صرف ایک راستہ ہے کہ وہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے اور اپنے قصور کا اقرار کر کے معافی چاہے۔

احکام و مسائل

مسئلہ (۱):.... گناہ اللہ تعالیٰ کے حقوق سے متعلق ہو یا بندوں کے حقوق سے ہر قسم کا گناہ توبہ واستغفار سے معاف ہو سکتا ہے، البتہ توبہ کی حقیقت جاننا ضروری ہے، صرف زبان سے "أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَ أَتُوْبُ إِلَيْهِ" کہنے کا نام توبہ واستغفار نہیں ہے، اسی لئے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص کسی گناہ میں مبتلا ہے اس پر اس کو ندامت بھی نہیں، اس کو چھوڑا بھی نہیں، یا آئندہ کیلئے چھوڑنے کا پکا ارادہ نہیں کیا اور اس حالت میں زبان سے "أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ" کہتا ہے تو یہ توبہ کے ساتھ مذاق کرنا ہے، خلاصہ یہ کہ توبہ کیلئے تین چیزیں ہونا ضروری ہیں:

(۱).... جو گناہ ہو چکے ہیں اس پر شرمندہ ہونا۔

(۲).... جس گناہ میں مبتلا ہو اس کو اسی وقت چھوڑ دینا۔

(۳)۔۔۔۔ آئندہ کیلئے گناہ سے بچنے کا پکا ارادہ کرنا۔

یادرہے! جن گناہوں کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہے، ان کو انہی سے معاف کرانا یا حقوق ادا کرنا بھی توبہ کی شرط ہے۔

بہتان اور تہمت

وَ مَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ

اور جو کمائے گناہ پس صرف کماتا ہے وہ اسکو پر جان اپنی کے اور ہیں اللہ تعالیٰ

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۱۱ وَ مَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ

جاننے والے حکمت والے (۱۱۱) اور جو کمائے چھوٹا گناہ یا بڑا گناہ پھر پھینک مارے ساتھ اسکے

بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۱۱۲ ۱۶ ع ۸ ۱۴

کسی بے گناہ کو پس تحقیق اٹھایا اس نے بوجھ تہمت کا اور گناہ کھلا ہوا (۱۱۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو کوئی کرے گناہ سو کرتا ہے اپنے ہی حق میں اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔(۱۱۱) اور جو کوئی خطا یا گناہ کرے پھر تہمت لگائے اس کی کسی دوسرے بے گناہ پر تو اس نے اپنے سر تہمت کا بوجھ اٹھایا اور کھلا گناہ اٹھایا۔(۱۱۲)

تفسیر

اس آیت میں ایک قاعدہ بیان کیا گیا ہے جو بڑی توجہ اور غور کے قابل ہے، اگر کوئی شخص اپنے ارادہ سے گناہ کریگا، تو اس کا وبال اسی کے سر پڑیگا اور اس کی سزا اسی کو دی جائے گی، اس سے جو نقصان پہنچے گا وہ اسی کی جان کو پہنچے گا اور اس کا نتیجہ اسی کو بھگتنا پڑیگا، اس کے بدلے کسی اور شخص کو جو اس کے گناہ میں شریک نہیں ہے اس کو گناہ کی سزا نہیں دی جائیگی۔

کسی جرم کی سزا دوسرے کو ایسا ہی حاکم دے سکتا ہے جس کو اصل واقعہ کا صحیح علم نہیں ہو اور مجرم کے طرفداروں اور وکیلوں نے باتیں بنا کر جھوٹی گواہیاں دلوا کر مجرم کو بچالیا اور کسی اور شخص کو اس کے بدلے مجرم ٹھہرا کر سزا دلوادی، ایسا حاکم جس کو صحیح واقعوں سے صحیح نتیجہ نکالنا نہیں آتا اور عقل سے صحیح کام نہیں لے سکتا، جلدی اور گھبراہٹ میں بے سمجھے بوجھے اندھادھند فیصلے کر دیتا ہے ایسے شخص کو حکیم نہیں کہہ سکتے، اللہ تعالیٰ تو علیم بھی ہیں اور حکیم بھی، اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا اندھیرا ناممکن ہے کہ جرم کوئی کرے اور سزا کوئی بھگتے، وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اصل مجرم کی اطلاع دے سکتے ہیں پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے چور کو بری ٹھہرانا اور ایک بے گناہ کے سر چوری کا الزام لگانا کیا فائدہ دیگا؟

اس کے بعد ارشاد ہے کہ: اگر کوئی شخص چھوٹا یا بڑا جرم کرے اور پھر اس کو دوسرے کے سر لگا دے تو اس نے اپنے اصلی جرم میں ایک اور جرم کا اضافہ کرلیا؛ اس لئے اس کو دہرا گناہ ہوگا، ایک تو اس جرم کا جو اس نے کیا اور دوسرے اس تہمت کا جو اس نے بے گناہ کے سر لگائی؛ اس لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے دہری سزا ملے گی؛ اس لئے گناہ کے اعتراف اور توبہ استغفار کے سوا مجرم کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور عذاب سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ

اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا پر آپ اور رحمت اسکی تو ارادہ کرہی لیا تھا ایک گروہ نے میں سے ان کہ

يُّضِلُّوْكَ ؕ وَ مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ

بہکائیں آپکو اور نہیں بہکاتے وہ مگر جانوں اپنی کو اور نہیں نقصان کرسکتے آپکا سے

شَيْءٍ ؕ وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ

کچھ اور اتاری اللہ نے پر آپ کتاب اور حکمت اور سکھایا آپکو جو نہیں

تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

تھے آپ جانتے اور ہے فضل اللہ تعالیٰ کا پر آپ بہت بڑا (۱۱۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر آپ پر اللہ کا فضل اور اسکی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک جماعت ارادہ ہی کر چکی تھی کہ آپ کو بہکا دیں اور بہکا نہیں سکتے مگر اپنے کو اور آپکا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اللہ نے آپ پر کتاب اتاری اور حکمت اور آپ کو وہ باتیں سکھائیں جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا فضل بہت بڑا ہے۔ (۱۱۳)

تفسیر

اس آیت کا تعلق جب پچھلی آیت سے قائم کریں گے تو یوں کہا جائیگا کہ چوری کے اصلی مجرم کے بارے میں اس کے حامیوں کی گواہی اور قسمیں سن کر پیغمبر ﷺ سوچ میں پڑ گئے اور یہی خیال فرمایا کہ یہ سب لوگ جھوٹی گواہی کیوں دیں گے، یعنی: اتنے لوگوں کی گواہی جھوٹی نہیں ہوسکتی، ان کی گواہی سے طعمہ کو بے گناہ ہی ماننا پڑیگا، لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھا کہ پیغمبر ﷺ طعمہ کے حق میں فیصلہ کر دیں اور بے گناہ یہودی کو خواہ مخواہ چور ٹھہرایا جائے۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: اے پیغمبر! ان لوگوں نے تو ٹھان ہی لیا تھا کہ آپ سے غلط فیصلہ کرا دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی اور رحمت سے آپ کو وقت پر اطلاع دی اور ایسا کام نہ کرنے دیا جو پیغمبر ﷺ کی شان کے خلاف ہو، ان لوگوں نے سمجھا ہوگا کہ آپ کو بہکا کر اپنا غلط مطلب نکال لیں گے، کیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ آپ کا محافظ ہے؟ وہ آپ کو غلط باتوں سے بچانے والے ہیں، آپ کو بہکانے کا ارادہ کر کے یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، یہ خود اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن مجید اتارا ہے اور اصل باتیں بتا دیں ہیں، اللہ تعالیٰ کا آپ پر بہت بڑا کرم ہے، وہ آپ کو سیدھے راستے سے کبھی نہیں ہٹنے دیں گے، آپ کو ایسی صفات اور خوبیاں عطا کی گئی ہیں جو سب سے بڑھی ہوئی ہیں اور سب لوگوں سے زیادہ دانشمندانہ باتوں کا علم دیا

ہے، یہ ناقص علم والے لوگ آپ کو بہکانے میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت اتاری ہے، کتاب سے مراد قرآن کریم ہے اور حکمت سے مراد سنت ہے، یعنی کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو اور عمل۔

وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا: اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے، امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فضل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغمبری عطا فرمائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ختم نبوت کا تاج پہنایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو کتاب دی گئی وہ سب کتابوں سے افضل، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت بھی تمام امتوں سے افضل، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنے والے بھی سب سے زیادہ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معجزات بھی دوسرے پیغمبروں سے زیادہ دیئے گئے، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری اور معنوی اولاد بھی سب سے زیادہ بنائی، یہ سب اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔

سرگوشی

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ

نہیں بھلائی میں بہت سے مشورے انکے مگر جو حکم کرے ساتھ صدقے کے یا

مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ

نیک کام کے یا صلح صفائی کے درمیان لوگوں کے اور جو کرے گا یہ کام تلاش کرنے کیلئے

مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾

رضامندی اللہ تعالیٰ کی پس عنقریب دینگے ہم اسکو ثواب بڑا (۱۱۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ان کے اکثر مشورے کچھ اچھے نہیں مگر جو کوئی صدقہ کرنے کو یا نیک کام کو کہے یا لوگوں میں صلح کرانے کو اور جو کوئی اللہ کی خوشی کیلئے یہ کام کرے تو ہم اسکو بڑا ثواب دیں گے۔ (۱۱۴)

تفسیر

بعض لوگوں کی عادت تھی کہ پیغمبر ﷺ سے مجمع کے اندر کان میں چپکے سے آکر کچھ کچھ کہا کرتے تھے، ان کی غرض یہ ہوتی تھی کہ لوگ ہمیں پیغمبر ﷺ کا قریبی اور بے تکلف دوست سمجھیں اور ہماری عزت کریں، اس آیت میں ان کی حقیقت کھولی گئی ہے اور بہترین طریقے سے آدمیت کی تعلیم دی گئی ہے، اس پر عمل کیا جائے تو آپس کی بدگمانی برے خیالات اور شک وشبہات پیدا ہی نہیں ہو سکتے، کلام مجید کے فرمان آدمی کیلئے آپس کے میل جول اور اچھے برتاؤ کے نہایت اعلیٰ درجے کے ضابطے اور قاعدے ہیں، ان کی پابندی کرنے والے یقیناً دنیا اور آخرت میں سب سے اونچے رہیں گے۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: چھپ چھپ کے مشورہ کرنے والے اور مجمع کے اندر کان میں بات کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ وہ کچھ کام کی بات کر رہے ہیں اس طرح کی بات چیت میں کوئی بھلائی نہیں، اس طریقہ میں نقصان ہی ہے کہ اپنے ہی اپنوں میں اس طرح مشورہ کرنا کہ دوسروں کو شرکت کی بالکل ممانعت ہو، ضرور دوسروں کے دل میں مشورہ کرنے والوں کی طرف سے بدگمانی پیدا کریگا، خاص کر مجمع کے اندر آکر کوئی دوسرے کے کان میں اس طرح بات کرے کہ دوسرے یہ سمجھیں کہ یہ ہم سے چھپانے کی کوشش کر رہا ہے، تو اس کا خیال اس کی طرف سے ضرور خراب ہوگا اور اکثر یہی خیال کیا جائیگا کہ ضرور ہماری برائی ہو رہی ہے؛ اس لئے اس طرح کان میں بات کرنا بری چیز ہے، صرف تین صورتوں میں ایسا کرنا مناسب ہے۔

(۱)۔۔۔۔ صدقہ دینے کیلئے سرگوشی کرنا، یعنی: کسی ضرورت مند کو کچھ دینے کیلئے دوسرے سے کہنا ہے تو چپکے سے کہنا بہتر ہے، تاکہ ضرورت مند رسوا اور شرمندہ نہ ہو۔

(۲)۔۔۔۔ کسی کو نیک ہدایت کرنا یا مسئلہ بتانا بھی چپکے سے بہتر ہے تاکہ لوگوں کے سامنے شرمندہ نہ ہو۔

(۳)۔۔۔۔ سو! لڑنے والوں میں میل جول، صلح صفائی کرانے کیلئے کان میں بات کرنا۔

اگر یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے کیلئے اختیار کیا جائے تو اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتے ہیں کہ ہم ایسا کرنے والوں کو بہت بڑا اجر وثواب دیں گے۔

صدقے کا عام معنیٰ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مال خرچ کرنا ہے، کسی ضرورت مند کی مالی مدد کردی جائے، زکوٰۃ کی ادائیگی بھی اسی میں آتی ہے مگر اس کا ادا کرنا واجب ہے، اس کے علاوہ کسی کو کپڑا پہنا دینا، کھانا کھلا دینا، عیدالاضحیٰ پر قربانی کردینا اور عیدالفطر کو فطرہ ادا کرنا سب صدقہ میں آتے ہیں بشرطیکہ یہ سب کچھ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کیا جائے۔

اچھا مشورہ صدقہ کے حکم میں یا پھر نیکی کا حکم کرنے میں آتا ہے، کسی سوسائٹی میں نیکی پھیلانے اور برائی مٹانے کی خاطر مشورہ کیا جائے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے، صرف نیکی کے بڑے بڑے کام ہی توجہ کے قابل نہیں بلکہ معمولی سے معمولی نیکی پر بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر وثواب ملتا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''کسی بھی نیک کام کو حقیر نہ سمجھو، خواہ اتنی سی بات ہو کہ تم اپنے بھائی سے ہنستے ہوئے چہرے کے ساتھ ملو یہ بھی نیکی ہے، کسی بھائی کے برتن میں پانی ڈال دینا بھی نیکی ہے''، غرضیکہ اس قسم کی چھوٹی چھوٹی نیکیاں اکٹھی ہوکر قیامت میں پہاڑ بن جائیں گی اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان نیکیوں کا پھل ملے گا، نیکی یہ بھی ہے کہ کسی کو اچھائی کی بات کہہ دی یا برائی سے منع کردیا اور یہ بھی نیکی ہے کہ کسی مظلوم کی مدد کردی جائے اور کسی مصیبت زدہ کی مصیبت کو دور کردیا جائے، لہٰذا اگر نیکی کے کاموں کیلئے مشورہ کیا جائے، میٹنگ (Meating) کی جائے یا کوئی اجلاس بلایا جائے تو یہ بہت اچھی بات ہے۔

بعض افراد یا جماعتوں کے درمیان لڑائی پیدا ہو جاتی ہے، ان میں صلح وصفائی کرنے کیلئے جھگڑے کو مٹانے کیلئے اگر مشورے کیے جائیں تو بہت اچھی بات ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپس کے فساد کے متعلق فرمایا کہ: یہ مونڈنے والی چیز ہے، پھر فرمایا کہ: میں یہ نہیں کہتا کہ فساد بالوں کو مونڈتا ہے بلکہ یہ دین کو مونڈ کر رکھ دیتا ہے، آپس کا فساد دین کو ایسے برباد کردیتا ہے جیسے استرا بالوں کو جڑ سے کاٹ دیتا ہے، نیز: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

کیا میں تم کو ایسا کام نہ بتاؤں جس کا درجہ روزے، نماز اور صدقہ میں سب سے افضل ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا ضرور بتایئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: وہ کام ''اِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَیْنِ'' ہے، یعنی: دو شخصوں کے درمیان کوئی رنجش پیدا ہوجائے تو اس کو دور کر کے آپس میں صلح کرانا اور فساد کو ختم کرنا ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالفین

وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ

اور جو خلاف جائے پیغمبر کے اسکے بعد کہ ظاہر ہوگیا لئے اسکے سیدھا راستہ اور

يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ

جو چلے خلاف راستے کے مسلمانوں کے رخ موڑ دینگے ہم اسکا جس طرف اس نے رخ موڑا ہوا ہے اور داخل کرینگے ہم اسکو

ع ۱۷/۲ ۱۴ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ۝۱۱۵

دوزخ میں اور بری ہے وہ پہنچنے کی جگہ (۱۱۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو کوئی پیغمبر کی مخالفت کرے جبکہ کھل چکا اس پر سیدھا راستہ اور سب مسلمانوں کے راستے کے خلاف چلے تو ہم اس کو اسی راستہ پر چلنے دیں گے جس پر وہ چلا اور اس کو دوزخ میں ڈال دیں گے اور وہ بری جگہ پہنچا۔ (۱۱۵)

تفسیر

اس آیت میں صاف طور پر اس شخص کی سزا کا اعلان ہے، جو شخص پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم نہ مانے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت پر کمر باندھ لے، خصوصاً اس صورت میں کہ سچی بات بالکل کھل کر اور واضح طور پر اس کے سامنے آگئی ہو اور اسے یقینی طور پر معلوم ہوگیا ہو کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جھوٹ، دغا اور فریب نہیں چل سکتا اور اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غلط فیصلے کرنے سے بچانے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا دیا تھا کہ مجرم

طعمہ ہے، چوری اس نے کی ہے اور یہودی زید نے چوری نہیں کی ہے، اس کے بعد طعمہ کا فرض تھا کہ اپنے گناہ پر شرمندہ ہوتا اور پیغمبر کے فیصلے پر راضی ہوتا اور جو مسلمانوں کا راستہ ہے وہی اختیار کرتا، اسلام کے قانون کے سامنے سر جھکاتا اور چوری کی شرعی سزا بھگتا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ کے حکم کی مخالفت کی اور مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر اپنا الگ راستہ بنالیا۔

ایسے شخص کیلئے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں جو راستہ اختیار کرے ہم اس کو اختیار کرنے دیں گے لیکن جب وہ مر کر ہمارے پاس آئے گا، جو ایک دن ضرور ہونا ہے، تو ہم اس کو دوزخ میں داخل کریں گے، کاش! اسے معلوم ہوتا کہ دوزخ بری جگہ ہے، جس کے عمل اسے دوزخ پہنچادیں اس کو وہاں سوائے دکھ، رنج اور کوفت کے اور کچھ نہیں ملے گا، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے آمین، اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص دنیا کی مصیبتوں سے بچنے کیلئے اسلام کو چھوڑ دے گا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

اس سورۃ میں پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اس لحاظ سے فرض ہے کہ وہ خالق اور مالک ہے، اور پیغمبر کی فرمانبرداری ان کے پیغمبر ہونے کی وجہ سے لازم ہے، اور اس آیت کی رو سے تیسری چیز یہ آ گئی کہ مسلمانوں کے راستے پر چلنا بھی فرض ہے اور مسلمان وہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر ﷺ کے راستہ پر چلنے والے ہیں اور جن کا اعتقاد اور عمل بالکل صحیح ہے، یہ تینوں چیزیں درجہ وار آتی ہیں۔

مسلمانوں سے مراد پیغمبر ﷺ کے صحابہ کرامؓ ہیں، جو آپ ﷺ پر ایمان لائے، آپ ﷺ کی زیارت کی اور آپ ﷺ کی پیروی کی، پھر ان کا کسی بات پر اتفاق ہو جائے تو وہ شرعی دلیل بن جاتی ہے، گویا اجماع امت میں سب سے پہلے صحابہ کرامؓ کی جماعت آتی ہے اور جو کوئی ان کے طریقے کے خلاف کریگا تو وہ قابل قبول نہیں ہوگا، صحیحین "بخاری و مسلم" میں پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "جس شخص نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے طریقے کے مطابق نہیں ہے تو وہ مردود ہے"، اجماع امت کا ماننا اس لئے ضروری ہے ہے کہ یہ مسلمانوں کا راستہ ہے، وہ مسلمان جو اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے پر یقین رکھتے ہیں اور اس کے پیغمبر کی پیروی کرتے ہیں، جو شخص

ان کے راستے کو چھوڑ دیگا وہ یقیناً گمراہ ہوجایگا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "جماعت کو لازم پکڑو (یعنی: جماعت سے علیحدگی اختیار نہ کرو) کیونکہ جو جماعت سے الگ ہوا وہ دوزخ میں جاپڑا" جب تک کوئی شخص مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ منسلک رہیگا شیطان کے حملہ سے محفوظ رہیگا، جو بکری ریوڑ کے اندر رہتی ہے وہ بھیڑیے کے حملے سے بچ جاتی ہے اور جو ریوڑ سے الگ ہوجاتی ہے وہ درندوں کا شکار ہوجاتی ہے، اسی طرح شیطان بھی اس شخص پر غلبہ پاتا ہے جو مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہوجاتا ہے، غرضیکہ مسلمانوں کی اجماعیت کے خلاف چلنے والا آدمی شیطان کا شکار ہوکر گمراہ ہوجایگا۔

شرک ناقابل معافی

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ

بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتے کہ شریک کیا جائے ساتھ اس کے اور بخشتے ہیں جو ہو سوا اسکے واسطے جسکے

يَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾

چاہے اور جو شریک ٹھہرائے ساتھ اللہ کے پس تحقیق گمراہ ہوا گمراہ ہونا دور کا (۱۱۶)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اللہ اس کو ہرگز نہیں بخشتے جو اس کے ساتھ کسی کو شریک کرے اور اس کے سوا جس کو چاہے بخشتے ہیں اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا وہ بہک کر دور جاپڑا۔(۱۱۶)

تفسیر

پچھلی آیت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والے اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر مشرکوں کا راستہ اختیار کرنے والے کی سزا بیان فرمائی تھی کہ اسے دوزخ میں داخل کریں گے، دنیا میں وہ جو چاہے کرتا پھرے آخر ہمارے ہی پاس آئیگا، اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اس کیلئے جو جگہ تیار ہے وہ بڑی خوفناک جگہ ہے، اس آیت میں

ایک عام حکم فرمایا کہ: شرک ایسا جرم ہے جسے اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں فرمائیں گے، ہاں! اگر کوئی اسلام میں داخل رہے اور اس کے فیصلے مانتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کے چھوٹے بڑے دونوں قسم کے گناہ جو شرک کے درجے تک نہ پہنچے ہوں اگر چاہیں تو معاف کر سکتے ہیں، مثلاً: طعمہ اگر اسلام کو نہ چھوڑتا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف مشرکوں کو اختیار نہ کرتا تو اس کی چوری اور تہمت کیلئے معافی کی امید تھی لیکن اسلام چھوڑ کر شرک اختیار کر لینے کے بعد اسے معاف نہیں کیا جاسکتا اور اس کا ٹھکانہ ہمیشہ کیلئے دوزخ ہے، جو لوگ شرک کرتے کرتے مر گئے تو دوزخ سے ان کے نکلنے کی کوئی صورت نہیں۔

آگے ارشاد ہے کہ: شرک اختیار کرنے والا اس راستہ سے جو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کی طرف لے جاتا ہے، بالکل ہٹ کر ایک غلط راستہ پر پڑتا ہے وہ یقیناً دوزخ پر جا کر ختم ہوگا، شرک کا راستہ مغفرت اور رحمت سے بالکل جدا ہے، اس راستہ پر پڑنے والے کو مغفرت اور رحمت سے کوئی واسطہ ہی نہیں رہتا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن گناہ کے تین درجے ہونگے:

(۱)۔۔۔۔ پہلا درجہ کفر و شرک کا ہے جس کی معافی کا کوئی امکان نہیں۔

(۲)۔۔۔۔ دوسرا درجہ باقی کبیرہ گناہوں کا ہے، جن کی معافی ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ معاف کرنا چاہیں تو بڑے سے بڑا گناہ ماسوائے شرک کے معاف کر دیں۔

(۳)۔۔۔۔ گناہ کا تیسرا درجہ وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دلوائے بغیر نہیں چھوڑیں گے، یہ بندوں کے حقوق ہیں، جس شخص نے کسی دوسرے کا حق مارا ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کا حق ضرور دلائیں گے اور جب تک بندہ اپنا حق معاف نہیں کریگا، اللہ تعالیٰ بھی معافی نہیں دیں گے۔

یہ آیت اسی سورۃ میں پہلے بھی آچکی ہے لیکن وہاں یہودیوں کا ذکر تھا، جو یہ دعوے کرتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اور پیغمبر کی اولاد ہیں ہمیں عذاب نہیں ہو سکتا اور اگر ہوا بھی تو چند روز ہوگا، ان سے کہا گیا تھا کہ تم شرک میں مبتلا جو بچھڑے کو پوجتے ہو حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہو، کان کھل کر سن لو! مشرک کی مغفرت

کبھی نہیں ہوگی، اس جگہ مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ شرک کرنے والا اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی امید نہیں رکھ سکتا۔

مشرکوں کا شرک

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَ اِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا
نہیں پکارتے وہ سے اسکے سوا مگر عورتوں کو اور نہیں پکارتے وہ مگر شیطان

مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا
نافرمان کو (۱۱۷) لعنت کی اسکو اللہ نے اور کہا اس نے البتہ ضرور لونگا میں سے بندوں تیرے حصہ

مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّ لَاُضِلَّنَّهُمْ وَ لَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ
مقرر کیا ہوا (۱۱۸) اور البتہ ضرور بہکاؤنگا انکو اور البتہ امیدیں دلاؤنگا انکو اور البتہ ضرور سکھاؤنگا میں انکو پس ضرور چیرینگے وہ

اٰذَانَ الْاَنْعَامِ
کان جانوروں کے

وقف لازم

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ کے سوا نہیں پکارتے مگر عورتوں کو اور نہیں پکارتے مگر شیطان سرکش کو۔(۱۱۷) جس پر اللہ نے لعنت کی اور شیطان نے کہا میں ضرور تیرے بندوں میں سے لوں گا مقررہ حصہ۔(۱۱۸) اور ان کو بہکاؤں گا اور ان کو امیدیں دلاؤں گا اور ان کو سکھاؤں گا کہ جانوروں کے کان چیریں۔

لفظی تحقیق: مَّفْرُوْضًا: مقرر۔ ٹھہرانا اور معین کرنا، یہاں "مَّفْرُوْض" سے مراد مقرر اور معین ہے۔ لَاُمَنِّيَنَّ: ضرور امیدیں دلاؤنگا۔ اس کا معنی آرزو بھی ہے، اسی سے تمنا بھی ہے۔ اَنْعَامٌ: جانور۔ اس کے معنی ہیں چوپایہ، یعنی: وہ جانور جن کو کام کے لئے پالتے ہیں، جیسے: اونٹ، گائے، بیل، گھوڑا، بکری وغیرہ۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ان مشرکوں کی عقل تو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ کر دوسروں کا سہارا ڈھونڈتے ہیں پتھروں

کا، جن کا نام بھی رکھا تو عورتوں کا سا، ایسی چیزوں کو پکارنا اوران سے دعا کرنا نادانی کی انتہا ہے، ہوا یہ کہ وہ شیطان کے بہکانے میں آگئے ہیں اور شیطان کو پکارتے ہیں، شیطان کی حقیقت تو یہ ہے کہ وہ نافرمان اللہ تعالیٰ کے حکم سے منہ موڑ چکا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی بارگاہ سے دھتکار دیا ہے، جس وقت اللہ تعالیٰ نے اسے ملعون اور مردود قرار دیا، شیطان نے کہا کہ میں اب اس کوشش میں رہوں گا کہ آدم کی اولاد میں گھس کر جن پر بھی میرا داؤ چل گیا، تیرے مقرر کردہ راستے سے ہٹاؤں گا، وہ میرے نام کی نذر و نیاز دیں گے، بتوں کے نام پر جانوروں کے کان چیریں گے اور انہیں آزاد چھوڑ دیں گے۔

عرب کے مشرک "لات، منات اور عزّٰی" کی پوجا کرتے تھے، جو سب عورتوں کے نام ہیں، عزّٰی عزیز کی مؤنث ہے اور لات الٰہ کی مؤنث ہے، اسی طرح منات منان کی مؤنث ہے، انہوں نے اپنے معبودوں کے زنانہ نام رکھے ہوئے تھے۔

عربوں میں نائلہ نامی عورت کے نام کا بت تھا، محدثین فرماتے ہیں کہ اساف اور نائلہ مرد اور عورت تھے جنہوں نے کعبہ میں بدکاری کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو پتھر بنا دیا، لوگوں نے عبرت کیلئے انہیں بیت اللہ کے سامنے رکھ دیا پھر آہستہ آہستہ ان کی پوجا شروع ہوگئی، فتح مکہ کے موقع پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو حکم دیا کہ طائف والے جس عزّٰی دیوی کی پوجا کرتے ہیں اس کو مٹا دو، آپ گئے اور دیکھا کہ وہاں پر کچھ درخت ہیں جو آپ نے کاٹ دیئے، ایک کوٹھا تھا جسے آپ نے گرا دیا، وہاں کچھ مجاور بیٹھے تھے جو بھاگ گئے، واپس آکر آپ نے سارے معاملے کی اطلاع پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: وہاں دیوی تو ابھی زندہ ہے، دوبارہ جاکر اسے ختم کرو، چنانچہ آپ دوبارہ وہاں گئے تلاش کرنے پر تہ خانے سے ایک عورت برآمد ہوئی جس کے بال بکھرے ہوئے تھے وہ حضرت خالدؓ پر دہشت ڈالنے کیلئے ان پر حملہ آور بھی ہوئی مگر آپ نے اپنی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا، واپس آکر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صورتحال سے آگاہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ عزّٰی تھی جس کی لوگ پوجا کرتے تھے اب آج کے بعد اس کی پوجا نہیں ہوگی، غرضیکہ عورتوں کے نام پر اس قسم

کی دیویاں دنیا بھر میں موجود تھیں۔

شیطان انسانوں کے ذہنوں پر چھا کر ان سے شرکیہ کام کراتا ہے؛ اسی لئے پیغمبر ﷺ نے دعا میں سکھایا "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ الشَّیْطٰنِ وَ شِرْکِہٖ" اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان سے اور اس کے شرک سے، بہر حال شرکیہ رسومات شیطان ہی سکھاتا ہے اور جو شخص شیطان کے بہکاوے میں آکر غیر اللہ کی پوجا کرتا ہے اسی کے کہنے پر چلتا ہے، شرک جیسے برے برے کام کرتا ہے وہ دراصل شیطان ہی کی پوجا کرتا ہے، اسی کے کہنے پر چلتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں، لوگوں کو اس طرح بہکانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے شیطان پر لعنت بھیجی ہے اور اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیا اور مشرکوں کیلئے عذاب تیار ہی کر رکھا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اس نے انکار کر دیا اور وہ کفر کرنے والوں میں ہو گیا، تمام فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی جب کہ شیطان اکڑ گیا اور پھر حجت بازی شروع کر دی کہ میں انسان سے افضل ہوں؛ اس لئے کہ اے اللہ! تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور انسان کو مٹی سے، یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو شیطان کے سامنے بنایا گیا، اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا مجسمہ بنا کر رکھا تو شیطان نے گھوم پھیر کر اسے غور سے دیکھا، انسان کا پیٹ خالی دیکھ کر شیطان نے اندازہ لگایا کہ اس خالی جگہ میں وسوسہ ڈالنے کی گنجائش موجود ہے کیونکہ ٹھوس چیز میں تو کچھ داخل نہیں ہو سکتا مگر انسانی جسم اس قابل ہے کہ اس میں ایسی ویسی چیز داخل کی جا سکتی ہے، چنانچہ اس نے انسان کو بہکانے کا پروگرام بنا لیا، یہ حدیث کا مضمون ہے، بہر حال شیطان نے مٹی کو حقیر جانا اور کہا کہ میں بلند ہو کر ایک پست کے سامنے کیسے جھک سکتا ہوں مگر شیطان کو دھوکا ہوا، مٹی میں عاجزی ضرور ہے مگر مٹی میں جو خوبیاں پائی جاتی ہیں وہ کسی اور عنصر (Element) میں نہیں پائی جاتی۔

نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا: کا ایک مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ شیطان نے کہا کہ میں انسانوں کی کمائی سے

ایک حصہ اپنے لئے ٹھہراؤں گا، یعنی: پیداوار کا جو حصہ غیر اللہ کی نذر و نیاز میں خرچ ہوگا وہ میرا ہوگا، شیطان نے اللہ تعالٰی کے سامنے یہ بھی کہا کہ میں انہیں گمراہ کروں گا، تیرے بندوں کو بہکاؤں گا اور ان کو غلط آرزوئیں دلاؤں گا، شیطان نے شرکیہ کام کا کوئی نہ کوئی فلسفہ بنا رکھا ہے جس کی بنیاد پر وہ انسانوں کو ورغلاتا ہے، ان کے ذہنوں میں ڈالتا ہے کہ یہ رسم ادا کرلو تو تمہاری بڑی عزت ہوگی، طرح طرح کی باتیں بتا کر انہیں غلط راستے پر چلاتا ہے، جب کوئی آدمی کوئی الٹا سیدھا کام کرنے لگتا ہے تو پھر اس کام کے جائز ہونے کی جھوٹی وجہ شیطان اسکے دل میں ڈال دیتا ہے۔

شیطان کے ہتھکنڈے

وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا

اور البتہ ضرور سکھاؤنگا انہیں پس البتہ بدلینگے وہ صورت بنائی ہوئی اللہ کی اور جو بنائے شیطان کو دوست

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَ

سے سوا اللہ کے پس تحقیق نقصان اٹھایا نقصان کھلا (۱۱۹) وہ وعدہ کرتا ہے ان سے اور

يُمَنِّيْهِمْ ؕ وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ

امید دلاتا ہے انکو اور نہیں وعدہ کرتا ان سے شیطان مگر جھوٹا (۱۲۰) یہ لوگ ٹھکانہ ہے انکا

جَهَنَّمُ ۫ وَ لَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾

دوزخ اور نہ پائینگے سے اس بھاگنے کی جگہ (۱۲۱)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ اور ان کو سکھاؤں گا کہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتیں بدلیں اور جو کوئی شیطان کو دوست بنائے اللہ کو چھوڑ کر تو وہ کھلے نقصان میں پڑا۔ (۱۱۹) وہ ان کو وعدہ دلاتا ہے اور ان کو امیدیں دلاتا ہے اور ان کو جو کچھ وعدہ دیتا ہے تو وہ سب دھوکہ ہے۔ (۱۲۰) ایسوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہاں سے کہیں بھاگنے کی جگہ نہ پائیں گے۔ (۱۲۱)

تفسیر

اس آیت میں بھی شیطان کی اس بات چیت کا ذکر ہے جو اس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مردود ہونے کے بعد کی کہ میں ان سے کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں کی صورت بگاڑ و اور اس کے مقرر کئے ہوئے فطری قانون اور قاعدوں کے خلاف کرو، یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو توڑنا اور ان پر عمل نہ کرنا بلکہ اس کے خلاف چلنا عین شیطانی ہتھکنڈہ ہے اور جہاں تک ہوسکتا ہے وہ انسان سے وہی کام کرنے کو کہتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، انسان اس کے بہکانے میں اس لئے آجاتا ہے کہ اسے صرف عارضی لذت کی چاٹ آپے سے باہر کردیتی ہے اور یہ اپنا بہت زیادہ نقصان کرلیتا ہے اور بعد میں شرمندگی میں مبتلا ہوتا ہے لیکن کچھ دن بعد پھر شیطان کے ہتھکنڈے اسے بے بس کردیتے ہیں اور یہ پھر خواہش پورا کرنے کیلئے شیطانی چالیں قبول کر لیتا ہے؛ اس لئے ارشاد ہے کہ شیطان کے وعدے، فریب اور دھوکے کے علاوہ کچھ بھی نہیں، ان سے کوئی اصل فائدہ کبھی حاصل نہیں ہوتا، شیطان کے غلاموں کیلئے شرمندگی کے سوا اور کوئی پھل نہیں ہے اور یہی قیامت کے دن ان کیلئے دوزخ کی شکل میں ظاہر ہوگی، وہ لوگ اس میں جھونک دیے جائیں گے اور کہیں ان کا ٹھکانہ نہیں ہے، اس سے بھاگ کر وہ کہیں نہیں جاسکتے۔

فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللهِ: اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد چہرے پر گودنا گدوانا دانتوں کے درمیان مصنوعی فاصلہ بنانا، ہاتھوں، پاؤں، ٹانگوں یا پیشانی پر نقش ونگار بنانا سب غیر فطری چیزوں میں داخل ہیں، یہ بھی فطرت کا بدلنا ہے اس وجہ سے اس پر اللہ نے لعنت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اور | جو لوگ | ایمان لائے | اور | کام کئے | اچھے | عنقریب داخل کرینگے ہم انکو ایسے باغوں میں | بہتی ہونگی

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَ

جن کے نیچے نہریں رہا کرینگے میں ان ہمیشہ وعدہ ہے اللہ کا سچا اور

مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ﴿۱۲۲﴾

کون زیادہ سچا ہے سے اللہ بات میں (۱۲۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے عمل کئے ہم ان کو باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی ان میں ہمیشہ رہا کریں گے، اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ سے زیادہ سچا کون ہے۔ (۱۲۲)

تفسیر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: جو لوگ دل وجان سے اللہ تعالیٰ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانتے ہیں اپنی خواہشوں کو ان کے تابع بنا دیتے ہیں ہر کام کرنے سے پہلے سوچ لیتے ہیں کہ کہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع تو نہیں فرمایا، انہیں یقین ہے کہ ہماری بھلائی اور بہتری اسی کام میں ہوسکتی ہے جس کے کرنے کا ہمیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا اور اس کے کرنے سے منع نہیں فرمایا ہے، وہ اپنی عقل کو کسی گنتی ہی میں نہیں لاتے اور خواہشوں کو اسی طریقے سے پورا کرتے ہیں جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق ان کیلئے مقرر کردیا ہے، اس طریقہ کے مقابلہ میں کسی اور طریقہ کو نہیں اپناتے اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے جو کام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتا دیئے ہیں اور ان کے کرنے کا طریقہ مقرر فرما دیا ہے، ان کو اسی طریقے میں خوشی خوشی کرتے ہیں اور کسی کے بہکانے میں نہیں آتے۔

وہ شیطان کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں کہ یہ ہمیں بے روک ٹوک دنیاوی خواہشوں کو پورا کرنے کیلئے کہتا ہے لیکن وہ اس کے بہکاوے میں نہیں آتے اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر بھروسہ کر کے اس کے پیغمبر کی پوری پوری پیروی کرتے ہیں، ایسے لوگوں کی خواہشیں جنت میں پوری ہوں گی، وہاں ان کو ہر قسم کا عیش و آرام حاصل ہوگا، یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو بالکل سچا ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

آرزوؤں پر فیصلے نہیں ہوتے

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَ لَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا

نہیں ساتھ آرزوئیں تمہاری اور نہ آرزوؤں سے اہل کتاب کی جو کرے گا برائی

يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَ لَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾

سزا دی جائیگی اسکی اور نہ پائیگا لئے اپنے سے سوا اللہ کے دوست اور نہ مددگار (۱۲۳)

وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ

اور جو کرے گا سے نیک کاموں سے مرد ہو یا عورت اس حال میں کہ وہ مسلمان ہو

فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾

تو وہ داخل ہونگے جنت میں اور نہ ظلم کیا جائیگا ذرا سا (۱۲۴)

با محاورہ ترجمہ: نہ تمہاری امیدوں سے کچھ ہوگا اور نہ اہل کتاب کی امیدوں سے جو کوئی برا کام کریگا اس کی سزا پائیگا اور اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور مددگار نہ پائیگا۔ (۱۲۳) اور جو کوئی اچھے کام کرے مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان رکھتا ہو، سو! وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور انکا حق تل بھر ضائع نہ ہوگا۔ (۱۲۴)

تفسیر

عذاب وثواب والی اس قسم کی آیتوں کو سن کر یہودی اور عیسائی کہتے تھے کہ ہمیں اس کی پرواہ نہیں کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں، ہمیں عذاب نہیں ہوسکتا، یہودی کہتے ہم اللہ تعالیٰ کے (نعوذ باللہ) بیٹے ہیں، ہمیں عذاب کیسے ہوسکتا ہے، ادھر عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ ہمارے گناہوں کے بدلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پھانسی پر جان دی؛ اس لئے ہمارے گناہوں کی پکڑ نہیں ہوگی، اب ہم جو چاہیں کریں، ہمیں عذاب نہیں ہوگا، ان

سب باتوں کا جواب ان آیتوں میں دیا گیا ہے، ارشاد ہے کہ: نہ یہودیوں کی شیخی بگھارنے سے کچھ ہوتا ہے اور نہ کسی اور کی باتوں سے کچھ بنتا ہے، ہمارے ہاں تو یہ قاعدہ ہے کہ جو برا کریگا اس کی سزا ملے گی اور کوئی اس کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نجات دلانے والا نہیں ہوسکتا اور جو بھلائی کریگا اور ایمان رکھتا ہوگا وہ خواہ مرد ہو یا عورت جنت میں جائیگا اور اس پر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ظلم نہ ہوگا اور اس کے ثواب میں ایک تل برابر بھی کمی نہ ہوگی۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ: ان آیتوں میں پہلے ایک گفتگو کا ذکر ہے، جو مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان ہوئی تھی، اور پھر اس گفتگو کا فیصلہ کیا گیا ہے، دونوں فریقوں کو صحیح راستہ بتایا گیا، آخر میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول اور افضل اور اعلیٰ ہونے کا معیار بتایا گیا، جس کو سامنے رکھا جائے تو کبھی بھی انسان گمراہی کا شکار نہ ہو۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان فخریہ گفتگو ہونے لگی، اہل کتاب نے کہا کہ ہم تم سے افضل واشرف ہیں کیونکہ ہمارے پیغمبر تمہارے پیغمبر سے پہلے اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے ہے، مسلمانوں نے کہا کہ ہم تم سب سے افضل ہیں؛ اس لئے کہ ہمارے پیغمبر خاتم النبیین ہیں اور ہماری کتاب آخری کتاب ہے، جس نے پہلی سب کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، یعنی: کہ پیغمبر اور کتاب کی وجہ سے فخر کرنا پسندیدہ نہیں اور صرف خیالوں تمناؤں اور دعووں سے کوئی کسی پر افضل نہیں ہوتا بلکہ مدار عملوں پر ہے، کسی کے پیغمبر اور کتاب کتنے ہی افضل واشرف ہوں اگر کوئی عمل غلط کریگا تو اس کی ایسی ہی سزا پائیگا کہ اس سے بچانے والا اس کو کوئی نہ ملے گا۔

یہ آیت جب نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ بہت رنج وغم میں مبتلا ہو گئے، حضرت ابوہریرہؓ سے یہ روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: جب یہ آیت "مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ" نازل ہوئی، یعنی: ''جو کوئی کچھ برائی کریگا اس کی سزا دی جائے گی، تو ہم سخت رنج وغم اور فکر میں پڑ گئے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس آیت نے تو کچھ چھوڑا ہی نہیں، ذرا سی برائی بھی ہوگی تو اس کا بدلہ ملے گا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: فکر میں نہ پڑو، اپنی طاقت

وقدرت کے مطابق عمل کرتے رہو کیونکہ (جس سزا کا یہاں ذکر ہے ضروری نہیں کہ وہ دوزخ ہی کی سزا ہو بلکہ) تمہیں دنیا میں جو بھی کوئی تکلیف یا مصیبت پیش آتی ہے یہ تمہارے گناہوں کا کفارہ اور برائی کا بدلہ بن جاتی ہے، یہاں تک کہ اگر کسی کے پاؤں میں کانٹا لگ جائے تو وہ بھی گناہ کا کفارہ ہے؛ اور ایک روایت میں ہے کہ مسلمانوں کو دنیا میں جو بھی کوئی غم یا تکلیف یا بیماری یا فکر لاحق ہوتی ہے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔

"جامع ترمذی" کی اور تفسیر ابن جریر وغیرہ نے حضرت صدیق اکبرؓ کی روایت ہے کہ پیغمبر ﷺ نے جب یہ آیت "مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ" ان کو سنائی تو ان پر یہ اثر ہوا جیسے کمر ٹوٹ گئی ہو، پیغمبر ﷺ نے یہ اثر دیکھ کر فرمایا، کیا بات ہے؟ تو صدیق اکبرؓ نے عرض کیا، یا پیغمبر! ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے کوئی برائی نہیں کی ہو اور جب ہر برائی کا بدلہ ملنا ہے تو ہم میں سے کون بچے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! آپ اور آپ کے مسلمان بھائی کوئی فکر نہ کریں کیونکہ دنیا کی تکلیفوں کے ذریعہ آپ لوگوں کے گناہوں کا کفارہ ہو جائیگا، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: کیا آپ بیمار نہیں ہوتے؟ کیا آپ کو کوئی مصیبت اور غم نہیں پہنچتا؟ صدیق اکبرؓ نے عرض کیا، بے شک سب چیزیں پہنچتی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: بس یہی تمہارے گناہوں کا بدلہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت نے مسلمانوں کو بھی ہدایت دی ہے کہ صرف دعووں اور تمناؤں میں نہ لگیں بلکہ عمل کی فکر کریں کیونکہ کامیابی صرف اس سے نہیں کہ تم فلاں پیغمبر یا فلاں کتاب کے نام لینے والے ہو بلکہ اصل کامیابی اس میں ہے کہ اس پر صحیح ایمان اور اس کے مطابق نیک عملوں کے پابند رہو۔

وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا: یعنی: جو مرد یا عورت نیک عمل کرے بشرطیکہ اس عمل کے ساتھ ایمان بھی ہو تو ضرور جنت میں جائیگا اور ان کے عملوں کا بدلہ پورا پورا ملے گا، جس میں ذرا کمی نہ کی جائے گی، اس میں ارشاد فرمایا کہ: اہل کتاب یا دوسرے غیر مسلم اگر ان کے عمل نیک بھی ہوں تو چونکہ ان کا ایمان صحیح نہیں؛ اس لئے وہ عمل آخرت میں مقبول نہیں اور

مسلمانوں کا چونکہ ایمان بھی صحیح ہے اور عمل بھی نیک ہے؛ اس لئے وہ کامیاب اور دوسروں سے افضل ہیں۔

اسلام اور ابراہیم علیہ السلام کا دین

وَ مَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّ

اور کون زیادہ اچھا ہے باعتبار دین کے اس سے جس نے جھکایا چہرہ اپنا لئے اللہ کے اور وہ نیک ہے اور

اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾

پیروی کی دین کی ابراہیم کے ایک ہی طرف اور بنالیا اللہ نے ابراہیم کو گہرا دوست (۱۲۵)

وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ

اور لئے اللہ کے جو کچھ میں ہے آسمانوں اور جو کچھ میں ہے زمین اور ہیں اللہ تعالیٰ ہر

ع ۱۸ ۱۱ ۱۵ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾

چیز کو گھیرے ہوئے (۱۲۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اس سے بہتر کس کا دین ہوگا جس نے اپنی پیشانی رکھی اللہ کے حکم پر اور نیک کاموں میں لگا ہوا ہے اور وہ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر چلا جو ایک ہی طرف کے تھے اور اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو گہرا دوست بنالیا۔ (۱۲۵) اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور سب چیزیں اللہ کے قابو میں ہیں۔ (۱۲۶)

لفظی تحقیق: اَسْلَمَ: جھکالیا۔ یہ لفظ "اِسْلَامٌ" سے بنا ہے "مُسْلِمٌ" بھی اسی سے ہے، اسلام کے معنی ہیں مان لینا اور تابعداری کرنا۔

تفسیر

تمام انسانوں کیلئے چاہے وہ زمین کے کسی حصے پر رہتے ہوں اور اپنے آپ کو یہودی کہتے ہوں یا عیسائی یا

مسلمان یا کچھ اور، ایک قاعدہ مقرر ہو چکا ہے جس کا ٹوٹنا ناممکن ہے کہ جو کرے گا سو بھرے گا، کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ہم کو ہمارے پیشوا یا ہمارے رشتہ دار ہمارے برے کرتوتوں کی سزا سے بچالیں گے، جیسے عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود تکلیفیں اٹھا کر ہمارے بدلے خود قربان ہو کر ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو چکے ہیں، اب ہم سزا سے بے فکر ہیں چاہے جو کریں ہماری پکڑ نہ ہوگی۔

وَ هُوَ مُحْسِنٌ: محسن کا مطلب یہ ہے کہ عمل کرنے والے کا طریقہ درست ہو اور اس میں اخلاص بھی ہو، جب تک عمل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور شریعت کے مطابق نہیں ہوگا تو وہ عمل درست نہیں ہوگا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''جو عمل ہمارے طریقے کے مطابق نہیں وہ مردود ہے'' بہترین دیندار وہ ہے جس میں اخلاص پایا جائے اور اس کا عمل پیغمبر کی سنت کے مطابق ہو، یہ دونوں صفت عمل کے مقبول ہونے کی نشانیاں ہیں۔

وَّ اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا: اخلاص اور عمل کے ساتھ ساتھ ابراہیم علیہ السلام کے دین کا پیروکار رہنا بھی ضروری ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت یہ ہے کہ وہ ''حنیف'' یعنی: ہر طرف سے کٹ کر ایک طرف لگنے والے تھے، یعنی: حنیف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے پر ایمان رکھتا ہے، نماز میں خانہ کعبہ کی طرف رُخ کرتا ہے، ختنہ کرتا ہے، قربانی کرتا ہے اور شرک سے بیزار ہے، یہ تمام صفت حضرت ابراہیم علیہ السلام میں پائی جاتی تھیں؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی ملت کے اتباع کا حکم فرمایا، قرآن کریم میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: ''اور لوگوں کو یہی حکم دیا گیا کہ وہ خالص اللہ کی عبادت کریں اور حنیف بن جائیں''، ''حُنَفَآءَ'' کے معنی ہیں شرک کرنے والے نہ بنو، اللہ تعالیٰ نے یہی بات تمام پیغمبروں کی زبان مبارک کے ذریعے تمام لوگوں تک پہنچائی کہ عبادت خالص اللہ کی کرو، غرضیکہ ابراہیم علیہ السلام ایک اللہ کے ماننے والے تھے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کی ملت (یعنی: مذہب) کی پیروی کا حکم فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حنیفیت کا پھل یہ دیا کہ انہیں اپنا خلیل، یعنی: دوست بنالیا، کامیابی اس کو نصیب ہوگی جو یا تو خود خلیل ہو، جیسے: ابراہیم علیہ السلام یا پھر خلیل کے طریقے پر ہو؛ اسی لئے ابراہیم علیہ السلام کے دین

کا حکم دیا گیا، "صحیح مسلم شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "اللہ نے تمہارے ساتھی، یعنی: مجھ کو اپنا خلیل بنا لیا ہے"، اور "ترمذی شریف" میں "حبیب" کا لفظ بھی آیا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یاد رکھو! میں کہتا ہوں کہ میں اللہ کا حبیب ہوں، میں یہ فخر سے نہیں کہتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اس نے مجھے اپنا حبیب، یعنی: پیارا بنایا۔

انصاف قائم کرنا

وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَ مَا

اور فتویٰ طلب کرتے ہیں وہ آپ سے بارے میں عورتوں کے آپ کہہ دیں کہ اللہ فتویٰ دیتے ہیں بارے میں انکے اور جو

يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ

پڑھا جاتا ہے پر تم میں کتاب بارے میں یتیم عورتوں کے وہ جو نہیں دیتے تم انکو

مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ

جو لکھ دیا گیا ہے واسطے انکے اور چاہتے ہو تم یہ کہ نکاح کرو تم ان سے اور کمزوروں کے بارے میں

مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا

سے لڑکوں میں اور یہ کہ قائم رہو تم واسطے یتیموں کے ساتھ انصاف کے اور جو کرو تم

مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

سے نیکی پس بیشک اللہ ہیں ساتھ کے جاننے والے (۱۲۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور آپ سے عورتوں کی نکاح کی رخصت مانگتے ہیں، کہہ دیں اللہ تم کو اجازت دیتا ہے ان کی اور جو تم کو قرآن کریم میں سنایا جاتا ہے، سو! حکم ہے ان یتیم عورتوں کا جن کو تم ان کیلئے مقرر کیا ہوا نہیں دیتے اور چاہتے ہو کہ ان کو نکاح میں لے آ ؤ اور حکم ہے کمزور لڑکوں کا اور یہ کہ یتیموں کے حق میں انصاف پر قائم

رہو اور جو بھلائی کرو گے سو وہ اللہ کو معلوم ہے۔ (۱۲۷)

لفظی تحقیق: یَسْتَفْتُوْنَ: اس کا مصدر "اِسْتِفْتَاء" ہے، جو فتویٰ سے بنا ہے، فتویٰ کے معنی اجازت اور رخصت ہیں "اِسْتِفْتَاء" کے معنی ہیں رخصت مانگنا اور اجازت چاہنا، "یَفْتُوْنَ" بھی اسی مادہ سے ہے، اس کا مصدر "اِفْتَاء" ہے "اِفْتَاء" کے معنی ہیں رخصت اور اجازت دینا۔ اَلْمُسْتَضْعَفِیْنَ: کمزور، ناتواں۔ یہ "مُسْتَضْعَف" کی جمع ہے۔

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ یہ لوگ یتیم لڑکیوں کا ان کے قریبی رشتہ داروں سے نکاح کرنے کی اجازت چاہتے ہیں، ان سے کہہ دیجئے کہ اس کی تمہیں اجازت ہے، پہلے بھی تمہیں اس طرح کی شادی سے اس صورت میں روکا گیا تھا کہ شاید تم ان کا حق نہ ادا کرو اور ان کے مال پر قبضہ جمانا چاہو یا اپنے فائدے کے خیال سے یتیم لڑکیوں سے شادی کرو جس میں ان کا نقصان ہو، ایسی صورت میں واقعی تمہیں ایسی بے بس یتیم لڑکی سے جس کا سوائے تمہارے کوئی پوچھنے والا نہ ہو؛ شادی نہیں کرنی چاہئے، اللہ تعالیٰ نے بار بار کمزور عورتوں اور لاوارث بچوں کے ساتھ عدل وانصاف کرنے کا حکم دیا ہے، عورتوں اور بچوں کو بھی اس نے وارث قرار دیا ہے اور اس بات کی تاکید کی ہے کہ یتیموں کے ساتھ پوری طرح انصاف کرو، اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے اپنی عقل چلانا بیہودہ بات ہے، اللہ تعالیٰ تم کو جو حکم دیتے ہیں اس میں سراسر بھلائی ہوتی ہے؛ اس لئے اس کے حکم کے آگے سر جھکا دو۔

فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ: ان یتیم عورتوں کے معاملات کہ جنہیں تم ادا نہیں کرتے جو ان کے لئے مقرر کیا گیا ہے؛ سوال کی نوعیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے مختصراً یہ جواب ارشاد فرمایا کہ یتیم بچیوں سے نکاح کرو تو ان کا حق مہر پورا ادا کرو اور اگر تم ان کو پورا حق مہر ادا نہ کرو تو ان کے علاوہ دوسری

عورتوں سے نکاح کرو۔

جاہلیت کے زمانے میں یتیم بچیوں سے دوطرح کی زیادتی ہوتی تھی،لڑکیوں کے یتیم ہوجانے کی صورت میں ان کے سرپرست مقرر کرنے کے بارے میں مسئلہ پیدا ہوتا تھا اور عام طور پر سرپرست چچا یا بھائی مقرر ہوتے تھے اور اگر ان میں سے کوئی موجود نہ ہوتا تو بعض اوقات چچازاد بھائی ہی سرپرست بن جاتے اور وارث بھی بن جاتے تھے اور لڑکی کے ساتھ اس کا مال بھی سرپرست کی تحویل میں چلا جاتا تھا، چونکہ چچازاد کے ساتھ نکاح جائز ہے؛ اس لئے اگر لڑکی خوبصورت ہوتی تو سرپرست خود اس سے نکاح کرلیتا مگر دستور کے مطابق اسے حق مہر پورا ادا نہ کرتا کیونکہ اس سلسلے میں اسے کوئی پوچھنے والا نہ ہوتا تھا اور اگر لڑکی شکل وصورت کے لحاظ سے سرپرست کو ناپسند ہوتی تو نہ وہ خود نکاح کرتا اور نہ کسی دوسری جگہ نکاح کرنے کی اجازت دیتا، وہ جانتا تھا کہ لڑکی کے ساتھ اس کے حصے کا مال بھی جائیگا، اللہ تعالیٰ نے یہاں پر ان ہی زیادتیوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔

وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ: آیت کے اس جزء کے دومعنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ اگر تم شکل و صورت کی ناپسندیدگی کی وجہ سے ان لڑکیوں سے نکاح کرنے سے منہ موڑتے ہوتو پھر ان یتیم لڑکیوں کو دوسری جگہ نکاح کرنے کی اجازت دو اور دوسرا یہ کہ اگر وہ تمہارے لئے شکل وصورت کی وجہ پسندیدہ ہیں تو پھر ان سے نکاح کرکے ان کے مہر بھی پورے ادا کرو، یتیم لڑکیوں سے کسی قسم کی زیادتی نہیں ہونی چاہئے۔

وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ: کمزور اور یتیم بچوں کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ان کی پرورش نیک نیتی سے کرو اور ان کے مال کی حفاظت کرو، یتیم بچوں کے ساتھ بھی دوطرح کی زیادتی ہوتی تھی، ایک تو انہیں وراثت سے محروم رکھا جاتا تھا اور اگر ان کے حصے میں کچھ مال آجائے تو بچے کے سرپرست حیلے بہانے سے وہ ہضم کرنے کی کوشش کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: یتیم کا مال کھانا اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھرنے کی طرح ہے، لہٰذا اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے حکموں کی سختی سے پابندی کرو، یتیموں کو وراثت میں حصہ دو اور ان کے مال کی حفاظت بھی کرو، نیز: یہ کہ یتیموں کے بارے میں انصاف کے ساتھ قائم

رہو، ان آیتوں کا مضمون یہی ہے کہ کمزور لوگوں کے ساتھ انصاف ہونا چاہئے، عورتیں، چھوٹے بچے، یتیم لڑکے اور لڑکیاں سب کمزوروں میں شمار ہوتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے، لہٰذا یہ حکم مسلمانوں کے ہر طبقہ کیلئے ہے خواہ وہ خاندان یا قبیلے کا سربراہ ہو یا وقت کا حاکم، جو بھی کسی معاملے میں صاحبِ اختیار ہے اس کیلئے لازم ہے کہ وہ کمزور لوگوں کے معاملوں میں انصاف سے کام لیں، ظاہر ہے کہ اگر ان طبقوں کے ساتھ انصاف کئے جائیں گے تو دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی انصاف زیادہ مناسب طریقے سے ہوگا اور اگر کمزور طبقے ظلم کی چکی میں پس گئے تو دوسروں کے ساتھ بھی انصاف کی توقع نہیں رکھی جاسکتی، لہٰذا کمزور طبقہ کے ساتھ انصاف کرنے کی بطور خاص تاکید کی گئی ہے۔

بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ

وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ

اور اگر کوئی عورت خوف کرے سے شوہر اپنے بیزاری کا یا پھر جانے کا پس نہیں گناہ

عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَ اُحْضِرَتِ

پر ان دونوں یہ کہ وہ صلح کریں درمیان اپنے کوئی صلح اور صلح اچھی چیز ہے اور حاضر کی گئی

الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَ اِنْ تُحْسِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا

دلوں میں حرص اور اگر نیکی کرو تم اور بچو پس تحقیق اللہ تعالیٰ ہیں اس چیز کے جو

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾

تم کرتے ہو خبر رکھنے والے (۱۲۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے لڑنے سے ڈرے یا جی پھر جانے سے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی طرح صلح کرلیں اور صلح اچھی چیز ہے اور دلوں کے سامنے حرص موجود ہے اور اگر تم

نیکی کرو اور پرہیزگاری کرو تو اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔ (۱۲۸)

تفسیر

اس آیت میں عورتوں کے ساتھ برتاؤ کرنے کی بعض صورتوں کا ذکر ہے اور ان کے بارے میں ہدایت ہیں تاکہ عام طور پر میاں بیوی کے تعلقات آپس میں اچھے ہو جائیں، ارشاد ہے کہ اگر بیوی دیکھے کہ شوہر اس سے کچھ الگ الگ سا رہتا ہے اور اس کا دل بھی کچھ پھرا ہوا معلوم ہوتا ہے تو اس میں کچھ حرج نہیں کہ اس کو راضی کرنے کیلئے بیوی مناسب تدبیریں اختیار کرے، سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر آدمی سے مال کا لالچ چمٹا ہوا ہے، نفع کی خواہش نفس کے ساتھ لگی ہوئی ہے؛ اس لئے بیوی اپنے خرچ میں کچھ کمی کرنے یا مہر میں سے کچھ گھٹانے پر تیار ہو جائے تو شوہر اپنا مالی فائدہ دیکھ کر اس سے راضی ہو جائے گا، شوہر کو بھی چاہئے کہ بیوی کی طرف سے آپس میں ملاپ کی کوشش دیکھ کر ملاپ کرنے پر تیار ہو جائے کیونکہ بہتری اسی میں ہے کہ میاں بیوی آپس میں میل جول اور صلح وصفائی کے ساتھ رہیں، آپس کی ناچاقی کے بہت سے سبب ہو سکتے ہیں لیکن اس کے دور کرنے کیلئے دونوں کو ہر وقت تیار رہنا چاہئے، اگر ایک طرف سے صلح کا ذرا سا بھی اشارہ ہو تو دوسرے کو فوراً اسے منظور کر لینا چاہئے، اس میں کچھ حرج نہیں کہ بیوی شوہر کو کچھ مالی فائدہ پہنچائے اور شوہر اسے منظور کرے، اس کے بعد ارشاد ہے کہ مرد عورتوں کے ساتھ شروع ہی سے اچھا برتاؤ کریں اور ناچاقی کا موقع ہی نہ آنے دیں تو بہت ہی اچھا ہے، اللہ تعالیٰ سے ان کا عمل چھپا ہوا نہیں ہے اور اس کو سب معلوم ہے، گویا اس آیت میں بیوی کو کہا کہ تم ذرا سا مالی قربانی سے کام لو اور شوہر سے مطالبہ کیا کہ تم اچھے برتاؤ اور خدا خوفی سے کام لو کیونکہ آپس کے تعلقات کی بہتری تمام چیزوں میں سب سے زیادہ اہم ہے۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہؓ سے نکاح فرمایا، چونکہ آپ بڑی عمر کی تھیں اور بھاری بدن کی تھیں، کچھ عرصہ بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو علیحدہ کر دینے کا ارادہ فرمایا، جب ام المؤمنین

حضرت سودہؓ کو پتہ چلا تو انہوں نے عرض کیا اے پیغمبر! مجھے تو دنیاداری کی کچھ زیادہ رغبت نہیں، مجھے آپ طلاق نہ دیں، میں اپنی باری کے متعلق اپنا حق حضرت عائشہؓ کو دیتی ہوں، آپ میری باری میں بھی ان کے ہاں ٹھہرا کریں، میں تو یہ چاہتی ہوں کہ قیامت کے دن میرا نام آپ کی بیویوں میں شامل ہو، پیغمبر ﷺ نے اس پیشکش (Offer) کو قبول فرمایا، چنانچہ آپ ﷺ باقی بیویوں کے ہاں ایک دن ٹھہرتے تھے اور حضرت عائشہؓ کے ہاں دو دن ٹھہرتے، بہرحال یہ شوہر اور بیوی کے درمیان صلح وصفائی کی ایک اعلیٰ مثال ہے، خلاصہ یہ کہ آپس میں صلح ہی بہتر ہے علیحدگی کی نوبت نہیں آنی چاہئے۔

بیویوں کے درمیان عدل شرط ہے

وَ لَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا

اور ہرگز نہ کرسکوگے تم کہ برابری کرو درمیان عورتوں کے اور اگرچہ حرص کرو تم پس نہ

تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا

جھکو تم پورا جھکنا کہ چھوڑ دو اسکو مانند لٹکائی (شوہر نہ تو اسے اچھی طرح رکھے اور نہ اسے چھوڑے) ہوئی کے اور اگر سنوارو

وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝١٢٩ وَ اِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ

اور بچو ظلم سے پس بیشک اللہ ہیں بخشنے والے مہربان (۱۲۹) اور اگر جدا ہوں دونوں بے پرواہ کر دیگا اللہ

كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ۝١٣٠

ہر ایک کو سے کشادگی اور ہیں اللہ کشادگی والے تدبیر جاننے والے (۱۳۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور تم عورتوں کو ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے اگرچہ تم اسکی حرص کرو، سو! بالکل پھر بھی نہ جاؤ کہ ڈال رکھو ایک عورت کو جیسے لٹکائی ہوئی ہو اور اگر اصلاح کرتے ہو اور پرہیزگاری کرتے رہو تو اللہ بخشنے والے مہربان ہیں۔ (۱۲۹) اور اگر دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو بے پرواہ کر دیں گے اپنی کشادگی سے اور اللہ

کشادگی والے اور تدبیر جاننے والے ہیں۔ (۱۳۰)

لفظی تحقیق: لَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا: تم ہرگز نہیں کرسکو گے۔ "اِسْتِطَاعَتْ" کے معنی ہیں طاقت رکھنا، کرسکنا۔ فَلَا تَمِيْلُوْا: پس نہ جھکو تم۔ یہ لفظ "مَيْلٌ" سے بنا ہے اور اسکے معنی ہیں جھکنا، مائل ہونا اور ساری توجہ ایک طرف کرلینا "مَيَلَانٌ" بھی اسی سے ہے۔ مُعَلَّقَةٍ: بیچ میں لٹکائی ہوئی۔ اس سے مراد ہے نکاح کرنے کے بعد بیوی کو نہ گھر میں بسانا اور نہ طلاق کے ذریعہ آزاد کرنا، اسلام نے اس صورت حال کو نہایت ہی بری بات کہا ہے۔ تَتَّقُوْا: بچو برائی سے۔ "تَقْوٰی" برائی سے الگ رہنے اور پرہیزگاری کو کہتے ہیں "اِتِّقَاءٌ" کے معنی ہیں اختیار کرنا۔

تفسیر

عرب میں اسلام سے پہلے جتنی عورتوں سے چاہتے شادی کرلیتے تھے کوئی حد مقرر نہ تھی، اس کے بعد وہ ان کو بے پرواہی کے ساتھ پڑا رہنے دیتے کسی کو پوچھا کسی کو نہیں، اسلام نے اس کو پسند نہیں کیا، اسلام نے ایسی تدبیر اختیار کی جس سے یہ رواج رفتہ رفتہ ختم ہوگیا، شادی کے اصولوں کو ٹھیک کرنا پہلے تو یہاں سے شروع کیا کہ عورتوں کو ان کے گرے ہوئے مرتبہ سے اٹھایا اور مردوں کو سکھایا کہ یہ صرف تمہاری جنسی خواہش پورا کرنے کیلئے اور نہ سوچنے سمجھنے والی بے جان مورتیاں نہیں کہ جن سے جس طرح چاہو برتاؤ کرو، وہ اپنے مال کی مالک ہیں، وراثت میں ان کو حصہ ملے گا، ان کو تمہیں اپنے بہت سے معاملوں میں برابر کا مددگار اور حصہ دار ماننا پڑے گا، اس کے بعد کہا گیا کہ ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرسکتے ہو لیکن ان سب کو آرام سے رکھنا پڑے گا اور یاد رکھو! عورتوں میں عدل و انصاف تمہارے بس کا کام نہیں، تم دیکھو گے کہ کوشش کے باوجود بھی تم ان میں پورا پورا انصاف نہیں کرسکتے، تمہارے لئے ہرگز درست نہیں کہ ایک طرف زیادہ جھکے رہو اور دوسری کو بیچ میں لٹکائے رکھو اور اگر دیکھو کہ تم نباہ نہیں کرسکتے تو طلاق دے دو، اللہ تعالیٰ سب کا مالک ہے، اس کے ہاں کچھ کمی نہیں ہے، وہ نیک نیت والوں کو اپنی وسیع رحمت سے اتنا کچھ دے گا کہ ایک کو دوسرے سے بے نیاز کردے گا۔

وَ لَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ: کئی بیویوں میں سے کسی ایک طرف زیادہ میلان بھی فطری سی بات ہے اور عام طور پر انسان خواہش کے باوجود اس میں برابری نہیں کرسکتا، یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو دہرایا ہے کہ چاہنے کے باوجود دلی پیار ومحبت اور خواہش ورغبت میں عورتوں کے درمیان مکمل برابری بڑا مشکل بلکہ ناممکن کام ہے، چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق اپنی بیویوں کی رہائش، کھانے، لباس، اور لین دین کے معاملوں میں برابری کی کوشش کرو'' پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس پر عمل فرماتے تھے مگر کیونکہ کسی بیوی سے زیادہ محبت غیر اختیاری چیز ہے اس لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ یہ بھی دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ! میں یہ کام اپنی طاقت کے مطابق انجام دے رہا ہوں اور جس معاملہ میں طاقت نہیں رکھتا، جو چیز میرے بس میں نہیں (یعنی کہ: کسی ایک سے زیادہ محبت) اس کے بارے میں میری پکڑ نہ فرمایئے گا؛ اسی لئے فرمایا کہ: تم خواہش کے باوجود عورتوں کے درمیان مکمل برابری نہ کرسکو گے، مگر یاد رکھو! کسی ایک کی طرف مکمل طور پر نہ جھک جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسری بیوی کو درمیان میں لٹکتا چھوڑ دو تمہیں چاہئے کہ اس کے ساتھ بھی تعلقات کو قائم رکھو اور اس کا حق بھی ادا کرو، ایک طرف بہت زیادہ رغبت ہو اور دوسری طرف بالکل نہ ہو یہ عدل وانصاف کے خلاف ہے، اگر تھوڑا بہت فرق ہوگا تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ایک ہی کی طرف جھکا رہا، یعنی: اچھا کھلانے، پلانے، پہنانے اور اس کے ساتھ رات گذارنے میں ایک ہی کی طرف جھکا رہا اور دوسری کو نظر انداز کردیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس حالت میں پیش ہوگا کہ اس کا آدھا جسم فالج سے جھکا ہوگا، وہ گھسٹتا ہوا اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہوگا، کیونکہ اس نے ان اختیاری چیزوں میں بے انصافی کی تھی، اور اسے نیم مردہ بنا کر رکھا تھا، عورتوں کے درمیان عدل وانصاف قائم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرو پھر اگر تم صلح کرو اور خدا ترسی کا راستہ اختیار کرو تو بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والے اور مہربان ہیں، وہ چھوٹی موٹی غلطیوں کو معاف فرمادیں گے، بہرحال تم تمام چیزوں میں بہتری پیدا کرنے کی پوری پوری کوشش کرو۔

اگر آپس میں صلح وصفائی کے تمام راستے بند ہو جائیں اور اکٹھا رہنے میں اللہ تعالیٰ کے حکموں کی خلاف ورزی ہونے کا احتمال ہو تو پھر علیحدگی بہتر ہے، اگر شوہر اور بیوی جدا ہو جائیں، طلاق کی نوبت آجائے تو شریعت میں یہ بھی جائز ہے، طلاق کو اس قدر انا کا مسئلہ نہ بنایا جائے کہ ایک دوسرے کی جان کے پیچھے پڑ جاؤ بلکہ اسے بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی سمجھ کر قبول کرلو، اللہ تعالیٰ اس میں بھی بہتری پیدا کردیں گے اور اپنے فضل سے ایک کو دوسرے سے بے نیاز کردیں گے، اگر علیحدگی نیک نیتی اور بہتری پیدا کرنے کے ارادے سے ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ عورت اور مرد دونوں کیلئے کوئی نہ کوئی راستہ نکال دیں گے۔

خدا کا خوف

وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ لَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ

اور لئے اللہ کے جو کچھ میں ہے آسمانوں اور جو کچھ میں ہے زمین اور بیشک حکم دیا ہم نے ان لوگوں کو جنکو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ اِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَ اِنْ

دی گئی کتاب سے پہلے تم اور تم کو بھی کہ ڈرتے رہو اللہ سے اور اگر

تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ

نہ مانو گے تو تحقیق لئے اللہ کا جو کچھ میں ہے آسمانوں اور جو کچھ میں ہے زمین اور ہیں

اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ

اللہ تعالیٰ بے پرواہ خوبیوں والے (۱۳۱) اور لئے اللہ کے جو کچھ میں ہے آسمانوں اور جو کچھ میں ہے زمین

وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾

اور کافی ہیں اللہ کام بنانے کو (۱۳۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ کا ہے اور بیشک ہم نے حکم دیا ہے تم سے پہلے کتاب والوں کو اور تم کو بھی کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر تم نہ مانو گے تو اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بے پرواہ خوبیوں والے ہیں۔ (۱۳۱) اور اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ کافی ہیں کام بنانے کو۔ (۱۳۲)

تفسیر

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انسانوں کیلئے اس دنیا میں رہنے اور کام کرنے کا ایک طریقہ پیش فرمایا جس کا نام اسلام ہے، انسان کو کیسے خیالات رکھنے چاہئیں، کیا سوچنا چاہئے، کیا کرنا چاہئے اور کس طرح کرنا چاہئے؟ ان سوالات کو قرآن مجید میں بہت ہی اچھی طرح کھول کر بیان کر دیا گیا ہے، قرآن کریم میں ہمارے لئے ہر بات کے کا قاعدہ اور حکم موجود ہیں آپس کے معاملے کیسے کرنے چاہئیں، رشتہ داروں، ملنے جلنے والوں اور عام انسانوں سے کیسا برتاؤ رکھنا چاہئے، یہی باتیں اب تک بیان ہوتی چلی آرہی ہیں ان سب کی تہ میں ایک بات ہے جس کو موقع بہ موقع بار بار بیان کیا جاتا ہے اور جس کی طرف خاص توجہ دلانا مقصود ہے، یعنی: ہر وقت اللہ تعالیٰ کا خیال دل میں رکھو، اس کو خوش کرنے کیلئے اچھے کام کرو برے کاموں کو چھوڑ دو۔

اس سورۃ کی اس آیت میں تین بار کہا گیا ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ کا ہے، مزید ارشاد ہے کہ: عورتوں کو اچھی طرح رکھو اور اور اللہ تعالیٰ کے ڈر سے ان کو ستانا چھوڑ دو، تم سے پہلے کے لوگوں کو اور تمہیں بھی یہی حکم دیا گیا ہے خدا ترسی اختیار کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو بھی خدا ترسی اختیار کرنے کا حکم دیا تھا جس طرح اس امت کو بھی یہ حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا ہی اصل چیز ہے اور اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو تمام لوگوں سے بے نیاز ہیں، وہ جو کچھ کہتے ہیں تمہارے بھلے کیلئے کہتے ہیں، عورتوں کے ساتھ دنیا بے انصافی کرتی تھی اور کرتی ہے اس لئے قرآن کریم میں بار بار ان کے ساتھ انصاف کرنے کی تاکید ہے، پھر کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم ماننے والوں کے سارے کام ٹھیک کر دیتے ہیں اور اسی کی مدد کافی ہے کیونکہ وہ تمام چیزوں کے مالک ہیں، مسلمانوں اور کافروں میں یہی فرق ہے کہ مسلمان جو کچھ کرتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے

کرتے ہیں اور جو چھوڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے چھوڑتے ہیں۔

دونوں جہانوں کے ثواب اللہ کے پاس ہیں

اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ اَیُّهَا النَّاسُ وَ یَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ

اگر چاہے لے جائے تم کو اے لوگو! اور لے آئے دوسرے لوگوں کو اور ہیں اللہ

عَلٰى ذٰلِكَ قَدِیْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ ثَوَابَ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰهِ

اوپر اسکے قدرت رکھنے والے (۱۳۳) جو ہو ارادہ کرتا ثواب کا دنیا کے پس پاس ہے اللہ کے

۱۹ ع ۸ ۱۶ ثَوَابُ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ﴿۱۳۴﴾

ثواب دنیا کا اور آخرت کا اور ہیں اللہ تعالیٰ سننے والے دیکھنے والے (۱۳۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے لوگو! اگر چاہے تو تم کو دور کر دے اور لے آئے دوسرے لوگوں کو اور اللہ کو یہ قدرت ہے۔(۱۳۳) جو کوئی دنیا کا ثواب چاہتا ہے تو وہ سن لے کہ! اللہ کے ہاں دنیا اور آخرت دونوں کا ثواب ہے اور اللہ سب کچھ سنتے دیکھتے ہیں۔(۱۳۴)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ضرورت ہوتی کہ کوئی ان کی فرمانبرداری کرے یا ان سے ڈرے تو وہ آسانی سے ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں دنیا سے مٹا کر رکھ دیتے اور ایسے لوگ پیدا کرتے جو ہر وقت ہاتھ باندھے ان کے سامنے کھڑے رہتے اور کبھی اس کی نافرمانی نہ کرتے، یاد رکھو! اگر تم نافرمانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ تم کو فنا کر دیں اور اپنے فرمانبردار بندے تمہاری جگہ پیدا کر دیں لیکن اللہ تعالیٰ کو اس کی پرواہ نہیں کہ کوئی اس کی مانے یا نہ مانے، انہوں نے اپنے ہاں سب کچھ تیار کر رکھا ہے، جو دنیا چاہے

اسے دنیا دے دیں گے اور جو آخرت چاہے اسے آخرت کا آرام بخش دیں گے، اس کی مرضی یہی ہے کہ تمہیں اختیار دے اور ہر ایک کو اس کی نیت اور ارادہ کا پھل دیں، وہ سب کچھ دیکھتے اور سنتے ہیں، کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔

گواہی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ
اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو جاؤ کھڑے ہونے والے ساتھ انصاف کے گواہ لئے اللہ کے اور اگرچہ

عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ
خلاف ہوں پر جانوں تمہاری یا ماں باپ کے اور رشتہ داروں کے اگر ہو کوئی مالدار یا

فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَ
مفلس پس اللہ زیادہ قریب انکے پس نہ پیچھے چلو خواہش کے یہ کہ تم انصاف کرو اور

اِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾
اگر زبان کو موڑ دو یا منہ پھیرو پس تحقیق اللہ ہیں ساتھ اسکے جو تم کرتے ہو خبر رکھنے والے (۱۳۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اللہ کیلئے گواہی دو اگرچہ تمہارا نقصان ہو یا ماں باپ کا اور قریبی رشتہ داروں کا خواہ کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے تو اللہ تم سے زیادہ ان کے خیر خواہ ہیں، سو! تم دل کی خواہش کی پیروی نہ کرو انصاف کرنے میں اگر تم زبان موڑ کر بولو گے یا بچا جاؤ گے تو اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہیں۔ (۱۳۵)

تفسیر

اس آیت میں انسان کو ایک بہت قیمتی حکم دیا گیا ہے اور پہلے جو کہا تھا کہ اللہ سے ڈرو اور اس کے سوا کسی کا

خوف دل میں نہ لاؤ، اس آیت میں اس کی ایک مثال دی گئی ہے کہ تمہارے کام اللہ تعالیٰ کے ڈر سے کیسے ہونے چاہئیں، ارشاد ہے کہ: آپس میں انصاف قائم رکھو اور سچی بات کہو، کسی کے ڈر یا لحاظ سے ہرگز غلط بات نہ کہو، انصاف کا زیادہ تر دارومدار گواہی پر ہوتا ہے؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ: گواہی دینے لگو تو کسی کے نقصان یا فائدے کا خیال نہ کرو، جو بات ہو صاف صاف کہو یہ مت دیکھو کہ اگر صاف صاف کہہ دیا تو تمہیں خود نقصان پہنچ جائیگا یا تمہارے ماں باپ کو لینے کے دینے پڑ جائیں گے یا کسی قریبی رشتہ دار پر کچھ آنچ آجائے گی یا یہ کہ کسی مالدار کا لحاظ کرو اور اس کو خوش کرنے کیلئے جھوٹی گواہی دو یا یہ کہ جھوٹی گواہی سے کسی غریب کا بھلا چاہو کہ اس میں ہمارا کیا بگڑے گا؟ یہ اپنی غلط رعایتیں اور ہمدردیاں رہنے دو، بہرحال کوئی مالدار ہو یا نادار، تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ ان کے خیر خواہ ہیں جب وہ تمہیں کہتے ہیں کہ سچ بولو اور کسی کی رعایت نہ کرو تو تم اس کے مقابلے میں کسی کی رعایت کس منہ سے کرتے ہو، سب کے وارث اللہ تعالیٰ ہیں، تم کو اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے ہچکچانا نہیں چاہئے۔

پیغمبر ﷺ نے فرمایا: بہترین گواہ وہ ہے جو بغیر مطالبہ کے ٹھیک ٹھیک گواہی دے دے اور بدترین گواہ وہ ہے جس سے گواہی دینے کا مطالبہ کیا جائے تو وہ جھوٹی گواہی دے دے؛ اسی لئے سچی گواہی دینے کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور جھوٹی گواہی کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

عدل وانصاف قائم کرنے کی ذمہ داری صرف عدالت کے افسروں پر ہی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کا بھی فرض ہے کہ انصاف کو قائم کرنے میں مدد کریں، گواہی کے معاملہ میں جب تک گواہ ٹھیک ٹھیک گواہی دینے میں اپنی ذمے داری کا احساس نہیں کریں گے اس وقت تک انصاف کا قائم ہونا مشکل ہے، حضرت ام سلمہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ: حاکم کا فرض ہے کہ مقدمہ کے دونوں فریقوں کے درمیان برابری کا برتاؤ کرے اور کسی کے ساتھ امتیازی برتاؤ نہ کرے اور نہ کسی کے ساتھ رعایت کرے حتیٰ کہ کسی ایک فریق کی طرف آنکھ یا ہاتھ کا اشارہ بھی نہ کرے۔

گواہی میں دھاندلی کرنے کیلئے اپنی زبان کو توڑ موڑ کر اس طرح حرکت مت دو کہ اس سے اصل لفظ کا

معنی بدل سکتا ہو اور گواہی ہی غلط ہو جائے، نیز: یہ کہ گواہی کی ادائیگی سے گریز بھی نہ کرو، اگر گواہی مکمل نہیں ہوگی تو جج کسی صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکے گا؛ اسی لئے فرمایا کہ: اگر تم گواہی کے معاملہ میں زبان کو پھیرو گے یا منہ موڑو گے تو اللہ تعالیٰ تو تمہارے کام سے باخبر ہیں، یعنی: کہ اگر تم گواہی دیتے وقت گول مول بات کرو گے یا سرے سے گواہی دینے سے منہ موڑو گے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں تم خود ہی مجرم بن جاؤ گے، سچی گواہی نہ دینا بذات خود ظلم کی حمایت کرنا ہے، اگر ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ تو بہر حال تمہاری نیتوں اور ارادوں تک کو جانتے ہیں، وہ خود تم سے نمٹ لیں گے۔

ایمان والوں سے ایمان پر قائم رہنے کا مطالبہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْ

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ایمان لاؤ پر اللہ اور پر پیغمبر اسکے اور پر اس کتاب جو

نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ

اتاری اس نے اوپر پیغمبر اپنے اور کتاب جو اس نے اتاری اس سے پہلے اور جو

يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ

انکار کرے اللہ کا اور فرشتوں اسکے کا اور کتابوں اسکی کا اور پیغمبروں اسکے کا اور دن کا آخرت کے پس تحقیق

ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝۱۳۶

گمراہ ہوا وہ گمراہی دور کی (۱۳۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے ایمان والو! اللہ پر اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے پیغمبر پر اتاری ہے اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری تھی اور جو کوئی یقین نہ کرے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر اور قیامت کے دن پر وہ بہک کر دور جا پڑا۔ (۱۳۶)

لفظی تحقیق: اٰمِنُوْا: ایمان لاؤ۔ کسی حقیقت کو زبان سے ماننا اور دل سے اس پر یقین رکھنا، مسلمانوں کو جو کہا گیا ہے "اٰمِنُوْا" سے مراد یہی ہے کہ زبان سے اقرار کرنے والو! دل میں بھی یقین پیدا کرو اور خالص دل سے مانو۔

تفسیر

پچھلی آیت میں حکم تھا کہ سچ بولو، حق کا ساتھ دو، گواہی سچی دو خواہ کسی کے خلاف ہو مگر یہ سب باتیں ناممکن ہیں جب تک پختہ ایمان اور مکمل یقین نہ ہو؛ اس لئے حکم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دل سے مانو، زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چلے گا۔

اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید کو دل سے اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب مانو اور اس میں جو لکھا ہے اس پر دل سے یقین کرو اور اس کے مطابق عمل کرو، جو کتابیں قرآن مجید سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اتاری ہیں ان کو بھی اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب مانو، البتہ اب ان کے وہی حکم عمل کے قابل ہیں جن کو اس آخری کتاب، یعنی: قرآن مجید نے برقرار رکھا ہے، باقی باتیں جو ان میں ہیں اس وقت ان پر عمل نہیں ہوگا، اس وقت قرآن مجید ہی پر عمل ضروری ہے کیونکہ اس میں وہ سب اچھی باتیں جو پہلی کتابوں میں تھیں آ گئی ہیں۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کو، اس کے فرشتوں کو، اس کی کتابوں کو، اس کے پیغمبروں کو اور قیامت کے دن کو نہ مانے اس کا ایمان قابل قبول نہیں، اس کو چاہئے کہ زبانی ایمان کے دعوے کو کافی نہ سمجھے بلکہ ایمان کو اللہ تعالیٰ پر اور ان سب چیزوں پر جن کا ذکر ہوا پختہ کرے اور دل سے اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو مانے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایمان لانے والوں سے ایمان لانے کا مطالبہ کیسے کیا جا رہا ہے؟ بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جو لوگ زبان سے ایمان کے دعوے دار ہیں اور دل میں ایمان کے خلاف بغاوت ہے اور جس کے نتیجے میں

اسلام کے خلاف کھلی اور پوشیدہ سازشیں کرتے رہتے ہیں وہ بھی اس خطاب کے مخاطبین ہیں اور انہیں حکم دیا جارہا ہے کہ دو غلے پن کو چھوڑ کر ایمان کو مکمل طور پر اختیار کرلو اور اس خطاب کی دوسری تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ اس سے ''عہد الست'' کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں تمام روحوں سے دریافت کیا تھا ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ رکیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟'' تو سب نے ایک زبان ہوکر جواب دیا تھا، کیوں نہیں! آپ ہی ہمارے رب ہے تو اب اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو اس آیت سے وہ عہد یاد دلایا ہے کہ جب ازل میں تم مجھ پر ایمان لا چکے ہو تو اب دنیا میں پہنچ کر بھی مجھ پر دل وجان سے ایمان لاؤ تاکہ اس ایمان کا صحیح نتیجہ نکلے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اے لوگو! جو ایمان لا چکے ہو اس ایمان پر ہمیشگی اختیار کرو اور اس میں کسی قسم کا خلل نہ آنے دو، ظاہر ہے کہ ایمان لانے کے بعد جب کوئی شخص کفر، شرک، منافقت یا بددینی کی بات کرتا ہے تو اس کے ایمان میں خلل آتا ہے۔

انسانوں کی اصلاح کے بنیادی اصولوں میں سب سے اہم اصول ایمان ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کی تشریح بیان فرمائی ہے، سب سے پہلے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ، یعنی: اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لاؤ اور ذات کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی صفات پر بھی ایمان لانا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ ذات پر ایمان لانا، اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرنے والا بھی اسی طرح کافر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار کرنے والا، اللہ تعالیٰ مکمل صفات کے مالک ہیں اس میں تمام اچھی صفات موجود ہیں، اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام تو ایک ہی ہے اور رحمٰن، رحیم، کریم، قدوس، جبار، وہاب وغیرہ اس کے صفاتی نام ہیں جو اس کی صفات کو ظاہر کرتے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اس کی صفات پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

وَرَسُوْلِهٖ: پیغمبر وہ انسان ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ شریعت کے حکموں کو پہچانے کیلئے لوگوں کی طرف بھیجتے ہیں۔

وَالْكِتٰبِ الَّذِىْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ: اور اس کتاب پر بھی ایمان لاؤ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر اتاری، اور مقصد یہ ہے کہ جتنی بھی کتابیں اتاری ہیں سب پر ایمان لانا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے چار کتابیں اور

بہت سے صحیفے مختلف پیغمبروں پر نازل فرمائے جن میں سے چار بڑی کتابیں" تورات، زبور، انجیل، قرآن کریم" ہیں، بہر حال صحائف میں حضرت یونس علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہم کے صحیفے ہیں، غرضیکہ کتاب پر ایمان لانے سے مراد تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانا ہے۔

وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ: اس سے مراد قرآن کریم سے پہلے اترنے والی تمام کتابیں اور صحیفے ہیں۔

وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىٕكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ: جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات یا اسکی صفات پر ایمان نہیں لاتا یا اس کے فرشتوں کا انکار کرتا ہے یا اسکی کتابوں پر ایمان نہیں لاتا یا اسکے پیغمبروں کا انکار کرتا ہے یا قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتا تو ایسا شخص کافر ہے اور پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہے۔

منافقوں کا لڑکھڑاتا ہوا یقین

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا

بیشک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر زیادہ ہوئے

كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا ﴿۱۳۷﴾

کفر میں نہیں تیار اللہ اس پر کہ بخشش کرے لئے ان کی اور نہ اس پر کہ ہدایت کرے انکو راستے (۱۳۷)

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمَا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ

خوشخبری دیجئے منافقوں کو یہ کہ لئے انکے عذاب ہے دردناک (۱۳۸) وہ جو بناتے ہیں

الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ

کافروں کو دوست سے سوائے مسلمانوں کے کیا تلاش کرتے ہیں پاس انکے

الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ﴿۱۳۹﴾

عزت پس بیشک عزت لئے اللہ کے ہے سب کی سب (۱۳۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جولوگ مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر بڑھتے رہے کفر میں تو اللہ ان کو ہرگز بخشنے والا نہیں اور نہ ان کو راہ دکھائے گا۔(۱۳۷) خوشخبری سنا دیجئے منافقوں کو کہ ان کے واسطے دردناک عذاب ہے۔(۱۳۸) وہ جو بناتے ہیں کافروں کو اپنا دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا ڈھونڈتے ہیں ان کے پاس عزت، سو! عزت تو ساری اللہ ہی کیلئے ہے۔(۱۳۹)

تفسیر

یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اتاری ہے جو کہ دکھاوے کا ایمان لائے تھے پھر اسلام سے پھر گئے اس کے بعد پھر کسی کے کہنے سننے یا فائدے کے خیال سے دوبارہ دکھاوے کیلئے مسلمان ہو گئے پھر جب موقعہ آیا دوبارہ کافر ہو گئے، غرض کبھی اِدھر کبھی اُدھر ہوتے رہے یہاں تک کہ ایک دن موت نے آ پکڑا، ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں پر کفر اور منافقت کا رنگ زیادہ چھایا ہوا تھا اور وہ اسی حالت میں مر گئے، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشیں گے اور جو زندہ ہیں ان کو ہرگز سیدھا راستہ نہیں دکھائیں گے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد ہے کہ دکھاوے کا ایمان لانے والوں کو، یعنی: منافقوں کو اچھی طرح سنا دیں اور یہی ان کیلئے خوشخبری ہے کیونکہ وہ کسی سچ مچ کی خوشخبری کے قابل نہیں کہ ان کیلئے بہت دکھ پہنچانے والا عذاب تیار ہے، وہ دن بدن کافروں کی طرف ڈھلتے جا رہے ہیں اور مسلمانوں کو چھوڑتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ آخرکار کافروں کو ہی دوست بنا لیتے ہیں اور مسلمانوں کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں، آخر اس سے ان کی کیا غرض ہے؟ کیا وہ امید رکھتے ہیں کہ کافروں سے ملنے جلنے سے ان کی عزت زیادہ ہوگی؟ یاد رکھیں! عزت سب کی سب اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، کسی کے پاس نہ اپنے لئے عزت ہے نہ دوسروں کیلئے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں عزت دیں اور جس کو چاہیں ذلت؛ اس لئے اس کو مانو اور ایمان درست کرو، اس کے حکموں پر عمل کرو، اس بھروسے پر نہ رہنا کہ کوئی اور تمہیں عزت دے سکتا ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت منافقوں کے بارے میں اتاری گئی ہے اور بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں اتاری گئی ہے کہ شروع میں ایمان لائے پھر بچھڑے کی پوجا کر کے کافر ہو گئے، پھر توبہ کر کے مؤمن ہوئے پھر عیسٰی علیہ السلام کا انکار کر کے کافر ہو گئے، اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری کا انکار کر کے کفر میں بڑھ گئے۔

منافقوں کی دو قسمیں

(۱)....اعتقادی منافق (۲)....عملی منافق

اعتقادی منافق وہ ہوتا ہے جو زبان سے ایمان کا اقرار کرے مگر دل میں کفر بھرا ہوا ہو، عملی منافق کافروں کی بدترین قسم ہے، حقیقت میں یہ کافر ہی ہوتے ہیں مگر انہیں منافق اس لئے کہتے ہیں کہ یہ زبان سے ایمان کا اقرار کرتے ہیں، منافقوں کے ساتھ برتاؤ بھی کافروں سے مختلف ہوتا ہے، کافروں کے ساتھ تو اعلانیہ طور پر جہاد کا حکم ہے مگر منافق چونکہ بظاہر کلمہ پڑھنے والے ہوتے تھے، لہٰذا ان کے متعلق حکم ہے کہ ان پر زبانی طور پر سختی کی جائے تا کہ لوگ ان سے محتاط ہو جائیں۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ: منافقوں کو خوشخبری سنا دیجئے، اور یہ خوشی کے موقع پر دی جاتی ہے مگر یہاں پر تو دردناک عذاب کی خبر دی جا رہی ہے، خوشخبری کا لفظ یہاں خاص طور پر منافقوں کیلئے استعمال کیا گیا ہے، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس مقام پر خوشخبری کا لفظ مذاق اڑانے (Hooting) کے طور پر استعمال ہوا ہے، بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں خوشخبری سے مراد صرف خبر دینا مقصود ہے، یعنی: منافقوں کو خبردار کر دیا جائے کہ وہ بدترین انجام سے دوچار ہونے والے ہیں، چنانچہ فرمایا کہ: منافقوں کو خبر دے دیجئے کہ ان کیلئے دردناک عذاب تیار ہے، انہیں ان کی منافقت کا بدلہ مل کر رہے گا۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ: منافق وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں

کے علاوہ کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں، منافقوں کا کام یہی ہوتا ہے کہ کبھی ادھر ساز باز کی کبھی اُدھر، کبھی ایک رخ اختیار کیا کبھی دوسرا رخ، ادھر کی بات ادھر چلا دی، انکی کارگزاری ایسی ہی ہے حالانکہ دوستی تو ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ ہونی چاہئے، ایک مسلمان کی دوستی کافر اور منافق کے ساتھ نہیں ہوسکتی کیونکہ دونوں کا نصب العین مختلف ہے، ان کی منزل جدا جدا ہے۔

اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ: اے منافقوں کے گروہ! کیا تم کافروں کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہو، عزت کا معنی قوت اور غلبہ کے ہوتے ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی قوت والے اور مکمل قدرت کے مالک ہیں۔

فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا: ساری کی ساری عزت تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، تم عزت کی تلاش میں کہاں مارے مارے پھرتے ہو، اللہ تعالیٰ خود بندے کی زبان سے کہلواتے ہیں ''وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ'' اے اللہ! آپ ہی جسے چاہیں عزت دے دیں اور جسے چاہیں ذلیل وخوار کردیں، جسے چاہیں کامیابی دے کر عزت بخش دیں اور جسے چاہیں ناکامی دے کر رسوا کردیں، عزت حقیقت میں اللہ تعالیٰ کیلئے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اور پھر ایمان والوں کیلئے ہے، عزت ایمان اور نیکی کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے مگر منافق اس کی تلاش میں کافروں سے دوستی کرتے ہیں، آخر کار انہیں کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا، انجام کے اعتبار سے عزت اور غلبہ اسلام اور مسلمانوں ہی کا حق ہے، جب تک مسلمان صحیح معنی میں مسلمان رہے دنیا نے اس کو آنکھوں سے دیکھ لیا اور پھر آخری زمانہ میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئینگے تو مسلمان ان کا ساتھ دینگے اور صحیح اسلام پر قائم ہوجائیں گے تو پھر غلبہ انہی کا ہوگا، درمیانی اور عبوری دور میں مسلمانوں کے ایمان کی کمزوری اور گناہوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ان کا کمزور نظر آنا اس کے منافی نہیں۔

احکام و مسائل

مسئلہ (۱):..... اسلامی حکومت میں مرتد، یعنی: اسلام سے پھر جانے والے کیلئے حکم یہ ہے کہ اس پر

اسلام پیش کیا جائیگا، اگر کوئی غلط فہمی ہے تو علماء کو جمع کر کے اس غلط فہمی کو دور کیا جائیگا، اگر وہ مان جائے تو اس سے توبہ کرا کے دوبارہ اسلام میں داخل کیا جائیگا اور اگر اس کے باوجود ایمان لانے پر تیار نہ ہو تو اس کو قتل کیا جائیگا اور اگر عورت ہو تو اس کو موت آنے تک یا توبہ کرنے تک قید میں رکھا جائیگا، صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں ایسے کئی کیس آئے جن میں سزائے موت دی گئی۔

بُری مجلس کا بائیکاٹ

وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ

اور تحقیق اتارا پر تم میں کتاب کہ جب سنو اتم آیتوں کو اللہ تعالیٰ کی کہ انکار کیا جاتا ہے

بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ

ساتھ انکے اور مذاق اڑایا جاتا ہے کا اس پس نہ بیٹھو تم ساتھ انکے یہاں تک کہ گھس جائیں وہ میں

حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ

کسی بات سوا اسکے تحقیق تم اس وقت مانند انکے بیشک اللہ اکٹھا کرنیوالے ہیں منافقوں کو

وَ الْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۙ﴿۱۴۰﴾

اور کافروں کو میں دوزخ سب کو (۱۴۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور تم پر قرآن کریم میں حکم اتارا کہ جب سنو اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جا رہا ہے اور مذاق اڑایا جا رہا ہے تو نہ بیٹھو ان کیساتھ یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہوں، نہیں تو تم بھی انہی جیسے ہو گئے اللہ منافقوں کو اکٹھا کریں گے اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ۔ (۱۴۰)

لفظی تحقیق: يُسْتَهْزَاُ: اسکی ہنسی اڑائی جاتی ہے۔ اسکے معنی ہیں ہنسی اڑانا اور مذاق کرنا خصوصاً اس صورت میں کہ جب دوسرے کی بے عزتی مقصود ہو۔ يَخُوْضُوْا: وہ مشغول ہوں۔ اسکے معنی ہیں کسی چیز کے اندر

چلے جانا اور غور کرنا یا مشغول ہونا، یہاں یہ مراد ہے کہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔

تفسیر

یہ آیت مدینہ کے منافقوں کے اس طرز عمل کے بارے میں اتاری گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر ہنسی اڑاتے اور ٹھٹھا کرتے، اس سے پہلے کی زندگی میں بھی اسی مضمون کا ایک حکم مکہ کے کافروں کے بارے میں اتارا تھا، چونکہ ان کا رویہ بھی یہی تھا، "سورۃ انعام" کی آیت (٦٧) جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "جب آپ دیکھیں کہ کافر ہماری آیتوں کے بارے میں بکواس کرتے ہیں تو انہیں چھوڑ دیں جب تک وہ کوئی دوسری بات شروع نہ کر دیں۔

ارشاد ہے کہ ہم پہلے یہ حکم قرآن مجید میں بھیج چکے ہیں، اس پر تمام مسلمانوں کو عمل کرنا چاہئے وہ حکم صرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کیلئے ہے، جس مجلس میں تم سنو کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی بے ادبی کی جا رہی ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جا رہی ہے اور ان میں عیب نکالے جا رہے ہیں، اعتراض کئے جا رہے ہیں اور ان کو ایک کھیل بنایا جا رہا ہے تو تم اس مجلس سے اٹھ جاؤ، اگر بیٹھے رہے اور ان کے اعتراض اور ہنسی سنتے رہے تو تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے اور بے ادبوں میں لکھے جاؤ گے، ہاں! جس وقت وہ گستاخی کی باتیں نہ کر رہے ہوں اور کسی اور قسم کی گفتگو میں مشغول ہوں تو پھر ان کے ساتھ بیٹھنا گناہ نہیں، اللہ تعالیٰ ان منافقوں اور کافروں کو گھیر کر دوزخ میں اکٹھا کر دینگے اور یہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے؛ اس لئے ایسی مجلسوں میں جہاں قرآن کے حکموں کی ہنسی اڑائی جا رہی ہو تمہیں اس مجلس میں شامل نہ ہونا چاہئے۔

احکام ومسائل

مسئلہ (۱):.... باطل لوگوں کی مجلس میں جانے کی مختلف صورتیں ہیں، اگر ایسی مجلس میں اللہ تعالیٰ کے حکموں اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ مذاق کیا جا رہا ہو اور وہاں بیٹھنے والا اس کو پسند کر رہا ہے تو وہ بھی کافر ہو گیا۔

مسئلہ (۲):.... اگر ایسا شخص دین کی توہین کو دل سے تو پسند نہیں کرتا مگر وہاں پر بلا وجہ بیٹھا بھی رہتا ہے

تو وہ فاسق ہے۔

مسئلہ (۳):..... اگر ایسا شخص کسی مقصد کی خاطر وہاں بیٹھا ہے مجبور ہے مگر دل سے توہین آمیز باتوں کو برا سمجھتا ہے تو ایسی صورت میں اس کا بیٹھنا جائز ہے۔

مسئلہ (۴):..... اگر ایسا شخص اس نیت سے ایسی مجلس میں بیٹھا ہے کہ دین کے حق میں تبلیغ کرے تو پھر اس کا بیٹھنا عبادت میں شمار ہوگا۔

بہرحال کافروں کے پاس بلاوجہ مت بیٹھو کیونکہ اگر ایسا کرو گے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی ان کے ساتھ عذاب میں شامل ہو جاؤ۔

منافقوں کے دوغلے پن کی مثال

اَلَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِکُمْ ۚ فَاِنْ کَانَ لَکُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰہِ قَالُوْٓا

جو لوگ تاک میں ہیں تمہاری پس اگر ہو واسطے تمہارے کامیابی طرف سے اللہ کی کہیں وہ

اَلَمْ نَکُنْ مَّعَکُمْ ۫ۖ وَ اِنْ کَانَ لِلْکٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ

کیا نہ تھے ہم ساتھ تمہارے اور اگر ہو واسطے کافروں کے حصہ کہیں وہ کیا نہیں

نَسْتَحْوِذْ عَلَیْکُمْ وَ نَمْنَعْکُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ فَاللّٰہُ یَحْکُمُ

گھیرا ڈالا تھا ہم نے پر تم اور بچایا تھا تم کو سے مسلمانوں پس اللہ فیصلہ کرینگے

بَیْنَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ وَ لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ لِلْکٰفِرِیْنَ عَلَی

درمیان تمہارے دن قیامت کے اور ہرگز نہ دینگے اللہ واسطے کافروں اوپر

الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ۧ ﴿۱۴۱﴾ ع ۲۰ / ۷ / ۱۷

مسلمانوں کے کوئی راستہ (۱۴۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہ جو تمہاری تاک میں ہیں پھر اگر تم کو اللہ کی طرف سے فتح ملے تو کہیں کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ اور اگر کافروں کو حصہ ملے تو کہیں کیا ہم نے گھیر نہ لیا تھا تم کو اور بچا دیا مسلمانوں سے، سو! اللہ فیصلہ فرمائیں گے تم میں قیامت کے دن اور ہرگز اللہ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ کی راہ نہیں دیں گے۔ (۱۴۱)

تفسیر

اللہ کا ارشاد ہے کہ: منافق تمہاری حالت کو دیکھتے رہتے ہیں، ان سے یہ امید نہیں کہ سچے دل سے تمہارے ساتھی اور طرفدار ہوں اور رنج و راحت میں تمہارا ساتھ دیں، یہ تو صرف موقع دیکھ کر ساتھی بنتے ہیں اور ان کا مقصد صرف دنیا کا فائدہ ہے اس سے اونچی ان کی نظر نہیں اٹھتی، ان کا تو حال یہ ہے کہ جب تم اپنے مخالفوں سے لڑ رہے ہو گے تو بظاہر تمہاری طرف کھڑے رہیں گے اور دیکھتے رہیں گے کہ لڑائی کا کیا رنگ ہے، اگر تمہاری جیت ہوئی تو تمہارے پاس آ دھمکیں گے اور باتیں بنانے لگیں گے کہ ہم نے تمہارا ساتھ دیا ہے اور لڑائی میں برابر شریک رہے ہیں، اس طرح اپنے کارنامے تمہیں جتائیں گے تاکہ ان کو بھی کامیابی میں برابر کا شریک سمجھو اور غنیمت کے مال میں سے ان کو بھی حصہ دو اور اگر خدانخواستہ کہیں تمہاری ناکامی ہو جائے دشمن جیت جائے تو تمہیں چھوڑ کر تمہارے دشمن سے جا ملیں گے اور وہاں ان کو خوش کرنے کیلئے باتیں بنائیں گے کہ دیکھا! ہم نے مسلمانوں کے ساتھ ملکر تمہیں گھیر لیا تھا مگر پھر ہم نے چکر چلایا اور ہم نے تم کو مسلمانوں سے بچایا، ہم تو مسلمانوں میں اس لئے تھے کہ ان کو تمہاری طرف بڑھنے سے روکیں، ہم نے تمہارے چاروں طرف گھیرا ڈال رکھا تھا کہ مسلمان تم تک پہنچ ہی نہ سکیں؛ اس لئے تمہاری فتح ہماری وجہ سے ہوئی ہے اور ہم اس نفع میں جو تمہیں لڑائی سے پہنچا ہے تمہارے برابر کے شریک ہیں، آگے ارشاد ہے کہ: ایسے مطلب کے یار دنیا میں تو اپنے کام جہاں تک بن سکتا ہے بنا لیتے ہیں اور بعض دفعہ لوگ ان کی چال نہیں سمجھتے اور دھوکے میں آ جاتے ہیں لیکن قیامت کے دن ان کا اور تمہارا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہوگا۔

وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا: مطلب یہ ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہیں اور کافر انہیں تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے بلکہ وہ خود ہی ذلیل وخوار ہو کر رہ جائیں گے اور اسلام ہی غالب رہیگا، مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ کافروں کو غلبہ کا کبھی موقع نہ دیں کیونکہ اگر کافروں کو غلبہ حاصل ہو گیا تو اسلام کو بہت زیادہ نقصان پہنچے گا۔

منافقوں کی پہچان

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَ اِذَا قَامُوْٓا
البتہ منافق دھوکا دیتے ہیں اللہ کو اور وہ دھوکہ دینے والا ہے اور جب کھڑے ہوں

اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا يَذْكُرُوْنَ
طرف نماز کی کھڑے ہوتے ہیں سست سست دکھاتے ہیں لوگوں کو اور نہیں ذکر کرتے

اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى
اللہ کا مگر تھوڑا (۱۴۲) ادھر لٹک رہے ہیں درمیان انکے نہ طرف انکے اور نہ طرف

هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾
انکی اور جس کو گمراہ کرے اللہ پس ہرگز نہ پائینگے آپ لئے اسکے کوئی راستہ (۱۴۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ البتہ منافق اللہ سے دغابازی کرتے ہیں حالانکہ وہ ان کو دغا دیگا اور جب نماز کو کھڑے ہوں تو جی ہارے سے لوگوں کے دکھانے کو اور اللہ کو یاد نہ کریں مگر تھوڑا سا۔ (۱۴۲) دونوں کے درمیان ادھر میں لٹکتے ہیں نہ ان کی طرف اور نہ ان کی طرف اور جس کو اللہ گمراہ کریں تو ہرگز اس کیلئے کہیں راہ نہ پائینگے آپ۔ (۱۴۳)

لفظی تحقیق: خَادِعُهُمْ: وہ انہیں فریب دیگا۔ اسکے معنٰی ہیں فریب دینا اور چالبازی سے کام لینا،

مطلب یہ ہے کہ منافق یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ خود دھوکہ کھا رہے ہیں مگر محسوس نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اس دھوکہ دینے پر سزا دیں گے۔ **کُسَالٰی**: جی ہارے ہوئے۔ یہ "کَسْلٌ" سے بنا ہے "کَسْلٌ" کے معنی ہیں کاہلی اور سستی، "کُسْلَانٌ" وہ ہے جو سستی کے ساتھ تھکے ماندوں کی طرح مرے دل سے کام کرے، شوق اور پھرتی کے ساتھ جی لگا کر کام نہ کرے۔ **یُرَآءُوْنَ**: یعنی: لوگوں کے دکھاوے کیلئے کام کرنا، یہ لوگ نماز صرف اس لئے پڑھتے ہیں کہ لوگ انہیں نمازی سمجھیں۔ **مُذَبْذَبِیْنَ**: ڈماڈول ہونا۔ اس کے معنی ہیں کبھی ادھر جھکنا کبھی اُدھر جھکنا، کسی طرف پورے طور پر شامل نہ ہونا۔

تفسیر

ان آیتوں میں منافقوں کی مندرجہ ذیل پانچ ظاہری علامتیں بیان کی گئی ہیں:

(۱)۔۔۔ وہ خود دھوکہ میں مبتلا ہیں لیکن اپنے خیال میں اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں۔

(۲)۔۔۔ نماز پڑھتے ہیں مگر انتہائی مرے دل کے ساتھ سستی سے۔

(۳)۔۔۔ ان کی نماز میں کوئی خلوص نہیں ہوتا، صرف دکھلاوا ہوتا ہے۔

(۴)۔۔۔ اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔

(۵)۔۔۔ ایمان اور کفر کے درمیان لٹکتے رہتے ہیں، نہ دل سے ایمان قبول کرتے ہیں نہ کھل کر کفر کا ساتھ دے سکتے ہیں، (دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا)۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ: یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کیسے دھوکہ دیا جاسکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز سے واقف ہیں کیونکہ دھوکہ تو ناواقف آدمی کھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو بلند اور ان چیزوں سے پاک ہے، پھر اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے کا کیا مطلب ہے؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ایسا معاملہ کرتے ہیں جیسا کہ کوئی دھوکے باز کسی دوسرے

بھولے بھالے آدمی کے ساتھ ہیرا پھیری کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ظاہراً اسلام اور ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں، کلمہ پڑھتے ہیں، نمازیں ادا کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں مگر دل میں کفر بھرا ہوا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ اس دوغلی پالیسی سے وہ مسلمانوں اور خود اللہ کو دھوکہ دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کریں گے جیسا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا، بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے دھوکے کی سزا دیں گے۔

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى: جب وہ نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو بددلی اور سستی کے ساتھ، وجہ ظاہر ہے کہ نہ ان کا ایمان پختہ ہے اور نہ انہیں نماز کے فائدوں پر یقین ہے، وہ تو صرف مسلمانوں کو دکھانے کیلئے مسجد میں آجاتے ہیں تاکہ ان کی منافقت نہ ظاہر ہونے پائے؛ وگرنہ سستی تو بعض اوقات مخلص مسلمان سے بھی ہوجاتی ہے کوئی بیمار یا بھاری جسم والا آدمی ہو تو اسے اٹھنے بیٹھنے میں مشکل پیش آتی ہے، یہاں پر ایسا شخص مراد نہیں بلکہ وہ اعتقادی منافق مراد ہے جو جان بوجھ کر نماز میں سستی کو ظاہر کرتا ہے۔

يُرَآءُوْنَ النَّاسَ: وہ لوگوں کے سامنے دکھلاوا کرتے ہیں کہ دیکھو ہم نمازی ہیں، لہٰذا ہمارے ایمان پر شک نہ کیا جائے، حالانکہ نماز جیسی بڑی عبادت پر تو ان کا اعتقاد ہی نہیں ہے۔

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ: کبھی ان کا جھکاؤ مسلمانوں کی طرف ہوتا ہے اور کبھی کافروں کی طرف، جو بھی پلہ بھاری نظر آتا ہے فوراً ادھر کے ہوجاتے ہیں۔

لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: درحقیقت یہ لوگ نہ اس طرف ہیں نہ اُس طرف اور دونوں طرف سے محروم ہیں، یہ ان کی مزید بدقسمتی ہے کہ ضرورت کے وقت انہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

کافروں کی دوستی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو نہ بناؤ کافروں کو دوست سے

دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا
علاوہ مسلمانوں کے کیا ارادہ کرتے ہو تم کہ بناؤ لئے اللہ کے اوپر اپنے کوئی دلیل

مُّبِیْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَ لَنْ
کھلی؟(۱۴۴) بیشک منافق ہیں میں درجے سب سے نچلے کے سے دوزخ اور ہرگز نہ

تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا ﴿۱۴۵﴾ۙ
پائینگے آپ واسطے انکے کوئی مددگار(۱۴۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ، کیا اپنے اوپر لینا چاہتے ہو اللہ کا کھلا الزام۔(۱۴۴) بیشک منافق دوزخ کے سب سے نیچے درجے میں ہونگے آپ ان کے واسطے ہرگز نہ پائیں گے کوئی مددگار۔(۱۴۵)

تفسیر

منافقوں کی تمام کرتوت بیان کرنے کے بعد اب ہدایت کی گئی ہے کہ مسلمانوں کو ان لوگوں کے ساتھ میل جول نہ رکھنا چاہیے، کئی بار یہی حکم آچکا ہے پھر وہی حکم دھرایا گیا ہے کہ ایسے برے اور شریر لوگوں سے دوستی اور میل جول سے کچھ حاصل نہ ہوگا، اگر ان کی شرارتوں کے باوجود تم ان سے دوستی کرو گے تو یہ مسلمانوں کو اس بہانے سے نقصان پہنچائیں گے؛ اس لئے ان سے الگ رہو اور مسلمانوں کیلئے نقصان کا باعث نہ بنو ورنہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہیں سزا دینے کیلئے بہت مضبوط اور پکا جواز فراہم ہو جائیگا۔

یہ منافق لوگ کافروں سے بھی زیادہ خطرناک اور شریر ہیں ان کو دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں داخل کیا جائیگا جہاں ان عذابوں کے علاوہ جو اوپر کے طبقوں میں ہیں ان کا عذاب الگ ہوگا اور ان سب عذابوں کے برابر ان کو عذاب ملے گا، اس وقت ان کی کوئی چالبازی نہ چلے گی، اللہ تعالیٰ سے ان کی کوئی بات چھپی ہوئی نہیں، وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو کیا دھوکہ اور فریب دے سکیں گے؟ یہ دوزخ کے نگہبان فرشتوں کی خوشامد کریں گے کہ ہمیں کم

سے کم تھوڑی دیر ہی کیلئے کچھ آرام لینے دو لیکن فرشتے تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے نہ کسی کی سنتے ہیں نہ کسی کی طرف دیکھتے ہیں، ان کو اپنے کام سے کام ہے، ان کیلئے عذاب سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

قرآن مجید میں مسلمانوں کے اچھے عملوں اور ان کے اچھے بدلے کے ساتھ کافروں اور منافقوں کے شرانگیز اور باغیانہ کاموں اور باتوں کا جگہ جگہ ذکر ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا اور برے انجام کو انسانوں کی عبرت اور نصیحت کیلئے بار بار بیان کیا ہے، یہ بات خاص طور پر غور کے قابل ہے کہ اگر کافروں کیلئے بڑے عذاب کا ذکر ہے تو منافقوں کیلئے دردناک عذاب کا اعلان ہے، اسی طرح کافروں کیلئے دوزخ کی سزا ہے تو منافقوں کیلئے کہا گیا ہے کہ ان کو دوزخ کے نچلے طبقے میں رکھا جائیگا۔

نجات کا راستہ

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ

مگر جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور مضبوط پکڑا اللہ کو اور خالص ہوئے دین اپنے میں

لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا

لئے اللہ کے یہی لوگ ہیں ساتھ مسلمانوں اور جلد دیں گے اللہ ایمان والوں کو ثواب

عَظِيْمًا ۝۱۴۶ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ

بڑا (۱۴۶) کیا کریں گے اللہ ساتھ عذاب تمہارے اگر شکر کرو تم اور ایمان لاؤ تم

وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝۱۴۷

اور ہیں اللہ قدر کرنے والے جاننے والے (۱۴۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ مگر جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور اللہ کو مضبوط پکڑا اور اللہ کے خالص حکم ماننے والے ہوئے پس وہ ایمان والوں کے ساتھ ہیں اور اللہ ایمان والوں کو جلد بڑا ثواب دیں گے۔ (۱۴۶) اللہ تم

کو عذاب دے کر کے کیا کریں گے اگر تم حق کو مانو اور یقین رکھو اور اللہ قدر کرنے والے ہیں سب کچھ جاننے والے ہیں۔(۱۴۷)

لفظی تحقیق: اِعْتَصَمُوْا: مضبوطی سے ہاتھ ڈالنا، چنگل مارنا۔"عَصْمَتٌ" کے معنی ہیں بچاؤ اور "اِعْتِصَامٌ" کے معنی ہیں گرنے سے بچنے کیلئے کسی چیز پر ہاتھ مار کر اسے پکڑ لینا اور سہارا ڈھونڈنا۔

تفسیر

منافقوں کیلئے عذاب سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ یہ اپنے برے کاموں سے باز آجائیں اور توبہ کر لیں اور اپنی چال چلن کو درست کر لیں اور کسی کے دکھاوے کیلئے نہیں بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے دین کو قبول کریں اور صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا محافظ اور مددگار مانیں اور اسی کو اپنا ہر مصیبت سے بچانے والا سمجھ کر سہارا بنائیں، اگر یہ ایسا کر لیں گے تو ایمان والوں میں شامل ہو جائیں گے اور انہی کے ساتھ ان کا حشر ہوگا، پھر فرمایا کہ: عنقریب اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اچھا بدلہ دینے والے ہیں، ان کو دنیا میں بھی کامیابی نصیب ہوگی اور آخرت میں چین وآرام ملے گا، دنیا میں کافروں پر ان کا غلبہ ہوگا اور ان کے دشمن ان کے سامنے جھک جائیں گے اور مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں بڑی نعمتیں عطا فرمائیں گے جس کا وعدہ ان کے ساتھ قرآن کریم میں کیا گیا ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہیں عذاب دینے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ وہ تم کو خواہ مخواہ دکھ درد میں رکھنا چاہتے ہیں، بات یہ ہے کہ جو کچھ تمہیں مصیبت پہنچتی ہے وہ صرف تمہاری اپنی چال چلن کی غلطی کی وجہ سے پہنچتی ہے، عذاب سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر کرو، جو نعمت اور آرام تمہیں حاصل ہوا ہے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے سمجھو اور اس کے سامنے بندگی کے ساتھ سر جھکاؤ، دوسرے یہ کہ اس کے اوپر پورا یقین رکھو، مختصر یہ کہ نجات کیلئے ضروری شرائط یہ ہیں:

(۱)....توبہ۔

(۲)....اپنے حالات کی درستگی۔

(۳)....اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لینا۔

(۴)....دین کو خلوص دل سے اختیار کر لینا۔

(۵)....اللہ تعالیٰ کا شکر گذار بن کر رہنا۔

(۶)....اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، اس کی قدرتوں اور اس کو ایک ماننا۔

عمدہ اخلاق کی تعلیم

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ

نہیں پسند کرتے اللہ ظاہر کرنا بری سے بات مگر جس پر ظلم کیا جائے

وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ

اور ہیں اللہ سننے والے جاننے والے (۱۴۸) اور اگر کھلم کھلا کرو تم بھلائی یا چھپا کر کرو تم اسکو

اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾

یا معاف کرو سے برائی پس تحقیق اللہ ہیں معاف کرنے والے قدرت رکھنے والے (۱۴۹)

با محاورہ ترجمہ:۔ اللہ کو کسی کی بری بات کا ظاہر کرنا پسند نہیں مگر جس پر ظلم ہوا ہو اور اللہ سننے والے جاننے والے ہیں۔ (۱۴۸) اگر تم کھلم کھلا کوئی بھلائی کرو یا اس کو چھپا کر کرو یا برائی کو معاف کرو تو اللہ معاف کرنے والے بڑی قدرت والے ہیں۔ (۱۴۹)

لفظی تحقیق: **جَهْرَ**: پکار کر بلند آواز سے کہنا اور ظاہر کر دینا۔ **تُبْدُوْا**: اعلانیہ کرو۔ یہ ''اِبْدَاء'' سے بنا ہے، جس کے معنی ہیں کھلم کھلا کرنا، کھول کر اور ظاہر کر کے کسی کام کو کرنا۔ **تُخْفُوْهُ**: تم اس کو چھپاؤ۔ ''اِخْفَاء'' سے بنا ہے جس کے معنی پوشیدگی کے ہیں۔ **تَعْفُوْا**: تم معاف کرو۔ ''عَفْوٌ'' سے بنا ہے، معاف

اور معافی سب اسی سے بنے ہیں۔ اس کے معنیٰ ہیں بخش دینا اور معاف کرنا ''عَفُوٌّ'' بھی اسی سے بنا ہے، جس کے معنی ہیں بخش دینے والا۔ اَلْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ: بری بات زبان پر لانا: کسی کی برائی کو کھلم کھلا لوگوں کے سامنے بیان کردینا یا ایسی بات کہنا جس میں بدنامی ہو۔

تفسیر

لَا يُحِبُّ اللهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ: اللہ تعالیٰ بری بات کے اظہار کو پسند نہیں فرماتے، جب کسی شخص کو دوسرے کے خلاف شکایت پیدا ہوتی ہے تو وہ اس کا اظہار دوسروں کے سامنے کرتا ہے اگر یہ شکایت تکلیف دینے والے کی موجودگی میں کی جائے تو طعنہ کہلاتا ہے جو کہ دلی تکلیف کا باعث ہوتا ہے اور اگر اس کے پیٹھ پیچھے ہو تو غیبت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے دونوں صورتوں میں گلہ شکوہ کو ناپسند فرمایا ہے کہ ایک دوسرے کی عیب جوئی کی جائے ہاں! اپنی تکلیف کے اظہار کی ایک صورت یہ ہے کہ جو مظلوم ہے وہ اپنی شکایت دوسرے کے سامنے پیش کرسکتا ہے مثلاً: مظلوم اپنی شکایت کسی بااختیار حاکم یا عدالت میں پیش کرسکتا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ ظالم کی برائی کا بیان تو ہوگا مگر اپنی شکایت کو حاکم کے سامنے پیش کرنا طعنہ یا غیبت نہیں کہلائے گی، اسی طرح اگر حاکم بھی مظلوم کی بات سننے اور اس کی مدد کیلئے تیار نہیں تو مظلوم اپنی شکایت کا اظہار اپنی قوم اور جماعت کے سامنے کرسکتا ہے اس کی بھی اجازت ہوگی۔ لہٰذا مفسرین اور محدثین کرام فرماتے ہیں کہ: اگر کوئی بااثر شخصیت برائی کا کام کرے اور سمجھانے بجھانے پر بھی اس بری حرکت سے باز نہیں آئے تو ان کی ایسی برائی کو عوام کے سامنے ظاہر کرنا بھی جائز ہے ورنہ عام طور پر یہی ہے کہ کسی کی بھی سرعام برائی نہ کرو خواہ کوئی بھی ہو۔

وَ كَانَ اللهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا: اللہ تعالیٰ تمہاری شکایتوں کو سنتے ہیں اور جس جس طریقے سے تکلیف پہنچائی جاتی ہے وہ اس کو بھی جانتے ہیں، وہ ظالم کا خود حساب کریں گے۔ تاہم تمہارے لئے قانون یہی ہے کہ کسی کی برائی بیان کرنے سے حتیٰ الامکان بچو، قرآن کریم میں ایک مقام پر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: ''جو تم پر

زیادتی کرے تم بھی اسی قدر زیادتی کرو جس قدر اس نے کی ہے''۔ اور ایک جگہ ہے کہ:'' اگر صبر کرو گے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا''۔ اس لئے افضل بات یہ ہے کہ کسی کی زیادتی کا اس کے برابر بھی بدلہ نہ لو، اس سے تمہارے درجے بلند ہوں گے دنیا میں بھی فائدہ ہوگا اور آخرت میں تو بہت زیادہ فائدہ حاصل ہوگا، بہرحال اللہ تعالیٰ نے صبر اور برداشت کو اعلیٰ درجے کی عادت فرمایا ہے۔

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا: اس دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین باتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلی بات: نیکی کو ظاہر کرنا ہے، نیکی کو سرعام کرنے میں بعض اوقات دکھلاوا پایا جاتا ہے، اور بعض اوقات اسکو ظاہر کرنے میں دوسروں کو بھی اس نیکی کا شوق پیدا ہوتا ہے تا کہ وہ بھی اس قسم کی نیکی کا کام کریں یا کوئی اور مصلحت ہوتی ہے وگرنہ عام طور پر کھلے عام نیکی کرنے کا مقصد داد وصول کرنا یا اپنی تعریف کروانا ہوتا ہے، اور یہی چیز برائی میں داخل ہے، جب کسی نیکی میں دکھاوا آجائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا دوسری بات یہ بیان کی گئی کہ اگر تم نیکی کو پوشیدہ رکھو گے تو یہ بہت اچھی بات ہے۔

اس آیت کریمہ میں تیسری چیز برائی سے معاف کرنے کی تعلیم ہے، کسی نے تمہاری برائی کی ہے اگر تم اس کو معاف کردو تو یہ اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم ہے، اور اگر یہ جذبہ پیدا ہوگیا تو پھر اللہ تعالیٰ خوش ہوکر تمہارے گناہوں کو بھی معاف فرمادیں گے، کسی نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے اور تم نے بدلہ لینے کے بجائے کسی سے ذکر تک نہیں کیا بلکہ اس پر صبر کر کے خاموشی اختیار کرلی تو یہ تمہارے حق میں بہت ہی بہتر ہے، کسی سے تکلیف پہنچنے پر انسان کو بہت ناگوار گزرتا ہے۔ اس کے باوجود اگر انسان اس پر صبر وحوصلہ کا دامن تھام لے اور برائی کرنے والے کی برائی کا جواب نہ دے تو اس سے دشمن کا دل بھی نرم ہوجائے گا، اور ہوسکتا ہے کہ تمہارے درمیان دشمنی کی جگہ دوستی پیدا ہوجائے، اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا ہے کہ کسی کی برائی نہ کرو حتیٰ کہ کافروں کے مقابلے میں بھی صبر سے کام لو، کسی فرد یا جماعت کی غیبت نہ کرو، اگر کوئی مشرک دہریہ یا کوئی غیر مذہب بھی برائی کرتا ہے تو تم اس کی برائی

بھی لوگوں کے سامنے بیان نہ کرو، مسلمان کی تربیت کا یہ اعلیٰ اصول ہے کہ اگر برائی کا جواب برائی سے دیا تو کچھ نتیجہ نہیں نکلے گا، اللہ تعالیٰ نے معافی کو ہی پسند فرمایا ہے صرف مظلوموں کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ اپنی شکایت پیش کر سکتے ہیں کیونکہ ان میں برداشت کی قوت کم ہوتی ہے۔

مکمل کفر

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا
تحقیق جولوگ کفر کرتے ہیں ساتھ اللہ کے اور پیغمبروں اسکے کے اور وہ چاہتے ہیں کہ فرق کریں

بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ
درمیان اللہ کے اور پیغمبروں اسکے کے اور کہتے ہیں ایمان لاتے ہیں ہم ساتھ بعض کے اور کفر کرتے ہیں ساتھ بعض کے

وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ
اور چاہتے ہیں کہ پکڑیں درمیان اس کے ایک راستہ (۱۵۰) یہ لوگ وہی ہیں

الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾
جو کافر ہیں اصلی اور تیار کیا ہے ہم نے واسطے کافروں کے عذاب ذلیل کرنے والا (۱۵۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جولوگ اللہ اور اس کے پیغمبروں کا انکار کرنے والے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اللہ میں اور اس کے پیغمبروں میں فرق کریں، اور کہتے ہیں کہ ہم بعضوں کو مانتے ہیں اور بعضوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اس کے بیچ میں ایک راہ نکالیں۔(۱۵۰) ایسے لوگ ہی اصل کافر ہیں، اور ہم نے کافروں کیلئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔(۱۵۱)

لفظی تحقیق: یُرِیْدُوْنَ: ارادہ سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ وہ ارادہ کرتے ہیں، چاہتے ہیں۔

مُّهِيْنًا: اہانت سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں ذلیل کرنا، یعنی وہ عذاب ان کو ذلیل اور خوار کر دے گا۔

تفسیر

اس سے پہلے ہدایت کی گئی تھی کہ برا بھلا کہنے سے تم کسی کو درست نہیں کر سکتے اس میں اُلٹا ان کے دشمن ہو جانے کا اندیشہ ہے ہاں! جو شخص اپنے ستانے والے کو برا بھلا کہے تو وہ غلط نہیں۔ البتہ وہ بھی اگر صبر کرے تو ایک نیکی ہے اور برائی کے بدلے کوئی اچھی بات کہہ دے تو ایک بڑی نیکی ہوگی اور ستانے والے کو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کا اجر دیں گے اور اس کے گناہ معاف کر دیں گے۔

ان آیتوں میں پھر انہی بے دین لوگوں کی حالت بیان کی جاتی ہے اور چونکہ اکثر منافق لوگ مدینہ کے یہودی تھے یا وہ لوگ تھے جو ان سے گہرا میل جول رکھتے تھے اس لئے منافقوں کے ذکر میں یہودیوں کا ذکر آ گیا لیکن کسی کا نام نہیں لیا گیا، کچھ کام بیان کر کے ان کا حکم سنا دیا گیا ہے جن کے اوپر بیان سچا اترتا ہو وہ اپنی فکر کریں اور درست ہونا ہو تو ہو جائیں ورنہ اپنے کیے کی سزا بھگتیں گے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اسکے پیغمبروں کو نہیں مانتے، یا اللہ تعالیٰ کو تو مانتے ہیں اور اس کے پیغمبروں کو نہیں مانتے، یا بعض پیغمبروں کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے، اور وہ اپنے لئے اسلام اور کفر کے درمیان ایک بیچ کا راستہ نکالنا چاہتے ہیں یہ لوگ اچھی طرح کان کھول کر سن لیں کہ ان کے کافر ہونے میں ذرا سا بھی شک نہیں اور جب کافر ہو گئے تو ضرور عذاب چکھیں گے، کیونکہ ہم نے کافروں کیلئے عذاب پہلے ہی تیار کر رکھا ہے جو ان کو ذلیل اور بے عزت کر کے چھوڑے گا، پیغمبر پر ایمان لائے بغیر اللہ تعالیٰ کو ماننا کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔

نجات کا دارومدار اسلام میں ہے، کسی اور مذہب میں نجات نہیں ہو سکتی۔

قرآن حکیم کے اس واضح فیصلہ نے ان لوگوں کی بے راہ روی کو پوری طرح کھول دیا ہے جو لوگ دوسرے مذہب والوں کے ساتھ رواداری میں مذہب اور مذہبی عقائد کو بطور تحفہ کے پیش کرنا چاہتے ہیں اور قرآن و سنت کے کھلے ہوئے فیصلوں کے خلاف دوسرے مذہب والوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے نزدیک نجات

صرف اسلام میں منحصر نہیں، یہودی اپنے مذہب پر اور عیسائی اپنے مذہب پر رہتے ہوئے بھی نجات پاسکتا ہے، حالانکہ یہ لوگ سب پیغمبروں کے یا کم از کم بعض پیغمبروں کے انکاری ہیں، اس آیت نے ان لوگوں کے کافر اور دوزخی ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اسلام غیر مسلموں کے ساتھ عدل و انصاف اور ہمدردی و خیر خواہی اور احسان و رواداری کے معاملہ میں اپنی مثال نہیں رکھتا، لیکن احسان اور اچھا برتاؤ اپنے حقوق اور اس چیز میں کرسکتا ہے جس کا خود مالک ہو، مذہبی اصول و عقائد ہماری ملکیت نہیں جو ہم کسی کو تحفہ میں پیش کر سکیں، اسلام جس طرح غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور اچھے برتاؤ کی تعلیم میں نہایت سخی ہے اسی طرح وہ اپنی سرحدوں کی حفاظت میں نہایت محتاط اور سخت بھی ہے، وہ غیر مسلموں کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی کے ساتھ کافرانہ رسموں سے پوری طرح لاتعلق ہونے کا اعلان بھی کرتا ہے، مسلمانوں کو غیر مسلموں سے الگ ایک قوم بھی قرار دیتا ہے اور ان کے اسلامی شعائر کی پوری طرح حفاظت بھی کرتا ہے، وہ عبادت کی طرح مسلمانوں کی معاشرت کو بھی دوسروں سے ممتاز رکھنا چاہتا ہے، جس کی بے شمار مثالیں قرآن وسنت میں موجود ہیں۔

ایمان والوں کے درجے

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ لَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ

اور | جو لوگ | ایمان لائے | اللہ پر | اور پر پیغمبروں اسکے | اور نہ | جدائی کی | درمیان | کسی کے | میں سے ان

ع ۲۱ / ۱۱ / ۱
اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾

یہی لوگ ہیں | عنقریب | دیں گے ان کو | ثواب ان کے | اور | ہیں | اللہ | بخشنے والے | مہربان (۱۵۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کیا ان کو جلد ہی ان کا ثواب دیں گے، اور اللہ بخشنے والے مہربان ہیں۔ (۱۵۲)

تفسیر

پچھلی آیت میں کہا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں کو بالکل نہ ماننے والے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں میں فرق کرنے والے کہ اللہ تعالیٰ کو مانیں اور اس کے کسی پیغمبر کو نہ مانیں یا بعض پیغمبروں کو مانیں اور بعض کا انکار کر کے اپنی ایک نئی راہ نکالیں، یہ سب لوگ ایک ہی قسم کے ہیں، سب کے سب کھلے کافر ہیں، یہ لوگ ایماندار اس وقت سمجھے جائیں گے جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے پیغمبروں کو بھی مانیں اور کسی ایک پیغمبر کا بھی انکار نہ کریں، اگر انہوں نے ایک پیغمبر کا بھی انکار کر دیا تو کافر ہو گئے، لاکھ کہتے رہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں لیکن یہ ماننا ان کے کچھ کام نہ آئے گا اور وہ کافر رہیں گے، یہی حال یہودیوں اور عیسائیوں کا ہے کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور اس کے پیغمبروں کو بھی مانتے ہیں لیکن وہ آخری پیغمبر محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں مانتے اس لئے وہ قرآنی فیصلہ کے مطابق ایمانداروں میں داخل نہیں ہو سکتے۔

اہل کتاب کا یہ دعویٰ بیکار ہے کہ ہم کو عذاب نہیں ہوگا، ہمیں ہمارے پیغمبر بچا لیں گے، کیونکہ اسی خدا تعالیٰ نے جس نے اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے اپنے وقت کا رسول بنا کر بھیجا تھا۔ اب ان سب کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت تک کیلئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، اور ان کو قرآن مجید عطا کیا ہے، جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغمبر نہ مانیں گے اُن کے بارے میں قرآن کریم کا فیصلہ ہے کہ ان کا اللہ تعالیٰ کو اور گزرے ہوئے پیغمبروں کو ماننا ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام پیغمبروں کو ماننے والے ہی ایماندار کہلانے کے حقدار ہیں۔ ان لوگوں کیلئے بڑے بڑے ثواب مقرر ہیں، ان کے ساتھ جو وعدے قرآن کریم میں کیے گئے ہیں وہ سب پورے کئے جائیں گے، ان کیلئے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت ہر وقت تیار ہے، ان کو آخرت میں پورا پورا آرام اور کبھی نہ ختم ہونے والا سکون ملے گا۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کیلئے ہر زمانہ میں ہر امت کیلئے اپنے پیغمبر بھیجے ہیں، ہر امت کو اپنے زمانے کے پیغمبر پر اور اس سے پہلے جتنے پیغمبر گزرے ہیں سب پر ایمان لانا لازم ہے، اس زمانے کیلئے پیغمبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ان کے مانے بغیر کسی کی بھی نجات ممکن نہیں۔

اہل کتاب کے سوال

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ

سوال کرتے ہیں آپ سے اہل کتاب کہ آپ اتار لائیں ان پر کتاب سے آسمان

فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً

پس تحقیق مانگی انہوں نے موسیٰ سے زیادہ بڑی چیز سے اس پس انہوں نے کہا دکھا ہم کو اللہ کھلم کھلا

فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ

پس آ پکڑا ان کو بجلی کی کڑک نے بہ سبب انکے ظلم کے پھر بنالیا انہوں نے بچھڑا اس کے

بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَ اٰتَيْنَا

پیچھے کہ آئیں ان کے پاس نشانیاں پھر معاف کر دیا ہم نے انکو سے اس اور دی ہم نے

مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾

موسیٰ کو دلیل کھلی (۱۵۳)

بامحاورہ ترجمہ: آپ سے اہل کتاب سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے لکھی ہوئی کتاب اتار لائیں، سو وہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑی چیز کا سوال کر چکے ہیں، انہوں نے کہا ہمیں دکھا دے اللہ کو آمنے سامنے، سو ان پر بجلی آ پڑی، ان کے گناہ کی وجہ سے، پھر انہوں نے بہت کچھ نشانیاں پہنچنے کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا، پھر ہم نے وہ بھی معاف کیا اور ہم نے موسیٰ کو کھلم کھلا غلبہ دیا۔ (۱۵۳)

لفظی تحقیق: اَرِ: دکھادے۔ ''اراءۃ'' سے بنا ہے۔ جس کے معنٰی ہیں: دکھانا۔ الصّٰعِقَۃُ: بجلی۔ ''صَعْقٌ'' سے بنا ہے۔ جس کے معنٰی ہیں: زور سے گرنا یا مدہوش ہوکر ایک دم گرنا، یہاں اس سے مراد ایسی بجلی ہے جو کڑک کے ساتھ گر کر مدہوش بنادیتی ہے۔

تفسیر

مدینہ کے یہودیوں کے کچھ لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئے، انہوں نے کہا کہ اگر آپ پیغمبر ہیں تو ایک دم لکھی لکھائی پوری کتاب آسمان سے اتری ہوئی لے کر آیئے۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یکدم ساری ''توراۃ'' لے آئے تھے، ایسی کتاب کے ہم ماننے والے نہیں جو تھوڑی تھوڑی اترے، ان کے جواب میں یہ آیتیں اتریں، اس سارے رکوع میں یہی بیان ہے کہ یہ سب ان کی بہانہ بازیاں ہیں یہ لوگ سب پیغمبروں کے ساتھ ایسی ہی گستاخیاں کرتے چلے آئے ہیں، ان سے پوچھو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ساری ''توراۃ'' ایک دم لے کر تمہارے پاس آئے تھے اس کے بعد تم نے انہیں کیوں نہ مانا اور بے ادب لوگوں کا سا مطالبہ پیش کیا اس کے علاوہ طرح طرح کی بیہودہ حرکتیں کیں۔

اے پیغمبر! اب یہ آپ کے ساتھ بھی اسی طرح پیش آرہے ہیں ہم آپ کو ان کے کچھ بیہودہ کام اور دوسرے پیغمبروں کے ساتھ ان کی گستاخیاں بتاتے ہیں، یہ بڑے شریر اور فسادی لوگ ہیں، ان کو طرح طرح کی سزائیں دی گئیں یہ ڈر کر کچھ باتیں قبول کرلیتے لیکن اس کے بعد پھر ویسے کے ویسے ہی ہوجاتے تھے۔

فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً: یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑا سوال یہ کیا تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھنا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو دیکھے بغیر ہم ایمان لانے کیلئے تیار نہیں، یہ بڑی گستاخی کی بات تھی، یہ اپنے آپ کو اس قابل سمجھتے تھے کہ اس فانی دنیا میں ان آنکھوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتے ہیں حالانکہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا جاسکتا، خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی جب اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ اے اللہ! میں آپ کو دیکھنا

چاہتا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے یہی جواب دیا تھا کہ آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے، اس پہاڑ کی طرف دیکھیں اگر یہ اپنی جگہ پر قائم رہ سکا تو آپ بھی مجھے دیکھ سکیں گے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلی (اپنے نور کی چمک) پہاڑ پر ڈالی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے، پھر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ فرمائی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ مبارک بھی اس ضمن میں یہ ہے کہ ”تم مرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے“، جب یہ دنیا ختم ہو جائے گی نیا جہان پیدا ہو گا نئی قوتیں اور صلاحیتیں پیدا ہوں گی تو اس مقدس جہان میں اللہ تعالیٰ آنکھوں کو وہ قوت عطا فرمائیں گے جن سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا جا سکے گا، چنانچہ سب سچے دینوں والے اس بات پر ایک ہیں کہ جنت میں پہنچنے والے ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اے پیغمبر! آپ سے تو یہ صرف کتاب لانے کا مطالبہ کر رہے ہیں یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے دیدار کا مطالبہ بھی کر چکے ہیں اور پھر اس بیہودہ مطالبہ کی وجہ سے ان پر بجلی گری وہ سب مر گئے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے انہیں دوبارہ زندگی بخشی گئی، پھر یہودیوں نے ایک اور برا کام یہ کیا کہ بچھڑے کی پوجا کی، پھر ہم نے ان کا یہ جرم بھی معاف کر دیا لیکن ان کی معافی اور توبہ اس طرح ہوئی کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کریں، چنانچہ بچھڑے کی پوجا کرنے والے گنہگاروں کو ان بے گناہوں نے قتل کیا جنہوں نے بچھڑے کی پوجا نہیں کی تھی۔ (دیکھئے: تفسیر جلالین صفحہ نمبر: ۱۰، حاشیہ نمبر: ۱-۲، (حوالہ: تفسیر کبیر)

وَ اٰتَیْنَا مُوْسٰی سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا: ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کھلا غلبہ عطا کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچھڑے کو توڑ پھوڑ کر جلا دیا اور جیسا کہ دوسری سورۃ میں موجود ہے کہ راکھ کا کچھ حصہ پانی میں بہا دیا اور کچھ حصہ ہوا میں اڑا دیا بچھڑا چونکہ شرک کی نشانی تھا اسے مکمل طور پر نیست و نابود کر دیا گیا اور اس کے پجاریوں کو بھی قتل کر دیا گیا۔

یہودیوں کی زیادتیاں

وَ رَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِیْثَاقِهِمْ وَ قُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا

اور | اٹھایا ہم نے | اوپر ان کے | طور پہاڑ کو | بغرض عہد لینے کے ان سے | اور | کہا ہم نے | سے ان | داخل ہو

الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَ اَخَذْنَا
دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے اور کہا ہم نے سے ان نہ زیادتی کرو میں ہفتہ کے دن اور لیا ہم نے

مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾
سے ان عہد مضبوط (۱۵۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے ان سے اقرار لینے کیلئے ان پر طور پہاڑ اٹھایا اور ہم نے کہا (بیت المقدس کے) دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے (یعنی جھکتے ہوئے) داخل ہو اور ہم نے کہا کہ ہفتہ کے دن میں زیادتی نہ کرو اور ہم نے ان سے مضبوط عہد لیا۔ (۱۵۴)

لفظی تحقیق: سُجَّدًا : سجدہ کرتے ہوئے۔ ''ساجد'' کی جمع ہے جو ''سجدۃ'' سے بنا ہے، یعنی کسی کے سامنے تعظیم سے سر زمین پر ٹیکنا۔ لَا تَعْدُوْا : مت زیادتی کرو۔ ''عُدْوَان'' سے بنا ہے، جس کے معنی ہیں حد سے گزر جانا۔ غَلِيْظ : موٹے اور بھاری کو کہتے ہیں، مراد مضبوط ہے جو ٹوٹنے والا نہ ہو۔

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے متعلق فرمایا کہ: ان سے کہا گیا کہ ''توراۃ'' میں جو حکم تمہیں دیئے گئے ہیں ان پر عمل کرو، انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ حکم بہت سخت ہیں ان پر عمل کرنا ہمارے بس کا کام نہیں، تو ہم نے طور پہاڑ کو ان کے سر پر اٹھا کر کھڑا کر دیا وہ ڈر کے مارے کانپنے لگے کہ اب یہ ہمارے سر پر گرا اور ہم پس کر چکنا چور ہوئے، اس طرح انہوں نے ''توراۃ'' پر عمل کرنے کا پختہ عہد کیا، اس عہد کے بعد ان کو حکم ہوا کہ اس شہر میں سجدہ کرتے ہوئے یعنی سر جھکا کر داخل ہوں انہوں نے اس کی بھی نافرمانی کی اس کی سزا میں ان کے اندر طاعون پھیلا اور ہزاروں مر گئے، اس کا ذکر ''سورۂ بقرہ'' میں گزر چکا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے اور ایک حکم کو توڑا، ان سے کہا گیا کہ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار نہ کرنا اس کا ان

سے بہت مضبوط عہد لے لیا گیا تھا، اور ہفتہ ہی کے دن مچھلی بہت زیادہ آتی تھی ان سے نہ رہا گیا انہوں نے ایک چال چلی جس سے مچھلی کو ہفتہ کے دن تو نہیں پکڑا لیکن ساحل کے کنارے ایسے حوض بنائے کہ ہفتہ کے دن مچھلی اس میں آجائے اور پھر نکل نہ سکے اور اتوار کے دن وہ پکڑلیں، صاف ظاہر ہے کہ یہ کام کرنا حکم کی خلاف ورزی تھی، اس کی سزا میں ان کو بندر بنادیا گیا، بعض تفسیروں میں آتا ہے کہ ان کے جوانوں کو بندر اور انکے بوڑھوں کو خنزیر بنادیا گیا تھا۔

ایسے لوگ دنیا کی عزت مال ودولت اور فوج ولشکر ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے قائل نہیں ہوتے ظاہری چیزوں کو اہمیت دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے حکم ان کے نزدیک کوئی چیز نہیں، نہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں کو مانتے ہیں نہ اس کے فرشتوں کی کوئی حقیقت سمجھتے ہیں، آخرت کے حساب کتاب کو گھڑی ہوئی بات قرار دیتے ہیں لیکن ان کے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے؟ ان کو اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے قانون کے مطابق پوری پوری سزا دنیا اور آخرت میں مل کر رہے گی۔

وَ رَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ: اس آیت میں یہودیوں کی تاریخ کے ایک اہم واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: ان سے عہد لیتے وقت ہم نے طور پہاڑ ان کے سروں پر لا کھڑا کیا تھا، بعض مفسرین اس کی غلط تاویل کرتے ہیں کہ پہاڑ کو اٹھا کر بنی اسرائیل کے سروں پر نہیں کھڑا کیا گیا تھا بلکہ ان لوگوں کو پہاڑ کے دامن میں اس طرح کھڑا کیا تھا کہ پہاڑ کا کچھ حصہ ان پر جھکا ہوا تھا یہ بالکل غلط ہے، ''سورۂ اعراف'' میں ہے کہ جب ہم نے پہاڑ ان کے سروں پر لا کھڑا کیا ''نَتَقْ'' کا معنی ہے: اکھاڑنا، اور مطلب صاف ظاہر ہے کہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے اکھاڑ کر بنی اسرائیل کے اوپر لا کھڑا کیا تھا اور کہا گیا تھا کہ اگر نہیں مانتے تو یہ پہاڑ تمہارے اوپر گرادیا جائے گا اور تم چکنا چور ہو جاؤ گے۔

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دین میں زبردستی جائز نہیں، اللہ تعالیٰ کا حکم واضح طور پر موجود ہے کہ ''لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ: دین میں زبردستی نہیں'' مگر یہودیوں کو پہاڑ کے خوف سے زبردستی منوایا گیا اس سوال کا

جواب یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل کو فرعون سے آزادی ملی اور صحرائے سینا میں پہنچے تو انہوں نے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہمارے لئے کوئی قانون کی کتاب لائیں جس پر ہم عمل کریں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے اپنا قانون تورات کی شکل میں اتارا، ''تورات'' کا معنی ہی قانون (Law) ہے۔ جب کتاب آ گئی تو کہنے لگے اس کے حکم بڑے مشکل ہیں ہم ان پر عمل نہیں کر سکیں گے، بہر حال اللہ تعالیٰ نے انہیں خوفزدہ اس لئے کیا تھا کہ ایک چیز انہوں نے خود مانگ کر لی ہے اور اب اس پر عمل کرنے سے منہ موڑ رہے ہیں۔

وَ قُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا : یہ ایسے بدعہد اور بدخصلت لوگ ہیں کہ ہم نے ان سے کہا کہ دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا، مگر انہوں نے اس حکم کی بھی خلاف ورزی کی، جب یہودیوں نے کہا کہ ہم صرف ایک ہی قسم کے کھانے یعنی ''من وسلویٰ'' پر صبر نہیں کر سکتے، لہٰذا ہمارے لئے اپنے رب سے سبزیاں، پیاز اور دال وغیرہ کا مطالبہ کیجئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیں کہو کہ اس شہر ایلیاء کی بستی اریحا میں داخل ہو جاؤ، وہاں تمہیں مانگی ہوئی چیزیں حاصل ہوں گی البتہ یہ کہ شہر میں سجدہ کرتے ہوئے یعنی جھکتے ہوئے داخل ہونا مگر یہ ایسے بدخصلت لوگ تھے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف جھکنے کے بجائے اکڑ کر داخل ہوئے، صحیحین (بخاری و مسلم) کی روایت میں آتا ہے کہ سرینوں (Hips) کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے تا کہ جھکنا نہ پڑے۔

احکام و مسائل

مسئلہ: کسی شخص کو دین قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، جس کا دل چاہے ایمان لائے اور نہ چاہے تو کفر پر اڑا رہے، اسے اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، اگر کفر کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں سزا کا مستحق ہوگا، خلاصہ یہ کہ اسے زبردستی مسلمان نہیں بنایا جا سکتا، البتہ اگر اسلام لانے کے بعد کوئی شخص اس کے حکموں کو نہ مانے تو اس پر شرعی سزائیں نافذ ہوں گی بہر حال دین میں داخل کرنے کیلئے تو زبردستی جائز نہیں بلکہ دین کا قانون توڑنے پر زبردستی کرنا جائز ہے اور یہ اس آیت کے خلاف نہیں۔

یہودیوں کی بدعملیاں

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَ كُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ قَتْلِهِمُ

بوجہ انکے توڑنے کے عہد اپنا اور انکار ان کے آیتوں کا اللہ کی اور قتل کرنا انکا

الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ

پیغمبروں کو بغیر حق کے اور کہنا ان کا دل ہمارے ڈھکے ہوئے ہیں بلکہ مہر لگادی اللہ نے

عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۵۵

پر ان بسبب انکے کفر کے پس نہیں ایمان لاتے مگر تھوڑے (۱۵۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ان کی عہد توڑنے اور اللہ کی آیتوں سے انکار کرنے پر اور ناحق پیغمبروں کے قتل کرنے پر اور ان کے یہ کہنے پر کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں انہیں سزا ملی، سو یہ نہیں بلکہ اللہ نے ان کے دلوں پر کفر کی وجہ سے مہر لگادی سو بہت کم ایمان لاتے ہیں۔ (۱۵۵)

لفظی تحقیق: مِيْثَاقَ: قول وقرار اور عہد و پیمان۔ یہ لفظ ''وثوق'' سے بنا ہے، جس کے معنی ہیں بھروسہ کرنا ''مِيْثَاق'' کے معنی ہیں اعتماد کے قابل وعدہ۔ غُلْفٌ: ڈھکے ہوئے۔ ''اَغْلَفْ'' کی جمع ہے ''اَغْلَفْ'' اسے کہتے ہیں جو غلاف میں یوں چھپی ہو کہ باہر کی کوئی چیز اس تک نہ پہنچے یعنی: (Seal) کرنا۔ طَبَعَ: مہر لگائی۔ ''طبعٌ'' سے ہے جس کے معنی ہیں چھاپنا، چھاپا لگانا، مہر لگانا کوئی جمنے والی چیز رکھ کر اسے اوپر سے عام طور پر مہر سے دبا دینا تاکہ خود بخود جم جائے اور مہر کے حرف اس پر ابھر آئیں۔

تفسیر

پچھلی آیتوں میں ذکر کیا گیا تھا کہ یہودیوں کو بہت سی سزائیں ملیں اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ یہ تمام

سزائیں انہیں کیوں ملیں؟ شاید ہی دنیا میں کسی اور قوم نے اتنی ڈھٹائی کی ہو اور پھر مکمل تباہی سے بچی رہی ہو، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ وہ بچے رہے، اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری اختیار کر لیتے تو یقیناً دنیا میں بھی بڑے مرتبہ والے ہو گئے ہوتے اور آخرت بھی سنور گئی ہوتی لیکن ان کے برے عملوں کے نتیجوں نے ان کو انتہائی بدقسمتی کا شکار کر دیا اور اسلام جیسی بڑی نعمت سے محروم رہ گئے۔

ان کی یہ گت اس لئے بنی کہ انہوں نے پکے قول وقرار اور پختہ عہد و پیمان کر کے کچے دھاگے کی طرح توڑ کر رکھ دیا اور کھلم کھلا ان کے خلاف کام کرنے لگے، وہ اللہ تعالیٰ کی صاف صاف اور کھلی نشانیوں کا انکار کر بیٹھے اور سارے حکموں کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا، اللہ تعالیٰ کی سیدھی راہ بتانے والے پیغمبروں کو جان سے مارا حالانکہ انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا ایسے سچے خیر خواہوں کو یوں بیٹھے بیٹھائے قتل کر ڈالنے سے بڑھ کر سخت دلی اور بے ایمانی کیا ہو سکتی ہے؟

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو سن کر ڈھٹائی سے جواب دیا کہ ہمارے دل تک تمہاری بات پہنچ نہیں سکتی کیونکہ ان کو غلاف کے اندر احتیاط سے چھپا دیا گیا ہے، تمہارے الفاظ باہر ہی باہر رہتے ہیں دل کے اندر جانے کا انہیں راستہ ہی نہیں مل سکتا، یہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں یہ بات نہیں ہے بلکہ ان کے کفر اور گمراہی کی بدولت ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہر لگ گئی ہے اب وہ ایمان نہیں لائیں گے، چند گنے چنے افراد کے علاوہ باقی تمام لوگ ہدایت سے محروم کر دیے گئے، چنانچہ مدینہ کے ارد گرد آباد یہودیوں کے دس بڑے عالموں میں سے صرف حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر یہودیوں کے یہ علماء ایمان لے آتے تو دنیا میں کوئی یہودی باقی نہ رہتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہودیوں کا رویّہ

وَّ بِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّ قَوْلِهِمْ

اور بوجہ کفران کے کے | اور بوجہ کہنے انکے کے | پر | مریمؑ | بہتان | بڑا | (۱۵۶) | اور | کہنے انکے

اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَ مَا

بیشک ہم نے قتل کیا مسیح کو عیسیٰ بیٹے مریم کے پیغمبر اللہ کے حالانکہ نہ

قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ

قتل کیا اس کو اور نہ سولی دی اس کو اور لیکن شبہات ڈال دی گئی لئے ان کے اور بیشک جو لوگ

اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ

اختلاف کرتے ہیں میں اس البتہ میں ہیں شک سے اس

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ان کے کفر پر اور مریم پر بڑا بہتان باندھنے پر۔ (۱۵۶) اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم کو قتل کیا جو اللہ کے پیغمبر تھے حالانکہ انہوں نے ان کو نہیں مارا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کیلئے (ایک شخص پر عیسیٰ علیہ السلام کی) شبہات ڈال دی گئی اور جو لوگ اس میں مختلف باتیں کرتے ہیں وہ لوگ اس جگہ شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

لفظی تحقیق: شُبِّہَ: صورت بن گئی۔ "تَشْبِیْہٌ" سے بنا ہے، جس کی اصل "شباھت" ہے، شباہت کے معنی ہیں: کسی کے ساتھ صورت ملنا اور ایک جیسی شکل کا ہونا، تشبیہ کے معنی ہیں: ایک چیز کو دوسری سے ملانا اور ان دونوں کی شکل ایک کر کے دکھانا، یہاں اس سے مراد ہے کہ ان میں سے ایک آدمی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہمشکل بنا دیا گیا۔

تفسیر

اس آیت میں یہودیوں کی ان برائیوں کا ذکر ہے جو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیں، پہلے تو ایمان لانے سے صاف انکار کر دیا، اور اس کیلئے عجیب عجیب شرطیں پیش کیں جیسا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا، انہوں نے بہت سے معجزے اور اپنی سچائی کی نشانیاں دکھائیں لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے بلکہ

اُلٹا ان کے دشمن ہو گئے۔

وَّ بِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا: ان کے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو لعنت کا مستحق ٹھہرایا، یہودیوں کا کفر یہ تھا کہ انہوں نے بچھڑے کی پوجا کی، کتاب کے اتارنے کا مطالبہ کیا، اللہ تعالیٰ کے دیدار کی شرط لگائی، سجدے کا حکم ہوا تو اکڑ گئے، ہفتے کے دن کے بارے میں جو حکم آیا اس کی نافرمانی کی اور پیغمبروں کو ناحق قتل کیا، حضرت مریم پر بہتان باندھا جبکہ حضرت مریم تو بالکل پاکدامن اور سچی تھیں، وہ جب بچہ کو گود میں لیے آئیں تو کہنے لگے ''تو یہ بری چیز کہاں سے لے آئی ہے'' (نعوذ باللہ) انہوں نے حضرت مریم پر بدکاری کا الزام لگاتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بدکاری کی صورت میں ہونے والا بچہ قرار دیا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے اپنی قدرت سے پیدا فرمایا، اور ان کو پیغمبر بنایا، ان سب خباثتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو لعنت کا مستحق ٹھہرایا۔

وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ: بعض روایتوں میں ہے کہ یہودیوں نے ایک شخص طیطلانوس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے واسطے مکان کے اندر بھیجا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو مکان میں نہ ملے اس لئے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھالیا تھا اور یہ شخص جب گھر سے نکلا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا گیا تھا یہودی یہ سمجھے کہ یہی عیسیٰ ہے اور اس اپنے ہی آدمی کو لے جا کر قتل کر دیا۔

خواہ کوئی بھی صورت پیش آئی ہو قرآن کریم نے کسی خاص صورت کو متعین نہیں کیا اس لئے حقیقت کا صحیح علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، البتہ قرآن کریم کے اس جملے اور دوسری تفسیری روایتوں سے یہ بات ضرور نکلتی ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو زبردست مغالطہ ہو گیا تھا، حقیقی واقعہ ان سے پوشیدہ رہا اور اپنے گمان کے مطابق انہوں نے طرح طرح کے دعوے کئے اور ان کے آپس ہی میں اختلافات پیدا ہو گئے، اسی حقیقت کی طرف قرآن کریم کے ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی اور موت

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ﴿۱۵۷﴾

نہیں ان کو اس کی کچھ خبر مگر پیروی کی گمان کی اور نہیں قتل کیا اسکو یقینا (۱۵۷)

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَ اِنْ

بلکہ اٹھالیا اس کو اللہ نے طرف اپنی اور ہیں اللہ زبردست حکمت والے (۱۵۸) اور نہیں

مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَ يَوْمَ

کوئی اہل کتاب مگر البتہ ضرور یقین کریگا ساتھ اسکے پہلے موت کے اسکی اور دن

الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۚ﴿۱۵۹﴾

قیامت کے ہوگا وہ پر ان کے گواہ (۱۵۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ان کو اس کی کچھ خبر نہیں، صرف اندازے پر چل رہے ہیں، انہیں یقیناً قتل نہیں کیا۔ (۱۵۷) بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ زبردست حکمت والے ہیں۔ (۱۵۸) اور اہل کتاب کے جتنے فرقے ہیں سو عیسیٰ پر ایمان لائیں گے ان کی موت سے پہلے اور وہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔ (۱۵۹)

لفظی تحقیق: الظَّنِّ: گمان اور خیال۔ ایسی بات جس کی بنیاد حقیقت پر نہ ہو بلکہ صرف اندازے پر ہو۔

رَفَعَ: اٹھالیا۔ اس کے معنی بلند کرنے اور اٹھالینے کے ہیں۔

تفسیر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پچھلی آیت کے ضمن میں روایت گزری ہے، ایک روایت اور بھی ہے،

اور وہ یہ ہے کہ جس وقت لوگ ان کے قتل کے ارادے سے ان کے گھر میں داخل ہوئے تو پہلے ایک شخص اندر گیا اس کے بعد اور لوگ اندر گئے انہیں ایک ہی آدمی اندر ملا جس کا چہرہ انہیں بالکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سا نظر آیا، انہوں نے اسے قتل کر دیا اس کے بعد جو غور سے دیکھا تو کہنے لگے کہ اس کا چہرہ تو (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) کا ہے لیکن ہاتھ پاؤں ہمارے آدمی کے سے ہیں جو ہم میں سب سے پہلے اندر آیا تھا، کسی نے کہا کہ یہ اگر (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) نہ تھے ہمارا آدمی تھا تو وہ کہاں گئے اور اگر یہ (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) تھے تو ہمارا آدمی کہاں گیا، غرض اسی شک وشبہ کی حالت میں رہے، آج تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنی اپنی رائے ظاہر کر رہے ہیں اصل بات عیسائیوں کو معلوم نہ ہوسکی صرف اندازے سے رائے قائم کرتے رہے۔

آیت میں اصل واقعہ ظاہر کیا گیا ہے اور ایسے صاف لفظوں میں ظاہر کیا گیا ہے کہ سمجھنے میں غلطی ہو ہی نہیں سکتی، ارشاد ہے کہ یہ یقینی بات ہے کہ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ ہوا یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا اور ان کے اپنے آدمی کی شکل ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سی نظر آئی اس کو انہوں نے قتل کر دیا، اللہ تعالیٰ بڑی قدرت اور طاقت والے ہیں کسی بات کے کرنے سے عاجز نہیں، جس وقت کسی بات کے کرنے کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہو جاتی ہے چاہے کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ: "مَوْتِهٖ" سے مراد یہودیوں اور عیسائیوں کی موت ہے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات مراد ہے، اگر یہودی یا عیسائی مراد ہوں تو یہ تفسیر ہوگی کہ ہر یہودی اور عیسائی اپنی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے گا تو اس وقت کا ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا، اگر مرتے وقت ان پر بھی حقیقت واضح ہو جائے اور انہیں اپنی غلطی کا احساس بھی ہو جائے تو اس وقت کی توبہ تو قبول ہی نہیں ہوگی، لہٰذا ان کی موت کفر پر ہی آئے گی، اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات مراد ہے جیسا کہ "مسلم شریف" کی روایت سے معلوم ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقی وفات تو اس وقت ہوگی جب آپ دوبارہ دنیا میں آ کر زندگی کے چالیس یا ساٹھ سال گزار چکیں گے، اس وقت سے پہلے پہلے جو یہودی یا عیسائی ایمان نہیں لائے گا وہ

موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا، نہ کوئی یہودی باقی رہے گا اور نہ عیسائی، اس بارے میں سو سے زیادہ حدیثیں موجود ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ آسمان سے اتریں گے۔

وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن اہل کتاب کے خلاف گواہی دیں گے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے دنیا میں ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا، ایک گروہ نے سرے سے آپ کو جھٹلا دیا اور آپ کے مخالف ہو گئے حتیٰ کہ موت کی سزائے دلوانے کی کوشش کی اور دوسرے گروہ نے انہیں خدا کا بیٹا قرار دیا۔

یہودیوں پر سختی

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ

ظلم کی وجہ سے طرف سے ان لوگوں کی یہودی ہوئے حرام کی ہم نے پر ان پاکیزہ چیزیں جو حلال کی گئی تھی

لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا

لئے ان کے اور بوجہ انکے روکنے کے سے راستے اللہ کے بہت (۱۶۰) اور ان کا لینا سود

وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَ

اور حالانکہ منع کئے گئے تھے وہ سے اس بوجہ انکے کھانے مالوں کو لوگوں کے باطل کیساتھ اور

اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾

تیار کیا ہے ہم نے لئے کافروں کے میں سے ان عذاب دردناک (۱۶۱)

با محاورہ ترجمہ:۔ سو یہود کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے ان پر بہت سی پاک چیزیں حرام کیں جو ان پر حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی راہ سے بہت روکتے تھے۔(۱۶۰) اور اس وجہ سے کہ سود لیتے تھے حالانکہ ان کو اس سے منع کر دیا گیا تھا اور اس وجہ سے بھی کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے اور ہم نے کافروں کیلئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔(۱۶۱)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ یہودیوں کی ہٹ دھرمی اور بے دھڑک گناہ کرنے کی وجہ سے انہیں حکم بھی سخت دیے گئے اور وہ ان بہت سی چیزوں سے محروم کردیے گئے جو پہلے ان کے لئے حلال تھیں۔

کسی چیز کو دو وجہ سے حرام قرار دیا جاتا ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ: حرام چیز میں کوئی ایسی خرابی پائی جاتی ہے جو جسمانی یا روحانی لحاظ سے انسان کیلئے نقصان دہ ہوتی ہے، لہٰذا اس مصلحت کی بناء پر اسے حرام قرار دے دیا جاتا ہے، یا پھر کوئی حلال چیز صرف سزا کے طور پر کسی قوم پر حرام کردی جاتی ہے، آپ ﷺ کی شریعت میں بھی بعض چیزیں حرام ہیں لیکن وہ کسی جسمانی یا روحانی نقصان کی وجہ سے حرام قرار دی گئی ہیں بخلاف یہودیوں کے کہ ان پر جو پاک چیزیں حرام کردی گئی تھیں ان میں کوئی جسمانی یا روحانی نقصان نہیں تھا بلکہ ان کی نافرمانیوں کی سزا کے طور پر حرام کردی گئی تھیں۔

ان ضدی اور شرارتی لوگوں نے بڑے بڑے جرم کیے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم بھی سخت دیئے، بچھڑے کی پوجا کی، شرک جیسا بڑا ظلم کیا تو اللہ تعالیٰ نے توبہ کے قبول ہونے کیلئے یہ کڑی شرط لگادی کہ تمام مشرکوں کو قتل کردیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی برائیوں کی وجہ سے ان پر پاکیزہ چیزیں بھی حرام قرار دے دیں، اللہ تعالیٰ نے کثرت سے پائے جانے والے شتر مرغ ان کیلئے حرام کردیے، اونٹ اور دوسرے جانوروں کی چربی حرام قرار دے دی، وہ صرف ہڈیوں یا آنتوں کے ساتھ ملی ہوئی چربی تو استعمال کرسکتے تھے مگر گوشت کے ساتھ لگی ہوئی چربی ان کیلئے حرام تھی، یہ ان کیلئے بڑا مشکل حکم تھا مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: یہ حکم ان کے اپنے جرموں کی وجہ سے ہے، اللہ تعالیٰ کے راستے سے لوگوں کو روکنا بھی یہودیوں کے بڑے جرموں میں سے ایک تھا، مزید یہ کہ ان کیلئے بعض حلال چیزوں کے حرام قرار دیئے جانے کی چند وجہیں یہ بھی تھیں کہ وہ سود کھانے میں ذرا بھی برائی نہیں سمجھتے تھے حالانکہ اس سے ان کو منع کیا گیا تھا، اس کے علاوہ اور غلط طریقوں سے بھی لوگوں کے مال چھینتے تھے، کبھی لوٹ مار سے، کبھی دھوکا دے کر، کبھی بہلا پھسلا کر، غرض جس

طرح ہوسکتا تھا بے دھڑک دوسروں کا مال ہضم کرجاتے تھے یا اور یہ کہتے تھے کہ ان جاہل لوگوں کا مال کھانے میں ہم پر کوئی گناہ نہیں۔

بہت بڑا ثواب

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ

لیکن وہ جو پختہ ہیں میں علم میں سے ان اور ایمان والے یقین رکھتے ہیں ساتھ اسکے

اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ الْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ

جو اتارا گیا طرف آپ کی اور جو اتارا گیا سے پہلے آپ اور قائم رکھنے والے ہیں نماز کو

وَ الْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ

اور دینے والے ہیں زکوٰۃ کو اور ایمان لانے والے ہیں پر اللہ اور دن آخرت کے

اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾ ع ۲۲ / ۱۰ / ۲

یہ لوگ ہیں کہ ہم عنقریب دینگے ان کو ثواب بڑا (۱۶۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ لیکن ان میں سے جو علم میں پختہ ہیں اور ایمان لانے والے ہیں وہ اس کو مانتے ہیں جو آپ پر (قرآن کریم) اترا اور جو آپ سے پہلے اترا (تورات وانجیل وغیرہ)، (شاباش ہے) نماز پر قائم رہنے والوں کو اور جو زکوٰۃ دینے والے ہیں اور اللہ پر یقین رکھنے والے ہیں اور قیامت کے دن پر، سوایسوں کو ہم جلد بڑا ثواب دیں گے۔ (۱۶۲)

لفظی تحقیق: اَلرّٰسِخُوْنَ: پختہ۔ "رَاسِخٌ" کی جمع ہے، جو "رُسُوْخٌ" سے بنا ہے، "رُسُوْخٌ" کے معنی ہیں: کسی چیز کے اندر جم کر بیٹھ جانا، "رَاسِخٌ" کے معنی ہیں: جم جانے والا، گڑ جانے والا۔ اَلرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ: وہ لوگ جو علم کے اندر گڑے ہوئے ہیں۔ یعنی علم میں پختہ اور مضبوط ہو چکے ہیں، علم کی گہرائی تک پہنچ چکے ہیں اور ان کے دل شک وشبہ سے ڈگمگاتے نہیں ہیں۔

تفسیر

اس سے پہلی آیت میں ذکر تھا کہ یہودی بڑے ظالم ہیں بے تکی ایسی باتیں کر بیٹھتے ہیں جو شریعت میں گناہ ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دل میں اللہ کا خوف نہیں، اس آیت میں ارشاد ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کی سمجھ تیز ہے اور وہ بات کی تہ کو پہنچتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ دنیا کی لذتیں چند گھڑیوں سے زیادہ کی نہیں اور اگر چند گھڑیوں کی بھی ہوئیں تو کیا ہے؟ یہ سب کچھ تندرستی اور بدن کی قوت پر موقوف ہے لیکن یہ دونوں بدلنے والی چیزیں ہیں، ان کے بغیر مال بھی بیکار ہے، اس کے مقابلے میں مرنے کے بعد کی جو زندگی ہوگی اس میں بیماری اور موت کا نام ونشان نہیں اور نہ لذت منٹوں یا گھنٹوں یا دنوں میں ختم ہونے والی ہے بلکہ ہر وقت اور ہمیشہ لذت ہی لذت ہے اور اس کیلئے فقط یہی تو کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مان کر اس کے پیغمبروں اور کتابوں کو ماننا ہے اور اسی کے حکم پر چلنا ہے، مال کی زکوٰۃ دینی ہے، آخرت پر ایمان لانا ہے، نماز پڑھنی ہے، بیہودہ لذتوں اور نقصان دینے والی چیزوں کو چھوڑنا ہے، جو لوگ یہ راستہ اختیار کرتے ہیں ان کیلئے بہت بڑا انعام دوسری زندگی میں تیار ہے، عقلمند لوگ یہی راستہ اختیار کرتے ہیں۔

وَ الْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ : جو نماز قائم کرنے والے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کیلئے نماز بہترین ذریعہ ہے، انسان نماز کے ذریعے خدا کی بارگاہ میں پیش ہوتا ہے، دعائیں کرتا ہے اور اپنے جسم و جان سے اس کی بڑائی بیان کرتا ہے۔

وَ الْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ: زکوٰۃ ادا کرنے والے لوگ بھی شاباش کے قابل ہیں، نماز کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہوتا ہے تو زکوٰۃ کے ذریعے مخلوق کے ساتھ تعلق اور ہمدردی پیدا ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خیر خواہی کیلئے زکوٰۃ کی ادائیگی لازمی حکم ہے اور سب سے پہلے نمبر پر ہے اس کے بعد صدقات، خیرات وغیرہ کی نوبت آتی ہے کہ یہ بھی انسانوں کی خدمت کا ذریعہ ہیں، اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے میں اللہ تعالیٰ نے بہت

سی مصلحتیں رکھیں ہیں، زکوٰۃ کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایک طرف یہ عمل انسان کو بخیل ہونے سے بچاتا ہے تو دوسری طرف تمام انسانوں کی ہمدردی کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ: وہ لوگ بھی تعریف کے قابل ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے ہیں۔

وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ: اور قیامت کے دن پر بھی ان کا ایمان ہے، عملوں کا بدلہ ملنے کو تسلیم کرتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا: ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ عنقریب بہت بڑا ثواب عطا فرمائیں گے، ایسے لوگ پہلے خواہ یہودی تھے یا عیسائی تھے، اگر اب وہ دین کے موافق عمل کرنے میں مضبوط ہیں، تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں، نماز ادا کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت کے دن پر ان کا ایمان ہے تو وہ لوگ تعریف کے لائق اور اجر کے مستحق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی وحی

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ

بیشک ہم نے وحی بھیجی ہم نے طرف آپ کی جیسا کہ وحی بھیجی ہم نے طرف نوح کی اور پیغمبروں کی سے

بَعْدِهٖ ۚ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ

بعد اسکے اور وحی بھیجی ہم نے طرف ابراہیم کی طرف اور اسماعیل کی طرف اور اسحاق کی طرف اور

يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ عِيْسٰى وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْنُسَ وَ هٰرُوْنَ

یعقوب کی طرف اور اس کی اولاد کی طرف اور عیسیٰ کی طرف اور ایوب کی طرف اور یونس کی طرف اور ہارون کی طرف

وَ سُلَيْمٰنَ ۚ وَ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾ وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ

اور سلیمان کی طرف اور دی ہم نے داؤد کو زبور (۱۶۳) اور پیغمبر کہ بیان کیا ہم نے ان کو

عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَ كَلَّمَ

پر آپ اس سے پہلے اور پیغمبر کہ نہیں بیان کیا ان کو ہم نے پر آپ اور بات کی

اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾

اللہ نے موسیٰ سے بول کر (۱۶۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جیسے نوح اور دوسرے پیغمبروں پر وحی بھیجی جو ان کے بعد ہوئے، اور ہم نے وحی بھیجی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر، اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان پر، اور ہم نے داؤد کو زبور دی۔ (۱۶۳) اور بھیجے ایسے پیغمبر جن کا حال ہم نے آپ کو اس سے پہلے سنایا اور ایسے پیغمبر جن کا حال آپ کو نہیں سنایا، اور اللہ نے موسیٰ سے بول کر باتیں کیں۔ (۱۶۴)

لفظی تحقیق: اَسْبَاطِ: "سَبْطٌ" کی جمع ہے۔ اس کے اندر بیٹے، پوتے اور آگے ان کی اولاد سب شامل ہیں۔ كَلَّمَ: اس کے معنی ہیں: بات کرنا، اور یہ "كَلَامٌ" سے بنا ہے، یعنی: بولنا، بات کرنا، گفتگو کرنا۔

تفسیر

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ہم نے آپ پر وحی بھیجی، جیسے اس سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام پر، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر، حضرت اسماعیل علیہ السلام پر، حضرت اسحاق علیہ السلام پر، حضرت یعقوب علیہ السلام پر اور ان کی اولاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہم السلام پر وحی کی تھی اور حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور دی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا، ان کے علاوہ اور بھی بہت پیغمبر آئے جن کا ذکر قرآن مجید میں نہیں آیا ہے، ان آیتوں سے یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری یہ کوئی نئی بات نہیں ابتداء سے یہ سلسلہ جاری ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مقدس سلسلہ کی آخری کڑی ہیں۔

تمام پیغمبروں پر وحی تو آتی رہی ہے مگر سب کو کتابیں نہیں دی گئیں، اور پھر یہ بھی ہے کہ جن کو کتابیں دے دی گئیں ہیں وہ سب کی سب اکٹھی نہیں دی گئیں بعض پیغمبروں کو اکٹھے کتاب دے دی گئی مگر بعض پر آیتوں کی صورت میں تھوڑی تھوڑی وحی آتی رہی، لہٰذا نبیوں کے واسطے پوری کتاب کا اکٹھے اترنا ضروری نہیں جس کا یہ اہل

کتاب (یہودی اور عیسائی) مطالبہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت جس پیغمبر پر جس وقت جتنی وحی چاہتے ہیں اتارتے ہیں اگر یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ باقی پیغمبروں کی پیغمبری کو مانتے ہیں تو پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری کو بھی مان لینا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو مکمل کتابیں دیں اور بعض کو چھوٹے چھوٹے صحیفے دیئے، چنانچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کل کتنے پیغمبر بھیجے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کل پیغمبروں کی تعداد کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے، پھر عرض کیا کہ ان میں رسول کتنے تھے؟ فرمایا: تین سو پندرہ رسول تھے، باقی سب نبی تھے، وحی تمام نبیوں اور رسولوں پر نازل ہوئی مگر کتاب اور شریعت صرف رسولوں کو ملی، اسی روایت میں کتابوں کا ذکر بھی آتا ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اے پیغمبر! اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں اتاریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کل ایک سو چار، جن میں چار بڑی کتابیں اور ایک سو چھوٹے چھوٹے صحیفے نازل اتارے، اسی حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام تھے، اور آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پھر عرض کیا کہ: کیا حضرت آدم علیہ السلام پیغمبر تھے؟ فرمایا: ہاں! وہ پیغمبر تھے اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ان کے حقیقی بیٹے حضرت شیث علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے، اور ان کے بیٹے یا پوتے حضرت ادریس علیہ السلام بھی پیغمبر تھے، آپ کو اخنوخ بھی کہا جاتا ہے، یہ حضرت ادریس علیہ السلام ہی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے لکھنا شروع کیا، کپڑے سینے کی سوئی اور دوسری روزمرہ میں استعمال ہونے والی چیزیں آپ ہی نے ایجاد فرمائیں، اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو صحیفے اتارے وہ لوگوں کیلئے زندگی گزارنے سے متعلق حکموں پر مشتمل تھے، چونکہ دنیا کی آبادی اس وقت بڑھنے لگی تھی، لہٰذا اس قسم کے حکموں کی ضرورت تھی جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام پر پورا فرمایا۔

بہرحال حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے بعد آنے والے پیغمبروں پر اللہ تعالیٰ نے جس طرح چاہا جب چاہا

اور جتنی مناسب سمجھی وحی اتاری، لہٰذا یہودیوں کی طرف سے پوری کتاب کے اکٹھے اتارنے کا مطالبہ کرنا کوئی عقل کی بات نہیں تھی۔

وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ: آپ سے پہلے ہم نے بہت سے پیغمبر بھیجے جن کا ذکر ہم نے قرآن پاک میں کردیا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں چھبیس یا ستائیس پیغمبروں کے نام یا ان کے لقب کا ذکر موجود ہے، حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جو پیغمبر ہوئے ہیں انہیں کے بارے میں خلاصہ ذکر کرکے ان میں سے جو جلیل القدر پیغمبر ہوئے ان کا بطور خاص بھی ذکر کردیا گیا جس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ سب پیغمبر ہیں اور پیغمبر کے پاس مختلف طریقوں سے وحی آتی ہے، کبھی فرشتہ پیغام لے کر آتا ہے کبھی لکھی ہوئی کتاب مل جاتی ہے کبھی اللہ تعالیٰ خود اپنے پیغمبر سے بات کرتے ہیں، غرض یہ کہ جس طریقہ سے بھی وحی آجائے اس پر عمل کرنا واجب ہوجاتا ہے، لہٰذا یہودیوں کا یہ کہنا کہ ”توراۃ“ کی طرح لکھی ہوئی کتاب اترے ہوتب مانیں گے ورنہ نہیں، یہ خالص کم عقلی اور کفر ہے۔

وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ: ایسے پیغمبر بھی ہوئے ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبروں پر ایمان رکھنے کیلئے تمام پیغمبروں کا نام یا ان کے نمایاں کارناموں کا جاننا ضروری نہیں ہے بلکہ سب پر ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اور جہاں بھی کوئی پیغمبر بھیجے ہمارا ان سب پر ایمان ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر تھے جو لوگوں کی ہدایت کیلئے تشریف لائے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی گواہی

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ

پیغمبر خوشخبری دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں تاکہ نہ ہو لئے لوگوں کے پر اللہ

حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾ لٰكِنِ

کوئی بہانہ بعد پیغمبروں کے اور ہیں اللہ زبردست حکمت والے (۱۶۵) لیکن

اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ
اللہ گواہی دیتے ہیں بابت اسکے جو اتارا طرف آپ کی اس کو اتارا ہے ساتھ اپنے علم کے اور فرشتے

يَشْهَدُوْنَ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ
گواہی دیتے ہیں اور کافی ہیں اللہ ہی گواہ (۱۶۶) بیشک جنہوں نے کفر کیا اور

صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾
روکا سے راہ اللہ کی تحقیق ہٹ گئے راستہ سے دور (۱۶۷)

بامحاورہ ترجمہ: پیغمبر خوشخبری اور ڈر سنانے والے بھیجے تا کہ لوگوں کو اللہ پر پیغمبروں کے بعد الزام کا موقعہ باقی نہ رہے اور اللہ زبردست حکمت والے ہیں۔(۱۶۵) لیکن اللہ اس پر گواہ ہیں جو اتارا آپ پر اپنے علم کیساتھ اور فرشتے بھی گواہ ہیں، اور اللہ تعالیٰ حقیقت میں گواہی کیلئے کافی ہیں۔(۱۶۶) جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے اللہ کی راہ سے روکا وہ بھٹک کر دور جا پڑے۔(۱۶۷)

لفظی تحقیق: لِئَلَّا: اصل میں یہ تین حرف ہیں "لِ۔اَنْ۔لَا"، اس کے معنی ہیں: تا کہ، نہ۔"لِئَلَّا" لکھا جاتا ہے بیچ سے نون اڑ جاتا ہے۔صَدُّوْا: روکا۔"صَدٌ" سے بنا ہے، جس کے معنی ہیں: باز رکھنا اور روکنا۔ ضَلُّوْا: راہ سے بھٹک جانا۔"ضَلَالٌ" سے بنا ہے، جس کے معنی ہیں: راستہ کھو دینا۔ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا: ٹھیک راستہ چھوڑ کر غلط راستہ پر ہو لیئے اور بہت دور نکل گئے۔

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ ہم نے اس سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے جن کا کام یہ تھا کہ نیک کام کرنے والوں کو خوشخبری دیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ان کے نیک کاموں کا بہت اچھا بدلہ ملے گا، اور برے کام کرنے والوں کو ڈرا دیں کہ آفتوں میں مبتلا ہوں گے، پیغمبر اس لئے بھیجے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ بہانہ نہ

کرسکیں کہ ہمیں تو معلوم ہی نہیں ہوا کہ ٹھیک راستہ کون سا ہے؟ معلوم ہو جاتا تو ہم اس پر ضرور چلتے، پیغمبروں کے بھیجنے کے بعد اب وہ یہ بات نہیں کہہ سکتے، کیونکہ انہوں نے لوگوں کو صاف صاف بتا دیا کہ اس راستہ پر چلو، اب اگر وہ لوگ ان کی بات کو نہ مانیں تو ان کی پکڑ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ چاہتے تو زبردستی سب کو سیدھے راستے پر چلاتے کیونکہ وہ بڑی قدرت اور قوت والے ہیں لیکن اس کی حکمت اور تدبیر نے یہ چاہا کہ انسان کو اختیار دے اور اس کے کاموں کا اسے اچھا یا برا بدلہ ملے، پھر فرمایا کہ قرآن مجید کو ہم نے تمام زمانوں کیلئے پوری پوری ہدایت کرنے والا مقرر کر دیا ہے اور ہم اس کی گواہی دیتے ہیں اور تمام فرشتے بھی اس کے گواہ ہیں کہ اس میں انسان کی ضرورتوں کی تمام چیزیں موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے تمام سامان اپنی مخلوق کو مہیا کر کے نہ ماننے والوں کیلئے کوئی بہانہ نہیں چھوڑا، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آنکھ، کان، ناک، زبان، ہاتھ اور عقل وشعور کی دولت دی، پھر پیغمبر بھیجے جو لوگوں کیلئے عملی نمونہ تھے، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کیلئے کتابیں اتاریں اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے تمام سامان مہیا کر دیے تا کہ کل کو کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے پتہ نہیں چلا ورنہ میں ایمان لے آتا، میں نے کوئی نشانی نہیں دیکھی یا میرے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا، ان تمام ہدایت کے ذریعوں کے باوجود جو لوگ گمراہی کا راستہ اختیار کرتے ہیں انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مکمل قدرت کے مالک ہیں وہ سزا اور جزا دینے پر قدرت رکھتے ہیں اور وہ حکیم بھی ہیں کہ ان کا کوئی بھی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل کرنے سے ہی کامیابی حاصل ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ سارے پیغمبر خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے ہوتے ہیں، لوگوں کو نیکی پر خوشخبری سنانا اور برائی کے انجام سے ڈرانا ان کی ذمہ داری میں شامل ہوتا ہے تا کہ کل قیامت کو کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ ہماری طرف کوئی پیغمبر نہیں آیا، یا اسے اللہ تعالیٰ کے حکموں کا علم نہیں ہوسکا بلکہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم اور بستی کی طرف پیغمبروں کو بھیج کر ان لوگوں کیلئے بہانے کی گنجائش نہیں چھوڑی۔

کافروں کیلئے دوزخ

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ ظَلَمُوْا لَمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا

بیشک جولوگ کافر ہوئے اور ظلم کیا نہیں ہیں اللہ کہ بخشیں ان کو اور نہ

لِیَهْدِیَهُمْ طَرِیْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِیْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ

یہ کہ دکھائے ان کو راہ (۱۶۸) سوائے راہ دوزخ کے رہنے والے ہیں وہ میں اس ہمیشہ

وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا ﴿۱۶۹﴾

اور ہے یہ اوپر اللہ کے آسان (۱۶۹)

با محاورہ ترجمہ:۔ جولوگ کافر ہوئے اور جنہوں نے حق دبا رکھا، اللہ ہرگز انہیں بخشنے والے نہیں اور نہ ان کو سیدھی راہ دکھائیں گے۔ (۱۶۸) مگر دوزخ کی راہ (دکھائیں گے) کہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ (۱۶۹)

لفظی تحقیق: ظَلَمُوْا: حق دبا رکھا۔ "ظُلْمٌ" سے بنا ہے، جس کے معنی ہیں نقصان پہنچانا اور دوسروں پر زیادتی کرنا۔

تفسیر

پچھلی آیت میں تھا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کو اور اس کے دین کو نہیں مانتے وہ سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں، وہ غلط راستے پر پڑ کر بہت دور نکل گئے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ ظَلَمُوْا لَمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِیَهْدِیَهُمْ طَرِیْقًا: اس آیت میں ارشاد ہے کہ کفر کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کو نہ ماننے والے اپنے اوپر اور دوسروں پر زیادتیاں کرنے

والے ہیں وہ سیدھے راستے سے ہٹ چکے ہیں اور آخر تباہی کی طرف پہنچ کر رہیں گے، ان کیلئے اب سیدھے راستے پر آنے کا کوئی موقعہ ہی نہیں، وہ اس غلط راستے پر بہت دور نکل گئے ہیں، اگر اب کوئی انہیں صحیح راستہ بتائے گا وہ ان کی سمجھ میں نہیں آئے گا کیونکہ جس راستہ پر وہ چل رہے ہیں وہ انہیں بہت ہی اچھا معلوم ہوتا ہے، قدم قدم پر ان کی دلی خواہشیں پورا ہونے کا سامان موجود ہے۔

اگر وہ کسی سے پوچھتے ہیں تو اسی راستہ کی زیادہ آسانیاں حاصل کرنے کی تدبیریں پوچھتے ہیں، صحیح راستے کا انہیں خیال بھی نہیں آتا، اللہ تعالیٰ کو تو مانتے ہی نہیں، اور نہ ہی اس سے ہدایت طلب کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو بھی ان کی پرواہ نہیں ہے، وہ انہیں اسی راستہ پر چلنے دیں گے جو انہوں نے اپنے لئے پسند کیا ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ سیدھے راستہ پر چلنے کیلئے کسی پر زبردستی نہیں کرتے، یہ راستہ جو انہوں نے اختیار کیا ہے غلط ہے اس لئے وہ دوزخ پر جا کر ختم ہوگا اور اللہ تعالیٰ انہیں اسی میں لے جا کر جھونک دیں گے، اس صورت میں ان کیلئے اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں اور نہ اس میں سے کبھی نکل سکتے ہیں، ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کیلئے یہ آسان ہے کہ ان کو ان کے کیے کی سزا دیں اگر ان کو سزا ملے گی تو ظاہر ہے وہ انہوں نے خود ہی اپنے سر لی ہے، اللہ تعالیٰ ہر ایک کیلئے وہی راستہ آسان کر دیتے ہیں جسے وہ انسان اختیار کرتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا قانون ہے جس کے خلاف کبھی نہیں ہوتا، مختصر یہ کہ انسان کو اسکے ارادہ میں اختیار دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ انسان جو ارادہ کرے اس کیلئے اس قسم کے حالات پیدا کر دیتے ہیں اس ارادہ کی بنا پر انسان اچھے اور برے کا ذمہ دار ٹھہرتا ہے۔

آخری پیغمبر کی آمد

يَآاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ

اے لوگو! تحقیق آئے تمہارے پاس پیغمبر ساتھ ٹھیک بات کے طرف سے رب تمہارے کی

فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي
پس ایمان لاؤ تم بہتر ہوگا لئے تمہارے اور اگر تم کفر کروگے پس بیشک لئے اللہ کے ہے جو کچھ میں ہے

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧٠﴾
آسمانوں اور زمین اور ہیں اللہ جاننے والے حکمت والے(۱۷۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے لوگو! تمہارے پاس پیغمبر تمہارے رب کی طرف سے حق بات لے کر آ چکے سو مان لو تا کہ تمہارا بھلا ہو اور اگر نہ مانو گے تو سب کچھ اللہ کا ہے آسمانوں میں اور زمین میں، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والے حکمت والے ہیں۔(۱۷۰)

لفظی تحقیق: حَكِيْمٌ: حکمت والا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت قرآن کریم میں بار بار آئی ہے، یہ لفظ ''حکمت'' سے بنا ہے اور حکمت کے معنی ہیں: ایسی بات کرنا جس میں بہتری ہو، ظاہر ہے کہ یہ وہی کرسکتا ہے جو سب کچھ جانتا ہو، اور کاموں کو اس طرح منظم کرسکتا ہو کہ آخر تک نتیجے اچھے نکلتے جائیں۔

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ انسان کو اختیار دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیج کر سیدھا راستہ سب کو خوب کھول کھول کر بتا دیا ہے کہ پیغمبروں کا راستہ ایمان کا راستہ ہے، ایمان لانا انسان کیلئے آخر میں بہت اچھا ثابت ہوگا، اتنی وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی کفر کرے تو وہ یاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے نکل کر وہ کہیں نہیں جاسکتا، اس نے انسان کو اس کی بھلائی اور برائی سمجھا دی ہے، دین کے جو قاعدے مقرر کیے ہیں وہ سب اچھی طرح جان بوجھ کر کیے ہیں، دین پر عمل کرنے والوں کا انجام آخر میں راحت و آرام ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی کہ اگر یہ لوگ آپ کی پیغمبری اور قرآن کریم کا انکار کرتے ہیں تو کوئی بات نہیں میں (اللہ تعالیٰ) خود آپ کی سچائی اور قرآن کریم کے حق ہونے کا گواہ ہوں، اور میری (یعنی اللہ تعالیٰ کی)

گواہی سب سے بڑھ کر ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفر کا نتیجہ بھی بیان فرمادیا کہ جو کوئی کفر کرے گا وہ گمراہی میں دور جا پڑے گا، ایسے شخص کو دنیا میں سیدھا راستہ میسر نہیں آئے گا، اسے صرف جہنم کا راستہ ہی ملے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں سے خطاب فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تمہارے لئے کامیابی کا پیغام لے کر آئے ہیں اس پر ایمان لانے میں ہی تمہاری بہتری ہے، اور انکار کی صورت میں اللہ تعالیٰ جب چاہیں گے اپنی حکمت کے مطابق سزا دیں گے۔

اے لوگو! یہ پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم کے ذریعہ تمہیں صحیح راستہ بتانے آئے ہیں ان کا یقین کرو، ان کی بات مانو اور ایمان لے آؤ، تمہاری بہتری اسی میں ہے، یہ تمہیں ایمان کے راستہ پر چلانا چاہتے ہیں جس میں کوئی کھٹکا نہیں، اب اگر ان کی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی تو یہ تمہاری کم علمی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہے، ذرا سوچو! وہ تمہارے بھلے کی کہتے ہیں اور اس کا تم سے کچھ بدلہ نہیں چاہتے، مال و دولت جمع کرنا ان کا مقصد نہیں، حکومت کا انہیں شوق نہیں، تمہاری خیر خواہی کے سوا ان کے دل میں کچھ اور نہیں، اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تعالیٰ کا اس میں کچھ نقصان نہیں، جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے سب کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، تمہارے کفر سے اللہ تعالیٰ کی بادشاہت پر کوئی آنچ نہ آئے گی، وہ سب کچھ جاننے والے اور حکمت والے ہیں۔

اہل کتاب کو نصیحت

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا

اے | کتاب والو! | مت حد سے نکلو | میں | دین اپنے کے | اور نہ | کہو | اوپر | اللہ کے | مگر

الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ

ٹھیک بات | سوائے اسکے نہیں | مسیح | عیسیٰ | بیٹے | مریم کے | پیغمبر ہیں | اللہ کے | اور

كَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ

کلمہ ہیں اس کا ڈالا اس کو طرف مریم کی اور روح ہیں طرف سے اسکی پس ایمان لاؤ پر اللہ اور

رُسُلِهٖ ۚ وَ لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ

پر پیغمبروں اسکے اور مت کہو تین خدا رُک جاؤ یہی بہتر ہے لئے تمہارے نہیں سوائے اسکے کہ اللہ

وقف لازم اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

معبود ہیں ایک پاک ہے وہ اس سے کہ ہو لئے اس کے بیٹا لئے اسی کے جو کچھ میں ہے آسمانوں

ع ۲۳ ۹ ۳ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾

اور جو کچھ میں ہے زمین اور کافی ہیں اللہ کام بنانے والے (۱۷۱)

بامحاورہ ترجمہ: اے کتاب والو! اپنے دین کی بات میں حد سے نہ نکلو اور اللہ کی شان میں سچی بات کے سوا کوئی بات نہ کہو، بیشک مسیح مریم کے بیٹے ہیں اور اللہ کے پیغمبر اور اس کا کلمہ ہیں جس کو مریم کی طرف ڈالا اور اس کی طرف سے خاص روح ہیں سو اللہ اور اس کے پیغمبروں کو مانو اور یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں، اس بات کو چھوڑ دو، اس چیز کی طرف چلو جو تمہارے لئے بہتر ہے بیشک اللہ ایک معبود ہیں وہ اس سے پاک ہیں کہ ان کے اولاد ہو اسی کیلئے ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور اللہ ہی بہتر کام بنانے والے ہیں۔ (۱۷۱)

لفظی تحقیق: اِنَّمَا: اس کے سوا نہیں۔ یہ صرف اس موقعہ پر آتا ہے جہاں ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں ''بات یہی ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں''۔ سُبْحَانَ: پاکیزگی اور ہر عیب ونقصان سے علیحدگی۔ وہ ہر عیب اور نقصان سے پاک ہے اور اسی لئے باپ ہونے سے بھی پاک ہے جو کہ محتاجی کی علامت ہے۔ كَلِمَتُهٗ: بات، بول اور حکم، اللہ تعالیٰ کا ارادہ لفظ کی شکل میں ظاہر ہونا۔

تفسیر

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ: اللہ کے بندے کو اللہ کے مقام تک پہنچا دینا زیادتی ہے،

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی زیادتی سے منع فرمایا، اے لوگو! میری تعریف میں مجھے حد سے زیادہ نہ بڑھانا، میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ کا بندہ اور پیغمبر ہی کہو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی کہا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، مجھے اس نے کتاب دی ہے اور میں پیغمبر بنایا گیا ہوں، یہ حد سے آگے ہی نکلنا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کبھی خدا، کبھی خدا کا بیٹا اور کبھی متبنّٰی (منہ بولا بیٹا) کہا جائے۔

وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ: اللہ تعالیٰ کی شان میں سچ بات کہو، یعنی: جو تمہیں پیغمبر بتاتے ہیں وہی حق ہے اور باقی سب خیالی باتیں ہیں۔

اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت کو واضح فرمایا ہے۔

”كَلِمَةُ اللّٰهِ“ کی علمی تحقیق

(۱)..... امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: کسی بچے کی پیدائش میں دو چیزوں کا دخل ہوتا ہے، ایک چیز نطفہ ہے اور دوسرا اللہ تعالیٰ کا کلمہ ”كُنْ“ (ہوجا) فرمانا جس کے بعد وہ بچہ وجود میں آجاتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے والد تو تھے نہیں اس لئے نطفہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا گویا پہلی چیز نہیں پائی گئی اس لئے دوسری چیز کی طرف نسبت کر کے آپ کو ”كَلِمَةُ اللّٰهِ“ کہا گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ دنیاوی سبب کے بغیر صرف کلمہ ”كُنْ“ سے پیدا ہوئے، اس صورت میں ”اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ“ کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کے ذریعہ یہ کلمہ حضرت مریم تک پہنچا دیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام انسانی شکل میں تشریف لائے اور حضرت مریم کے آستین میں پھونک ماری جس سے حضرت مریم کو حمل ٹھہر گیا کیونکہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا اس لئے اس کام کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کیلئے نو ماہ کا عرصہ نہیں لگا بلکہ پھونک مارنے کے فوراً بعد حمل ٹہر گیا، پھر درد زہ ہوا، پھر فوراً ہی حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوگئی۔

(۲)....بعض نے فرمایا کہ ”كَلِمَةُ اللهِ، بَشَارَةُ اللهِ“ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری) کے معنیٰ میں ہے اور مراد اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی جو خوشخبری دی تھی اس میں ”كَلِمَةٌ“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، ”﴿إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ﴾ [آل عمران:45]“۔

(۳)....بعض نے فرمایا ”كَلِمَةٌ“ آیت اور نشانی کے معنیٰ میں ہے گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی کے طور پر پیدا کیا گیا ہے۔

”وَ رُوْحٌ مِّنْهُ“ کی چند تفسیریں

وَ رُوْحٌ مِّنْهُ: اس لفظ میں دو باتیں غور کے قابل ہیں، ایک یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ”روح“ کہنے کے کیا معنیٰ ہیں؟ اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جو اس کی نسبت کی گئی ہے اس نسبت کا کیا مطلب ہے؟ اس سلسلہ میں مفسرین کے متعدد قول ہیں۔

(۱)....بعض نے فرمایا: قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی چیز کی پاکیزگی کو بیان کرنا ہوتا ہے تو اسکی بڑائی کو ظاہر کرنے کیلئے اس پر ”روح“ کا لفظ بول دیا جاتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں چونکہ کسی باپ کے نطفہ کا دخل نہیں تھا اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور کلمہ ”کُنْ“ کے نتیجہ میں پیدا ہوئے تھے اس لئے پاکی، صفائی و ستھرائی میں انتہاء کے درجہ کو پہنچے ہوئے تھے اسی وجہ سے ان کو ”روح“ کہا گیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ان کی بڑائی کیلئے ہے، جس طرح مسجدوں کی بڑائی کیلئے ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کردی جاتی ہے، ”﴿مَسَاجِدَ اللهِ﴾ [البقرة:114]“ یعنی: اللہ تعالیٰ کا گھر۔

(۲)....بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے جانے کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے مردہ

دلوں میں روحانی زندگی ڈال کر پھر زندہ کردیں، چونکہ وہ روحانی زندگی کا سبب تھے جس طرح ''روح'' جسمانی زندگی کا سبب ہوا کرتی ہے اس لئے اس اعتبار سے ان کو'' روح'' کہا گیا۔

(۳)..... بعض نے فرمایا کہ ''روح'' کا استعمال راز کے معنی میں ہوتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی عجیب و غریب پیدائش کی وجہ سے چونکہ اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی اور راز تھے اس لئے انہیں ''رُوْحُ اللّٰهِ'' کہا گیا۔

(۴)..... ذی روح (روح والا) ہونے میں سب برابر ہیں اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سب سے ممتاز ہونا اس طرح ظاہر کیا گیا کہ ان کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کردی۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ: اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں کی تصدیق کرنا ایمان کا جزء ہے اور ان کا انکار کرنا کفر ہے۔

وَ لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ: قرآن کریم کے اترنے کے وقت عیسائی جن بڑے بڑے فرقوں میں تقسیم تھے، تثلیث، یعنی: تین خدا ماننے کے متعلق ان کا عقیدہ تین جدا جدا اصولوں پر مبنی تھا، ایک فرقہ کہتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں اور خدا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں دنیا میں اتر آیا ہے، دوسرے فرقہ کا کہنا یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، اور تیسرا فرقہ یہ دعویٰ کرتا تھا کہ خدا تعالیٰ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم یہ تینوں مل کر ایک خدا ہیں، قرآن کریم نے ان عیسائیوں پر یہ واضح کردیا کہ حق ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم کے بیٹے اور خدا کے سچے پیغمبر ہیں اس سے زیادہ جو کچھ کہا جاتا ہے سب فضول اور بیکار بات ہے۔

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ: آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، ہر چیز اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور تمام چیزوں پر اسی کا اختیار ہے تو پھر اسے اولاد کی کیا ضرورت ہے؟

وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا: کام بنانے والی ذات صرف اسی کی ہے، اس کے علاوہ کوئی بگڑی بنانے والا نہیں ہے، حضرت مسیح علیہ السلام بھی اس کے بندے اور پیغمبر ہیں، وہ تو تمہیں درست کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر

آ ئے تھے، تم نے انہیں خدا کے درجے پر کیسے پہنچا دیا؟

اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اقرار

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓئِكَةُ

ہرگز نہ عار سمجھیں گے عیسیٰ کہ ہوں وہ بندے اللہ کے اور نہ کہ فرشتے

الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَ مَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ يَسْتَكْبِرْ

بلند مرتبے والے اور جو عار سمجھے گا سے عبادت اس کی اور تکبر کرے گا

فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾

پس قریب ہے جمع کریں گے ان کو طرف اپنی سب کے سب کو (۱۷۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ مسیح (عیسیٰ) کو اس سے ہرگز عار نہیں کہ وہ اللہ کے بندے ہوں اور نہ کہ مقرب فرشتوں کو عار ہے اور جس کو اللہ کی بندگی سے عار آئے اور تکبر کرے سو اللہ تعالیٰ ان سب کے سب کو اپنے پاس جمع کریں گے۔(۱۷۲)

لفظی تحقیق: يَسْتَنْكِفْ: عار سمجھے گا، ”اِسْتِنْكَافٌ“ سے بنا ہے جس کے معنٰی ہیں نفرت ظاہر کرنا، ناک بھوں چڑھانا اور کسی بات کو اپنے لئے ذلت کا باعث سمجھنا۔ اَلْمُقَرَّبُوْنَ: نہایت قریب۔ یہ لفظ ”قُرْبٌ“ سے بنا ہے جس کے معنٰی نزدیکی کے ہیں، اور ”مُقَرَّبٌ“ کی جمع ہے، یعنی: وہ جو کسی کے بہت قریب ہو۔ اَلْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ: سب سے زیادہ قریب فرشتے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام، حضرت اسرافیل علیہ السلام، حضرت عزرائیل، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اونچے درجے والے فرشتے ہیں، یہ خاص خاص کاموں پر مقرر ہیں۔

تفسیر

اہل کتاب سے کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بندہ بننے کو اپنا فخر سمجھتے ہیں، وہ کبھی اس بات

سے منہ نہ موڑیں گے اور نہ بڑے بڑے مقرب فرشتے اس بات سے ناک منہ چڑھائیں گے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بندگی سے کتراتے ہیں اور عبادت میں اپنی ذلت سمجھتے ہیں وہ اس حقیقت کو یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو ایک دن اپنے پاس اکٹھا کریں گے پھر ان میں سے اس کے وہ بندے جو ایمان والے، اچھے کام کرنے والے ہوں گے اور اس کا حکم ماننے والے ہوں گے ان کو اس کے بدلے بڑے بڑے انعام دیں گے، آرام اور اطمینان عطا فرمائیں گے اور ان کو خوش کردیں گے لیکن جو لوگ عبادت سے بھاگتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے آگے سر جھکانے کو اپنی ذلت سمجھتے رہے وہ دکھ دینے والے عذاب میں مبتلا ہوں گے انہیں کوئی بھی اس عذاب سے نہ بچا سکے گا۔

اس سے پہلے اہل کتاب کو واضح لفظوں میں اس بات کی ہدایت کردی گئی تھی کہ دین میں بڑھانے چڑھانے سے کام نہ لیں، اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کے حکموں اور کتاب کے بارے میں غلط بیانی نہ کریں اور حد سے گزر کرنے کو جائز نہ سمجھیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہ کچھ نہ کہیں جو حقیقت کے خلاف اور سچائی سے دور ہو، جس بات کو وہ خود اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہوں تم اس کے اظہار سے گریز کیوں کرتے ہو، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بندگی میں عار محسوس نہ کی تو تم کون ہوتے ہو کہ اس سے ناک بھوں چڑھاؤ؟

ایمان اور کفر کی جزا اور سزا

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ

پس رہے　وہ لوگ جو　ایمان لائے　اور کام کئے　نیک　پورے دینگے ان کو　ثواب ان کے　اور

یَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ اسْتَكْبَرُوْا

زیادہ دیں گے ان کو　سے　فضل اپنے　اور رہے　وہ لوگ　جنہوں نے ناک منہ چڑھائی　اور　تکبر کیا

فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ۬ وَّ لَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

پس عذاب دیں گے ان کو　عذاب　دردوالا　اور نہ　پائیں گے وہ　لئے اپنے　سوا　اللہ کے

وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾

دوست اور نہ مددگار (۱۷۳)

با محاورہ ترجمہ:۔ پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے تو ان کو ان کا ثواب پورا دیں گے اور اپنے فضل سے زیادہ دیں گے، اور جنہوں نے عار کی اور تکبر کیا سو (اللہ) ان کو دردناک عذاب دیں گے اور اپنے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور مددگار نہ پائیں گے۔ (۱۷۳)

لفظی تحقیق: فَيُوَفِّيْهِمْ: انہیں پورا پورا دیں گے۔ اَجْرٌ: بدلہ، ثواب۔ اردو زبان میں اجر صرف اچھے بدلہ کو کہتے ہیں لیکن عربی زبان میں یہ لفظ اچھے اور برے دونوں قسم کے بدلوں کیلئے استعمال ہوتا ہے، یہاں اچھے بدلے (ثواب) کے معنوں میں آیا ہے۔ اسْتَكْبَرُوْا: تکبر کیا، بڑائی کی۔ یعنی: اپنے آپ کو اصل حقیقت سے زیادہ سمجھنا اور ظاہر کرنا اور دوسروں کو حقیر جاننا۔ وَلِيٌّ: دوست۔

تفسیر

اہل کتاب اور ان میں خصوصاً یہودیوں کے غلط عقیدوں کو بیان کرنے کے بعد اب ارشاد ہوتا ہے کہ اجرو ثواب کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں کے ایمان اور عمل درست ہیں، اندر اور باہر سے پاک بندے پورے پورے اجروثواب اور اللہ تعالیٰ کے مزید فضل وانعام کے مستحق ہوں گے۔

وَ اَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ اسْتَكْبَرُوْا : جن لوگوں نے خدا کی عبادت کو اپنے لئے شرم کی بات سمجھی اور خدا کی بڑائی بیان کرنے، اس کے سامنے نیاز مندی کرنے اور اسکی عبادت کرنے سے تکبر کیا اور اکڑ دکھائی اور غیروں کی پوجا کرتے رہے، مخلوق کو معبود بنایا، ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ دردناک عذاب میں ہوں گے، کفر اور شرک کرنے والوں کا انجام یہی ہے کہ وہ نہ ختم ہونے والی سزا میں مبتلا کئے جائیںگے۔

ایک صحابی نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ ہم اچھا لباس یا اچھا جوتا پہن لیتے ہیں یا اچھی سواری پر سوار ہوتے ہیں تو کیا یہ بھی تکبر میں آتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ تو خود خوبصورت ہیں اور وہ اچھے طور طریقے اور خوبصورتی کو پسند فرماتے ہیں، لہٰذا یہ تکبر میں شامل نہیں ہے۔

جن لوگوں کا اس آیت میں ذکر ہوا ہے ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: وہ میرے علاوہ کوئی دوست اور مددگار نہیں پائیں گے، ان کے خود کے بنائے ہوئے معبود بھی ان کے کسی کام نہ آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی دلیل

يَآاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَآ

اے لوگو! تحقیق آئی پاس تمہارے دلیل طرف سے رب تمہارے کی اور اتارا ہم نے

اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا

طرف تمہاری نور کھلا (۱۷۴) پس وہ لوگ جو ایمان لائے پر اللہ اور مضبوط پکڑا

بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ يَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ

اس کو پس جلد داخل کرلیں گے ان کو میں رحمت اپنی اور فضل اور دکھائیں گے ان کو طرف اپنی

صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾ؕ

راستہ سیدھا (۱۷۵)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اے لوگوں! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل پہنچ چکی ہے اور ہم نے تم پر کھلی روشنی اتاری، سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس کو مضبوط پکڑا، وہ ان کو جلد اپنی رحمت اور فضل میں داخل کریں گے اور انہیں اپنی طرف سے سیدھے راستہ پر پہنچادیں گے۔ (۱۷۵)

لفظی تحقیق: بُرْهَانٌ: دلیل، سند۔ قطعی نشانی اور ایسی یقینی دلیل جس کے بعد شک باقی نہ رہے اور عمل کرنا ضروری ہو جائے، یہاں ''برہان'' (دلیل) سے مراد پیغمبر ﷺ کی ذات مبارک ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ کی ذات مبارک کو ''برہان'' سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ آپ ﷺ کی ذات مبارک اور آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ، آپ ﷺ کے معجزات اور آپ ﷺ پر کتاب کا اترنا یہ سب چیزیں آپ ﷺ کی پیغمبری کی کھلی دلیلیں ہیں جن کو دیکھنے کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی تو یوں سمجھنا چاہئے کہ آپ ﷺ کی ذات مبارک خود ہی ایک دلیل ہے۔ **نُوْرٌ مُّبِيْنٌ**: واضح روشنی: یہاں اس سے مراد قرآن مجید کی روشنی ہے۔ **اِعْتَصَمُوْا**: مضبوطی سے پکڑو۔ ''**عَصْمَتٌ**'' سے بنا ہے، ''**عَصْمَتٌ**'' کے معنی ہیں بچاؤ، ''**اِعْتِصَامٌ**'' کے معنیٰ ہیں کسی چیز کو ہاتھ سے مضبوط پکڑ لینا، جیسے ڈوبتا ہوا آدمی اپنے بچاؤ کیلئے ہاتھ سے کسی چیز کو مضبوطی سے پکڑتا ہے۔

تفسیر

اس آیت میں ایک ضروری بات تمام انسانوں کو مخاطب کر کے کہی جاتی ہے کہ اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسا ہدایت نامہ پہنچ چکا ہے جس میں شک وشبہ اور ہچکچاہٹ کی کوئی گنجائش ہی نہیں، وہ ایک کھلی ہوئی روشنی ہے جس میں اچھا برا صاف صاف الگ الگ نظر آتا ہے اور وہ قرآن کریم ہے جس کا ایک ایک جملہ انسان کے دل میں روشنی پیدا کرتا ہے جس سے حق و باطل میں فرق کیا جاتا ہے، جن لوگوں میں دل کی آنکھیں ہیں اور حق کو سمجھنے کی صلاحیت ہے وہ اس کی روشنی میں سچی باتیں صاف دیکھتے ہیں اور ان کو فوراً پہچان کر اختیار کر لیتے ہیں، جو ایسی روشنی میں حق بات کو نہیں پہچان سکتے ان میں دل کی آنکھیں نہیں یعنی حق کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں۔

نیک بندے جو سب سے منہ موڑ کر ایک اللہ کے ہو رہے ہیں اور اس کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتے اور قرآن مجید کو مضبوط پکڑتے ہیں ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل کریں گے، اس کی رحمت ان کو گھیرے ہوئے ہوگی اور اس کے فضل کی ان پر بوچھاڑ ہو رہی ہوگی، اللہ تعالیٰ ان کو سیدھی راہ دکھادیں گے۔

میراث کے باقی حکم

يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ

پوچھتے ہیں فتویٰ آپ سے کہہ دیجئے اللہ فتویٰ دیتے ہیں تم کو بارے میں کلالہ کے اگر کوئی مرجائے

لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ

نہ ہو لئے اس کی کوئی اولاد اور لئے ہو اسکی ایک بہن پس اس بہن کا آدھا ہے اس میں سے جو اس نے چھوڑا اور وہ

يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا

وراث ہوگا بہن کا اگر نہ ہو لئے بہن کی کوئی اولاد پھر اگر ہوں بہنیں دو پس لئے ان کے

الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ

دوتہائی ہے اس میں سے جو اس نے چھوڑا اور اگر ہوں وہ بہن بھائی مرد اور عورتیں پھر لئے مرد کے

مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ

برابر حصہ ہے دوعورتوں کے بیان کرتے ہیں اللہ لئے تمہارے کہ نہ گمراہ ہو تم اور اللہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ ع ۵

ہر چیز سے واقف ہیں (۱۷۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ آپ سے حکم پوچھتے ہیں، کہہ دیجئے اللہ تمہیں کلالہ کا حکم بتاتے ہیں، اگر کوئی مرد مر گیا اور اس کے اولاد (یعنی: لڑکا، لڑکی) نہیں اور اس کی ایک بہن ہے تو اس کو اس کا آدھا ملے گا جو وہ چھوڑ مرا، اور وہ بھائی اس بہن کا وارث ہے اگر اس کے اولاد (یعنی لڑکا، لڑکی) نہ ہو پھر اگر بہنیں دو ہوں تو ان کو اس مال کا دو تہائی ملے گا جو وہ چھوڑ مرا، اور اگر اس کے (حقیقی یا باپ شریک) بھائی بہن یعنی مرد اور عورت دونوں ہوں تو ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے، اللہ تمہارے لئے بیان کرتے ہیں کہ تم گمراہ نہ ہو اور اللہ ہر چیز سے واقف ہیں۔ (۱۷۶)

لفظی تحقیق: كَلٰلَة: ضعیف اور کمزور۔ یہاں مراد ایسا شخص ہے جس کا نہ باپ دادا ہو نہ بیٹا بیٹی،

فقط بھائی یا بہن ہوں یا بھائی بہن دونوں ہوں۔ تَضِلُّوْا: تم گمراہ ہو۔ یہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ کہیں تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔

تفسیر

اس آیت میں اس سوال کا جواب ہے کہ اگر میت کے نہ ماں باپ ہوں نہ بیٹا بیٹی مگر سگے یا سوتیلے (صرف باپ شریک) بہن بھائی دونوں ہوں یا صرف سوتیلا بھائی ہو (صرف باپ شریک) یا صرف سوتیلی بہن ہو (صرف باپ شریک) تو انہیں کیا حصہ ملے گا؟

اگر میت کا وارث بھائی بہن کے علاوہ کوئی نہ ہو تو ان کو میراث مندرجہ ذیل طریقہ سے ملے گی۔

(۱)..... اگر وارث کی صرف ایک بہن ہو تو اس کو مرنے والے بھائی کے مال میں سے آدھا مال ملے گا۔

(۲).... اگر بھائی نے دو یا دو سے زیادہ بہنیں چھوڑیں تو ان دونوں کو دو تہائی (۲/۳) مال ملے گا۔

(۳).... اگر بہن مر گئی وارث صرف بھائی ہے تو بھائی، بہن کے سارے مال کا وارث ہو جائے گا۔

(۴).... اگر بہت سے بھائی بہن ملے جلے وارث ہیں تو سارا مال ان میں حساب سے بٹ جائے گا کہ مرد کا حصہ عورت کے حصہ سے دوگنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ایسے نکتے کھول کھول کر اس لئے بیان فرماتے ہیں کہ وقت پر تم پریشان نہ ہو اور راہ سے بھٹک نہ جاؤ۔

"سورۃ النساء" پر ایک نظر

اس سورۃ میں زیادہ تر عورتوں کے حقوق کا بیان ہے، یتیموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا ذکر ہے، منافقوں کی نامناسب کرتوتوں کو ظاہر کیا گیا ہے، میراث کے بانٹنے کے قاعدے بیان کیے گئے ہیں، یہودیوں اور عیسائیوں کے غلط عقیدوں کو بتا کر ان کو درست کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، یہ باتیں اس سورۃ میں کیوں ہیں؟ اس بات کو سمجھنے کیلئے ذیل کی باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

"سورۃ النساء" پیغمبر ﷺ کے مدینہ تشریف لے جانے کے بعد ۴ھ میں اتری، اس سے

پہلے ۲ سنہ ھ میں بدر کی لڑائی ہو چکی تھی جس میں مسلمانوں کو کافروں پر پوری طرح کامیابی ملی، پھر ۳ سنہ ھ میں مکہ کے لوگ مدینہ پر چڑھ آئے اور مسلمان مدینہ سے باہر اُحد کے مقام پر آ کر ان کے مقابلے کیلئے جمع ہوئے، لڑائی ہوئی اور پہلے مسلمانوں کو کامیابی ہوئی اس کے بعد بعض لوگوں کی غلطی سے یہ کامیابی ناکامی میں بدل گئی، بہت سے مسلمان شہید ہو گئے، ان کی اولاد یتیم ہوگئی، ان کی بیویاں بیوہ ہوگئیں، اس لڑائی کا ذکر اس سے پہلے ''سورۂ آل عمران'' میں آ چکا ہے۔

اُحد کی اس لڑائی میں منافقوں نے بہت ستایا، لڑائی سے پہلے ہی اپنے آدمیوں کو لے کر مسلمانوں سے الگ ہو گئے، پھر بھی مسلمانوں کو کامیابی ہوئی، لیکن ذراسی غلطی سے پانسہ پلٹ گیا، بہت سے مسلمان شہید ہو گئے، یہ سارا نقصان اس لئے اٹھانا پڑا کہ بعض لوگوں نے اپنی رائے کو دخل دے کر درہ چھوڑ دیا تھا، پھر یہ سورۃ اتری، اور لڑائی میں جو بچے یتیم ہو گئے تھے ان کی جان و مال کی حفاظت کی تاکید کی گئی اور عورتوں کے حقوق کی پامالی کا علاج کیا گیا اور جو بے انصافیاں ان کے ساتھ کی جاتی تھیں یا جن بے انصافیوں کے کیے جانے کا خطرہ تھا ان سب سے بچنے کی ہدایت کی گئی، جو لوگ وفات پا چکے تھے ان کے پیچھے چھوڑے ہوئے مال کو تقسیم کرنے کے قائدے بتائے گئے۔

منافقوں کے طرز عمل سے لڑائی میں بہت نقصان پہنچ چکا تھا، ان کی سازشوں اور چالوں کا بھانڈا پھوڑا گیا اور ان سے خبردار رہنے کی تاکید کی گئی۔

مسلمانوں کی اس لڑائی میں ناکامی کی وجہ سے یہودی بھی کھل کر سامنے آ گئے تھے اور مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا، انہوں نے آپس کے عہد توڑ ڈالے اور یہاں تک گستاخ ہو گئے کہ مکہ کے کافروں کے طریقے کو اسلام سے بہتر کہنے لگے، اس سورۃ میں یہودیوں کی شرارتوں کی برائی بتائی گئی ہے اور مسلمانوں کو ان سے ہوشیار رہنے کیلئے کہا گیا ہے اور یہودیوں اور عیسائیوں کے غلط عقیدوں کی اصلاح کی گئی، آخر میں ایمان اور نیک عمل کے اجر و ثواب کا ذکر فرماتے ہوئے میراث کے بقیہ مسئلوں کے ذکر پر سورۃ ختم ہوئی۔

تمت بالخیر

دفتر ریسرچ اینڈ رجسٹریشن آفیسر اوقاف

(حکومتِ سندھ)

جامع مسجد آرام باغ۔ کراچی

فون نمبر: 021-9933 2012 | موبائل: 0300-3311811

نشانِ تجاریہ: - آر۔آر۔او (اوقاف) A-64/2017 | مورخہ 28/9/2017

RESEARCH & REGISTRATION OFFICER
MUFTI MUNEER AHMED TARIQ
AUQAF DEPARTMENT GOVT. OF SINDH

تصدیق نامہ

میں نے مکتبہ ربانیہ کراچی کے مطبوعہ قرآن پاک مترجم بنام: آسان تفسیر القرآن مکمل (۱۰ جلدیں)، تالیف وترتیب حضرت مولانا مفتی اصغر علی ربانی صاحب مدظلہم کے عربی متن کو بغور پڑھا اور اسکے تمام حروف واعراب (زبر، زیر، پیش وغیرہ) کی پروف ریڈنگ اپنی زیرِ نگرانی کروائی ہے۔

الحمدللہ! بہت معیاری اور صحیح کتابت کرائی گئی ہے۔ تصدیق کی جاتی ہے کہ مذکورہ بالا قرآن پاک (اردو مترجم) آسان تفسیر القرآن (۱۰ جلدیں) تمام اغلاط سے پاک اور مبرا ہے۔ ان شاءاللہ

المصدق

مولانا مفتی منیر احمد طارق

ریسرچ ورجسٹریشن آفیسر اوقاف

حکومت سندھ
مفتی منیر احمد طارق
ریسرچ ورجسٹریشن آفیسر
محکمہ اوقاف سندھ کراچی

مکتبہ ربانیہ کراچی
ISLAMIC STUDIES PUBLISHERS